بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

مئی 2017

MAY 2017

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اگر چاہیئے نُور تو لگائیے نُور!

نُور

ہربل
بیوٹی کریم
بیوٹی سوپ

Noor

Noor
FACE WASH

Noor

Noor

ایوا کاڈو اور
ایلو ویرا
کے ساتھ

فلمسٹار نور

A PRODUCT OF
BLACK ROSE
White Rose
COSMETICS

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

بانی و مدیر اعلیٰ — محمود ریاض

مدیرہ — رضیہ جمیل

مدیر منتظم — آذر ریاض

مدیرِ اعزازی — امتُ الصبور

فیلڈ کی وزن — شاہین رشید

اشتہارات — خالدہ جیلانی

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ شعاع

37 - اردو بازار، کراچی

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 700 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 6000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 7000 روپے

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

محترم قارئین

اگر آپ کو ہماری یہ کتاب اچھی لگے تو ہماری حوصلہ افزائی کے لیے

Google پر جا کر Urdu Novels سرچ کر کے ہماری ویب سائٹ

www.urdusoftbooks.com کو ایک مرتبہ وِزٹ کر لیں

اگر آپ کو ہماری ویب سائٹ Google کے پہلے پیج پر نظر نہ آئے تو

دوسرے یا تیسرے پیج پر چیک کر لیں،

وہاں آپ کو مزید اچھی کُتب ڈاؤن لوڈ کرنے کو ملیں گی۔ شُکریہ

Google | Urdu Novels

Web | Images | Books | Videos | News | More | Search tools

Page 2 of about 17,100,000 results (0.24 seconds)

Urdu Novels Archives - Download Free Pdf Books
pdfbooksfree.pk/category/urdu-novels/
Ambar Naag Maira Maut Ka Taaqub Ki Wapsi series contains 100 complete **novels**. All **novels** of this series promote amazing historical fiction stories for [...].

Urdu Novels | Urdu Writers - aanchalpk.com - Aanchal Magazine
www.aanchalpk.com/urdu-novels.html
Urdu Novels reading online and also reading aricles urdu stories novels for all the pakistani and indian womens all the collection of your favourite urdu writes ...

→ Urdu Novels | Urdu Books and Urdu Novels - Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com/2017/03/urdu-novels.html
When we talk about novels, it has sequential and global history of about two thousand years. Lot of unfold stories are available to read and explore. **Urdu novels** ...

Hasil By Umera Ahmed - Urdu Novels Online
www.urdunovelsonline.com/2014/09/hasil-by-umera-ahmed/
Sep 15, 2014 - Read **Urdu Novel** Online Hasil By Umera Ahmed. ... Latest Novels : Main Kisi Ka Husn e Khyal Hun **Urdu Novel** By Sonia Chaudhary05/03/ ...

پہلی شعاع، رضیہ جمیل 10

حمد، نعمان فاروق 11

نعت، افضال عاجز 11

نبی کی باتیں، ادارہ 12

یاد محمود ریاض

بہت شکریہ، سائرہ رضا 24

انٹرویو

بندھن، شگفتہ بھٹی 28

دستک، شاہین رشید 277

جب تجھ سے ناتا، ص۔ب 17

ناول

شہرزاد، صائمہ اکرم 34

خواب شیشے کا، عفت سحر طاہر 198

رقص بسمل، نبیلہ عزیز 248

مکمل ناول

رقصم، ایمل رضا 104

کوئی عشق وقت غروب، فرزانہ کھرل 146

ناولٹ

مکڑی اور مکھی کا کھیل، سعدیہ حمید 84

آنچل میں چاند، اسما فاروق 214

افسانے

یار کبھی، عطیہ خالد 67

لیلیٰ مجنوں، امت العزیز 76

کلک، نعیمہ ناز 100

پرائی محبت، شازیہ الطاف 138

بٹوہ، فرح بخاری 234

منی پلانٹ، صبا نسرین 242

نظمیں غزلیں

غزل، عبیداللہ علیم 261

نظم، حمیدہ شاہین 261

غزل، نثار ترابی 260

غزل، امین راحت چغتائی 260

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلے کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مستقل سلسلے

عنوان	مصنف	صفحہ
خط آپ کے	رضیہ جمیل	268
مسکراہٹیں	ادارہ	262
آئینہ خانے میں	واصفہ سہیل	285
یادوں سے خوشبو آئے	شگفتہ جاہ	264
کھلتا کسی پہ	خالدہ جیلانی	267
تاریخ کے جھروکے	امت الصبور	281
موسم کے پکوان	خالدہ جیلانی	288
خوبصورت بنیے	ادارہ	290

مئی 2017
جلد 31 شمارہ 9
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔
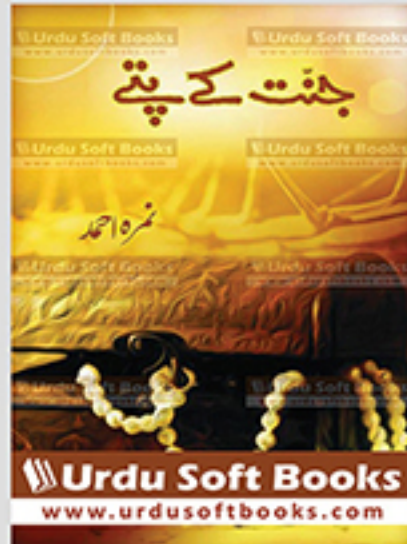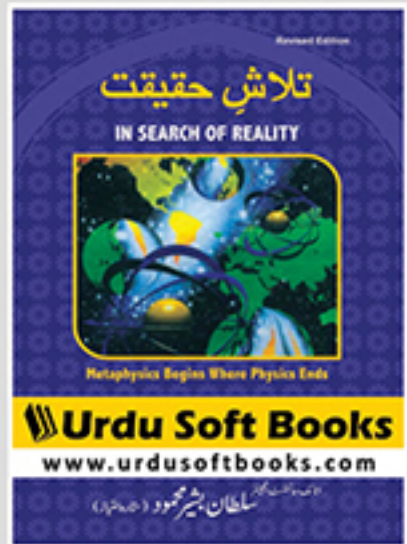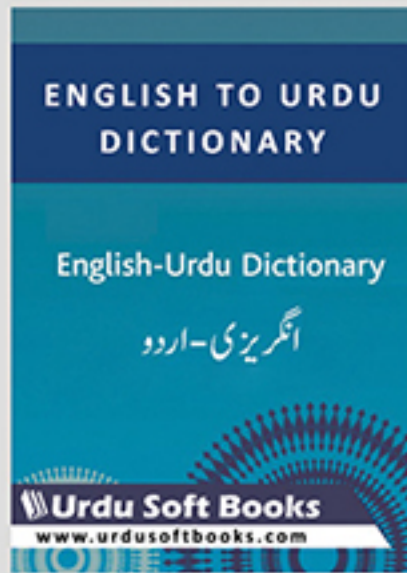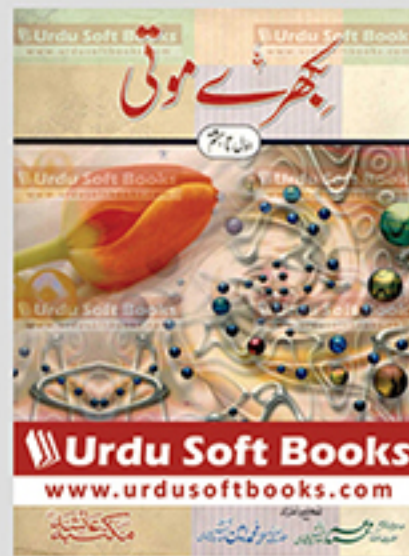
رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - مقام: ۲۱۔بی ۱۲ بی آر سی ایچ ایس سوسائٹی، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

URDUSOFTBOOKS.COM
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

رخسانہ نگار

ابتدا ہے اس کی نام سے
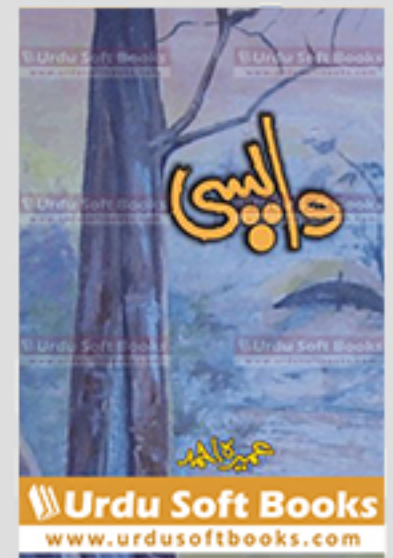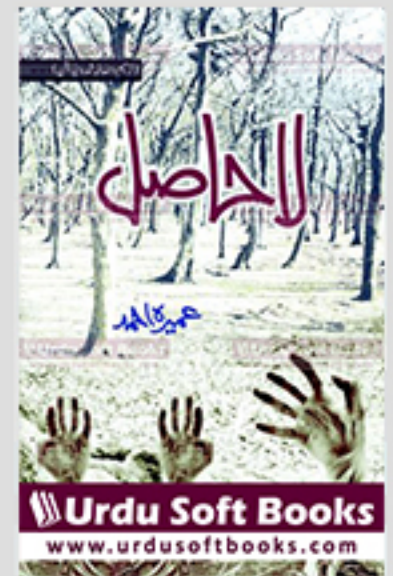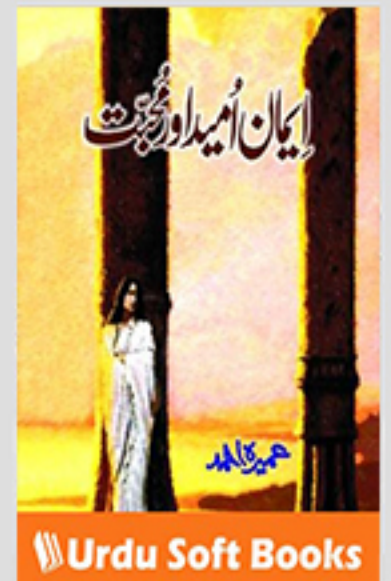
شعاع مئی کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔

اس کائنات کی اساس محبت ہے — محبت قلبی تعلق کا نام ہے — قلبی تعلق میں ملاقات ضروری نہیں لیکن ملاقات کی خواہش ضرور ہوتی ہے۔

ربّ کائنات کی محبوب ترین ہستی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو افلاک کی سیر کروائی۔ اپنے قرب سے نوازا اور اپنے محبوب پر رحمتوں کے دروازے کھول دیے۔ یہ صرف محبوب اور محب کی ملاقات نہ تھی بلکہ دنیا والوں پر یہ ظاہر کرنا بھی مقصود تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عظمت اور فضیلت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں۔ وہ مقام جہاں فرشتوں کے پر جلتے ہیں، رسول اللہ علیہ وسلم کا شرف ہے کہ آپ وہاں تک پہنچے۔ معراج کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو اعزاز تھا ہی، امت مسلمہ کے لیے بھی اعزاز ہے کہ ان کے پیغمبر کو یہ شرف بخشا گیا جو آج تک کائنات کے کسی انسان کے حصے میں نہیں آیا اور قیامت تک کسی بشر کے حصے میں نہیں آئے گا۔

محمود ریاض صاحب کی برسی،

کچھ لوگ زندگی کے سفر میں ہمارے ساتھ نہ ہوں تب بھی ان کی ہمراہی کا احساس ہمارے ساتھ چلتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کچھ ایسے کام کر جاتے ہیں جو ان کے جانے کے بعد بھی روشنی پھیلاتے رہتے ہیں۔

ریاض صاحب ایسی ہی ہستی تھے۔ انہوں نے کتنے ہی نوآموز لکھاریوں کے الفاظ کو معنویت بخشی۔ ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے اور انہیں اس مقام تک پہنچانے میں خواتین اور شعاع جیسا پلیٹ فارم مہیا کیا اور گھر کی چار دیواری میں رہنے والی خواتین کو باہر کی دنیا سے روشناس کرایا۔ مثبت سمت کی جانب ان کی رہنمائی کی۔

10 مئی کو ریاض صاحب کی برسی کے موقع پر قارئین سے ان کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اس شمارے میں،

- رقص — ایمل رضا کا ناول،
- کوئی عشق وقت عزوب سا — فرزانہ کھرل کا ناول،
- سعدیہ چوہدری اور اسماء فاروق کے ناولٹ،
- رقص بسمل — نبیلہ عزیز کے ناول کی آخری قسط،
- صائمہ اکرم اور عفت سحر طاہر کے ناول،
- عطیہ خالد، امت العزیز شہزاد، نعیمہ ناز، شازیہ الطاف ہاشمی، فرح بخاری اور صبا انسرین کے افسانے،
- بند من — مشہور مصنفہ، ڈرامانگار شگفتہ بھٹی سے ملاقات،
- دستک — معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ،
- جب مجھ سے ناتا جوڑا ہے — قارئین کے تجربات،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں — احادیث کا سلسلہ،
- خط آپ کے، آئینہ خانے میں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

ہمیں بجا طور پر اپنی قارئین کی ذہانت پر فخر ہے۔ آپ کے خطوط اس کا ثبوت ہیں۔ ہمیں خط ضرور لکھیے گا۔ منتظر ہیں۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

خاموشی ہو یا ہو بات
سب پر ظاہر تیری ذات

تیرے ہی دم سے میں ہوں
ورنہ کیا میری اوقات

تیری وحدت کی ہے گواہ
تیری ساری کائنات

میں ادنیٰ سا حمد گزار
تیری اعلیٰ ذات صفات

میرے من کے صحرا پر
تیرے کرم کی ہو برسات

وہ باطل سے کیوں گھبرائے
سنگ ہو جس کے تیری ذات

در پر بیٹھا ہے نعمانؔ
دے دو اس کو بھی خیرات

نعمان فاروق

اُڑا کے لے جا مجھے اے ہوا مدینے میں
میری حیات کا ہے مدّعا مدینے میں

مرے جنوں کی ہوئی انتہا مدینے میں
کہ پھر رہا ہوں دریدہ قبا مدینے میں

نہیں ہے فکر کوئی اب گناہگاروں کو
شفاعتوں کا ہے اک آسرا مدینے میں

ابھی تو ذکرِ سفر تھا زباں ہوئی گُم صُم
میں کس طرح سے کروں گا ثنا مدینے میں

یہ چاند بھی ہے اُسی نقشِ پا کا اک ذرّہ
ہیں جس کے عکس سجے جا بجا مدینے میں

ہیں جس کے سامنے خورشید و ماہ بھی مدھم
ہے رحمتوں کا وہ روشن دیا مدینے میں

نہیں ہے فکر مجھے روزِ حشر کی عاجزؔ
مرے لیے ہیں شہہ دوسرا مدینے میں

افضال عاجز

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ادارہ

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں

ارباب اختیار کو اپنی رعیت کے ساتھ نرمی کا حکم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اپنے پیروکار مومنوں کے لیے اپنے بازو پست رکھ۔" (یعنی ان سے تواضع سے پیش آ۔)

(الشعراء 215)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے، احسان کرنے اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی، منکرات اور ظلم و زیادتی کرنے سے منع فرماتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔"

(النحل۔ 90)

ذمہ دار

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"تم سب ذمہ دار ہو اور تم سب سے اپنی رعیت (ماتحتوں) کے بارے میں پوچھا جائے گا: امام ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت (اہل خانہ) کی بابت سوال ہو گا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ تم میں سے ہر ایک (اپنے اپنے معاملات کا) ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت (معاملے) کے بارے میں پوچھا جائے گا۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ:۔

ارباب اختیار کی جو ذمہ داری بتائی گئی ہے، اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو عنداللہ مجرم ہوں گے جس کی باز پرس روز قیامت ان سے ہو گی۔

دھوکا

حضرت ابو یعلی معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"اللہ تعالیٰ کسی رعیت کی رکھوالی جس آدمی کے سپرد کر دے اور وہ انہیں دھوکا دیتے ہوئے مر جائے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی۔" (بخاری و مسلم)

ایک اور روایت میں ہے کہ "اس نے خیر خواہی کے ساتھ ان کے حقوق کی حفاظت نہیں کی وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔"

حاکم کی کوتاہی

مسلم کی ایک اور روایت میں ہے "جو حاکم بھی مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار بنے، پھر وہ ان کے مسائل کے حل کے لیے بھرپور کوشش اور ان کی خیر خواہی نہ کرے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں نہیں جائے گا۔"

فائدہ:

اس میں حکمرانوں کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ بہت ہی اہم منصب ہے۔ لاکھوں کروڑوں انسانوں کے مسائل و معاملات کے وہ ذمہ دار ہیں۔ اگر وہ پوری توجہ، ہمت اور خیر خواہی سے ان کے مسائل حل نہیں کریں گے تو اللہ کے ہاں وہ

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مجرم ہوں گے۔ ان کی رعایا تو اپنے ایمان و عمل کی بدولت جنت میں چلی جائے گی لیکن یہ اس سے محروم رہ جائیں گے۔ اس لیے حکمران اقتدار کے نشے میں بدمست اور عوام کے معاملات سے غافل نہ ہوں بلکہ عنداللہ جواب دہی کے احساس سے سرشار ہو کر انہیں عدل و انصاف اور امن و سکون مہیا کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔

نرمی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس گھر میں فرماتے ہوئے سنا۔

"اے اللہ! جو شخص بھی میری امت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنے، پھر وہ انہیں مشقت میں ڈالے تو تو بھی اس پر سختی فرما۔ اور جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنے، پھر وہ ان کے ساتھ نرمی کرے تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی فرما۔" (مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ کتنا خوش نصیب ہے وہ حکمران جو عوام کو عدل و انصاف مہیا کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے خاص کا مستحق بن جائے اور اسی حساب سے کتنا بدنصیب ہے وہ حکمران جو عوام کے ساتھ ناانصافی کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعاؤں کا مستحق بنالے۔

2۔ اس میں عدل و انصاف سے حکمرانی کرنے کی ترغیب اور عوام پر ظلم و زیادتی سے اجتناب کرنے کی تاکید ہے۔

3۔ اس میں حکمرانوں کے ماتحت افسر بھی آجاتے ہیں کہ ان سے بھی اس کی بازپرس ہوگی، نیز ہر ذمہ دار جس کے ماتحت افراد ہوں، اسے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا چاہیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بنی اسرائیل کی سیاست ان کے پیغمبر کرتے تھے۔ جب ایک پیغمبر فوت ہو جاتا تو اس کا جانشین دوسرا پیغمبر بن جاتا۔ اور (یاد رکھو!) میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں، میرے بعد خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔" صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! پس آپ ہمیں کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس سے پہلے بیعت کرو، اسے پورا کرو، پھر اس کے بعد والے سے بیعت کرو، پھر انہیں ان کا حق دو اور تمہارے اپنے جو حقوق ہیں، ان کا سوال اللہ سے کرو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بابت، جن کا انہیں والی بنائے گا، خود ہی ان سے پوچھ لے گا۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ سیاست بری چیز نہیں۔ اگر بری ہوتی تو انبیاء سیاست نہ کرتے۔ انبیاء کی سیاست کرنے کا مطلب ہے جہاں بانی اور حکومتی معاملات بھی ان ہی کے سپرد ہوتے تھے۔ یعنی دین اور دنیا، دونوں امور کے ذمہ دار انبیاء علیہ السلام ہوتے تھے۔ دین اور دنیا کے درمیان تفریق نہیں، یکجائی تھی، جیسے خلافت راشدہ اور اس کے کچھ عرصے بعد تک اسلام میں یہ صورت رہی۔ اس لیے ایک نبی کی وفات کے بعد دوسرا نبی آجاتا اور اس کا جانشین بن جاتا، جیسے حکمرانی کے منصب میں ہوتا ہے۔ ایک کے بعد کوئی دوسرا حکمران بن جاتا ہے۔

2۔ اس میں ختم نبوت کا مسئلہ بھی واضح فرمادیا گیا ہے "کہ اب میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا" البتہ خلفاء ہوں گے" اور دعویداران خلافت زیادہ ہوں تو اس کا حل بھی بیان فرمادیا کہ پہلے خلیفہ کی بیعت پوری کرو۔ اس کی موجودگی میں کسی دوسرے مدعی "خلافت کی طرف توجہ مت دو۔

3۔ حکمرانوں کی کوتاہیوں کا حل بھی تجویز فرمادیا اور وہ ان کے خلاف بغاوت اور احتجاجی مظاہرے نہیں بلکہ

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

انتظامی معاملات میں ان کی اطاعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اس کی بارگاہ میں دعا کرنا ہے۔

بدترین حاکم

حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس گئے اور ان سے کہا۔
"اے بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "بدترین حاکم" رعایا پر ظلم کرنے والے ہیں لہٰذا تو اس سے بچ کہ تو ان میں سے ہو۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ:

الحطمہ ایسے چرواہے کو کہتے ہیں جو اپنے ریوڑ کو نہایت سختی کے ساتھ ہانکتا اور اندھا دھند ان پر لاٹھی برساتا ہے جس سے وہ ایک دوسرے کے اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ یہاں ایسے حکمران کے لیے اس کا استعمال کیا گیا ہے جو لوگوں پر ظلم کرتا ہے، ان پر نرمی نہیں کرتا۔ اس میں ظالم حکمرانوں کے لیے وعید اور سخت تنبیہہ ہے۔

حاجت روائی

حضرت ابو مریم ازدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا، آپ فرماتے تھے۔

"جسے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے کچھ امور کا والی بنائے اور وہ ان کی ضرورتوں، حاجتوں اور فقر کے درمیان آڑے آجائے (یعنی انہیں پورا نہ کرے) تو اللہ تعالیٰ بھی روز قیامت اس کی حاجت و ضرورت اور فقر کے درمیان آڑے آجائے گا۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے (یہ حدیث سن کر) ایک آدمی کو لوگوں کی حاجات معلوم کرنے کے لیے مقرر فرمادیا۔ (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل:

1۔ آڑے آنے کا مطلب ہے کہ حکمران اہل حاجات کو اپنے تک پہنچنے نہ دے اور خود ان کے مسائل و معاملات پر توجہ نہ دے۔

2۔ اللہ کے آڑے آنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ بھی روز قیامت اس کی کوئی پروا نہیں کرے گا جب کہ انسان اس روز اللہ کی رحمت کا سب سے زیادہ محتاج ہو گا۔

3۔ اس میں ایسے حکمرانوں کے لیے سخت وعید ہے جو ضرورت مند عوام سے براہ راست رابطہ نہیں رکھتے اور نہ انہیں اپنے دروازوں تک آنے دیتے ہیں۔

انصاف کرنے والے حکمران

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
"بے شک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔" (النحل-90)
اور فرمایا "اور تم انصاف کرو" یقیناً "اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔" (الحجرات-9)

اللہ کا سایہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"سات آدمی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہو گا۔ انصاف کرنے والا حکمران۔ وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھے۔ وہ آدمی جس کا دل مسجدوں میں اٹکا رہتا ہو۔ وہ دو آدمی جو اللہ کی رضا کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اسی کی وجہ سے باہم جمع ہوتے اور اسی پر ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ وہ آدمی جسے معزز اور خوبرو عورت دعوت گناہ دے اور وہ کہہ دے میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔ وہ آدمی جو اس طرح خفیہ صدقہ دے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی یہ علم نہ ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے (اس کے خوف سے) آنسو رواں ہو جائیں۔" (بخاری و مسلم)

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

انصاف کرنے والے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بے شک انصاف کرنے والے اللہ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے۔ (یعنی) وہ لوگ جو اپنے حکم میں، اپنے گھر والوں کے بارے میں اور ان کاموں میں جو ان کے سپرد ہیں، انصاف کا اہتمام کرتے ہیں۔" (مسلم)

فائدہ : نور کے منبر کس طرح ہوں گے؟ اس کی اصل حقیقت سے گو ہم واقف نہیں ہیں، تاہم اس کی حقیقت پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور یہ بھی کہ یہ لوگ یقیناً عرش یا رحمت الٰہی کے سائے تلے ہوں گے جبکہ لوگ پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ اس میں عدل و انصاف کی فضیلت اور انصاف کرنے والوں کا مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔

بہترین اور بدترین

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ۔

"تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے حق میں دعائے خیر کرو اور وہ تمہارے حق میں دعائے خیر کریں۔ اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جنہیں تم ناپسند کرو اور وہ تمہیں ناپسند کریں، تم ان پر لعنت کرو، وہ تم پر لعنت کریں۔"

راوی بیان کرتا ہے کہ ہم نے کہا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم ان کی بیعت توڑ کر ان کے خلاف بغاوت نہ کریں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "نہیں، جب تک وہ تمہارے اندر نماز قائم کرتے رہیں۔ نہیں، جب تک وہ تمہارے اندر نماز قائم کرتے رہیں۔" (مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ اس میں دونوں قسم کے حکمرانوں کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ ایک وہ حکمران جو عوام کے خیر خواہ اور انہیں عدل و انصاف مہیا کرنے والے ہیں۔ یہ بہترین حکمران ہیں۔ ان کے لیے عوام دعائیں کرتے ہیں اور عوام کے لیے کرتے ہیں۔ اور دوسرے بدترین حکمران، جنہیں صرف اپنے اقتدار اور مفادات سے غرض ہوتی ہے۔ عوام کو عدل و انصاف مہیا کرنے اور ان کی مشکلات حل کرنے سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، سب لوگ ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اس میں بھی حکمرانوں کو دراصل عدل و انصاف کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ عنداللہ و عندالناس محبوب بننے کا یہی طریقہ ہے۔

2۔ ظالم حکمران بھی جب تک کفر صریح کا ارتکاب نہ کریں اور شعائر اسلام بالخصوص نماز کی پابندی کریں، ان کے خلاف خروج و بغاوت کی اجازت نہیں کیونکہ بغاوت میں فائدہ موہوم ہے جب کہ نقصان بہت زیادہ ہے۔

جنتی

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"تین قسم کے لوگ جنتی ہیں: ایک وہ حکمران جو انصاف کرنے والا اور اعمال خیر کی توفیق سے بہرہ ور ہو۔ دوسرا وہ آدمی جو ہر مسلمان اور رشتہ دار کے لیے مہربان اور نرم دل ہو۔ تیسرا مانگنے سے گریزاں وہ شخص جو عیال دار ہونے کے باوجود سوال سے بچنے والا ہو۔" (مسلم)

فائدہ :

یہ تینوں مذکورہ صفات اہل ایمان کی خاص صفات ہیں جو ایک مومن کو جنت میں لے جانے کا باعث ہیں۔ ہر مومن کو ان صفات حسنہ سے آراستہ ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔

URDU SOFT BOOKS DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

حکمرانوں کی اطاعت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جو تمہارے حکمران ہیں۔" (النساء 59)

فوائد و مسائل: اللہ اور رسول دونوں کے ساتھ لفظ اطاعت کے ذکر سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ان دونوں کی اطاعت مستقل بالذات ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنا واجب ہے جبکہ مسلمان حکمرانوں کی اطاعت مستقل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے۔ اس لیے ان کا جو حکم قرآن و حدیث کے موافق ہوگا' اس میں ان کی اطاعت لازم اور جو حکم ان کے مخالف ہوگا اس کی اطاعت غیر لازم ہوگی۔

فرض

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"مسلمان مرد پر (اپنے مسلمان حکمران کی بات) سننا اور ماننا فرض ہے' وہ بات اسے پسند ہو یا ناپسند' مگر یہ کہ اسے گناہ کرنے کا حکم دیا جائے۔ چنانچہ جب اسے اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر اس پر سننا اور ماننا فرض نہیں (بلکہ انکار کرنا ضروری ہے۔) (بخاری و مسلم)

فائدہ:

اس میں مسلمانوں کے لیے مسلم حکمرانوں کی اطاعت کی حدود واضح کردی گئی ہیں۔ مسلم حکمرانوں کی عزت اسی میں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات سے انحراف نہ کریں' ورنہ وہ اخروی عذاب کے علاوہ دنیوی ذلت سے بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔

بیعت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کرتے تھے کہ ہم آپ کی بات سنیں گے اور مانیں گے تو آپ فرماتے تھے۔

"ان چیزوں میں جن کی تم طاقت رکھتے ہو۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلم حکمران کی اطاعت کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ اس کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مخالف نہ ہو وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عوام کی طاقت سے بالا نہ ہو۔ اگر ایسا ہوگا تو اس کی اطاعت بھی ضروری نہیں ہوگی۔

2۔ اس میں حکمرانوں کے لیے تنبیہہ ہے کہ وہ عوام کو ایسی مشقت میں نہ ڈالیں کہ جس کا اٹھانا ان کے لیے مشکل ہو' جیسے فی زمانہ ناروا قسم کے ٹیکس اور بوجھ ڈالے جارہے ہیں اور پابندیاں عائد کی جارہی ہیں۔

حکمران

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"(حکمرانوں کی بات) سنو اور اطاعت کرو' اگرچہ تم پر کسی حبشی غلام ہی کو حاکم مقرر کردیا جائے گویا کہ اس کا سر انگور ہے۔" (یعنی انگور کی طرح چھوٹا سا ہے' جس سے انسان بڑا عجیب سا لگتا ہے۔) (بخاری)

فائدہ:

غلام کو اور وہ بھی سیاہ فام اور چھوٹے سے سر کا ہو' کوئی بھی احترام کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ لیکن حدیث میں اس کی مثال دی گئی ہے۔ جس سے مقصود' اطاعت امیر کی تاکید ہے' چاہے اس کا رنگ کیسا ہی ہو اور وہ کسی بھی جنس اور نسل سے تعلق رکھتا ہو بشرطیکہ اس کا حکم قرآن و حدیث کے مخالف نہ ہو۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

ص۔ ب

25 سال سے آپ کی خاموش قاری ہوں، پہلی بار اپنے رسالے کی کسی محفل میں شرکت کر رہی ہوں۔ آپ کا یہ سلسلہ بہت اچھا لگا اور سچا لگا اسی لیے دل کیا کہ شادی کے 15 سال بعد میں بھی اپنی زندگی کی کہانی تھوڑی بہت اپنی تمام قاری بہنوں سے شیئر کروں، ویسے تو دو صفحوں میں یہ ساری روداد' دریا کو کوزے میں بند کرنا ہی ہے، لیکن چلیں کر کے دیکھتے ہیں۔

س "شادی کب ہوئی؟"

ج "4 نومبر 2001ء اور کافی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔"

س "شادی سے پہلے کے مشاغل؟"

ج "ہم دو بہنیں' دو بھائی ہیں۔ میں سب سے بڑی ہوں۔ ابو باہر ہوتے تھے۔ ہم نے دادا ابو' دادی اماں کے ساتھ' چاچو' چاچی اور ان کے بچوں کے ساتھ اچھی لائف گزاری۔ جیسی مڈل کلاس والوں کی ہوتی ہے۔ امی سے چھپ کر رسالے پڑھنا' چھپ کر الف لیلیٰ دیکھنا' امی سے کوکنگ اور سلائی سیکھنا' کزنز کے ساتھ مزے کرنا۔ غرض شکر خدا کا مزے کی لائف گزاری۔ کچھ سال ماٹھے حالات بھی آئے' لیکن شکر گزاری کے ساتھ امی' ابو کا ساتھ دیتے گزارے۔ بی اے سائیکالوجی کیا اور اس کے ساتھ ہی شادی۔"

س "رشتے میں مرضی؟"

ج "ہاں بھئی۔ مرضی تھی تو ہی شادی ہو گئی۔ ماں' باپ نے مرضی پوچھ کر ہاں کی تھی۔ باقی تفصیل آپ کے اگلے سوالوں کے جواب میں ہو گی۔"

س "جیون ساتھی کے حوالے سے تصور؟"

ج "جی یوں تو ٹین ایج خوابوں خیالوں اور آئیڈیل کی ہوتی ہے۔ ہم دوستیں بھی بیٹھ کر فوجیوں کی باتیں کرتے تھے۔ مشرف کے مارشل لاء کے دور میں ہمارے آس پاس فوجی پھرتے اور ہم ان کو دیکھ دیکھ کر آہیں بھرتے تھے۔ لیکن یار' میرے ایک ماموں جو میرے دوست بھی تھے' وہ مجھے کہتے تھے کہ تم ہو تو خوابوں میں رہنے والی' لیکن عمل تم حقیقت پسندانہ کرتی ہو۔ تو میں کہتی تھی۔ ماموں! ہمارے اس گاؤں میں کون سا فوجی یا ڈاکٹر آجانا ہے۔ ہماری ایک نارمل سی فیملی ہے۔ دور' دور تک فوجی نہیں ہے۔ اس لیے جلد ہی خوابوں سے واپسی ہو جاتی تھی۔

اور جن سے میری شادی ہوئی۔ اصل میں یہ میرے امی اور ابو کے کزن تھے اور یہ مجھے آٹھویں کلاس سے پسند کرتے تھے۔ (میری آٹھویں کلاس) کیونکہ یہ مجھ سے آٹھ سال بڑے تھے اور میٹرک پاس تھے اور جب میں نے بی اے کیا تب تک یہ میرا چار بار رشتہ مانگ چکے تھے۔ لیکن میرے گھر والے نہیں مانتے تھے' کیونکہ ان کی تعلیم کم تھی اور یہ لکڑی کا کام کرتے تھے۔ اپنا کاروبار تھا۔ لیکن جوڑے تو آسمان پر ہی بنتے ہیں۔

اسی لیے جب انہوں نے بی اے کے بعد پھر سوال کیا تو امی' ابو نے سوچا کہ اپنے ہیں' پیار بھی کرتے ہیں۔ میری ایک سگی خالہ میری جٹھانی ہوں گی۔ بس اپنوں کو دیکھ کر امی نے ہاں کر دی کیونکہ امی بھی اپنے خاندان کی پسندیدہ بہو ہیں۔ میری ساس یعنی ان کی چچی جان میں بہت پیار تھا تو خاندانی پیار نے اپنا آپ منوا ہی لیا اور ہاں ہو گئی۔

Monthly Shuaa May 2017
URDUSOFTBOOKS.COM

س "منگنی کتنا عرصہ رہی؟"

ج "تقریباً" سال بھر۔ بی اے کے فوراً" بعد شادی ہو گئی۔ لیکن منگنی کا عرصہ اچھا گزرا انہوں نے خوب تحائف اور کارڈز بھیجے تھے۔ شادیوں یا تقریبات میں ان کا دور' دور سے دیکھنا' بہت مزا آتا تھا۔ اپنا آپ بڑا معتبر سا لگتا۔ بھئی ہم تو اسی میں خوش ہو گئے تھے کیونکہ اتنے بڑے خواب تو نہیں تھے اور یہ مجھ سے چار سال تک محبت کرتے آئے تھے۔ انہوں نے میرے بڑے ہونے کا' پڑھائی ختم ہونے کا انتظار کیا تھا اور ہم لڑکیاں تو اتنے میں ہی خوش ہو جاتی ہیں۔

اپنے بارے میں مجھے کوئی خوش فہمی نہیں تھی کہ میں کون سا حور پری ہوں۔ اسی لیے بہت خوش تھی میں۔ اور اس لیے خوش تھی کہ سسرال میں میری خالہ ہیں اور باقی جیٹھ' جٹھانیاں بھی' ماموں' آنٹیاں ہی ہیں اور واقعی سب نے بڑا پیار دیا ہے۔ کوئی خاص ٹینشن نہیں ہوئی کبھی۔"

س "شادی کے لیے قربانی؟"

ج "نہیں یار! اللہ کا شکر ہے کوئی بڑی قربانی اب تک نہیں دی۔ چھوٹی موٹی' الٹی سیدھی ٹینشن تو ہوتی ہی ہیں۔ کیونکہ میں ضرورت سے زیادہ حساس تھی' لیکن شکر ہے سسرال میں سب پیار کرتے ہیں' کیونکہ میرے ساس' سسر' میرے دادا' دادی اور باقی سب ماموں اور خالائیں ہیں۔ اپنے جیٹھ' نندوں کو آج بھی ماموں اور آنٹی ہی کہتی ہوں۔ ساس سسر کو دادا دادی ہی۔ انہوں نے خود ہی کہا کہ بھئی یہی ٹھیک ہے ہے نا مزے کی بات۔"

س "رسموں کے لین دین میں جھگڑا ہوا؟"

ج "نہیں' ظاہر ہے ان کی بھی بھانجیاں' بھتیجیاں تھیں۔ اسی لیے کسی نے برا نہیں مانا' بلکہ انہوں نے میری بہن کو لاکٹ پہنایا تھا تو میری دوسری کزنز ناراض ہو گئیں تو جب وہ گھٹنے باندھنے لگی تو انہوں نے ــــــ سارے سلامی کے پیسے آگے کر دیے کہ بیٹا جتنے لینے ہیں لے لو۔"

س "شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟"

ج "ارے بھئی ـــ بچپن سے مجھے دیکھ رہے تھے کیونکہ پاس پاس گھر تھے۔ اکٹھے ہی پلے بڑھے اور ایک بات بتاؤں جو بن روئے ڈرامے میں ارتضیٰ اور صبا کا رشتہ ہے نا' بالکل وہی ہمارا رشتہ تھا۔ انہوں نے میرے میٹرک کرنے کے بعد مجھے خود آکر کہا کہ یار میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں تو میں پہلے تو بہت ہنسی' پھر میں نے سوچا کہ اگر میں نے انکار کیا تو یہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے اور میں ان کی ناراضی افورڈ نہیں کر سکتی۔ پر میں نے پھر بھی کہا کہ آپ امی' ابو سے بات کریں۔ ان کا جو بھی فیصلہ ہو گا۔ سو اس طرح شادی ہو گئی تو انہوں نے مجھے دیکھا اور کہا کہ شکر ہے خدا کا کہ آخر کار تم مجھے مل گئیں اور تعریف دو دن بعد مکلاوے کے دن کی اور کافی ساری کی۔ اصل میں' میں بہت چھوٹی تھی نا ان سے' اٹھارہ سال کی' تو اس عمر میں بندہ ویسے ہی بڑا پیارا لگتا ہے اور معصوم بھی' تو سب نے ہی بڑی تعریف کی تھی اور منہ دکھائی میں مجھے پازیب پہنائی تھیں۔"

س "شادی کے بعد خاص تبدیلی؟"

ج "میرا خیال ہے اس سوال کا جواب ہر بہن نے خود ہی دیا ہو گا۔ مگر مجھے کچھ خاص سمجھ میں نہیں آیا اور میں نے حسب عادت اپنے میاں پلس بیسٹ فرینڈ سے رجوع کیا۔ بھئی آپ ہی بتائیں تو انہوں نے کہا کہ تم پہلے تھوڑی امیچیور ـــــ تھیں' لیکن شادی کے بعد بہت جلد ہی تم ایک میچیور' سوبر اور معتبر نظر آنے لگیں اور تم نے اپنی عمر کے ساتھ ساتھ اپنے مزاج' عادات' پسند ناپسند کو ڈھالا اور اپنے خاندان' جس میں میکہ اور سسرال دونوں ہیں' ان سے اپنا رشتہ مزید مضبوط کیا۔ اپنے بزرگوں کے ساتھ بزرگانہ اور بچوں اور کزنز کے ساتھ ان ہی کے جیسا۔ حالانکہ میری عمر ابھی صرف 34 سال ہے' لیکن میں نے ہمیشہ اپنے بڑوں کے تجربات اور ان کی نصیحتوں کو پلو سے باندھا ہے' اسی لیے شکر ہے سب سے دوستی ہے اور پیار ہے۔ اللہ

خواتین ڈائجسٹ

مئی 2017ء کے شمارے کی ایک جھلک

- "حالم" نمرہ احمد کا مکمل ناول،
- "دشت جنوں" آمنہ ریاض کا مکمل ناول،
- "عشق مجذوب" مصباح نوشین کا مکمل ناول،
- "ندامت" نادیہ احمد کا مکمل ناول،
- سمیرا حمید اور عابدہ احمد کے ناولٹ،
- قرۃ العین سکندر، قدسیہ یاسمین، ناظمہ زیدی،
ماجدہ ریحان، معصومہ اقبال اور علیہ خالد کے افسانے،

- معروف اینکر "شہزادا قبال" سے ملاقات،
- ٹی وی فنکارہ "کنزہ ہاشمی" سے باتیں،
- "حرف سادہ کو دیا اعجاز کا رنگ" مصنفین سے باتیں،
- "کرن کرن روشنی" احادیث نبوی ﷺ کا سلسلہ،
- ہمارے نام، نفسیاتی ازدواجی الجھنیں عدنان کے مشورے اور
دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

خواتین ڈائجسٹ کا مئی 2017 کا شمارہ آج ہی خرید لیں۔

ایسے ہی رکھے آمین۔ اور اپنی ذاتی تبدیلی کے بارے میں یہ کہوں گی کہ پہلے بھی سوچ سمجھ کے فیشن وغیرہ کرتی تھی اور اب بھی عمر کے حساب سے ہر چیز، ہر رشتہ ہر ذمہ داری برتتی ہوں۔"

س "کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟"

ج "بھئی۔ بات یہ ہے کہ میں سب سے چھوٹی بہو تھی۔ دھوم دھام سے شادی ہوئی تھی۔ یہ بھی لاڈلے تھے سب نے ارمان نکالے تھے اور چاروں بہوویں اکٹھی ہیں۔ دو الگ اور ہم دو امی، ابو کے ساتھ تھے۔ مگر میری ساس ابھی جوان ہیں۔ ہم سے زیادہ تو وہ ہی کام کرتی تھیں۔ میری جٹھانی نے میرے آنے کے بعد کام سنبھالا تھا۔ میری ساس آگ کے چولہے پر ناشتا کھانا خود ہی بناتی تھیں، بلکہ آج بھی۔ تو میں نے اپنے پہلے بیٹے کے ہونے تک کوئی خاص کام نہیں کیے، مجھے شوق ہی رہا کہ مجھے بھی کھانا بنانے دیں، کیونکہ مجھے سب کچھ بنانا آتا تھا، بلکہ میں چھٹی کلاس سے ہی کوکنگ اور سلائی وغیرہ کر رہی تھی اور مجھے شوق تھا پکانے اور سینے پرونے کا، مگر وہ دادی اماں (ساس) زیادہ تر خود ہی پکاتی تھیں۔ انہوں نے فری ہینڈ کبھی نہیں دیا تھا۔ سو بھئی مزے ہی تھے۔ حالانکہ میں اس بات کا بڑا دکھ کرتی کہ یار میں اتنے مزے دار کھانے پکانے والی کو کوئی آگے نہیں ہونے دیتا اور یار اگر پکاتی کبھی تو اتنا پزل ہوتی تھی کہ خراب ہو جاتا تھا۔ بس میری یہی ایک بہت بڑی کمزوری ہے کہ میں بہت ڈرتی رہتی تھی۔ اپنی ساس اور جٹھانی سے اسی لیے کبھی اپنا پرفیکٹ نہیں دے سکی۔"

س "میکے اور سسرال کے کھانوں میں فرق؟"

ج "ہاں جی اس کا جواب بھی اوپر والے سوال کے جواب کے ساتھ ہی چلے گا کہ۔۔۔ اصل میں ہماری امی نے ہمیں کچن میں فری ہینڈ دے کر سب کچھ سکھایا تھا۔ میں نے اپنی خالاؤں سے نانی اماں سے کافی کچھ پکانا سیکھا تھا اور بہت تعریفیں بھی وصول کی ہوئی تھیں۔ لیکن سسرال میں کھانا عام روایتی ہی پکتا تھا اور الٹے سیدھے تجربوں کی اجازت نہیں تھی۔ اگر کبھی کچھ بناتا تو اتنا ڈر کے کہ کچھ غلطی ہو جاتی اور ان کو باتوں کا موقع مل جاتا، لیکن میرے میاں جی جانتے تھے، کیونکہ وہ جب میرے میکے جاتے تھے تو میں ہی ان کو مزے دار ڈشز پکا کر کھلاتی تھی۔ کیونکہ میری بہن مجھ سے دس سال چھوٹی تھی اور ابھی وہ سیکھ رہی تھی، تو یہ کہتے تھے کہ مجھے پتا ہے تم اچھا کھانا پکاتی ہو۔"

س "سسرال میں کن باتوں پر تعریف ہوئی اور کن پر تنقید؟"

"ارے یار! سسرال بھی کہہ رہے ہیں اور تعریف کا لفظ بھی استعمال کر رہے ہیں۔ ویسے تو سب اپنے تھے۔ پیار کرتے تھے۔ کسی بات کی روک ٹوک نہیں تھی، مگر تعریف کرنے میں ذرا مشکل ہی تھی۔ ہاں دادی اماں (ساس) یہ ضرور کہتی تھیں کہ میرے آنے سے گھر میں رونق ہو گئی ہے، کیونکہ میری جٹھانی بہت خشک خاتون ہیں۔ زیادہ باتیں نہیں کرتی تھیں۔

اور تنقید تو ہر بات پر ہوئی، کیونکہ یہ ہر سسرال کا مسئلہ ہے کہ وہ اپنے طریقوں سے ہر کام کرنا پسند کرتے ہیں۔ لیکن شکر ہے اب ان کے طور طریقے تقریباً آ گئے ہیں، اس لیے اب حالات ٹھیک ہیں۔

س "سسرال سے وابستہ توقعات کس حد تک پوری ہوئیں؟"

ج "جی۔۔۔ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میں تھوڑی حقیقت پسند بھی تھی اور نفسیات کی طالب علم تھی، جس میں بار بار انسان کو یہی سکھایا جاتا ہے کہ اپنے ہی جیسے انسانوں سے زیادہ توقعات وابستہ نہ کریں۔ تو میں نے بہت زیادہ اور الٹی سیدھی توقعات یا امیدیں نہیں لگائیں کبھی کسی سے بھی اور دوسری بات کہ ایک ہی خاندان تھا، میں سب سے چھوٹی بھی تھی، سب کی بھانجی بھتیجی تو کوئی خاص مشکل ہوئی بھی نہیں۔ میں فضول میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر الٹی سیدھی باتیں نہیں لکھنا چاہتی۔ میں چھوٹی بہو تھی تو سب نے میرے بڑے لاڈ بھی اٹھائے، پھر خالہ پاس تھیں،

انہوں نے تو بالکل ماؤں والا کردار ادا کیا ہے۔ ہمیشہ سے اس لیے شکر ہے اللہ کا۔۔۔"

"پہلے بچے کی پیدائش؟"

"جی۔۔۔ پہلے بیٹے کی پیدائش پر بہت خوشی منائی گئی۔ 21 دن کا عقیقہ کیا۔ سارے خاندان کو بلا کر ڈھیر سارا جہیز آیا تھا۔ سب ہی خوش تھے۔ بلکہ بعد میں ایک بیٹی اور دو بیٹوں کی بار بھی اسی طرح خوشی منائی گئی۔ مٹھائیاں بانٹی گئی تھیں۔ ہمارا خاندان اس لحاظ سے بہت اچھا ہے کہ چاہے بیٹی ہو' بیٹا ہو' خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں۔ میری خالہ کے گھر چھ سال بعد بیٹا ہوا تھا۔ مگر میری ساس نے کبھی ان کو تنگ نہیں کیا' بلکہ حوصلہ بڑھاتی تھیں اور شاید اسی کے صلے میں اللہ نے ان کو دو بیٹے دیے تھے۔"

س "سسرال میں مقام؟"

ج "ہاں جی' اب آئے ہیں اصل سوال کی طرف۔ میں نے اس سلسلے میں شاید حصہ اسی لیے لیا ہے کہ یہ سوال اکثر مجھے تنگ کرتا ہے کہ یار یہ "مقام" کیا چیز ہے۔

دیکھیں جب ہم اپنے میکے میں ہوتے ہیں۔ بہن' بھائیوں میں ہمارا جو بھی نمبر ہوتا ہے' ہم سب کے لاڈلے بھی ہوتے ہیں تب ہمارا کیا مقام ہوتا (خاص کر لڑکیوں کا) ماں' باپ' بہن' بھائیوں سے ضدیں بھی ہوتی ہیں۔ لڑائیاں' ناراضیاں بھی ہوتی ہیں' لوگ آپ کو ڈی گریڈ بھی کرتے ہیں' یہاں تک کہ شادی کے بعد بھی آپ کی اپنے بہن' بھائیوں اور ماں' باپ سے ان بن ہو جاتی ہے۔ ہمارے بچوں کو ڈی گریڈ کر دیتے ہیں لیکن ہم میکے کی باتیں چپ کر کے پی جاتے ہیں۔ چھپا لیتے ہیں' مان رکھ لیتے ہیں۔ ہیں نا۔

لیکن یار جب سسرال میں مقام حاصل کرنے کی بات آتی ہے' تو ایک مقابلے بازی شروع ہو جاتی ہے' خاص کر بہوؤں میں اور یقین کریں' ہم ساس سسر کے سامنے آنے کے لیے ایسی ایسی احمقانہ' واہیات اور ایک طرح سے کمینی حرکتیں کر جاتے ہیں۔ یار' میرے حساب سے ہم عورتوں کو صرف یہ کوشش کرنی چاہیے کہ میکہ ہو یا سسرال صرف اپنی ذمہ داریاں نیک نیتی سے اور احسن طریقے سے نبھانے کی کوشش کریں' یہ مقام شقام کی دوڑ میں پڑ کے اپنے آپ کو اسٹار پلس کی عورتیں نہ بنائیں' کچھ نہیں رکھا اس مقابلے میں۔ جیسے ہم اپنے میکے کی اونچ نیچ برداشت کرتے ہیں۔ سسرال میں بھی برداشت کریں اور سسرال کا بھی پردہ رکھنا چاہیے۔ جس کا جو مقام ہوتا ہے اس کو وہی ملتا ہے۔

"میری جٹھانی نے مجھ سے شادی کے چند ماہ بعد کہا کہ تم میری جگہ لینے کی کوشش کر رہی ہو۔"

تو میں نے کہا کہ "باجی جو جگہ آپ کی ہے' وہ ہمیشہ آپ کی رہے گی اور جو میری ہے وہ میری رہے گی۔ صرف ہم اپنی نیک نیتی سے لوگوں کے دل میں جگہ بنا سکتے ہیں' کیونکہ اندر سے سارے بڑوں کو پتا ہوتا ہے۔ وہ آنکھیں اور کان رکھتے ہیں کہ کون کون سی پالیسیاں استعمال کر رہا ہے۔ میرے خیال سے جس کی

ہوٹی بکس کا تیار کردہ

Herbal

سوہنی شیمپو

SOHNI SHAMPOO

﴿ اس کے استعمال سے چند دنوں میں خشکی ختم ﴾

﴿ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے ﴾

﴿ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے ﴾

قیمت -/100 روپے

رجسٹری سے منگوانے پر اور منی آرڈر سے منگوانے والے

دو بوتلیں -/250 روپے تین بوتلیں -/350 روپے

اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

بذریعہ ڈاک سے منگوانے کا پتہ

بوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ ایم اے جناح روڈ، کراچی۔

دستی خریدنے کے لیے:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی۔ فون نمبر 32216361

نیت اور دل اور اعمال صاف ہوں گے وہ ہمیشہ لوگوں کے دل میں جگہ بنالے گا۔ آپ کے اس سوال سے میں اپنی بچیوں اور بہنوں کو شاید یہی پیغام دینا چاہتی ہوں۔"

س "میکے اور سسرال کے ماحول میں فرق؟"

ج "جی ویسے تو ہمارے سارے گھروں کا ایک جیسا ہی ماحول ہے، شکر ہے خدا کا سب گھلنے ملنے والے لوگ ہیں' بلکہ یقین کریں ہماری تو اپنی نانی' دادیوں سے بھی اتنی دوستی رہی ہے اور میری ساس جو اب سب کی دادی اماں ہیں' وہ بھی سب کے ساتھ گھل مل جاتی ہیں۔ ہم سب اکٹھے ہوتے ہیں۔ فنکشن وغیرہ کرتے ہیں۔ سالگرائیں۔ شادیاں وغیرہ تو سب بچے' بوڑھے گپیں لگاتے ہیں' مزے کرتے ہیں۔"

لیکن پھر بھی شروع شروع میں سسرال کے ماحول میں فرق تو لگتا ہے نا کیونکہ ہمارا ابھی بچوں والا گھر تھا۔ امی اور چاچی بھی کزنز تھیں اور بڑی دوستی ہے ان میں' لیکن سسرال ظاہر ہے۔ جیٹھانیوں اور ساس سسر والا دیورنندوں والا ہوتا ہے' رشتے بدل جاتے ہیں۔ تو فرق تو خود ہی پڑ جاتا ہے اور وہ فرق اصل میں ذمہ داریوں اور طور طریقے کا ہوتا ہے' لیکن یار! عورت کو تو خدا نے ایسا ہی بنایا ہے نا کہ وہ آہستہ آہستہ سیٹ ہو ہی جاتی ہے' بلکہ ہونا ہی چاہیے' ورنہ لڑکیوں کے لیے صرف مشکلات آتی ہیں' جو برداشت کرنا' ایڈجسٹ ہونا نہیں چاہتیں۔"

س "جوائنٹ فیملی پسند ہے یا علیحدہ؟"

ج "جی یہ سوال بھی بڑا خاص ہے' کیونکہ اس میں اپنی پسند' ناپسند نہیں چلتی۔ صرف وقت ہی فیصلہ کرتا ہے۔ لیکن جہاں تک میرے جواب کا تعلق ہے تو وہ یہی ہے کہ جب بچے چھوٹے ہوں ساری بہوؤں کے' تب تک تو کام چلتا ہے' لیکن جب بچے بڑے ہونا شروع ہو جائیں اور کمرے بھی چھوٹے پڑ جائیں تو الگ ہونے میں ہی بہتری ہے' کیونکہ لڑکے' لڑکیاں جب بڑے ہو جائیں تو ان میں فاصلے ہی بہتر ہوتے ہیں اور ہمارے مذہب میں بھی یہی حکم ہے۔ اس لیے بہوؤں کو یہی چاہیے کہ پلیز اگر آپ اپنے گھر اور خاندان میں بگاڑ پیدا کرنا نہیں چاہتے تو وقت پر فیصلے کر دیا کریں' ان کے اچھے نتائج ہی ملتے ہیں۔"

س "اپنے شوہر سے تعلقات؟"

ج "جی۔۔۔ اس سوال کے جواب میں پورا رسالہ بھر سکتی ہوں۔ یہ میرے بیسٹ فرینڈ' میرے ہمدرد' میرے غم گسار' میرے شریک حیات ہیں۔ ان کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ میں کہتی ہوں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا' یہ میرے دوست بنے اور آج تک ہیں' مجھ سے اگر کوئی غلطی بھی ہو جائے تو جب تک میں ان کو بتا نہ لوں' مجھے چین نہیں آتا۔ انہوں نے سسرال میں بھی میرا بہت ساتھ دیا ہے' مجھے ایڈجسٹ کرنے میں اور دادی اماں کی ڈانٹ سے بچانے میں بھی۔ میں نے کوئی بھی کام ان کے بغیر کرنا سیکھا ہی نہیں اور نہ کبھی کرنا چاہوں گی اور آپ یقین کریں بیس سال ہو گئے ہیں ان کو مجھے شعاع' خواتین لا کر دیتے ہوئے شادی کے پندرہ سال اور اس سے بھی پہلے کے یہ لا کر دے رہے ہیں۔ میں ان کی بات زبان پر آنے سے پہلے سمجھ جاتی ہوں اور وہ میرے مزاج کے ہر رنگ سے واقف ہیں۔ لڑائیاں بھی ہوتی ہیں' ناراضیاں بھی' مگر دو دن سے زیادہ نہ ان کو چین آتا ہے' نہ مجھے' سب کہتے ہیں یہ دونوں ابھی بھی بچے ہی ہیں اور رہنا ہے کیوں کہ ہم صاف دل کے لوگ ہیں۔ صاف نیت کے لوگ ہیں' ہم سب سے خوش ہیں اور سب ہم سے خوش ہیں' شکر الحمدللہ۔۔۔ میری تو ہر وقت یہی دعا ہوتی ہے کہ یا اللہ میری عمر بھی ان کو لگ جائے۔ (ویسے) تو ہر بیوی کی ہی دعا ہوتی ہے۔

اچھا جی۔۔۔ اب آپ سے اجازت لیتے ہیں' ویسے دل تو نہیں کر رہا' دل کر رہا ہے آپ سب سے باتیں کرتی جاؤں' بیس سال کی خاموشی کو چند صفحوں میں تو سکون نہیں مل رہا' لیکن خیر ہے' پھر سہی۔

☆

بیادِ محمود ریاض

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بہت شکریہ ریاض صاحب

سائرہ رضا

آٹھویں جماعت میں پڑھنے والی بیٹی نے خط کو خوب احتیاط سے لفافے میں بند کرنے کے بعد ماں کے حوالے کرتے ہوئے تاکید کی۔

"اسے یاد سے ڈاک خانے میں دے دیجیے گا اور آپ نے اسے بالکل بھی نہیں کھولنا۔"

ماں نے خط کو احتیاط سے پرس میں رکھ لیا۔ ماں گورنمنٹ اسکول کی ٹیچر تھیں۔ ہاف ٹائم میں چوکیدار کو بلا کر بیٹی کی تاکید سے بڑھ کر تاکید کی کہ "اسے پوری ذمہ داری سے پوسٹ کر کے آؤ۔"

"کسے خط لکھا ہے مس شاہدہ۔ جو ایسی تاکید کی جا رہی ہے۔" کولیگ نے پوچھا۔ سب ہی متوجہ تھیں۔

"پتا نہیں۔" مس شاہدہ نے شانے اچکائے۔ "بیٹی نے دیا تھا پوسٹ کرنے کے لیے۔"

"ارے... ہائیں... کیا؟ بیٹی نے... اس نے کسے خط لکھا ہے۔ آپ کھول کے نہیں دیکھیں گی کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ ایسے کیسے پوسٹ کروانے بھیج دیا۔"

اسٹاف روم میں موجود تمام ٹیچرز اپنی اپنی بولیاں بولنے لگیں۔ انہیں مس شاہدہ سے ایسی بے عقلی کی توقع نہیں تھی۔ بھلا ایسی غیر ذمہ داری ایک ذی ہوش ماں سے کیسے سرزد ہو سکتی ہے۔

"آپ کو کھول کے دیکھنا چاہیے تھا۔ اللہ جانے کیا لکھا ہے۔ کسے لکھا ہے۔ کیوں لکھا ہے؟؟"

مس شاہدہ نے تحمل سے سب کے خاموش ہونے کا انتظار کیا۔

"میں اسے کبھی کھول کر نہیں دیکھوں گی۔ اس میں ذرا سی بھی قابل اعتراض چیز ہوتی تو وہ ماں کو پوسٹ کرنے کے لیے کبھی نہیں دیتی۔ اس نے مجھ پر اعتماد کیا ہے۔ غلطیاں چھپائی جاتی ہیں' ماں کے ہاتھ میں کوئی نہیں دیتا۔"

اور مس شاہدہ نے کبھی لفافہ کھول کر نہیں دیکھا۔

اور سلیم صاحب جانتے تھے۔ ان کی بیٹی کچھ لکھتی رہتی ہے۔ کیا لکھتی ہے؟ کیسے لکھتی ہے؟ اسے کھوجنے کی انہوں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ وہ ان کے سامنے کاغذ کے پلندے کو کسی اونچی جگہ پر رکھ دیتی... کہ بھائیوں کے ہاتھ نہ لگے۔

اور بھائی... کمرے کی اندر سے کنڈی لگا کر کھڑکی سے منہ نکال کر اچانک کچھ پڑھنا شروع کر دیتا۔ (ناک میں رہتے تھے نا۔)

لہجے کا بہترین اتار چڑھاؤ... اور پھر ہنس ہنس کر دہرا ہو جاتا۔

"اوئے سُن... یہ کیا لکھا ہے؟" (بڑا والا چھوٹے کو متوجہ کرتا۔)

"ہاں بھئی، کون ہے یہ احسن؟"

معیز مکالمے یاد کر لیتا اور اٹھتے بیٹھتے سناتا...

وہ چیخیں مارتی۔ شکایت پاپا تک جاتی۔

"یہ میرے کاغذ پڑھتے ہیں۔"

پاپا چشمے کے نیچے سے بیٹوں کو گھورتے۔ بیٹے دبک جاتے۔ (اگلا موقع میسر آنے تک...)

پھر شادی ہوئی تو...

"آپ مجھے دستہ لا دیں گے؟"

"میرے پاس پین نہیں ہے۔"

"یہ ٹی سی ایس کر دیں۔"

"مجھے آج آفس جانا ہے۔"

اور سارے کام ہو جاتے ہیں۔

اسے اعتبار کہتے ہیں۔ دنیا کی سب سے مشکل شے

URDUSOFTBOOKS.COM
URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اعتبار۔۔۔ اور پھر مرد کا عورت کی صلاحیتوں پر اعتبار۔۔۔ اعتماد۔۔ کوئی نہیں کرتا۔

ہمارے معاشرے میں سب سے ناقابل اعتبار شے عورت کو تصور کیا جاتا ہے۔

اس سے زیادہ اعتبار تو جاپانا کی گھڑی پر کرلیتے ہیں۔ بلبلے پر کرلیا جاتا ہے۔

"مجھے اعتبار کرنا اچھا لگتا ہے اور وہ لوگ بھی اچھے لگتے ہیں جو اعتبار کرتے ہیں۔"

مجھے محمود ریاض اچھے لگتے تھے۔ اچھے لگتے ہیں۔

ایک ایسا شخص جس نے عورت کی صلاحیتوں اس کی ذہانت پر اعتبار کیا۔ ایسا اعتبار جو بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ ایسا اعتماد بھی مشکل سے کیا جاتا ہے۔

اور یہ ایسا اعتماد تھا۔ جسے اندھا اعتماد کہتے ہیں۔

لیکن انہوں نے خود پر بھروسا کیا کہ وہ کرسکتے ہیں وہ کرواسکتے ہیں۔

ڈائجسٹ کی دنیا پر مردوں کی حکمرانی تھی۔ عورت لکھ سکتی ہے۔ ہاہ دنیا تو عورت کے پڑھ سکنے پر بھی تشکیک کا اظہار کرتی تھی۔

(اور پڑھ لینے پر مزید شکوک کی راہیں کھل جاتیں۔)

ایسے میں آپ نے کیسے سوچا کہ ایک ایسا پرچا نکالیں جسے بالخصوص عورتیں پڑھیں اور لکھیں بھی عورتیں۔

اگر میں آپ سے ملتی تو ضرور پوچھتی۔

کیا کچھ نہ کہا ہوگا، کس کس طرح حوصلہ شکنی کی ہوگی، کیسے کیسے سمجھایا ہوگا۔

"کیوں ایسا تجربہ کرنے چلے ہیں۔ وقت اور پیسے کا زیاں ہے یہ تو۔"

بہت مشکل کام ہے، ناکامی ہوئی تو پیسے ضائع ہوجائیں گے۔

اب آپ ہیں نہیں، ورنہ ضرور پوچھتی کہ ان باتوں پر آپ نے کیا سوچا تھا۔

عورت سوچ کے در کھول کر بیٹھ گئی تو گھر کے دوار پر پڑتی دستک پر دوڑنا بھول جائے گی۔

(کہ عورت کی سوچ کا جہان مرد کی سوچ کے جہان سے کئی گنا زیادہ وسعت رکھتا ہے۔)

مرد مختصر بات کرتا ہے دوٹوک۔۔۔

عورت پرتیں کھولتی ہے۔ جیسے چوٹی کھلتی ہے۔

(جو اس نے گوندھی ہوئی ہے۔)

کچھ کا خیال ہوگا۔ عورتوں کو کہانیاں پڑھنے پر لگا دو گے تو سمجھو معاشرے کو بگاڑ دو گے۔

کہا تھا نا محمود ریاض صاحب؟

مگر آپ نے اعتبار کیا۔۔۔ خود پر۔۔۔

اور لکھنے والیوں پر۔۔۔ اور پڑھنے والیوں پر۔۔۔

تب جب کوئی عورت پر اعتبار نہ کرتا تھا۔ بلکہ اسے کسی گنتی ہی میں نہ رکھتا تھا۔ تو یہ اسی اعتبار کا پھل ہے۔ جو آج عورت اپنے گھر کی چار دیواری میں بیٹھ کر لاکھوں دلوں پر حکومت کر رہی ہے۔

وہ ایک باب لکھتی ہے اور بھاگ کر سالن کے نیچے آنچ دھیمی کر آتی ہے۔

کچھ سطریں واشنگ مشین کی بزر کی آواز کے انتظار تک میں ہو جاتی ہیں۔

کہانی کی ایک الجھن اس پل سلجھ جاتی ہے۔ جب وہ اپنے بچوں کو سبق یاد کروا رہی ہوتی ہے۔

پھر ذرا سا چکنا۔۔۔ ذرا سا گیلا۔۔۔ سلوٹ زدہ مسودہ امتل کی میز پر پہنچ جاتا ہے۔ چھاپہ خانے کی مشین ساری رات چلتی ہے اور صبح عورت کی سوچ ہاتھوں ہاتھ لے لی جاتی ہے۔ بصورت خواتین ڈائجسٹ اور دیگر بہت سے مگر شمع خواتین ڈائجسٹ ہی ہے' یاد رہے۔)

فون کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو جاتی ہیں۔ فلاں چینل فلاں پروڈکشن ہاؤس۔۔۔

اور خواتین ڈائجسٹ ڈرامے کی صورت میں پرائم ٹائم میں پیش کر دیا جاتا ہے۔

تو خواب دیکھنے چاہئیں اعتبار کرنا چاہیے۔

محمود ریاض نے خواب دیکھا اسے تعبیر بھی دی۔ اعتبار کیا اور کامیاب ہوئے۔ اور ایک معیار قائم کیا۔

آج باپ' بھائی۔۔۔ خود ہاکر سے خواتین ڈائجسٹ ڈالنے کا کہہ دیتے ہیں۔ شوہر حضرات لا دیتے ہیں۔ خط پوسٹ کرتے ہیں اور مائیں منع کرنا چھوڑ چکی ہیں۔ ان سب لوگوں نے آپ پر اعتبار کیا۔

آج آپ نہیں ہیں مگر ایک صدقہ جاریہ ہے۔

جس کی ضرورت دنیا سے جانے کے بعد پڑتی ہے۔

امتل کہتی ہیں۔ "محبت کہانی زندگی کہانی" ان کی زندگی کے خوب صورت ترین افسانوں میں سے ہے۔ وہ اسے ناقابل فراموش کہتی ہیں۔

میں سوچتی ہوں اگر آپ ہوتے تو میری تحریروں پر کیا رائے دیتے؟

اک سراہتی نظر۔۔۔ اک مہربان مسکراہٹ۔۔۔ یا ایک جملہ۔۔۔ "یقیناً" وہ جملہ ایسا جگنو ہوتا جو میرے دل میں قید ہو جاتا۔

مگر آپ نہیں ہیں اور میں ہوں اور ہم سب ہیں جو دن رات آپ کے بنائے معیار کو قائم رکھنے کی اپنی سی کوشش کرتے ہیں۔

آپ مجھے نہیں جانتے۔ میں سائرہ رضا۔۔۔ آپ کی قائم کردہ علم و فن کی شان دار عمارت کی دیوار کا چھوٹا سا پتھر۔۔۔ جو شاید صحیح سے دکھائی بھی نہیں دیتا مگر مجھے فخر ہے' غرور ہے بہت چھوٹا سا سہی حصہ تو ہوں۔

بہت شکریہ۔۔۔ بڑی مہربانی ریاض صاحب۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بندھن

شگفتہ بھٹی ہمراہ بابر شہزاد

شاہین رشید

افسانوں اور ناولوں سے قارئین کے دلوں میں گھر کرنے والی معروف رائٹر "شگفتہ بھٹی" نے اپنی خوب صورت تحریروں سے اپنے ڈراموں سے ناظرین کے دلوں میں بھی اپنی جگہ مضبوط کرلی ہے۔ حال ہی میں ختم ہونے والی سیریل "گھائل" نے مقبولیت کے جو ریکارڈ قائم کیے ہیں اس کے بعد ان کے بارے میں جاننے کے لیے ان کے ناظرین اور قارئین بے چین ہیں۔

"بندھن" کے سلسلے میں ان کو زحمت دی ہم نے۔۔۔ پڑھیے کہ معروف رائٹر اپنی نجی زندگی میں کیسی ہیں

"جی۔۔۔ کیا حال ہے؟"

"الحمدللہ۔۔۔"

"کچھ اپنے اور اپنے میاں صاحب کے بارے میں بتائیں اور فیملی بیک گراؤنڈ بھی بتائیں؟"

"میرے میاں صاحب کا نام بابر شہزاد ہے۔ بنیادی طور پر مکینیکل انجینئر ہیں۔ مگر جاب اپنی فیلڈ میں نہیں کی' بلکہ یہ ۔۔۔ ایک کمپنی میں منیجر ہیں۔۔۔ ہمارے ماشاء اللہ تین بچے ہیں۔ بڑا بیٹا فہد حسین ہے اور میڈیا سائنسز میں یونیورسٹی آف لاہور' دوسری بیٹی ہے فاطمہ جو کہ سیکنڈ ایئر کی طالبہ ہے اور محمد ذین نے ابھی میٹرک کا امتحان دیا ہے۔

فیملی بیک گراؤنڈ یہ ہے کہ ہم "راجپوت بھٹی" ہیں اور ہمارے بزرگ انڈیا سے مائیگریٹ کرکے پاکستان آئے تھے۔ پنجابی' جو خالص پنجاب کی ہوتی ہے وہ ہماری زبان ہے۔۔۔ ہم پانچ بہنیں اور دو بھائی ہیں۔۔۔ میں ملتان میں پیدا ہوئی اور میری پھوپھو نے مجھے گود لے لیا تھا کیونکہ ان کی اولاد نہیں تھی۔ جب میں ڈیڑھ سال کی تھی تو میری پھوپھو مجھے بہاول نگر لے

گئیں۔۔۔ میں انہیں ہی امی ابو کہتی تھی۔۔۔ اب تو میرے ابو جان محمد طفیل بھی اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں اور میری والدہ رشیدہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئی ہیں۔۔۔ تو انہوں نے میری پرورش کی، مجھے پڑھایا لکھایا اور میری شادی کی۔۔۔ گریجویشن بہاول نگر سے کیا اور ماس کمیونیکشن میں ماسٹرز بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے کیا۔۔۔ میرے حقیقی والدین میں میری والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ والد صاحب حیات ہیں اللہ انہیں سلامت رکھے۔۔۔ میرے میاں صاحب بابر شہزاد ملتان میں پیدا ہوئے اور وہیں ان کی ساری تعلیم ہوئی۔۔۔ میرے سسر بزنس مین تھے۔ اب وہ بھی یعنی ساس سسر بھی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ ہم پنجابی راجپوت ہیں اور بابر لوگ بلوچ ہیں مگر اردو بولتے ہیں۔۔۔ ہمارے خاندان میں پہلی بار خاندان سے باہر شادی ہوئی۔ میری بڑی بہن میری جٹھانی بھی ہیں یعنی ہم دو بہنیں ایک ہی گھر میں بیاہی گئی ہیں۔۔۔ یہ تین بھائی ہیں۔ میرے جیٹھ کا انتقال ہو چکا ہے۔۔۔ پھر دوسرے نمبر پر بابر ہیں اور چھوٹا بھائی ہے اللہ ان کی زندگی رکھے۔ میری دیورانی بہت اچھی ہیں اور ہم جوائنٹ فیملی میں رہتے ہیں۔ بہت پیار اور اتفاق کے ساتھ۔“

”میاں صاحب سے کیا رشتہ تھا۔۔۔ آپ کا شادی سے پہلے؟“

”صرف اتنا رشتہ تھا کہ بابر میری باجی کے دیور تھے اور پہلا تعارف یا پہلی ملاقات باجی کی منگنی کے موقع پر ہوئی۔۔۔ جب باجی کی منگنی ہوئی وہ فرسٹ ایئر کی طالبہ تھیں اور میں 8th کلاس کی۔۔۔ لہٰذا اسے ہم ملاقات کا نام نہیں دے سکتے۔ تعارف ضرور کہہ سکتے ہیں۔۔۔ وقت کے ساتھ ساتھ مجھے احساس ہوا کہ بابر مجھے پسند کرتے ہیں اور چونکہ آنا جانا لگا رہتا تھا تو ہماری اچھی انڈراسٹینڈنگ بھی ہو گئی تھی۔ یوں پسند کو ارینج کر لیا اور بابر کے گھر والوں نے رشتہ مانگ لیا۔۔۔ اور اب ماشاءاللہ ہماری شادی کو اتنے سال ہو گئے ہیں اور ان سالوں میں بابر نے کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی اور میں دعا کرتی ہوں کہ ہر لڑکی کو بابر جیسا چاہنے والا شوہر دے۔۔۔ کیونکہ بابر مجھے پہلے دن کی طرح شدت سے چاہتے ہیں اور وہ بہت لائل ہیں میرے ساتھ۔“

”آپ بیاہ کر جوائنٹ فیملی میں آئیں یا علیحدہ رہیں؟“

”میں بیاہ کر جوائنٹ فیملی میں آئی۔۔۔ اور ماشاءاللہ سے میری سسرال کی فیملی کا آپ اس طرح اندازہ لگا لیں کہ کس طرح سے ان کی آپس میں بانڈنگ ہے کہ میرے شوہر کی پھوپھیاں، چچیاں، چچا سب مل کر رہتے ہیں۔ مطلب سب گھر کے الگ الگ ہیں لیکن ابھی تک ایسا ہوتا ہے کہ ہم شام کے وقت اکٹھے ہوتے ہیں۔۔۔ تو جوائنٹ فیملی میں آئی اور ابھی تک ہوں۔ اور اللہ جنت نصیب کرے میری ساس کو وہ ہم سب کو بہت زیادہ چاہتی تھیں۔ مجھے بہت اچھی فیملی ملی اور جیسا کہ لڑکیاں کہتی ہیں کہ ہمیں سسرال میں یہ برداشت کرنا پڑا۔۔۔ یوں رہنا پڑا۔۔۔ میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوا۔۔۔“

ہاں۔۔۔ شروع کے چند سال میں سسرال سے دور رہی کیونکہ بہاول نگر میں میری جاب بھی تھی بہ حیثیت پرنسپل کے اور میرے والدین بھی اکیلے تھے تو میں ان کے پاس رہتی تھی۔۔۔ اور جب بچے ہو گئے اور اسکول جانے والے ہو گئے تو پھر میں ملتان آ گئی اور یہاں سب کے ساتھ رہی۔۔۔ اب گزشتہ 5 سال سے میں جوائنٹ فیملی میں نہیں ہوں۔۔۔ لیکن اکثر ڈنر ہم مل کر ہی کرتے ہیں۔ بہت اتفاق و اتحاد ہے میرے سسرال میں اور ہم دونوں بہنوں کو کسی قسم کے مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔۔۔ میرے جیٹھ یعنی میری باجی کے شوہر کا اچانک انتقال ہوا اور اس کمی کو تو کوئی پورا نہیں کر سکتا مگر سسرال میں سب میری بہن کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اور ہم دونوں بہنیں اپنے میکے سے زیادہ اپنے سسرال میں رہنا پسند کرتی ہیں۔۔۔ میکہ ماں سے ہوتا ہے۔ اگرچہ بھابھیاں بہت اچھی ہیں مگر پھر بھی ہم

اپنے سسرال میں بہت خوش ہیں۔ اس طرح ہمارے بچوں کے بھی آپس میں بہت اچھے تعلقات ہیں اور سب مل جل کر رہتے ہیں کہ انہیں باہر سے دوست بنانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

"زندگی کے اس سفر میں مشکلات پیش آئیں یا سب کچھ اچھا ہوتا چلا گیا؟"

"زندگی میں مشکلات تو بہت آئیں۔ اور وہی مصرعہ دہراؤں گی کہ "مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آساں ہوگئیں۔" لیکن الحمدللہ جو دشوار گزار راستے آئے اس کا صحیح راستہ خود ہی اللہ تعالیٰ دکھاتا چلا گیا۔۔۔ شروع میں مجھے کچھ مالی بحران سے گزرنا پڑا' پھر والدین اکیلے تھے تو انہیں بھی دیکھنا اور ٹائم دینا پڑتا تھا۔۔۔ لیکن ان تمام مشکلات کے باوجود سسرال کے رشتوں میں کوئی دراڑ نہیں آئی۔ تعلقات کبھی بھی خراب نہیں ہوئے۔۔۔ مالی حالات بھی آہستہ آہستہ ٹھیک ہوتے گئے۔ تو خوشیاں اور پریشانیاں تو زندگی کا حصہ ہیں۔۔۔ ہاں اپنی صحت کے معاملے میں میں نے کافی مشکلات اٹھائیں۔۔۔ سرجریز ہوئیں میری۔۔۔ تو صحت کے معاملے میں معاملہ خاصا تنگ رہا۔۔۔ مگر اب اللہ کا شکر ہے کہ ان پریشانیوں سے بھی نکل آئی ہوں۔۔۔ اور مالی بحران کو دور کرنے کے لیے بھی شوہر کا ساتھ دیا۔ اور الحمدللہ پھر سب کچھ ٹھیک ہوتا گیا۔"

"کبھی یہ احساس ہوا کہ شادی نہ ہوتی تو اچھا تھا؟ اور کب احساس ہوا کہ یہ گھر میرا ہے؟"

"سچ بتاؤں تو دل سے کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ شادی نہ ہوتی تو اچھا تھا۔۔۔ مگر جب کچھ غصے میں ہوتی تھی تو ضرور کہتی تھی کہ اچھا ہی تھا کہ اگر شادی نہ ہوتی۔ اس لیے بھی کہ ایک تو صحت ٹھیک نہیں رہتی تھی پھر میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی تو ان کی طرف بھی میرا دھیان لگا رہتا تھا۔ بچپن سے ہی میں بٹ گئی تھی دو والدین کے درمیان تو میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا ہو رہا ہے۔۔۔ اور جہاں تک گھر کی بات ہے تو میں تو ابھی تک کرائے کے گھر میں رہتی ہوں۔ اور آپ جس گھر کی بات کر رہی ہیں تو جہاں شوہر اور بچے ہوں وہ اپنا ہی ہوتا ہے۔۔۔ مجھے سسرال میں کبھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوا۔"

"مشکلات میں رشتوں کو بدلتے دیکھا؟ یا ساتھ رہتے ہوئے دیکھا؟"

"سچ بات ہے رشتوں کو بدلتے ہوئے دیکھا۔ مگر سنگین حالات کبھی نہیں ہوئے نہ ہی رشتوں میں دراڑ پڑی۔۔۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ رشتے نبھائے جاتے ہیں۔۔۔ آپ اچھے ہیں تو دوسرے بھی اچھے ہیں' ہماری امی ہمیشہ یہ کہتی تھیں کہ "تم یہ دیکھو کہ تم کیا دے رہے ہو دوسروں کو۔ جواب اور صلے کی امید ہمیشہ اپنے رب سے رکھو۔"۔۔۔ ان مشکلات میں بابر نے مجھے ہمیشہ ہمیشہ بلکہ بہت زیادہ سپورٹ کیا' دکھ سکھ میں بیماری میں' تکلیف میں۔۔۔ اور ان کی مالی مشکلات میں میں ان کے ساتھ رہی اور ابھی بھی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چل رہے ہیں۔۔۔ بابر بہت مخلص ہیں میرے ساتھ اور انہوں نے کبھی میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔"

"آج کے دور کی شادی اور اپنے وقت کی شادی میں کیا فرق پاتی ہیں آپ؟"

"ہمارے دور کی شادی زیادہ اچھی تھی۔۔۔ اس لیے کہ اس وقت بے شک رسم و رواج تھے مگر سادگی تھی۔ ایسی فضول خرچیاں نہیں تھیں جیسی اب ہونے لگی ہیں۔۔۔ والدین سفید پوشی کے ساتھ اپنی بیٹیوں کو بیاہ دیتے تھے۔۔۔ اور بیٹیوں کی بھی توقعات نہیں ہوتی تھیں جہیز کے معاملے میں۔۔۔ میری شادی میں بہت زیادہ رسم و رواج نہیں ہوئے اور بڑے اچھے طریقے سے عزت کے ساتھ رخصت ہو کر آئی۔ اور سسرال میں بھی بڑی عزت ملی۔۔۔ آج کل کی شادیوں کی طرح لین دین کے مسائل نہیں تھے۔۔۔ اب تو بہت فضول خرچیاں ہوگئی ہیں' اخراجات بڑھ گئے ہیں۔۔۔ ہمارے دور میں سادگی تھی اور اس لیے لوگ زیادہ خوش بھی رہتے تھے۔"

"رسم و رواج میں کیا فرق آیا اور شرم و حیا میں کیا

URDUSOFTBOOKS.COM - DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

فرق آیا؟"

"رسم رواج میں اتنا زیادہ فرق نہیں آیا۔ اور میرے سسرال والے میرے میکے کے لوگوں سے بہت زیادہ گھلے ملے ہوئے تھے۔ ہاں شرم و حیا میں فرق آیا... ہمارے دور کے مقابلے میں۔ جب میں بیاہ کر گئی تو شروع شروع میں بہت شرم آتی تھی... بڑی پاسداری اور رواداری ہوا کرتی تھی... ہم جوائنٹ فیملی میں تھے... اور مجھے یاد ہے کہ فجر کی اذان کے بعد ہم اپنے بیڈ روم کا دروازہ کھول دیتے تھے۔ یعنی میں اور

باجی... اور ہمارے میاں کسی اور کے کمرے میں جا کر سو جاتے تھے یا گھر سے باہر ہوتے تھے اور مجھے نہیں یاد کہ کافی سال ہم دونوں نے اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا ہو۔ بے شک ہمارا دسترخوان ایک ہی ہوتا تھا مگر میں اپنی نندوں کے ساتھ بیٹھ کر کھا رہی ہوتی تھی... ہمارے سسرال میں اور ہمارے میکے میں ان باتوں کا بہت خیال رکھا جاتا تھا۔ پاسداری اور حیاداری بہت تھی... اور ابھی تک ہے۔"

"سسرالی رشتوں میں کون سا رشتہ بہت قریب پایا؟"

"جب میں بیاہ کر گئی تو میری دو نندوں کی جو کہ بڑی تھیں، شادی ہو چکی تھی... اور ان کی شادی کو کافی عرصہ گزر چکا تھا اور وہ دونوں کافی عرصے کے بعد میکے آیا کرتی تھیں... اور میری چھوٹی نند چونکہ میرے ہی ایج گروپ کی تھی اور جس سال اس نے گریجویشن کی، اسی سال میں نے بھی تو اس سے میری کافی دوستی تھی۔ لیکن ایسی نہیں تھی کہ ہم گھر کے معاملات ایک دوسرے سے ڈسکس کریں... البتہ بابر کی پھوپھیاں "رشیدہ" اور "سعیدہ" کی باجی کے ساتھ بھی بہت دوستی تھی اور میری بھی۔ تو ہمیں کوئی مسئلہ ہوتا تھا یا کوئی بات ڈسکس کرنی ہوتی تھی یا کوئی مشورہ کرنا ہوتا تھا تو وہ بھی ان ہی سے کرتی تھیں (باجی) اور میں بھی ان ہی سے کرتی تھی... تو وہ بڑے سلیقے اور طریقے سے ہمیں سمجھاتی تھیں... ہماری ساس بہت زیادہ

سادہ نیچر کی تھیں... اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور چونکہ ان کی وجہ سے کوئی مسئلہ ہوتا بھی نہیں تھا تو ہم ان سے اپنے پرابلمز شیئر نہیں کرتی تھیں۔"

"سسرال میں نندیں اور ساس ایسے رشتے ہیں جن کے لیے بہت کہانیاں مشہور ہیں۔ یہ کتنی بھی اچھی ہو جائیں برائیاں ہی ان کے حصے میں آتی ہیں؟"

"اگر آپ اسے میری کوئی افسانوی بات نہ سمجھیں اور یہ نہ سمجھیں کہ میں اپنے ہی ناول کے کردار کا ذکر کر رہی ہوں۔ تو سچ مچ میری ساس 'ساس' نہیں تھیں... اور سسر بھی بہت فرینڈلی تھے اور میری باجی

چونکہ گھر کی بڑی بہو تھیں تو میرے سسر ان ہی سے گھر کا مینیو پوچھ کر اور اس حساب سے چیزیں لا کر دیا کرتے تھے... نہ میرے جیٹھ اور نہ میرے شوہر کبھی گھر کا سودا لا کر دیتے تھے... اور ہمارے زمانے میں بچوں کو پیمپر پہنانے کا رواج نہیں ہوتا تھا تو میرے اور باجی کے بچوں کے کپڑے میری ساس دھو دیا کرتی تھیں... وہ بہت صبح اٹھنے کی عادی تھیں تو وہ ہمارے... اٹھنے سے پہلے بچوں کے خراب کپڑے دھو دیا کرتی تھیں۔ حالانکہ ہم انہیں بہت منع کرتے تھے مگر وہ بہت پیار محبت کے ساتھ یہ کام خود کیا کرتی تھیں۔ ہمارے ساتھ گھر کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتی تھیں... وہ ساس تو لگتی ہی نہیں تھیں... ایک ماں اور پیار کرنے والی ہستی کا روپ تھا ان میں۔"

"شادی کے موقع پر لین دین کا کوئی مسئلہ ہوا؟ نکاح نامہ پہ دستخط اپنی مرضی سے کیے تھے؟"

"یہ حقیقت ہے کہ نکاح نامہ سامنے آیا اور میں نے سائن کر دیئے اور اس کی وجہ سے شاید یہ تھی کہ بابر کے ساتھ میری منگنی چار پانچ سال رہی تھی اور ہماری بڑی اچھی انڈر اسٹینڈنگ بھی تھی اور باجی کی وجہ سے ہم سب ان کی فیملی کو اچھی طرح جانتے تھے... اس لیے کوئی مسائل نہیں ہوئے... اور ہم سب بہن بھائیوں کے شرعی حق مہر تھے تو اس معاملے میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ اور میرا فرنیچر میری شادی کے

کئی سال بعد آیا کیونکہ جب شادی ہوئی تو یہ گھر کرائے پہ دیا ہوا تھا اور کرائے دار گھر خالی کرنے پر راضی نہیں تھے تو میرے سسر نے کہا کہ جب جگہ ہوگی تو یہ اپنی پسند سے فرنیچر لے لے گی۔۔۔ باقی جہیز کی چیزیں جیسے دوسرے ماں باپ دیتے ہیں مجھے بھی ملیں۔"

"مزاجاً" کیسے ہیں میاں صاحب۔ محبت میں کمی آئی یا اضافہ ہوا؟"

"بابر کا مزاج بچوں کی طرح ہی ہے۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ۔ غصہ جب آتا ہے تو شدید آتا ہے۔ پھر انہیں کوئی ہوش نہیں ہوتا کہ سامنے بیوی ہے یا بچے ہیں۔۔۔ مگر مزاج میں یہ خوبی ہے کہ غصہ ادھر آیا اور ختم ہوگیا۔ پانچ منٹ بعد انہیں یاد بھی نہیں رہتا کہ کس بات پہ غصہ آیا تھا۔۔۔ اور محبت جیسی پہلے دن تھی ویسی ہی آج بھی ہے۔۔۔ میں تو بہت سیریس بیمار رہی ہوں۔ بعض اوقات ایک سال میں دو بار سرجری ہوتی تھی مگر بابر کا کبھی بھی میرے ساتھ رویہ نہیں بدلا اور نہ ہی محبت میں کمی آئی۔"

"گھر کے کاموں میں آپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں؟"

"گھر کے کاموں میں ہاتھ تو نہیں بٹاتے۔ لیکن مجھے تنگ بھی نہیں کرتے اگر کبھی ان کے کپڑے استری نہ ہوئے ہوں تو خود کر لیتے ہیں۔ شروع میں تو ہمارے جھگڑے نہیں ہوئے۔۔۔ لیکن اب تھوڑے بہت ہونے لگے ہیں۔ مگر بہت تھوڑی دیر کے لیے۔ اور چونکہ میں تھائی رائیڈ کی مریضہ ہوں تو مجھے اس کی وجہ سے بھی غصہ آنے لگا ہے۔ مگر باقاعدہ لڑائی نہیں ہوتی۔۔۔ اللہ کا شکر ہے۔"

"اپنی کمائی کہاں خرچ کرتی ہیں؟ تحفے تحائف اپنی کمائی سے دیتی ہیں؟"

"جب میں کم کماتی تھی تب بھی میں اپنے شوہر کا ہاتھ بٹاتی تھی اور آج جبکہ زیادہ کماتی ہوں تو بابر نے کبھی مجھ سے میری کمائی پوچھی نہیں ہے۔ البتہ جو میں خرچ کرتی ہوں خواہ وہ گھر کے لیے ہو یا بچوں کے لیے اس کا انہیں علم ہوتا ہے۔ بابر جاب کر رہے ہیں تو گھر کا ہانڈی چولہا مل جل کر چلا رہے ہیں اور جناب میکہ ہو یا سسرال۔ سارا لین دین میں خود کرتی ہوں اور اس کے لیے مجھے بابر سے گلہ ہے اور جب میں بابر سے کہتی ہوں تو کہتے ہیں کہ تم دے دو یا میں ایک ہی بات ہے۔ میں کہیں اور خرچ کرلوں گا۔ تحفے تحائف ہماری فیملی میں بہت دیے اور لیے جاتے ہیں ایک دوسرے کی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ دکھ سکھ میں دیا لیا جاتا ہے اور سارا لین دین میں خود کرتی ہوں۔"

"سسرال اور میکے میں آپ کی تحریروں کو کتنا سراہا جاتا ہے؟"

"گھر کی مرغی دال برابر۔" بالکل میرے پر فٹ آتا ہے۔ میرے سسرال میں اور میکے میں میری پذیرائی نہیں ہوتی میری تحریروں کی وجہ سے 'ہاں میرے امی ابو جنہوں نے میری پرورش کی' وہ بہت زیادہ میری حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ میری امی و پھپھو کا تو یہ عالم تھا کہ میرا کوئی انٹرویو شائع ہوتا یا میری کوئی تحریر شائع ہوتی تو وہ اسے فریم کروا کے رکھا کرتی تھیں۔۔۔ تو جب امی ابو کا انتقال ہوگیا اور میں نے سامان شفٹ کیا تو پورا ایک بکس تھا جس میں میرے ایوارڈ' میری ٹرافیاں' میری تحریریں سب میری ماں نے سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں۔ سسرال میں کبھی بھی کسی کو یہ غرض نہیں رہی کہ میں لکھتی ہوں تو کیوں لکھتی ہوں۔ نہ لکھوں تو انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا اور لکھوں تب بھی انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سسرال میں مجھے پہلی بار اس وقت پذیرائی ملی جب میرے دیور کی شادی ہوئی اور میری دیورانی لاہور سے بیاہ کر آئی تو اس نے میری تحریروں پر ڈسکس کرنا شروع کیا۔ میری تحریروں کے لیے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ کیونکہ اسے بہت شوق تھا ناولز پڑھنے کا اور ڈائجسٹ وغیرہ پڑھنے کا تو اس نے میری تعریف کی اور ابھی بھی کرتی ہے۔ باقی سارے یہ سن کر خوش ہوتے ہیں کہ ہماری بھابھی یا ہمارے گھر کی بہو لکھتی ہے۔ اور اس کا ایک نام ہے۔ یہ نہیں ہے کہ کوئی میری حوصلہ افزائی کرتا ہو' یا میری تعریف

کرتا ہو یا میرے ساتھ بیٹھ کر میری تحریروں پر تبادلہ خیال کرتا ہو۔"

"ہمارے معاشرے میں طلاقیں، خلع اور جھگڑے بہت عام ہیں۔ اس میں قصور کس کا ہوتا ہے؟ میاں بیوی کا یا کسی تیسری قوت کا؟"

"طلاقیں خلع اور جھگڑے ظاہر ہے کہ نااتفاقی کی وجہ سے ہی ہوتے ہیں اور چونکہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے تو قصور تو دونوں کا ہی ہوتا ہے۔ اور گھر کو بنائے رکھنے میں زیادہ کردار عورت کا ہوتا ہے۔ اسے صبر اور حوصلے سے کام لینا چاہیے۔ اور میں نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے کہ جب آپ اپنے معاملات صبر کر کے اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں تو اللہ تھوڑے عرصے کے بعد اپنی حکمت کے ساتھ اتنے اچھے طریقے سے سلجھا دیتا ہے کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ ایسا ہو جائے گا۔"

میری زندگی میں بہت نشیب و فراز آئے ہیں، مالی طور پر بھی اور صحت کے طور پر بھی اور ایک بہت ہی کٹھن زندگی میں نے گزاری ہے اور اس کے باوجود میں بہت خوش ہوں۔ میری ازدواجی زندگی ایک خوشحال زندگی ہے گو کہ ابھی آسودہ حال نہیں ہوں۔ مگر اللہ نے اولاد کے معاملے میں نعمتوں اور رحمت دونوں سے نوازا ہوا ہے۔ بچے میرا احساس کرتے ہیں اور جگر کرنے والے ہیں اور یہ سب کچھ حاصل کرنے کے لیے میں نے اپنے اندر کو بہت مارا ہے۔ اور ایک بات میری طرف سے ضرور لکھنا کہ اللہ تعالیٰ سب بیٹیوں کے نصیب بہت اچھے کرے۔ لیکن جب بیٹی کو بیاہیں تو یہ ضرور دیکھ لیں کہ لڑکا اسٹیبلش ہے کہ نہیں اس کی کمائی اچھی ہے یا نہیں تاکہ بیٹیوں کو زیادہ محنت نہ کرنی پڑے، انہیں پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔ کٹھن حالات سے نہ گزرنا پڑے اور گھر اتنا بڑا ضرور ہو کہ اگر آپ کو حصہ ملے تو آپ کے حصے میں بھی کچھ آجائے، میں نے دربدری بہت دیکھی ہے اور ابھی بھی دربدر ہوں میں۔ سسرال بہت اچھا ملا۔ اور سسرال کے اچھا ہونے کے باوجود اگر ایک لفظ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ "میں تہی داماں ہی ہوں" مجھے جوائنٹ فیملی میں محبتیں بہت ملیں مگر رہنے کے لیے ہمیشہ جگہ بہت تنگ ملی۔ اور پھر اتنی تنگ ہو گئی کہ مجھے وہاں سے نکلنا پڑا۔ اور میں باہر ہوں۔ اور یہ بہت بڑا دکھ ہے۔ اور میری دعا ہے کہ دوسری بچیوں کے ساتھ ایسا نہ ہو۔"

اور اب آخری سوال کہ جن بچیوں کی شادی نہیں ہوتی ان کے لیے کیا کہنا چاہیں گی؟"

"ان بیٹیوں کے لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ پریشان نہ ہوں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے اور کوئی نہ کوئی بات خواہ وہ والدین کی خدمت کر رہی ہوں یا چھوٹے بہن بھائیوں کی خاطر بیٹھی ہوں ان کے رشتوں میں رکاوٹ بنتی ہے تو ایسی بہادر بیٹیوں اور بہنوں کو میں سلام کرتی ہوں۔ اللہ ان کے نصیب کھولے اور ان کو ان کے گھروں میں آباد رکھے (آمین)"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے شگفتہ بھٹی صاحبہ سے اجازت چاہی اس شکریہ کے ساتھ کہ انہوں نے ہمیں وقت دیا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

حساب دل رہنے دو

نبیلہ عزیز

قیمت -/400 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

صائمہ اکرام چوہدری

شہرزاد

شہرزاد غیر معمولی حسن کی مالک نہیں تھی لیکن حالات کی تلخیوں نے اس کی شخصیت کو مضبوط بنا دیا تھا۔ اس کے اعتماد نے اس کی شخصیت کو دل کشی عطا کی تھی۔

ٹرین میں ایک عورت اور مرد سفر کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا۔ عورت اور مرد کو احساس تھا کہ موت ان کے تعاقب میں ہے ان کے تمام گھر والوں کو مار دیا گیا تھا۔ گاڑی ایک اسٹیشن پر رکی تو ماں نے فیصلہ کیا کہ بچے کو کسی جگہ چھوڑ دے، تاکہ اس کی جان بچ سکے۔ اس نے بچے کو ایک بینچ کے نیچے رکھ دیا اور خود ٹرین کی پٹڑی پار کرتے ہوئے حادثہ کا شکار ہو گئی۔

میر ہاؤس میں محتشم علی اور خاقان علی کا خاندان آباد ہے۔

محتشم علی خان ایم این اے ہیں ان کے تین بیٹے دہاج، برہان اور شاہ میر ہیں۔ بیٹی ایک ہی ہے جس کا نام در شہوار ہے۔

خاقان علی نے دو شادیاں کی ہیں، پہلی بیوی شارقہ بیگم سے دو بیٹیاں انابیہ اور طوبیٰ ہیں۔ بیٹے کے لیے انہوں نے ندرت بیگم سے دوسری شادی کی، لیکن ان سے کوئی اولاد نہ ہو سکی۔

خاقان علی کی بہن فوزیہ اور ان کے شوہر ایک فضائی حادثے میں چل بسے تو ان کے دونوں بچے نمیرہ اور ارسل کی پرورش ندرت بیگم نے کی ہے۔ نمیرہ کو لگائی بجھائی کی عادت ہے۔

ان کے گھر کے سامنے جنگل ہے جہاں طوبیٰ اور در شہوار امتحان میں کامیابی کے لیے برگد کے درخت پر دھاگا باندھنے رات کو جاتی ہیں اور شاہ میر انہیں پکڑ لیتا ہے۔ شاہ میر گھر والوں کے سامنے ان کا بھانڈا پھوڑ دیتا ہے۔ جس کی بنا پر ان کو گھر والوں سے بہت ڈانٹ پڑتی ہے۔

انابیہ کا نکاح برہان سے ہو چکا ہے، لیکن برہان کا سرد رویہ اسے افسردہ کرتا ہے۔

مینا بیگم فیشن انڈسٹری کی ایک معروف شخصیت تھیں۔ ان کی دو شادیاں ناکام ہو چکی تھیں۔ آج کل وہ تیسرے شوہر سے جان چھڑانے کے چکر میں تھیں۔ معروف بیورو کریٹ سیف الرحمن کے ساتھ ان کا نام لیا جا رہا تھا۔

پہلے شوہر سے ان کی دو بیٹیاں تھیں، بڑی شہرزاد جسے اعلا تعلیم کے لیے انہوں نے باہر بھجوا دیا تھا۔ رومیصہ چھوٹی تھی اور اس کی اپنی ماں سے بالکل نہیں بنتی تھی۔ ان کے آئے دن کے اسکینڈل اس کے لیے مسئلہ بنتے تھے۔

اس نے خود کشی کی دھمکی دے کر شہرزاد کو پاکستان آنے پر مجبور کر دیا۔ شہرزاد کی آمد مینا بیگم کو شدید ناگوار گزری۔ شہرزاد پاکستان آئی تو ایک پرانی فون کال نے اسے ڈسٹرب کر دیا۔ طوبیٰ اور در شہوار غلطی سے برابر والے گھر میں داخل ہوئیں تو پتا چلا کہ جو گھر پچھلے ایک ماہ سے خالی پڑا تھا۔ وہاں محمد ہادی آ چکا ہے۔ محمد ہادی فاریسٹ آفیسر ہے۔ تعلق ایک امیر اور اعلا تعلیم یافتہ گھرانے سے ہے۔ وہ اپنے دوست سعد کو بھی اپنے بنگلے میں لے آیا ہے۔

محتشم علی کا بیٹا وہاج شادی شدہ ہے، لیکن گھر کی ملازمہ صندل پر بری نظر رکھتا ہے۔ رومیصہ نے گھر میں شدید توڑ پھوڑ کی اور مینا بیگم سے شدید نفرت کا اظہار کیا۔ شہرزاد اسے ماہر نفسیات کو دکھانے کا مشورہ دیتی ہے۔

در شہوار اور طوبیٰ محمد ہادی کے بنگلے میں جاتی ہیں اور درخت پر چڑھ کر خوبانیاں توڑتی ہیں۔ محمد ہادی سختی سے پیش آتا ہے تو در شہوار اسے دھمکی دیتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان ٹھن جاتی ہے۔

مینا بیگم، شہرزاد کے ساتھ ایک آستانے پر جاتی ہیں۔ واپسی پر گھر کے گملے ٹوٹے ہوئے ملتے ہیں۔ ان کے تیسرے شوہر

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہارون رضا بتاتے ہیں کہ رومیصہ نے پھر ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ وہ نیب دکھاتے ہیں تو ٹینا بیگم کا سر گھوم جاتا ہے۔ بریگیڈیر وقار درانی کی بیٹی کنزہ درانی کی گاڑی کی ٹکر سے جسٹس محمود کا بیٹا روحیل محمود ہلاک ہو جاتا ہے۔ رومیصہ اس وقت کنزہ کے ساتھ تھی۔ کنزہ کے والد اسے کیس سے نکال لیتے ہیں، مگر رومیصہ پھنس جاتی ہے۔ "شہرزاد" کے مشورے سے شہرزاد اس کا کیس لڑنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ رومیصہ کی وجہ سے ٹینا اور ہارون رضا کے درمیان تلخی بڑھ جاتی ہے۔ درشہوار، طوبیٰ اور نمرہ تینوں امتحان میں فیل ہو جاتی ہیں۔ مگر شرارتیں عروج پر ہیں۔ بالآخر محمد ہادی تنگ آ کر برہان سے ان کی شکایت کرتا ہے۔ گھر والے تینوں کو ڈانٹتے ہیں۔ درشہوار اور طوبیٰ واک کے لیے نکلی ہوتی ہیں کہ ایک کتا ان کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ درشہوار ڈر کے مارے جنگل میں گھس جاتی ہے۔ جہاں اتفاق سے محمد ہادی موجود ہوتا ہے۔ وہ کتے کو مار دیتا ہے۔ اس کا ہمدردانہ رویہ درشہوار کے دل کی دنیا بدل دیتا ہے۔

خاقان صاحب کا نام کسی اداکارہ کے ساتھ لیا جا رہا ہے۔ یہ خبر پڑھ کر انابیہ کو صدمہ پہنچتا ہے۔ ایسے میں برہان کا نرم رویہ اس کے لیے ڈھارس بنتا ہے، مگر اسی لمحے برہان کے سیل پر کسی لڑکی کی کال اسے خدشات میں مبتلا کر دیتی ہے۔
وہاج کی فرمائش پر صندل کو نور محل بھیج دیا جاتا ہے۔ ایک دن وہاج کو اپنی شیطانی خواہش پوری کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ صندل کو بے دست و پا کر کے کمرے میں لے جاتا ہے۔
صندل گم صم حالت میں میر ہاؤس واپس آ جاتی ہے۔ سب اس کی حالت کی وجہ سے تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ برہان اسے سائیکاٹرسٹ کو دکھانے کا مشورہ دیتا ہے تو اس کی امی یہ ذمہ داری اسے ہی سونپ دیتی ہیں۔ وہ انابیہ کے ایڈمیشن کے معاملے میں بھی دلچسپی لیتا ہے۔ انابیہ بہت خوش ہوتی ہے۔
محمد ہادی اپنے افسران کی جھاڑ سن کر سخت چراغ پا ہوتا ہے۔ میر خاقان جنگلات کی لکڑی چرانے میں ملوث ہیں۔ ہادی مخالف پارٹی کو کیس کرنے کا مشورہ دیتا ہے اور انہیں اپنی والدہ کے پاس بھیج دیتا ہے۔ ٹینا بیگم کی مسز قریشی سے جان پہچان ہے۔ اسی لیے شہرزاد ان کے ساتھ کام کر رہی ہے۔ مسز قریشی شہرزاد کی صلاحیتوں سے متاثر ہوتی ہیں۔ آفس میں شہرزاد کی ہادی سے ملاقات ہوتی ہے، جو کچھ خوشگوار نہیں ہوتی۔
درشہوار کے دل میں ہادی کی محبت بڑھتی جا رہی ہے۔ وہ اس کے اظہار سے بھی نہیں گھبراتی، مگر طوبیٰ یہ جان کر سخت پریشان ہوتی ہے۔
رومیصہ کو کنزہ فون کر کے بلاتی ہے۔ وہ شرمندہ ہے اور کیس کے حوالے سے اس کی مدد کرنا چاہتی ہے۔ رضا ہارون، رومیصہ سے فری ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ انہیں تھپڑ مار کر چلی جاتی ہے اور راستے میں اغوا ہو جاتی ہے۔ اسے اپنے اغوا کا کنزہ پر شک ہے۔
شاہ میر چھٹی پر بنا کسی کو بتائے گھر آتا ہے۔ جہاں اس کی مڈبھیڑ طوبیٰ سے ہو جاتی ہے۔ وہ اس سے تھوڑا ہنسی مذاق کر کے اپنے کمرے کی جانب بڑھ جاتا ہے۔ جہاں دماغ کو ماؤف کر دینے والا ایک منظر اس کا منتظر تھا۔

پانچویں قسط

"اوہ میرے اللہ۔۔۔!"
شاہ میر نے پریشان نظروں سے پنکھے سے لٹکی صندل کی لاش دیکھی اور اس کی پیشانی پر لکیروں کا ہلکا سا جال گہرا ہوتا گیا۔ وہ ایک ہی نظر میں اندازہ لگا چکا تھا کہ سانسوں کا زندگی سے رشتہ ختم ہوئے کافی وقت گزر چکا ہے۔
اس نے تاسف بھری نظروں سے اپنے کمرے کا مکمل جائزہ لیا۔ صندل نے بڑے منظم طریقے سے اس کام کی منصوبہ بندی کی تھی۔ کہیں پر بھی کوئی جھول نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بڑے مضبوط اعصاب کا حامل تھا تب ہی تو ایسے ماحول میں بھی پُرسکون انداز میں کھڑا تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید اس وقت چیخیں مارتا ہوا وہاں سے نکل چکا

ہوتا۔

طوبیٰ، جو کسی کام سے شاہ میر کے پیچھے آئی تھی، اب دروازے میں کسی بت کی طرح ایستادہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے سامنے کا منظر دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہو چکا تھا اور دل کو تو گویا پنکھے لگ گئے تھے۔

"یہ کیا، کیا اس بے وقوف لڑکی نے؟" طوبیٰ کے چہرے سے خوف اور بوکھلاہٹ مترشح تھی۔

"کسی بھی چیز کو ہاتھ مت لگانا۔" شاہ میر نے بڑی سرعت سے اس کا بازو پکڑ کر پیچھے کھینچا۔

"یہ سب کیا ہے شاہ میر! یہ تو بالکل ٹھیک تھی شام کو۔" مارے گھبراہٹ کے وہ بے ربط بولنے لگی۔

"دماغ خراب ہونے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے۔" اس نے بید کی طرح لرزتی طوبیٰ کا ہاتھ نرمی سے پکڑا۔

"بی ریلیکس یار....."

"بہت ظلم کیا اس نے اپنے ساتھ۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اسے۔" طوبیٰ کی سانسیں ہموار ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ایک قطار کی صورت میں بہنے لگے۔

"میں بابا اور باقی لوگوں کو انفارم کرتا ہوں، تم پلیز جاؤ اپنے روم میں۔" وہ اسے تسلی دیتا ہوا فوراً کمرے سے نکلا۔

"اوکے۔" طوبیٰ نے دوپٹے سے اپنی نم آنکھیں رگڑیں، اچانک اس کی نظر گلابی رنگ کے کاغذ پر پڑی، جو بیڈ کے پاس کارپٹ پر گرا ہوا تھا۔ اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی۔

"یہ کیا ہے؟" وہ تیر کی طرح اس جانب لپکی اور بڑی سرعت سے پرچہ اٹھایا اور اس سے پہلے کہ وہ اسے کھول کر دیکھتی، کمرے کے باہر قدموں کی چاپ سن کر اس نے فوراً وہ صفحہ اپنی مٹھی میں بند کر کے ہاتھ دوپٹے کے نیچے کر لیا تھا۔

"تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو، جاؤ یہاں سے۔" شاہ میر فوراً ہی واپس آیا لیکن اس بار اس کے ساتھ ہانپتی کانپتی تاجدار بیگم بھی تھیں جنہوں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی دہل کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"یا اللہ رحم، یہ کیا، کیا اس پاگل لڑکی نے، میری چھٹی حس ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔" تاجدار بیگم نے ایک دم ہی دہائی ڈال دی۔ "اس کے ارادے تو مجھے بہت دنوں سے خطرناک لگ رہے تھے۔"

"استغفراللہ، استغفراللہ....." ندرت امی بھی آنکھیں ملتی ہوئی پیچھے پہنچ گئیں۔

"توبہ توبہ، قرب قیامت کی نشانیاں ہیں۔" شارقہ بیگم کون سا کسی سے کم تھیں۔ وہ بھی فوراً ہی جائے واردات پر پہنچیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کمرے میں خواتین کا جمگھٹا سا لگ گیا تھا۔ اس وقت سب صندل کی طرف دیکھنے سے دانستہ گریز کر رہی تھیں لیکن جائے وقوعہ کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہو رہی تھیں۔ شاہ میر فوراً بھاگ کر میر خاقان علی کو بلا لایا۔

"میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔" ندرت بیگم نے خاقان علی کی کمرے سے۔ جھلک دیکھتے ہی باہر کی راہ پکڑی، ویسے بھی وہ سب سے تیز خاتون تھیں اور جانتی تھیں کہ اب اگلا حکم کون سا جاری ہونے والا ہے۔

"یہ کیا کوئی سرکس کا شو ہے، جو سب میدان سجا کر بیٹھ گئی ہیں، نکلیں یہاں سے۔" وہ ایک دم ہی اندر داخل ہو کر دہاڑے۔

"میں تو خود انہیں یہی کہہ رہی تھی۔" تاجدار بیگم نے فوراً ہی اپنا بیان بدلا۔

"بھابھی پلیز، آپ سب لوگ جائیں یہاں سے۔" ان کے لہجے میں چھپی برہمی کو بھانپ کر سب ہی خواتین نے باہر کی طرف دوڑ لگائی اور پھر ہال میں جا کر ہی سکون کا سانس لیا، لڑکیاں تو بے حد خوف زدہ تھیں۔

"شاہ میر بات سنو میری' یہ نیوز گھر سے باہر نکلنے نہ پائے۔" خاقان علی نے معاملے کی سنگینی کو بھانپتے ہوئے اگلا آرڈر جاری کیا۔

"لیکن صندل کی فیملی۔" وہ کچھ جھجک کر چپ ہوا۔

"اگر شور مچائیں تو بھجوا دو انہیں ملتان' بڑی حویلی میں ورنہ چپ چاپ پڑے رہیں یہاں۔" ان کا لہجہ خاصا سفاک تھا۔

"جی چچا جان۔۔۔" شاہ میر نے تابع داری سے سر جھکایا۔

میر خاقان علی نے اپنے سیل فون پر میر حاکم کا نمبر ملایا جو بند جا رہا تھا۔ انہوں نے عجلت بھرے انداز میں اپنے بھتیجے وہاج کو کال کی جو تیسری گھنٹی پر اٹینڈ کر لی گئی تھی۔

"کہاں ہو تم؟" میر خاقان علی کے لہجے کی سنگینی پر وہ بوکھلا سے گئے۔

"نور محل میں ہوں' کیا ہوا چچا جان؟"

"فوراً" پہنچو میر ہاؤس اور بابا جان کو بھی ساتھ لے کر آنا۔" خاقان علی کے دو ٹوک انداز پر وہاج ہڑبڑا کر اٹھے اور اگلے ایک ڈیڑھ گھنٹے میں وہ اپنی گاڑی اڑاتے ہوئے مری پہنچے تو ہال میں خواتین کی محفل بجی ہوئی تھی۔

"بی بی جی! آپ مانیں یا نہ مانیں' اس کڑی پر جنات کا سایہ ہو گیا تھا۔" گھر کی ملازمہ اکبری نے دائیں بائیں دیکھ کر اپنی طرف سے بڑی نیوز بریک کی تھی' جبکہ ندرت بیگم نے کھا جانے والی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اپنی زبان بند ہی رکھو تو بہتر ہے' ایسا نہ ہو ہی جنات تمہیں بھی اٹھا کر کسی جنگل میں پھینک آئیں۔" ندرت بیگم کے طنزیہ انداز پر اکبری نے خوفزدہ انداز میں اپنے دل پر ہاتھ رکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر خاموشی کی گہری مہر ثبت ہو گئی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہاج کو اپنا دل سینے کی پسلیاں توڑ کر باہر نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"صندل نے خودکشی کر لی۔" اس خبر نے ان کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لی۔ انہوں نے بے ساختہ ہی نظریں چرائیں۔

"لیکن کیوں۔۔۔؟"

"یہی تو پتا نہیں۔۔۔" تاج دار بیگم کی بات پر ان کی سانس بحال ہوئی۔

"وہاج بھائی' آپ کو خاقان چچا بلا رہے ہیں۔"

شاہ میر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اپنے چچا کا پیغام دیا' داجی تو سیدھے میر محتشم کے کمرے میں چلے گئے تھے۔ جہاں ان سب نے مل کر اگلی حکمت عملی وضع کرنی تھی۔ اتنے ٹھنڈے موسم میں بھی وہاج کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔

"یہ کیا کیا اس پاگل لڑکی نے۔۔۔" وہ دل ہی دل میں اسے کوستے ہوئے اپنے والد کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

صندل کے پورے خاندان پر تو لگتا تھا قیامت ٹوٹ گئی ہے۔ اس کی ماں کو غشی کے دورے پڑ رہے تھے اور اس کا باپ صدمے کے عالم میں بس اپنی بیٹی کے چہرے کو دیکھ رہا تھا' جس پر موت کی زردی چھا چکی تھی۔ اس کے چہرے پر اس قدر ویرانی اور وحشت تھی کہ کوئی بھی زیادہ دیر تک اسے دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

☆☆☆

"روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا۔"

ٹینا ہاؤس میں عجیب سی بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ اس سارے ہنگامے سے بے نیاز' ہارون رضا گھٹنوں تک آتی شارٹس میں ملبوس صوفے پر نیم دراز' سگار سے دھوئیں کے بادل بنا رہے تھے۔
بظاہر ان کی نگاہیں اپنے آئی فون کی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں لیکن پورا وجود ہمہ تن سماعت بنا ٹینا بیگم کی طرف متوجہ تھا۔ گھٹنوں سے تھوڑا اوپر آتے سیاہ رنگ کے اسکرٹ پر وہ سرمئی رنگ کا ٹاپ پہنے خود ایک چلتی پھرتی قیامت بنی اضطراری انداز میں لاؤنج میں ٹہل رہی تھیں۔ ان کے سیل فون کی مترنم گھنٹی بار بار بج رہی تھی لیکن وہ اس وقت صرف خاص اور کام کی کالز ہی اٹینڈ کر رہی تھیں۔
رومیصہ کی گمشدگی کی اطلاع پورے شہر میں آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ اس وقت بنگلے کے باہر پولیس ہی پولیس تھی۔ ٹینا بیگم نے اپنا تمام اثر و رسوخ استعمال کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود رومیصہ کے بارے میں کوئی سن گن نہیں مل رہی تھی۔
"تم نے آخر جانے ہی کیوں دیا اسے۔" وہ ہارون رضا پر برس پڑیں' جو سگار منہ میں دبے ایک طرف بیٹھے' پوری صورت حال سے دل ہی دل میں لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ روی اب زندہ حالت میں گھر واپس نہ آئے۔
"وہ سنتی ہے کسی کی۔" انہوں نے طنزیہ نگاہوں سے اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے سگار کا دھواں اُڑایا۔
"سات گھنٹے گزر چکے ہیں' آخر گئی کہاں وہ۔" وہ سر پکڑ کر کاؤچ پر بیٹھ گئیں۔
"شاید کلب گئی ہو۔" ہارون رضا نے لقمہ دیا۔
"ہر جگہ پتا کروا چکی ہوں' کلب' اسپتال' جم' ایئرپورٹ' یونیورسٹی اور اس کی فرینڈز سے۔" پریشانی ان کے ہر انداز سے ہویدا تھی۔
"ایک جگہ تو رہ گئی۔" ہارون کے چہرے پر ایک دل جلاتی مسکراہٹ ابھری۔
"کون سی؟" وہ بے چین ہوئیں۔
"اسپتال کے مردہ خانے (Mortuary) میں۔"
"شٹ اپ۔۔۔" ٹینا بیگم خوں خوار انداز میں ان کی طرف دیکھتے ہوئے چلائیں۔ کچھ بھی تھا' ہارون نے اس دفعہ براہ راست ان کے کلیجے پہ ہاتھ ڈالا تھا' وہ رومیصہ سے جتنی بھی خفا ہوں لیکن تھی تو وہ ان کی ہی اولاد۔ وہ کھا جانے والی نگاہوں سے اپنے شوہر کو دیکھنے لگیں' جو ایک دم ہی ان کے دل سے اُتر چکا تھا۔
"آئی ایم مچ سیریس۔" وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائے۔
کارڈلیس اٹھائے' لاؤنج کی سیڑھیاں اترتی شہرزاد نے ان کے دونوں جملے بقائمی ہوش و حواس سنے تھے اور اس کے پورے وجود کا لہو سمٹ کر اس کے چہرے پر آگیا تھا۔ وہ جو پہلے ہی رومیصہ کی وجہ سے سخت ٹینشن میں تھی' ہارون رضا کے اس جملے نے اس کے ضبط کی ایسی کی تیسی کر دی تھی۔
"ایکسکیوز می۔۔۔"
وہ ایک دم ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور انگلی کے اشارے سے انہیں کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ ہارون اس کے چہرے پر پھیلی غضب ناکی سے بوکھلا کر فوراً کھڑے ہوئے۔ ٹینا بیگم نے بھی ہڑبڑا کر اس کی طرف دیکھا۔
"یو کمین گو ناؤ۔۔۔" شہرزاد کے سرد انداز پر وہ بھونچکا رہ گئے۔ اس قدر درشتی کی انہیں کہاں توقع تھی۔
"آئندہ یہ شخص اس گھر میں نظر آیا تو اچھا نہیں ہوگا۔" شیری کے جارحانہ انداز پر ٹینا بیگم بھی سٹ پٹا گئیں۔
"کم آن شیری' لیو اٹ۔ عادت ہے اسے فضول بولنے کی۔" انہوں نے ماحول کا تناؤ کم کرنے کی ناکام کوشش

کی لیکن آج شاید ہارون رضا کے ستارے گردش میں تھے۔
"لیکن مجھے عادت نہیں ہے اپنے گھر میں کسی بھی قسم کی 'چیپ' گفتگو سننے کی۔" وہ شعلہ بار نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ ہارون کو یوں لگا جیسے کسی نے انہیں اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا ہو۔
"واٹس ٹو مچ ٹینا!" ہارون نے تلملا کر ٹینا بیگم سے اس طرح شکایت کی جیسے دونوں کے درمیان بڑے خوشگوار تعلقات رہے ہوں۔
"مام! ان سے کہیں، جائیں یہاں سے یا پھر میں گارڈ کو بلاؤں۔" شہرزاد نے بے رخی کے سارے ریکارڈ توڑے۔
ہارون رضا نے سائیڈ میز پر رکھا اپنا والٹ، سیل فون اور گاڑی کی چابیاں جھٹکے سے اٹھائیں اور غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔
"خس کم جہاں پاک۔" اپنی لندن پلٹ بیٹی کے منہ سے یہ جملہ سننا ٹینا بیگم کے لیے کسی بڑے اچنبھے سے کم نہیں تھا۔
"شیری! یہ اچھا نہیں کیا تم نے۔" وہ تھوڑا سا جھجک کر بولیں۔
"مام، آج آپ کو ایک فیصلہ کرنا ہی ہوگا۔" وہ ترشی سے بولی۔ ٹینا بیگم نے سوالیہ نظروں سے اپنی اس بیٹی کی طرف دیکھا، جو ماحول پر چھا جانے کی فطری صلاحیت سے مالا مال تھی۔
"اپنا ڈائیوورس کیس آپ خود فائل کریں گی یا یہ کام بھی مجھے ہی کرنا ہوگا۔" شہرزاد کے اگلے جملے پر ٹینا بیگم ایک دم خفت کا شکار ہوئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اس بات پر کوئی تبصرہ کرتیں، شہرزاد کے سیل فون پر آنے والی کال نے ان دونوں کی توجہ اس موضوع سے ہٹا دی۔
"ہیلو۔" شہرزاد نے بے تابی سے اس انجان نمبر کو اٹینڈ کیا۔
"شہاب بات کر رہا ہوں میم!" دوسری طرف مسز قریشی کا پرسنل اسسٹنٹ تھا۔
"کچھ پتا چلا رومی کا۔" اس نے عجلت بھرے انداز میں پوچھا۔
"رومیصہ کی گاڑی مل گئی ہے، جناح سپر مارکیٹ سے۔" اگلی اطلاع نے شہرزاد کو بے چین کیا۔
"آپ کو کس نے بتایا؟"
"اے ایس پی ارتضیٰ حیدر صاحب کی کال آئی تھی میڈم قریشی کو۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔
"اور رومیصہ کا کچھ پتا چلا؟" اس کا لہجہ پریشانی سے بوجھل ہوا۔
"ان کے بارے میں ابھی کوئی اطلاع نہیں۔" شہاب نے مختصریات کر کے فون بند کر دیا۔
شہرزاد نے فوراً اپنی گاڑی کی چابی اٹھائی، وہ اس سلسلے میں مسز قریشی سے تفصیلی میٹنگ کر کے بیرسٹر محمود کے خلاف ایف آئی آر کٹوانا چاہتی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ اس سارے قصے کے پیچھے اسی کی فیملی کا ہاتھ ہے۔ ایک لمحے کو ہارون رضا اور اس کی ساری باتیں اس کے ذہن سے نکل گئی تھیں۔ رومی کا مسئلہ ہر چیز پر حاوی ہو گیا تھا۔
ٹینا بیگم کو پریشانی میں چھوڑ کر وہ اپنی گاڑی لیے باہر نکلی تو پولیس کی دو گاڑیاں ان کے گھر کے عین سامنے کھڑی تھیں۔ یقیناً ٹینا بیگم اپنے ذرائع کا استعمال کر چکی تھیں۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا شہرزاد کا دل بیٹھتا جا رہا تھا۔
ان دونوں بہنوں کے درمیان بہت زیادہ دوستی تو کبھی بھی نہیں رہی تھی لیکن خون کے رشتے کی کشش نے دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ پہلی دفعہ شہرزاد کو اندازہ ہوا کہ رومیصہ خاصی متلون مزاج لڑکی

تھی' اس کا موڈ لمحہ بہ لمحہ بدلتا تھا اور مزے کی بات یہ تھی کہ وہ اپنی ہی کہی ہوئی باتوں اور چیزوں کو بھول جاتی' اس نے ضد کر کے شہرزاد کو پاکستان بلوایا اور اس کے بعد نو لفٹ کا بورڈ لگا دیا۔
اس سلسلے میں شہرزاد کی تمام کوششیں بے سود رہیں اور دوسرے وہ جس کلاس سے تعلق رکھتی تھیں' وہاں ہر کسی کو اپنے رشتوں سے زیادہ اپنی پرائیویسی عزیز تھی۔ اسی وجہ سے اس نے بھی رومیصہ کے معاملات میں زیادہ گھسنے کی کوشش نہیں کی' جس کا خمیازہ اسے اب بھگتنا پڑ رہا تھا۔
وہ جیسے ہی اپنی گاڑی مین روڈ پر لے کر آئی' سیل فون پر ایک دفعہ پھر ایک نا آشنا نمبر بلنک ہوا۔ اس نے عجلت بھرے انداز میں کال اٹینڈ کی۔
"شہرزاد' کہاں ہو تم...؟" ہم زاد کی آواز سن کر اس کے حلق سے ایک لمبی سانس خارج ہوئی۔
"آفس جا رہی ہوں۔" اس نے بھی کسی بھی قسم کی بحث کیے بغیر جواب دیا۔
"اوکے' میں تمہارے آفس ہی میں ہوں۔" اس نے شہرزاد کی سماعت میں گویا بم پھوڑا۔
"کیا؟" اسٹیئرنگ پر اس کی گرفت مضبوط ہوئی۔
"کیوں' میں نہیں آسکتا کیا؟" وہ محتاط انداز میں گویا ہوا۔
"میرا یہ مطلب نہیں تھا' میں بس پہنچ رہی ہوں آفس۔" اس نے بوکھلا کر وضاحت کی۔
"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ایک لفافہ چھوڑے جا رہا ہوں تمہاری ٹیبل پر' شاید کچھ ہیلپ کر سکے۔" وہ اس وقت خاصی عجلت میں تھا۔
"لیکن' میں رومیصہ کے سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔" اس نے قدرے جھجک کر کہا۔
"لیکن میں اس سلسلے میں آپ سے ملنا نہیں چاہتا۔" اس کے صاف انکار پر اسے دھچکا سا لگا۔
"لیکن کیوں...؟" اس کی آواز احتجاجاً" بلند ہوئی۔
"میں آپ سے صرف آپ ہی کے سلسلے میں ملنا چاہتا ہوں۔" اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔
"اٹس ناٹ فیئر۔" شہرزاد کو برا لگا۔
"آپ اپنے سیل فون میں میرا نمبر محفوظ کر لیں' جب کبھی میرے نام پر آپ کی دھڑکنیں بے ربط ہونے لگیں گی' میرا وعدہ ہے کہ میں اس دن سرخ گلابوں کے ساتھ آپ سے ملنے آؤں گا۔" وہ اپنے مخصوص دل چراتے لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے فون بند کر چکا تھا۔
شہرزاد کو اچھی خاصی مایوسی ہوئی لیکن جلد ہی اس نے مختلف سوچوں کو اپنے ذہن سے جھٹکا اور پارکنگ میں گاڑی کھڑی کر کے باہر نکلی۔ آفس کی ریسپشن پر موجود لڑکی گھر جا چکی تھی اور وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر فرسٹ فلور پر آئی۔ کوریڈور سنسان تھا۔ صرف اس کے ایک دو کولیگس کے آفس کھلے تھے۔ وہ پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ اپنے آفس میں داخل ہوئی۔
کمرے میں کریڈ (Creed) پرفیوم کی بھینی بھینی سی مہک نے اس کا استقبال کیا۔ اس کی میز پر کافی کا ایک خالی مگ تھا۔ وہ واقعی یہاں سے ہو کر واپس جا چکا تھا لیکن اس کی خوشبو ابھی بھی کمرے میں چکراتی پھر رہی تھی۔
اس نے گردن گھما کر کارنر ٹیبل کی طرف دیکھا جہاں کافی کا سامان کھلا ہوا تھا۔ یقیناً" اس نے کافی بنانے کا فریضہ بھی خود ہی سرانجام دیا تھا۔ سامنے میز پر ایک براؤن کلر کا لفافہ تھا۔ شہرزاد نے عجلت بھرے انداز میں اسے کھولا اور ساتھ ہی اس کا ذہن گھوم گیا۔
وہ سی سی ٹی وی سے لی گئی کچھ تصاویر تھیں' اس لیے کچھ دھندلی سی تھیں لیکن ان تصاویر سے وہ بخوبی اندازہ

لگا سکتی تھی کہ رومی کس حادثے کا شکار ہو چکی ہے۔ سیاہ رنگ کے شلوار سوٹ میں ملبوس دو جوان لڑکے رومی کو گھسیٹ رہے تھے، سامنے ان کی گاڑی کھڑی تھی لیکن بد قسمتی سے وہ اس انداز سے کھڑی تھی کہ اس کا کوئی نمبر اور شناختی چیز سامنے نہیں آرہی تھی۔ ان لڑکوں کا بھی صرف سائیڈ پوز تھا۔

"اوہ نو۔۔۔" شہرزاد کو اپنا دماغ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔

وہ دھپ کر کے اپنی کرسی پر بیٹھی، اس نے جلدی سے اپنا سیل فون نکالا جہاں ریسیوڈ کالز میں ہم زاد کا سیل نمبر موجود تھا۔ وہ واقعی وعدے کا پکا تھا اور اس بار اس نے شہرزاد کو شاید اپنے ہی نمبر سے کال کی تھی۔ شہرزاد کی کال تیسری بیل پر ریسیو کرلی گئی تھی۔

"تصاویر دیکھ لیں تم نے۔" وہ خاصا ذہین تھا اور اندازہ کر چکا تھا کہ شہرزاد نے اسے فوراً ہی کال کیوں کی۔

"یہ کہاں سے لی ہیں آپ نے؟"

"اسی ریسٹورنٹ سے، جس کے پاس رومی کی گاڑی کھڑی تھی۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"آپ کو کس نے بتایا رومی کے اغوا کا؟"

"کم آن شہرزاد، ایک ذہین و فطین بیرسٹر کو ایسے بچکانہ سوال سوٹ نہیں کرتے، تمہیں بارہا بتا چکا ہوں کہ تمہارے بارے میں تم سے زیادہ جانتا ہوں میں۔" اس کی بات نے شہرزاد کو ہلکی سی خفت میں مبتلا کیا۔

"آپ کے خیال میں کون لوگ ہیں یہ۔؟" اس نے فوراً موضوع گفتگو بدلا۔

"کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتا۔۔۔"

"بیرسٹر محمود کی فیملی؟" شہرزاد نے اپنا خدشہ اس کے سامنے ظاہر کیا۔

"آئی ڈونٹ تھنک سو۔" اس کی بات نے شہرزاد کو حیران کیا لیکن اتنا تو وہ بھی جان گئی تھی کہ اس کی باتوں میں دم ہوتا تھا۔

"دیکھو شہرزاد! بیرسٹر محمود کا کیس بہت اسٹرانگ ہے، اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر ایسی بے وقوفانہ حرکت کرے۔" وہ اکثر معاملات میں خاصی حقیقت پسندانہ سوچ کا حامل تھا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، لیکن پھر کون ایسی حرکت کر سکتا ہے۔" وہ پریشان ہوئی۔

"اسی سوال کا جواب تو ہم دونوں کو مل کر ڈھونڈنا ہے، لیکن اطمینان رکھو، میں ہر جگہ تمہارے ساتھ ہوں۔" دھیمے لہجے میں بولتا ہوا وہ اسے تسلی تو دے گیا تھا لیکن شہرزاد دل ہی دل میں رومی کے لیے سخت پریشان ہو چکی تھی۔

وہ جیسے ہی فون بند کر کے اپنی فائل کی طرف متوجہ ہوئی، آفس بوائے ہلکا سا دروازہ کھٹکھٹا کر کمرے میں داخل ہوا۔ شہرزاد نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میم عالیہ آپ کو اپنے آفس میں بلا رہی ہیں۔"

"اوکے۔" اس نے فوراً تصاویر کا لفافہ اٹھایا اور ایک دم ایک خیال اس کے ذہن میں ابھرا۔ "عبدالشکور میری بات سنو۔"

"جی میڈم!" وہ مودبانہ انداز میں پلٹا۔

"آج شام چھ بجے کوئی میرے آفس میں آیا تھا کیا؟" اس نے دانستہ لاپروا لہجے میں پوچھا۔

"میری موجودگی میں تو کوئی نہیں آیا تھا، ہاں ایک گھنٹے کے لیے میں کچھ ضروری ڈاکومنٹس لینے ضرور گیا تھا بڑی میڈم کے ہاں۔" اس نے فوراً گھبرا کر صفائی دی تو شہرزاد کو اس کے لہجے سے اندازہ ہو گیا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تب ہی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"کوئی بات ہوئی ہے کیا؟" وہ پریشان ہوا۔
"نہیں... تم یہ فائلیں مسز قریشی کے آفس میں پہنچاؤ، میں پانچ منٹ میں آرہی ہوں۔" شہرزاد نے ٹیبل پر موجود فائلوں کی طرف اشارہ کیا اور خود فریش ہونے کے لیے اپنے آفس سے ملحقہ واش روم کی طرف بڑھ گئی۔
اندر داخل ہوتے ہی اس کی نظر واش بیسن پر رکھی راڈو کی مردانہ گھڑی پر پڑی۔ اس نے فوراً اسے اٹھایا اور حیرانی سے اس کا جائزہ لیا، وہ یقیناً اسی کی گھڑی تھی، جو وہ یہاں بھول گیا تھا۔ شہرزاد کے لیے تعجب کی بات اس کا آفس میں آنا نہیں، بلکہ اتنے اطمینان سے وہاں بیٹھ کر کافی پینا اور اسے کال کرنا تھا۔ وہ یقیناً کوئی بہت پُراعتماد اور مضبوط اعصاب کا حامل شخص تھا۔

☆ ☆ ☆

صندل کی تدفین انتہائی خاموشی اور رازداری کے ساتھ کردی گئی تھی۔
اگلے کئی روز تک میرہاؤس پر ایک محسوس کیے جانے والے بوجھل سناٹے کا راج رہا۔ ہر کوئی ایک دوسرے سے آنکھیں چُرا رہا تھا۔ صندل کی موت کا معمہ اس کے ساتھ ہی مٹی میں دفن ہوگیا تھا۔
شروع شروع میں داجی نے اس کے سارے خاندان کے لوگوں کو کریدنے کی کوشش کی، لیکن سب کا یہی کہنا تھا کہ وہ یہاں سے جانے سے پہلے بالکل ٹھیک تھی، لیکن داجی چونکہ خود بھی نور محل میں ہی رہتے تھے اس لیے وہ وہاں کے حالات سے بالکل مطمئن تھے، پھر بھی انہوں نے فارحہ بھابھی سے... گھما پھرا کر پوچھنے کی کوشش کی لیکن ان کے پاس بھی کوئی ایسی معلومات نہیں تھیں، جو ان کے لیے سودمند ثابت ہوتیں۔
میرہاؤس کی لڑکیوں کے ہونٹوں پر بھی خاموشی کی مہر ثبت ہوچکی تھی۔ ہر کوئی ایک اس واقعے کے بعد عجیب سی کیفیت کا شکار تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے صندل جاتے جاتے ساری لڑکیوں کے قہقہے بھی اپنے ساتھ قبر میں لے گئی ہے۔
وہ تینوں اس وقت پچھلے لان میں موجود تھیں اور خلاف توقع وہاں کسی بھی قسم کا ہنگامہ نہیں تھا۔ درِشہوار کے ہاتھ میں ایک پلیٹ تھی جس میں کافی ساری کچی کیریاں رکھی ہوئی تھیں۔ نمیرہ درخت کے ساتھ لگے جھولے پر اور طوبیٰ، درِشہوار کے ساتھ لان کی گھاس پر براجمان تھی۔
"تمہارے خیال میں اس نے کیوں خودکشی کی ہوگی؟" نمیرہ نے جھولے پر بیٹھے ہوئے افسردگی سے پوچھا۔
"مجھے لگتا ہے، اسے کسی سے محبت ہوگئی تھی۔" درِشہوار نے ہاتھ میں پکڑی کیری پر نمک نہیں چھڑکا تھا، بلکہ بالکل سامنے بیٹھی طوبیٰ کے سارے زخم ہرے کردیے تھے۔ وہ صندل کے ہاتھ کا لکھا ہوا رقعہ پڑھ چکی تھی اور اس میں موجود لفظوں نے طوبیٰ کی زندگی کا سارا سکون برباد کردیا تھا۔
"محبت... لیکن کس سے؟" نمیرہ چھلانگ مار کر جھولے سے اتری۔
"یہ ساتھ والے پڑوسی ہادی سے۔" طوبیٰ نے جل کر لقمہ دیا۔ درِشہوار کا رنگ ایک لمحے کو فق ہوا، وہ اس مذاق کو حقیقت سمجھی تھی۔
"سیریسلی؟" نمیرہ کی آنکھیں تعجب کے اظہار سے پوری کھل گئیں۔
"دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟" طوبیٰ بے زاری سے بولی۔ "محبت ہوگئی تھی، ہونہہ..."
"کیوں... غلط کہا میں نے۔" درِشہوار نے برا سا منہ بنایا۔
"ہاں... اس لیے کہ یہ سراسر ایک فضول اور من گھڑت بات ہے، بندہ بات تو وہ کرے، جس پر یقین

آجائے۔" ایک عجیب سی طنزیہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر در آئی۔ درشوار اور نمیرہ کا مشترکہ قہقہہ فضاؤں میں گونجا۔ طوبیٰ نے چونک کر ان دونوں کی طرف دیکھا اور پہلی دفعہ اسے ان کی لاعلمی پر رشک آیا۔ اس کا دل بھر آیا۔ وہ چیخ چیخ کر رونا چاہتی تھی۔ اس کے دل و دماغ میں جھکڑ چلنے لگے۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی اور پھر اگلے کئی گھنٹے باہر نہیں نکلی۔ اس کی نیند' بھوک اور سکون سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ ہر لمحہ اسے صندل کی آہیں' مری کی تیز ہواؤں کی شائیں شائیں کے ساتھ بین کرتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔

وہ اکثر رات گئے اس کاغذ کو باہر نکالتی' جو اس کے لیے ایک جلتا ہوا انگارہ بن چکا تھا۔ اس پر لکھا تھا۔ اس پر لکھا ہوا ایک ایک لفظ اس کے دل پر تحریر تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی یہ بات کسی سے شیئر کرنے کی جرات نہیں کر سکتی تھی۔

صندل کا سارا خاندان وہیں تھا اور وہ لوگ خود شرمندگی سے نظریں چرائے پھرتے تھے۔ انہیں لگتا تھا کہ ان کی بیٹی نے یہ قدم اٹھا کر مالکوں کی نظروں میں ان کی وقعت کم کر دی ہے۔

اس دن طوبیٰ اپنے اور انابیہ کے مشترکہ کمرے میں موجود تھی۔ رات کے دو بج رہے تھے اور نیند اس کی آنکھوں سے روٹھ چکی تھی۔ ان ہی دنوں شامیر اپنے یونٹ کے ساتھ نیا نیا کھاریاں سے پوسٹڈ ہو کر مری آچکا تھا اور آج کل آؤٹ لیونگ اسٹیشن پرمیشن کے تحت گھر میں ہی رہ رہا تھا۔ طوبیٰ نے سونے کی ہر ممکن کوشش کی اور تنگ آکر سائیڈ میز پر رکھا انابیہ کا ناول اٹھا لیا۔

جیسے ہی اس نے ناول کھولا' اس میں سے ایک تصویر نکل کر طوبیٰ کی گود میں آن گری' وہ برہان کی کانووکیشن کے موقع پر لی گئی ایک خوب صورت تصویر تھی۔ طوبیٰ نے بے زاری سے سر جھٹک کر اسے دوبارہ ناول میں رکھ دیا' اسے اپنی بہن سے بے حد ہمدردی محسوس ہوئی۔ نہ جانے کیوں میر ہاؤس کے سارے ہی مرد اس کے دل سے اتر گئے تھے۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھی۔ وہ یہ راز کسی اور سے شیئر کرنا چاہتی تھی۔ اچانک اسے کمرے کے باہر چھن چھن کی آواز محسوس ہوئی۔

طوبیٰ کا دل دھک کر کے رہ گیا' یہ آواز اس کی سماعت میں اچھی طرح محفوظ تھی کیونکہ سب جانتے تھے کہ صندل کو پازیب پہننے کا بہت شوق تھا' جس کی وجہ سے کئی بار میر ہاؤس کی خواتین نے اس کی عزت افزائی بھی کی تھی اس وقت تو وہ اتار دیتی' لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد ڈھیٹ بن کر دوبارہ پائل پہن لیتی۔

"چھن چھن چھن۔۔۔" یہ آواز طوبیٰ کے دروازے پر آکر تھم سی گئی' اسے اپنی دھڑکنوں میں ایک طوفان سا آتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے ہراساں نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھا۔

"صندل کی پازیب؟ لیکن کس نے پہنی ہے۔" اس سوچ نے اسے بے چین کیا۔ اس نے کن اکھیوں سے انابیہ کی طرف دیکھا' وہ گہری نیند میں تھی۔ اس لیے اس نے اسے اٹھانا مناسب نہیں سمجھا۔ باہر ایک دفعہ پھر پائل چھنکی۔

"مجھے دیکھنا چاہیے۔" وہ بڑی سرعت سے اٹھی اور جیسے ہی دروازے کے پاس پہنچی' پائل کی آواز اسے دروازے سے دور جاتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے بڑی تیزی سے دروازہ کھولا' باہر کوریڈور سنسان تھا۔

وہ الجھن بھرے انداز میں ٹی وی لاؤنج کی طرف بڑھی کہ اچانک شاہ میر کے کمرے کا دروازہ کھلا اور اس نے نیند بھری آنکھوں سے اس کی طرف چونک کر دیکھا۔

"یہ آدھی رات کو تم کیا چھن چھن کرتی پھر رہی ہو۔" اس جملے نے طوبیٰ کا رہا سہا سکون بھی غارت کر دیا۔

"کیا وہ آواز تم نے بھی سنی تھی؟" اس نے ہراساں نگاہوں سے شاہ میر کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔۔۔ تب ہی تو باہر نکلا ہوں میں۔" اس نے گویا دھماکا کیا۔ وہ ایک گہرے خوف کے زیر اثر بالکل اس کے

قریب آگئی جیسے ڈر گئی ہو۔
"وہ ایسی پائل تو صندل پہنا کرتی تھی۔" طوبیٰ کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔ شاہ میر نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔
"کیا مطلب؟"
"بائے گاڈ صندل کی پائل کی بھی ایسی ہی آواز تھی۔" اس نے نظریں چرا کر اپنی بات کو دہرایا۔
"اچھا۔۔۔ چلو باہر دیکھ کر آتے ہیں۔" شاہ میر نے لاشعوری طور پر اس کا بازو پکڑا طوبیٰ کو کرنٹ لگا اور وہ بدک کر دو قدم پیچھے جا کھڑی ہوئی۔ شاہ میر نے ذرا سی آنکھیں سیکڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ طوبیٰ کی آنکھوں میں اس کے لیے حد درجہ بے زاری اور بیگانگی تھی۔
"کیا ہوا طوبیٰ؟" وہ اس کے صبیح چہرے کو جانچتے ہوئے نرمی سے گویا ہوا۔
"ہاتھ کیوں لگایا ہے تم نے مجھے" وہ ہذیانی انداز میں پھنکاری۔
"طوبیٰ۔۔۔" شاہ میر کو دھچکا سا لگا۔ "کیا اعتبار نہیں ہے مجھ پر؟" وہ متحیر تھا۔
"نہیں۔" اس کا لہجہ سرد تھا اور شاہ میر کو لگا جیسے میر ہاؤس کی چھت کے سارے گارڈر اس پر آن گرے ہوں۔
"وجہ پوچھ سکتا ہوں۔" اس نے زخمی نگاہوں سے اس دشمن جاں کی طرف دیکھا۔
"تم سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہو۔" وہ سلگ کر تمسخرانہ انداز میں بولی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔
شاہ میر کو لگا جیسے اس کے وجود کے اندر بھونچال سا آگیا ہو۔
"مطلب کیا ہے تمہارا اس بات سے؟" وہ اپنا برہم انداز چاہ کر بھی نہیں چھپا سکا۔
"کوئی مطلب نہیں ہے میرا۔" وہ اس وقت ساری ہی دنیا سے خفا تھی۔
"تمہیں کس نے حق دیا ہے میری محبت کی توہین کرنے کا۔" وہ تو گویا انگاروں پر جا کھڑا ہوا تھا۔
"مرد کو محبت صرف عورت کے وجود سے ہوتی ہے اور کسی سے نہیں۔" وہ حد درجہ بدگمانی سے بولتی ہوئی ایک دفعہ پھر اس پر قیامت ڈھا گئی۔
شاہ میر کو لگا جیسے اس کے جسم پر کسی نے چابک برسا دیا ہو۔ یہ وہ پہلی لڑکی تھی جسے دیکھ کر اس کے دل کی دنیا آباد ہوئی تھی۔ وہ اس کے بارے میں ایسا سوچتی تھی یہ اس کے لیے ڈوب مرنے کا مقام تھا۔
"کہاں سے سیکھی ہیں یہ فضول باتیں؟" وہ جھنجلا کر مزید بولا۔ "دماغ تو خراب نہیں ہوگیا تمہارا کیا اتنا چیپ لگتا ہوں میں تمہیں، شرم آنی چاہیے ایسی باتیں کرتے ہوئے۔" وہ سخت برا مان چکا تھا۔
"میرے راستے سے ہٹو۔" اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تب ہی وہ درشت لہجے میں بولی۔
"پرابلم کیا ہے تمہارے ساتھ کیوں اس طرح سے بی ہیو کر رہی ہو؟" وہ انگشت شہادت اٹھا کر غصیلے لہجے میں بولتا ہوا طوبیٰ کو مزید سلگا گیا۔
"مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے تم میں۔۔۔ سمجھے۔" طوبیٰ بدلحاظ ہوئی اور شاہ میر کے چہرے کی جوت اس سرد انداز پر بالکل ہی بجھ گئی۔
"یاد رکھنا طوبیٰ خاقان۔" وہ اس کے پاس آکر ناراضی سے گویا ہوا۔ "محبت کو بار بار دھتکارا جائے تو وہ آکاس بیل کی طرح پورے وجود کو جکڑ لیتی ہے اور پھر نیم جاں کر کے ہی چھوڑتی ہے۔ اس کے بعد انسان کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہتا۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر خود پر ضبط کرتا ہوا بمشکل بولا۔ اس کی آنکھوں سے نکلنے والے شراروں سے طوبیٰ کو اپنا آپ جلتا ہوا محسوس ہوا، وہ فوراً اپنے کمرے کے دروازے کی طرف لپکی۔
اسی لمحے پائل کی آواز ایک دفعہ پھر گونجی۔ اس دفعہ اس آواز میں صدیوں کا کرب پوشیدہ تھا۔ شاہ میر اور طوبیٰ

نے بوکھلا کر کوریڈور کے اختتام کی طرف دیکھا۔
کیونکہ یہ آواز وہیں سے ابھری اور ایک دم ہی ڈوب گئی' بالکل ایسے ہی طوبیٰ کو بھی اپنا دل خوف کے سمندر میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوا کیونکہ اس نے شاہ میر کو اس آواز کے تعاقب میں جاتے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"لکھوا لو مجھ سے' تمہیں وہم ہوا ہوگا۔" انابیہ نے صبح اپنے کپڑے پریس کرتے ہوئے سارا قصہ سن کر لاپروائی سے کہا۔
"یہ کیسے ممکن ہے طوبیٰ؟ ہو سکتا ہے تمہارے لاشعور میں کوئی ایسی بات موجود ہو جسے تم کسی خوف کی وجہ سے سامنے لانا نہ چاہتی ہو۔" وہ استری بند کر کے اس کے عین سامنے آن کھڑی ہوئی۔
"رہنے دو تم' بڑی آئیں سگمنڈ فرائیڈ کی بھتیجی۔" وہ ایک دم چڑ گئی۔
"کیوں بات بات پر اری ٹیٹ ہو رہی ہو تم۔" انابیہ کی نرم آنکھوں سے پریشانی چھلکی۔
"اس لیے کہ تم میری بات کا یقین نہیں کر رہی ہو۔ چلو مجھے تو وہم ہوا تھا تم کیا شاہ میر کے بھی کان بج رہے تھے۔" اس نے ایک مضبوط دلیل پیش کی جسے انابیہ نے چٹکیوں میں اڑا دیا۔
"تمہاری کسی بات سے اختلاف کر کے اس بے چارے نے مرنا تھوڑی تھا۔" وہ شرارتی لہجے میں ہنسی۔
"ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے' میں کون سا ہر وقت لٹھ لے کر اس کے پیچھے بھاگتی رہتی ہوں۔" وہ تلخی سے گویا ہوئی۔
"بس کرو طوبیٰ! وہ حد درجے جذباتی اور بے وقوف لڑکی تھی' اس نے کسی چھوٹی سی بات کو بنیاد بنا کر یہ قدم اٹھالیا ہوگا۔" انابیہ نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی تو ایک استہزائیہ مسکراہٹ طوبیٰ کے ہونٹوں پر ابھری۔
"تم خود دل پر ہاتھ رکھ کر انصاف کو آواز دو' کیا وہ بات اتنی چھوٹی ہو سکتی ہے' جس کی بنیاد پر کوئی انسان زندگی سے اپنی سانسوں کا رشتہ توڑ لے۔" وہ اسے ہکا بکا چھوڑ کر ناراضی سے کمرے سے نکلی اور سامنے سے آتے وہاج سے ٹکرا گئی۔ طوبیٰ کے دل کی دھڑکنیں ایک دم تیز ہوئیں۔
"دھیان سے نہیں چل سکتیں کیا؟" ان کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔
"دھیان سے چلنے والوں کے سامنے بھی کبھی کبھی کوئی ایسی چٹان آجاتی ہے' جس سے ٹکرا کر انسان پاش پاش ہو جاتا ہے۔" وہ وہاج کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے متنفر لہجے میں بولی۔ اس کے چہرے کے غیر معمولی تاثرات نے انہیں چونکا دیا۔
"کیا کہنا چاہتی ہو تم؟" ان کے ماتھے کی رگ پھڑپھڑانے لگی۔
"کچھ نہیں۔" وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئی تھی۔
"میری بات سنو طوبیٰ!" انہوں نے پریشانی سے اس کا بازو پکڑا جو طوبیٰ نے غصے سے ایک جھٹکے سے چھڑایا۔
"کیا ہوا؟" وہ حقیقتاً بوکھلا گئے۔
"دوبارہ میرا ہاتھ پکڑ کر بات مت کیجئے گا۔" وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولتی ہوئی ان کے چھکے چھڑا گئی تھی۔
"تم میرے لیے درشہوار کی طرح ہو۔" انہوں نے گھبرا کر صفائی دی۔
"میر ہاؤس میں موجود ہر لڑکی آپ کے لیے درشہوار کی طرح ہی ہونی چاہیے' چاہے وہ مالک ہو یا ملازم۔" اس کا طنزیہ انداز وہاج کو جو کچھ باور کروا رہا تھا' وہ یہ بات مر کر بھی تسلیم نہیں کر سکتے تھے لیکن طوبیٰ کا ہر انداز انہیں باور

کروا رہا تھا کہ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔ تب ہی وہ میرہاؤس میں زیادہ دیر تک ٹھہر نہیں سکے اور فوراً" ہی فارحہ کے ساتھ نور محل واپس آگئے۔ لیکن طوبیٰ کا طنزیہ لہجہ یہاں بھی انہیں سکون سے رہنے نہیں دے رہا تھا۔

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

ہر متنفس اس کی حمد کرے 'خداوند کی حمد کرو
شہر کے سب سے مشہور "سینٹ میری" گرجا گھر کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کی ماں کی آواز میں گایا ہوا مقدس گیت اس کی سماعت میں گونجا۔ زندگی میں پہلی دفعہ اس گیت نے اسے کوئی خوب صورت احساس نہیں بخشا تھا۔

وہ لرزتے قدموں اور بے ہنگم انداز میں دھڑکتے دل کے ساتھ چرچ میں داخل ہوئی اور مختلف لوگوں سے نظریں چراتی ہوئی آخری قطار میں جاکر بیٹھ گئی۔ سامنے اسٹیج پر سفید چغے میں ملبوس فادر جوزف اسمتھ بائبل کھولے اس میں سے کچھ پڑھ کر سنا رہے تھے۔ اس وقت وہاں عبادت کی غرض سے آنے والے چالیس پچاس افراد میں ہر عمر اور ہر طبقے کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔
مونیکا نے ایک لمبا سانس لے کر گرجا گھر کی چھت کو لاتعلقی سے دیکھا۔ وہ یہاں بچپن سے آرہی تھی۔ یہاں کی ایک ایک چیز کے ساتھ اس کی بے شمار خوش گوار یادیں وابستہ تھیں لیکن آج طلوع ہونے والا سورج اس کے اندر ہدایت کی روشنی بھرچکا تھا۔
"تم آخری دفعہ چرچ جاکر تو دیکھو اور پھر آکر فیصلہ کرنا۔" اس کے کلاس فیلو ذوالکفل کی سنجیدہ آواز ذہن کے کسی گوشے سے ٹکرائی۔
"یقین مانو' میرا اب دل نہیں کرتا۔" مونیکا بے بسی کے گہرے احساس کے زیر اثر بولی۔
"میری خاطر۔۔۔" ان دو لفظوں میں محبت اور چاہت کا ایک جہان آباد تھا۔
"تم مجھے بے بس کردیتے ہو۔" اس نے فوراً" ہتھیار پھینک دیے اور آج وہ وعدے کے مطابق پھر یہاں موجود تھی۔
"یسوع نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔" اے باپ! اب وقت آن پہنچا ہے' اپنے بیٹے کو شان وار رتبہ عطا کر' تاکہ وہ تیری بڑائی کرے' کیونکہ تو نے اپنے بیٹے کو سب لوگوں پر اختیار دیا ہے' تاکہ وہ ان کو ہمیشہ کی زندگی دے سکے' جو تو نے اس کو دیے ہیں۔" فادر کی بات پر وہ بے چین ہوئی۔
"آپ کہہ دیجیے' اللہ ایک ہے' اللہ بے نیاز ہے' نہ اس کی کوئی اولاد ہے' اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے' اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔" اسی لمحے ایک اور آواز اس کے دل سے ابھری اور اس کی روح تک میں طمانیت کا احساس بھر گئی۔
"تثلیث کو ماننے والے زیادہ تر لوگ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اس عقیدے کی وضاحت نہیں کرسکتے۔ اس کے باوجود انہیں یقین ہے کہ خدا کا کلام اسی عقیدے کی تعلیم دیتا ہے' تم بھی یہی سمجھتی ہونا۔" وہ بہت نرم انداز میں اس سے پوچھ رہا تھا۔
"ہاں۔" اس نے کسی معصوم بچے کی طرح سر جھکا لیا۔
"تو پھر تم ان سوالوں کے جواب ڈھونڈو۔ یقین مانو یہ تمہیں حق اور سچائی کے راستے پر لے جائیں گے۔" ذوالکفل نے اسے ایک نئی راہ دکھائی۔ وہ اور مونیکا دونوں این سی اے میں فائن آرٹس ڈپارٹمنٹ کے اسٹوڈنٹس تھے۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا کہ میں کیا کروں؟ کچھ نہ کچھ ہے تو سہی جس کو ماننے سے میرا دل انکاری ہے۔ ایک خلا ہے، جو مجھے کہیں بھی سکون سے بیٹھنے نہیں دیتا۔" وہ اس روز ذوالکفل کے سامنے بے اختیار رو پڑی تو وہ کچھ سوچ کر اسے مفتی عبدالباری کے پاس لے آیا۔

انہوں نے بہت تفصیل سے اس کے خیالات پوچھے اور جب ہر طرح کا اطمینان حاصل ہو گیا تو قرآن پاک کی آسان فہم تفسیر اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ اگلی صبح مونیکا نیشنل کالج آف آرٹس کی ظہور الاخلاق گیلری میں اپنی کچھ دوستوں کے ساتھ موجود تھی۔

ذوالکفل کو سامنے دیکھ کر وہ لپک کر اس کے پاس پہنچی۔ اس کی آنکھیں رتجگے کی عکاسی کر رہی تھیں۔ اس نے ذوالکفل کا بازو پکڑا اور پھر لان میں سفید سنگ مرمر والے فوارے کے پاس آکر ہی چھوڑا۔

"مونیکا! کیا بات ہے؟" وہ متحیر تھا۔

"مجھے اسلام قبول کرنا ہے۔" مونیکا رندھی ہوئی آواز میں گویا ہوئی۔ وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"سوچ لو۔"

"اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد مزید کسی چیز کو سوچنے کی گنجائش نہیں رہتی۔" اس کی آنکھوں سے چھلکتا اعتماد ذوالکفل کے اطمینان کے لیے کافی تھا۔

"تمہارے پیرنٹس بہت خفا ہوں گے تم سے۔" وہ آہستہ سے رسانیت سے بولا۔

"میرے لیے اللہ کی رضا زیادہ اہم ہے۔" اس کے انداز میں چٹان کی سی سختی تھی۔

"وہ تمہیں گھر سے نکال دیں گے، تمہیں پتا ہے نا وہ اس معاملے میں کوئی بھی کمپرومائز نہیں کریں گے۔" ذوالکفل نے اس کو سمجھانے کی آخری کوشش کی تو وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

"میرے لیے میرا اللہ ہی کافی ہے۔" وہ ایک ہی رات میں ہدایت کا سفر طے کر چکی تھی۔

"تو ٹھیک ہے، پھر میں کون ہوتا ہوں تمہارے اور اللہ کے بیچ میں حائل ہونے والا۔" ذوالکفل نے مسکرا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا جو اطمینان اور سکون کی روشنی سے جگمگا رہا تھا، ذوالکفل زیادہ دیر تک اس کے چہرے کی طرف نہ دیکھ سکا۔ آج وہاں ایک الوہی سی چمک تھی۔

اس نے بے ساختہ اپنی نظریں چرائیں۔ اسے لگا جیسے وہ ایک دم ہی بلندیوں پر آن کھڑی ہوئی تھی۔ ایک آسودہ سی مسکراہٹ ذوالکفل کے چہرے پر بھی در آئی۔ اس کی مونیکا کی ہدایت کے لیے مانگی ہوئی دعا پوری ہو گئی تھی۔

✲ ✲ ✲

رات کے اس پہر محمد ہادی کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔

وہ مسلسل لیپ ٹاپ پر اپنا کام کرنے میں مگن تھا۔ کل صبح اسے خاقان علی کے خلاف پوری چارج شیٹ تیار کر کے شہزاد کو دینا تھی، تاکہ وہ اپنا کیس بھرپور طریقے سے تیار کر سکے۔

اسی لمحے اس کے سیل فون کی ٹیکسٹ ٹون بجی۔ اس نے بے دھیانی میں فون اٹھایا۔ کسی انجان نمبر سے کوئی میسج آیا تھا۔ اس نے سرسری نگاہ سیل فون کی اسکرین پر ڈالی اور ساتھ ہی وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

"جب کسی کا نام دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ دھڑکنے لگے تو کیا کرنا چاہیے۔"

ہادی نے بے زاری سے وہ ٹیکسٹ پڑھا اور نیچے درشہوار کا نام دیکھ کر اس کا دماغ کھول اٹھا۔ اس لڑکی کی جرات دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے فوراً ہی ٹیکسٹ ڈیلیٹ کیا اور اپنا کام کرنے لگا۔

دو منٹ اور پندرہ سیکنڈ کے بعد دوبارہ سیل فون کی ٹوں ٹوں اس کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برسی۔ اس نے

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بے زاری سے ایک دفعہ پھر اسکرین پر نظریں دوڑائیں۔ اس دفعہ شاعری کی زبان میں اپنا مدعا بیان کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

آپ برہم ہی سہی' بات تو کرلیں ہم سے
کچھ نہ کہنے سے' محبت کا گماں ہوتا ہے

ہادی نے انتہائی غصے سے درشہوار کا نمبر ملایا' جو پہلی ہی گھنٹی پر اٹھالیا گیا تھا۔ دوسری طرف اس کا نقرئی قہقہہ فضاؤں میں گونجا۔ اس کے اعصاب تن گئے۔

"کوئی پرابلم ہے آپ کے ساتھ' تو کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس جائیں۔" اس نے طنزیہ انداز میں اسے مشورہ دیا۔ آگے بھی درشہوار تھی جس نے ڈھٹائی کے اپنے ہی بنائے ہوئے کئی ریکارڈ توڑے تھے۔

"گئی تھی' انہوں نے کارڈیالوجی سینٹر بھجوا دیا اور کہا آپ کو دل کی بہت خطرناک بیماری لگ گئی ہے۔" وہ شرارتی لہجے میں بولتی ہوئی ہادی کی کنپٹیاں سلگا گئی تھی۔

"آپ کو کسی کارڈیالوجسٹ کے بجائے کسی نیورو فزیشن کے پاس جانا چاہیے۔" وہ سلگ کر گویا ہوا۔

"تو کیا خیال ہے' ہادی کا میچ آجاؤں۔" درشہوار دوبارہ شرارت سے ہنسی۔

"میرے گھر میں یا میری زندگی میں ایسی ویسی لڑکیوں کی کوئی گنجائش نہیں۔" اس کی رکھائی' ایک لمحے کو درشہوار کو چپ کروا گئی۔

"گنجائش نکلنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔" اس نے بہت جلدی خود کو سنبھال لیا تھا۔

"آئی ایم سوری' لگتا ہے آپ کسی بہت بڑی خوش فہمی کا شکار ہیں۔ پہلی فرصت میں اپنے ذہن پر لگے جالے صاف کرلیں تو بہتر ہوگا ورنہ مجھے یہ کام بہت عمدگی سے کرنا آتا ہے۔" وہ ہنوز سابقہ انداز میں گویا ہوا۔

"ذہن میں خوش فہمیوں کا جالا سہی' لیکن دل تو محبت کے جال میں پھنس چکا ہے' اس کا کیا کروں؟" وہ بلا کی پُراعتماد تھی اور لڑکیوں کی ایسی بے باکی' ہادی کو سخت ناگوار گزرتی تھی۔ اسے درشہوار کا مقام پستیوں میں گرتا ہوا محسوس ہوا۔

"یہ میرا نہیں' آپ کا پرابلم ہے۔" اس کی بے زاری اس دفعہ درشہوار کا دل دکھا گئی۔

"آپ مجھ سے ایسے بات کیوں کرتے ہیں؟"

"مجھے ایسے بے تکے رابطے' بلاوجہ کی شوخیاں اور فضول کی بے تکلفی قطعاً" پسند نہیں' اس لیے برائے مہربانی مجھے دوبارہ کال مت کیجئے گا ورنہ مجھے ایک دفعہ پھر میرہاؤس کے کسی مرد سے رابطہ کرنا پڑے گا۔" وہ ایک دم پھٹ پڑا۔

"سوری۔۔۔" درشہوار نے افسردگی کے عالم میں فون بند کردیا۔

"کیا ہوا؟" کمرے میں داخل ہوتے سعد نے الجھ کر اس کا سرخ چہرہ دیکھا۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے میرہاؤس کی لڑکیوں کا۔"

"کیا درشہوار تھی؟" سعد نے بلیک کافی کا مگ اس کی طرف بڑھایا۔

"ہاں' رات کے اس پہر اسی کا دماغ خراب ہوسکتا ہے۔ زہر لگتی ہیں مجھے ایسی لڑکیاں' جنہیں اپنی عزت' انا اور وقار کی پروا نہیں ہوتی۔" اس کا بے لاگ تبصرہ سعد کو اچھا نہیں لگا۔

"کیا کہہ رہی تھی؟" اس نے نظریں چرا کر پوچھا۔

"محبت ہوگئی ہے جناب کو۔ لینڈ مافیا کی طرح میرے دل پر بھی قبضہ کرنا چاہتی ہیں محترمہ' آخر بھتیجی کس کی ہیں' میر خاقان علی کی' جنہوں نے مری کو اور یہاں رہنے والوں کو اپنے باپ کی جاگیر سمجھ رکھا ہے۔" ہادی کے تمسخرانہ

انداز پر سعد کے اندر چھن کر کے کچھ ٹوٹا۔
"محبت تو بے اختیار جذبہ ہے اور کسی کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے۔" اس نے لاشعوری طور پر در شہوار کا دفاع کیا۔
"ہو سکتا ہے، مجھے اس نے پہلے سے اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہو۔" ہادی کی زبان پھسلی۔
"کس نے؟" وہ بری طرح چونکا۔
"محبت نے" وہ ایک دم شکست خوردہ نظر آنے لگا۔
"پوچھ سکتا ہوں کہ کون ہے وہ خوش قسمت؟" سعد کی آنکھوں میں تحیّر کی فروانی تھی۔
"کیا کرو گے جان کر" ہادی کا لہجہ پست ہوا۔
"پتا تو چلے کس نے، کتنے حملوں میں تمہارے دل کے سومنات — کو ڈھایا۔" سعد نے دانستہ ہلکا پھلکا انداز اپنایا۔
"میں چاہ کر بھی اس کا نام اپنے لبوں پر لانے کی جرات نہیں کر سکتا۔" اس نے نظریں چرائیں۔
"وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" سعد کو وہ آج لحہ بہ لحہ حیران کر رہا تھا۔
"میں محبت کرتا ہوں اس سے اور جس سے محبت کی جائے اس کا نام صرف دل کی دیواروں پر لکھا جاتا ہے شہر کے در و بام پر تو صرف اشتہار لگائے جاتے ہیں۔ اس لیے جب تک اسے محرم نہیں بنا لیتا، کسی نامحرم کے سامنے اس کا ذکر بھی نہیں کر سکتا۔" ہادی نے اسے لاجواب کیا۔
"کچھ عجیب سی محبت نہیں ہے تمہاری..." کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد سعد نے لب کشائی کی۔
"ہاں کہہ سکتے ہو تم۔" اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا تھا۔ وہ اب اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ کسی بھی قسم کا ذہنی کام کر سکے۔

☼ ☼ ☼

"سمجھتا کیا ہے خود کو، یہ ہادی کا بچہ..."
در شہوار کے انداز میں عجیب سی سرکشی جھلک رہی تھی۔ وہ فون بند کر کے مسلسل غصے سے ٹہل رہی تھی۔
"ایسا کرو، مکھی بنا کر سامنے کی دیوار سے چپکا دو اسے۔" طوبیٰ نے اسے مزید چڑایا۔
"میری محبت میں اتنی طاقت ہے کہ میں ایسا بھی کر سکتی ہوں۔" وہ تلخی سے گویا ہوئی۔
"تو پھر اسی طاقت کے بل بوتے پر اٹھا کر لے آؤ اسے میر ہاؤس میں، ویسے بھی تم سارے، بہن، بھائی محبت میں دھونس اور زور زبردستی کے ہی قائل ہو۔" طوبیٰ نے طنزیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اسے آج کل در شہوار کی ساری ہی فیملی پر سخت غصہ آنے لگا تھا۔
"تم کس پرانی بات کا غصہ نکال رہی ہو مجھ پر۔" در شہوار کے لہجے میں بلا کی کاٹ تھی۔
"مجھے پرانے حساب کتاب دل میں رکھنے کی عادت نہیں۔" وہ اسی خشک انداز میں گویا ہوئی۔
"تو پھر پچھلے کچھ دن سے یہ ناک کر تیر کیوں برسا رہی ہو۔" در شہوار کے کھوجتے لہجے پر وہ دل ہی دل میں اپنی جذباتیت پر تھوڑا خفیف ہوئی۔ در شہوار اتنی بھی انجان اور بے خبر نہیں تھی جتنا طوبیٰ نے اسے سمجھ لیا تھا۔
"ایسا کچھ نہیں ہے بس صندل کی موت نے تھوڑا ڈسٹرب کر رکھا ہے مجھے۔" طوبیٰ نے زبردستی مسکرا کر کہا۔
"تم تو ایسے طنز کرنے لگی ہو جیسے اس کی موت کے پیچھے میرا یا میرے بھائیوں کا ہاتھ ہو۔" در شہوار کے تلخ انداز پر وہ اپنے اندر کی اٹھتی ٹیس کو دبا کر پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

Monthly Shuaa May 2017

"تم چھوڑو اس ٹاپک کو۔ یہ بتاؤ کیا کہا ہے ہادی نے تم سے؟" اس نے فوراً ہی موضوع گفتگو بدلا۔
"موصوف کو مجھ جیسی بولڈ لڑکیاں پسند نہیں' میرا اس سے رابطہ کرنا اسے اری ٹیٹ کرتا ہے۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔
"ہو سکتا ہے وہ کسی اور سے محبت کرتا ہو۔" طوبیٰ نے اس کی توجہ دوسری جانب مبذول کرائی۔
"سو واٹ۔؟" وہ ابرو چڑھا کر تیکھے لہجے میں بولی۔
"تو کیا کرو گی تم؟"
"گولی ماردوں گی اسے' ویسے بھی جہاں درشہوار آجائے' وہاں کسی اور کی گنجائش بنتی نہیں ہے۔" اس کی سرکشی پر طوبیٰ کو خوف محسوس ہوا۔
"کیا مطلب ہے تمہارا؟"
"میری محبت میں کسی پہاڑی چشمے کی طرح بے خوفی اور دلیری ہے اور وہ اپنا راستہ خود بنانا جانتی ہے۔" درشہوار ایک دفعہ پھر بے چینی سے ٹہلنے لگی۔
"تمہیں ڈر نہیں لگتا کسی بھی چیز سے۔" طوبیٰ کی تفکر میں ڈوبی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔
"جب پیار کیا تو ڈرنا کیا' جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔"
وہ بلند آواز میں گنگناتے ہوئے اپنے کمرے کی اس کھڑکی کے پاس آگئی تھی جو ہادی کے کمرے کی طرف کھلتی تھی۔
پردہ پیچھے ہٹا کر کہنیاں جما کر وہ تھوڑا جھک کر کھڑی ہو گئی۔ رات کے اندھیرے میں ہادی کے کمرے میں جلتی لائٹ کی وجہ سے اندر کا منظر بالکل واضح تھا' وہ اپنے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے سیل فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔
درشہوار نے چونک کر دیوار گیر گھڑی پر وقت دیکھا' رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ ہادی کے چہرے پر پھیلی نرم سی مسکراہٹ نے اسے چونکا دیا۔ رات کے اس پہر انسان خوش گوار موڈ میں کس سے بات کر سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی' اس لیے اس نے خوف زدہ ہو کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیں اور چپ چاپ طوبیٰ کے برابر آکر لیٹ گئی۔

✡ ✡ ✡

پچھلے دس دن سے وہاج کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی' وہ ہلکی سی آہٹ پر چونک جاتے اور ایک لمحے میں ان کی رنگت متغیر ہو جاتی۔ بے چینی اور خوف ان کے پورے وجود میں لہو کے ساتھ گردش کرنے لگا تھا۔
"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" اس دن فارحہ نے گرین ٹی کا کپ ان کو پکڑاتے ہوئے فکر مندانہ انداز میں دیکھا۔
"کیوں۔ مجھے کیا ہوا ہے؟" انہوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے اپنی طرف سے بے ساختگی کا مظاہرہ کیا۔
"کچھ دن سے ٹینشن میں لگ رہے ہیں آپ۔" وہ ذرا سا جھجک کر بولی۔
"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا' تم سے انسانوں کی طرح بات کیا کر لی' تم تو سر پر ہی کھڑے ہو کر ناچنے لگی ہو۔" ان کے لہجے کی غراہٹ پر فارحہ گھبرا سی گئی۔
"نہیں' میرا مطلب تھا کہ کوئی پریشانی والی بات تو نہیں۔" وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔
"کیوں میں نے کیا کیا ہے' جس سے پریشانی لاحق ہو مجھے۔" وہ خواہ مخواہ اپنی صفائی دینے لگے۔
"ویسے ہی پوچھ رہی تھی کیونکہ میں تو خود بہت اپ سیٹ ہوں صندل کی وجہ سے۔" فارحہ کی بات پر ان کا

دل بری طرح سے دھڑکا۔
"صندل کی وجہ سے؟ وہ کیوں۔" انہوں نے انجان بن کر پوچھا۔
"میرہاؤس میں سب ہی کہہ رہے تھے کہ وہ نور محل میں آنے کے بعد بہت چینج ہو گئی تھی۔" فارحہ کا لہجہ سادہ تھا لیکن وہاج کا رنگ اُڑ گیا۔
"مطلب کیا ہے اس بات سے ان لوگوں کا۔" وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے۔
"یہی بات تو سمجھ میں نہیں آ رہی' یہاں تو وہ بالکل ٹھیک تھی۔" فارحہ اپنی پیشانی پر آئی لٹوں کو سنبھالتے ہوئے سادگی سے بولی۔
"دماغ خراب ہو گیا ہے ان لوگوں کا بھلا یہاں اسے کیا ہونا تھا' میں بات کروں گا داجی سے۔" وہاج کی بات پر وہ بری طرح گڑبڑا گئی۔
"نہیں' نہیں' پلیز ان سے کوئی بھی بات مت کیجئے گا۔"
"کیوں؟"
"یہ تو گھر کی خواتین کی بات ہے اور اچھا نہیں لگتا کہ داجی تک پہنچے' وہ کیا سوچیں گے۔" فارحہ کی بات پر وہ تھوڑا پرسکون ہوئے۔
"ویسے کیا کہہ رہے ہیں میرہاؤس والے' کیوں کیا اس نے ایسا؟" انہوں نے نظریں چرا کر آہستہ سے پوچھا۔
"کسی کو بھی اصل وجہ نہیں معلوم' پتا نہیں کیا چل رہا تھا اس کے ذہن میں۔۔۔"
"چلنا کیا ہے' مجھے تو پہلے دن سے وہ کچھ پاگل سی لگی تھی' کھڑے کھڑے سوچ میں گم ہو جانا اور الٹے سیدھے کام کرنا۔"
"اچھا۔۔۔ مجھے تو کبھی ایسا نہیں لگا۔" اس کا سادہ سا لہجہ' وہاج کو تڑپا گیا۔
"تمہارا کیا مطلب ہے' میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" ان کا مزاج برہم ہوا۔
"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔" وہ بوکھلا کر اپنے مجازی خدا کا خفا خفا سا چہرہ دیکھنے لگی۔ "میں تو ویسے ہی بات کر رہی تھی۔"
"اب زبان بند کرو اپنی اور لائٹ آف کرو' سونا ہے مجھے۔۔۔" وہ اپنے سابقہ اکھڑے ہوئے لہجے میں گویا ہوئے۔
"جی۔۔۔" فارحہ سستی سے اٹھی اور اس نے جیسے ہی بتی بند کی' پورے کمرے میں تیرگی کا راج ہو گیا' وہاج کا دل گھبرانے لگا۔
"سنو لائٹ جلا دو۔" وہ جو اپنے بیڈ پر آ کر بیٹھی ہی تھی' اس نئی فرمائش پر حیران ہوئی۔ "کیوں؟"
"گھٹن سی محسوس ہو رہی ہے مجھے۔" وہ اٹھ کر اپنا سینہ سہلانے لگے' فارحہ نے جلدی سے ساری بتیاں جلا دیں اور تفکر کے عالم میں ان کا چہرہ دیکھنے لگی' ماتھے پر پسینے کی ننھی بوندیں اس بات کی گواہ تھیں کہ وہ سچ کہہ رہے تھے۔
"وہاج آپ ٹھیک تو ہیں نا۔"
"ہاں۔۔۔ اور پلیز مجھے گھورنا بند کرو اور چپ کر کے سو جاؤ۔" وہ خاصی بدلحاظی سے بولے تو فارحہ خفت کا شکار ہوئی۔
وہاج کی کسی بھی بات سے اختلاف کرنا فارحہ نے بہت سالوں سے چھوڑ دیا تھا' اس لیے وہ چپ چاپ لیٹ گئی۔ جبکہ وہاج نے وہ ساری رات بیڈ پر کروٹیں بدلتے ہوئے گزاری تھی اور وہ جانتے تھے کہ ان کی زندگی کا سارا سکون اور چین صندل اپنے ساتھ چرا کر لے گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

جس وقت وہ گھر میں داخل ہوئی، شام کے سرمئی سائے مارگلہ کی پہاڑیوں پر اپنا مسکن بنا چکے تھے۔ دن بھر کی ناکام کوششوں کی تھکن نے اسے کافی حد تک نڈھال کر دیا تھا۔ سامنے ٹینا بیگم انتہائی پژمردہ انداز میں صوفے پر نیم دراز تھیں۔ اسے دیکھتے ہی وہ بجلی کی سی سُرعت سے اٹھیں۔

"کچھ پتا چلا رومی کا۔" انہوں نے بے تابی سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔"

"تین دن ہو چکے ہیں، سمجھ میں نہیں آتا، زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔" شہرزاد بے بسی سے بولی۔

"سیفی نے بھی اپنے ذرائع سے پتا کروایا ہے، اس سارے قصے میں جسٹس محمود کی فیملی کا کوئی ہاتھ نہیں۔" وہ اپنی کنپٹیاں دباتے ہوئے پریشانی سے بولیں۔

"آخر کون لوگ ہو سکتے ہیں وہ؟"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آرہا۔" وہ اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے افسردگی سے گویا ہوئیں۔

"مام۔۔۔ آپ کا کوئی کاروباری حریف تو نہیں؟" شہرزاد نے بجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ناٹ ایٹ آل، کوئی بھی اتنی چیپ حرکت نہیں کر سکتا۔" انہوں نے فوراً نفی کی اور ایک دفعہ پھر بے چینی سے ٹہلنے لگیں۔ شہرزاد کو دیکھ کر ملازم ایک ٹرے میں کافی کا مگ رکھ کے لے آیا تھا، وہ جانتا تھا کہ چھوٹی بی بی گھر آتے ہی سب سے پہلے کافی پیتی تھیں۔

"سارا دن خواری میں گزر گیا۔" شہرزاد نے تھکے تھکے انداز میں کافی کا مگ اٹھایا۔

"مسز قریشی کیا کہتی ہیں؟" انہوں نے بے بسی اور لاچاری سے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا۔ جس سے اب انہیں بہت امیدیں وابستہ تھیں۔

"یہی کہ ہمیں ایف آئی آر کٹوانے کے بعد کچھ دیر انتظار کرنا چاہیے۔۔۔" وہ قدرے اکتائے ہوئے انداز میں بولی، رومیصہ کے اغوا نے اس کی زندگی کے سارے نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا، پچھلے تین دن سے وہ پولیس اسٹیشن، کورٹ اور مختلف جگہوں پر وزٹ کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اس ریسٹورنٹ میں بھی ہو آئی تھی، جس کے قریب رومی کی گاڑی ملی تھی۔

"بیگم صاحبہ، سیف الرحمن صاحب آئے ہیں۔۔۔" ملازم کی اطلاع پر وہ دونوں چونکیں۔

"انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ، آرہی ہوں میں۔۔۔" وہ اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھتے ہوئے رکیں۔ "تم ملو گی ان سے۔۔۔؟"

"نہیں، تھوڑا کام ہے مجھے۔۔۔" شہرزاد نے نظریں چرا کر جواب دیا۔

"اوکے، میں ذرا حلیہ ٹھیک کر آؤں۔۔۔" وہ اپنے بیڈ روم کی طرف چلی گئیں۔

شہرزاد کا دل دکھ کے گہرے احساس سے بھر گیا، اس کا تعلق اس کلاس سے تھا، جہاں کسی کی اچانک مرگ پر بھی لوگ مکمل تیاری کے ساتھ جاتے تھے، لیکن وہ پچھلے تین دن سے ایک ہی جینز میں گھوم رہی تھی اور دو دفعہ ٹینا بیگم سے ڈانٹ کھا کر بس شرٹس تبدیل کر لیتی، لیکن اس کا دل کسی بھی چیز کے لیے آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ رومیصہ کے ساتھ ہونے والے اس سانحے نے اسے اندر تک ہلا کر رکھ دیا تھا۔

وہ بوجھل قدموں سے چلتے ہوئے اپنے روم میں آگئی، اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ پین کلر لینے کے بعد اس نے ہم زاد کا سیل نمبر ڈائل کیا، دوسری طرف پہلی ہی بیل پر کال اٹینڈ کر لی گئی تھی۔

"کیسی ہو۔۔۔؟" وہ شاید اپنے آفس میں تھا، کیونکہ دوسری طرف اس کے پی ٹی سی ایل فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ ایک دفعہ اس نے شہرزاد کو ہولڈ کروا کر کال اٹینڈ کی تو اس کی ساری حسیں بیدار ہو گئیں۔

”آپ کرنل فواد سے بات کریں اور پھر فوراً رپورٹ کریں مجھے۔“ اس نے مختصراً بات کر کے فون بند کیا۔
”پاک آرمی سے تعلق ہے آپ کا؟“ اس کے مشکوک انداز پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔
”منسٹری آف ڈیفنس سے بھی تو ہو سکتا ہے۔“ اس نے مسکرا کر لقمہ دیا۔
”جس بھی ڈپارٹمنٹ سے ہے‘ سورسز کافی رکھتے ہیں آپ۔“
”سب اللہ کی مہربانی ہے۔“ اس نے کسر نفسی سے کام لیتے ہوئے بات بدلی۔ ”آپ بتائیں کیسی ہیں؟“
”تھک گئی ہوں بہت زیادہ۔“ اس نے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے افسردگی سے کہا۔
”ایک اہم نیوز ہے میرے پاس‘ جو آپ کی ساری تھکن ختم کر دے گی۔“ اس کی بات پر وہ فوراً الرٹ ہوئی۔ ”کیسی نیوز؟“
”رومیصہ کی آخری دن کی فون کالز کی ڈیٹیل مل گئی ہے مجھے۔“
”رئیلی؟“ شہرزاد کے اعصاب تن گئے۔ ”کچھ پتا چلا ان سے۔“ اس نے بے تحاشا دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ بے تابی سے پوچھا۔
”ہاں‘ کافی حد تک۔“ دوسری طرف وہ پھر پی ٹی سی ایل پر آنے والی کال کی طرف متوجہ ہو گیا‘ شہرزاد دل ہی دل میں جھنجلا اٹھی۔
”آپ میرے آفس سے میرا پاسپورٹ اٹھالیں اور دو دن کے اندر اندر میرا ویزا لگنا چاہیے۔“ وہ ذہنی طور پر اتنی زیادہ الجھی ہوئی تھی کہ اس سے پوچھ ہی نہیں پائی کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔
”ہاں تو میں کیا بات کر رہا تھا۔“ وہ دوبارہ سے شہرزاد کی طرف متوجہ ہوا۔
”آپ یا تو اپنی کالز اٹینڈ کر لیں یا مجھ سے بات کر لیں۔“ وہ اس کے بری طرح سے چڑنے پر مسکرایا۔
”سوری‘ اب ایسا نہیں ہو گا۔“ اس نے فوراً معذرت کی۔
”کیا پتا چلا ہے اس ڈیٹیل سے۔“ اس نے گہرا سانس لے کر دوبارہ پوچھا۔
”رومیصہ نے لاسٹ کال جس نمبر پر کی تھی‘ وہ بریگیڈیئر وقار درانی کے بیٹے کے نام سے رجسٹرڈ ہے۔“
”او مائی گاڈ۔“ وہ بے چین ہوئی۔
”لیکن ان کا وہ بیٹا‘ پچھلے دو سال سے امریکا میں ہے اور میرا خیال ہے وہ سم ان کی بیٹی کنزہ استعمال کر رہی تھی جو رومیصہ کی فرینڈ ہے۔“ ہم زاد کے اس انکشاف نے شہرزاد کے دل و دماغ میں ہلچل سی مچادی۔
”اس کا مطلب ہے‘ اس نے آخری دفعہ کنزہ سے بات کی تھی۔“ شہرزاد نے فوراً درست اندازہ لگایا۔
”ہاں‘ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔“
”میرا خیال ہے مجھے آج ہی کنزہ سے ملنا چاہیے۔“ وہ پر جوش ہوئی۔
”نہیں‘ آپ ڈائریکٹ ان کے پاس نہیں جائیں گی۔“
وہ اس کی بات پر چونک گئی۔ ”کیا مطلب؟“
”آپ کے اس طرح جانے سے اس کی فیملی پہلے سے الرٹ ہو کر کوئی نہ کوئی چور راستہ تلاش کر لے گی۔“ اس کی بات شہرزاد کے دل کو لگی۔
”میرا خیال ہے مجھے اے ایس پی ارتضیٰ حیدر سے اس سلسلے میں بات کرنی چاہیے۔“ اس نے جھٹ سے متبادل راستہ نکالا‘ ارتضیٰ حیدر‘ مسز قریشی کا اسٹوڈنٹ رہا تھا اور اس حوالے سے وہ ان کا کافی احترام کرتا تھا‘ وہ مسز قریشی کے ریفرنس سے اس سے ملی تھی اور پہلی ہی ملاقات میں وہ ارتضیٰ پر خاصے گہرے اثرات چھوڑ آئی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ ہر دوسرے دن اس کے آفس میں پہنچا ہوا ہوتا تھا۔

"ہاں یہ بہتر رہے گا۔۔۔" ہم زاد نے فورا" ہی اس کی تائید کی۔

"تھینک یو' تھینک یو سو مچ۔ اگر آپ مجھے اپنا ریئل نیم بتا دیتے تو آپ کا تھینکس ادا کرنے میں آسانی ہوتی مجھے۔"

"کہاناں میں آپ کا ہم زاد ہوں اور ہم زاد کا کوئی نام نہیں ہوتا۔۔۔" اس نے شہرزاد کو صاف ٹالا تھا۔

"یہ نمبر آپ کا اپنا ہے۔۔۔" رومیصہ کی طرف سے تھوڑا مطمئن ہونے کے بعد اس کا ذہن دوسری طرف چلنے لگا۔

"جی بالکل' لیکن میرے نام پر نہیں ہے بلکہ جس کے نام پر ہو گا' وہ بے چارہ تو شاید مجھے جانتا بھی نہیں ہو گا۔"

اس کی بات پر شہرزاد طنزیہ انداز میں مسکرائی۔ وہ اس کی توقع کے عین مطابق بڑی ذہانت سے آگے بڑھ رہا تھا۔

"ہاں' میں بھی حیران تھی کہ اپنی شناخت چھپانے والا بندہ کیسے اپنے اصل نام والے نمبر سے مجھے کال کر سکتا ہے۔۔۔" اس کے طنز پر ایک بڑی جان دار سی مسکراہٹ ہم زاد کے چہرے پر پھیلی۔

"فی الحال اپنی شناخت کو چھپانا' میری مجبوری ہے' لیکن میرا وعدہ ہے کہ جب بھی ہم فیس ٹو فیس ملیں گے تو میں سب کچھ بتا دوں گا۔" اس نے اپنی طرف سے اسے یقین دہانی کروانے کی کوشش کی۔

"آپ کو یہ خوش فہمی کیسے ہو گئی کہ میں آپ سے ملوں گی۔۔۔؟" شہرزاد کو اس کے ساتھ بحث میں لطف آنے لگا۔

"مجھے خوش فہمی نہیں پورا یقین ہے خود پر۔۔۔" وہ زیر لب مسکرایا۔

"اس یقین کی وجہ پوچھ سکتی ہوں۔۔۔"

"وہ محبت جو میں گزشتہ کئی سالوں سے تم سے کر رہا ہوں اور اسی چاہت کے بھروسے پر میں نے ہجر کے اتنے سال تنہا کاٹ دیے تو کیا اللہ میری اتنے سال کی ریاضتوں کا مجھے کوئی صلہ نہیں دے گا۔" اس کے لہجے کی سچائی نے شہرزاد کو گنگ کر دیا۔

اس نے گھبرا کر کال کاٹ دی اور اسے اپنے حواس بحال کرنے میں پورے پانچ منٹ لگے تھے۔

ٹھیک پانچ منٹ کے بعد وہ اے ایس پی ارتضیٰ حیدر کا نمبر ملا کر اسے ساری تفصیل بتا رہی تھی۔ اسے اب اپنی تمام تر صلاحیتیں اور قوتیں رومیصہ کو واپس لانے میں صرف کرنی تھیں۔ اس سے پہلے وہ اپنی ذات کے بارے میں کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ پنک ڈریس کیسا ہے؟ کل یونیورسٹی پہن جاؤں؟" انابیہ نے اپنی الماری کھول کر ایک اسٹائلش سا سوٹ نکالا اور ہینگر سمیت طوبیٰ کو دکھایا۔ جو نا سمجھی کے عالم میں اس کی شکل دیکھے جا رہی تھی۔

"ہوں۔۔۔ کیا کہہ رہی ہو۔۔۔؟" وہ بری طرح چونکی تو انابیہ نے ہاتھ میں پکڑا ہینگر غصے سے بیڈ پر اچھالا۔

"تمہارے ساتھ پرابلم کیا ہے طوبیٰ! ہر وقت چہرے پر بارہ بجائے اللہ جانے کن سوچوں میں گم رہتی ہو۔ آخر چل کیا رہا ہے تمہارے دماغ میں۔" انابیہ کے چہرے پر جھنجلاہٹ عیاں تھی۔ طوبیٰ ایک دم سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"پتا ہے مجھے' کل کیمپس میں پہلا دن ہے آپ کا' اسی لیے اتنی زیادہ کانشس ہو رہی ہیں۔" اس نے فورا" بات سنبھالی۔

"میرا کل برہان کے ساتھ یونیورسٹی میں پہلا دن ہے اور جب سب کو پتا چلے گا کہ میں ان کی منکوحہ ہوں تو سوچو کتنا وی آئی پی پروٹوکول ملے گا مجھے اپنی کلاس میں۔" انابیہ خود سے ہی سوچ سوچ کر خاصی پرجوش تھی۔

"اچھا تو اس لیے اس یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا ہے آپ نے۔۔۔" طوبیٰ نے زبردستی مسکرا کر کہا۔
"ظاہر ہے، میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میں ان کے نام سے جانی جاؤں۔ آفٹر آل نکاح ہو چکا ہے ہمارا۔" وہ اشتیاق سے بولی، اس کی آنکھوں میں اس وقت اتنی چمک تھی کہ طوبیٰ نے دل ہی دل میں اسے نظر نہ لگنے کی دعا کی۔
"پھر تو سب آپ کے آگے پیچھے پھریں گے۔۔۔" طوبیٰ نے زبردستی اپنا ذہن اس کی طرف لگایا۔
"میں تو کسی کو بھی خاص لفٹ نہیں کرواؤں گی اور فری پریڈ میں برہان کے آفس میں بیٹھ کر ان کے ساتھ کافی پیا کروں گی۔۔۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے اپنے مستقبل کے ارادوں سے آگاہ کر رہی تھی اور طوبیٰ چاہ کر بھی اسے نہیں کہہ سکی کہ برہان نے ایک گھر میں رہتے ہوئے اسے کبھی اپنے کمرے میں گھسنے نہیں دیا، وہ اسے آفس میں کہاں ڈیرا ڈالنے دیں گے، لیکن وہ مصلحتاً خاموش رہی۔
اگلی صبح انابیہ وقت سے کافی پہلے نک سک سے تیار ہو کر لاؤنج میں موجود تھی، تاجدار بیگم جو کہ اپنے میاں کے لیے بیڈٹی لینے کچن کی طرف جا رہی تھیں، انہوں نے خوش گوار حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔
"السلام علیکم تائی اماں۔۔۔" وہ مسکرا کر کھڑی ہوئی۔
"برہان کے ساتھ یونیورسٹی جا رہی ہو کیا؟" ان کی آنکھوں میں بڑا نرم سا تاثر ابھرا۔ وہ برہان کے حوالے سے ہمیشہ اسے خاص اہمیت دیتی تھیں۔ ان کے محبت بھرے لہجے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔
"چلو اللہ کامیاب کرے، ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔۔۔" انہوں نے کھلے دل سے سراہا اور اپنا لیپ ٹاپ اٹھائے عجلت بھرے انداز میں باہر آتے برہان نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔
"یہ اتنا ہار سنگھار کر کے کیمپس جانے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔" ان کے طنزیہ لہجے پر انابیہ کے دل پر گھونسا پڑا۔
"یہ جو بازو بھر بھر کر چوڑیاں پہنی ہیں، اتار کر آؤ انہیں۔۔۔" برہان نے اپنی ماں کے سامنے ہی اس کی طبیعت صاف کی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اس نے شکایتی نظروں سے تائی اماں کی طرف دیکھا جو اپنے بیٹے کے اس رویے پر خود بھی ہکا بکا تھیں۔
"بیٹا! چوڑیاں تو سہاگ کی علامت ہوتی ہیں، پہننے دو اسے، اللہ سلامت رکھے تمہیں۔۔۔" انہوں نے فوراً اس کی طرف داری کی۔
"وہاں پڑھنے جا رہی ہیں محترمہ، کسی فلم کی شوٹنگ کروانے نہیں۔۔۔" ان کی آواز میں جھلاہٹ نمایاں تھی۔
انابیہ نے وہیں کھڑے کھڑے چوڑیاں اتار کر سائیڈ میز پر رکھیں، تائی اماں نے تاسف بھری نگاہوں سے اس کے اداس چہرے کی طرف دیکھا، انہیں خود بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا، لیکن برہان یہ حکم صادر کر کے خود باہر نکل کر جا چکا تھا۔
"بے وقوف ہے یہ لڑکا، پی ایچ ڈی نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے، تم اپنا دل چھوٹا نہ کرو، گھر آ کر پہن لینا۔" تاجدار بیگم نے اس کی دل جوئی کی تو وہ بمشکل مسکرا کر اپنی فائل اٹھا کر باہر چلی گئی۔
وہ پورچ میں خاقان علی کے ساتھ کھڑے کوئی بات کر رہے تھے۔ صندل والے واقعے کے بعد خاقان علی مستقل مری میں ہی تھے اور ان کی موجودگی میں ندرت بیگم اور شارقہ بیگم کے درمیان مقابلے کی ایک نئی دوڑ لگ جاتی۔ جو سب گھر والوں کو بے زار کر دیتی تھی۔
"السلام علیکم بابا۔۔۔"
اس نے پاس جا کر آہستہ سے انہیں سلام کیا، حلق میں آنسوؤں کے گولے پھنس رہے تھے۔ انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM

"تم کہاں جارہی ہو صبح صبح....؟" انہوں نے سلام کا جواب دیے بغیر بے زاری سے استفسار کیا۔
"یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا ہے اس نے اور میرے ساتھ جائے گی۔" برہان نے اس کی مشکل آسان کی۔
"اچھا' ٹھیک ہے۔" ان کا سپاٹ انداز انابیہ کو مزید افسردہ کرگیا۔ وہ اسی طرح کھڑی ہونٹ کاٹتی رہی۔
دس منٹ کی گفتگو کے بعد برہان گاڑی میں آن بیٹھے اور سرونٹ کوارٹر سے ڈرائیور بھی فوراً "نکل کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا' انابیہ کو مایوسی ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ برہان خود ڈرائیو کریں گے اور وہ ان کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھے گی' لیکن آج کے دن کی ابتدا ہی خاصی غلط ہوئی تھی۔
مری سے اسلام آباد کے سفر میں وہ بالکل خاموش بیٹھے اپنی ٹیب پر کوئی کتاب کھولے پڑھتے رہے تھے' ڈرائیور نے گاڑی پارکنگ میں جا کر روکی تو وہ ان کے پیچھے گاڑی سے نیچے اتر آئی۔
"تم ڈپارٹمنٹ میں کسی کو بھی اپنے نکاح کے بارے میں نہیں بتاؤ گی' او کے۔" ان کے انتہائی سنجیدہ انداز پر اسے دھچکا لگا۔
"وہ کیوں....؟" اس نے بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا۔
"جس کام کے لیے آئی ہو یہاں' بس اسی پر اپنی توجہ مرکوز رکھو اور زیادہ سوشل ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔" انہوں نے ڈپارٹمنٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اگلا حکم صادر کیا۔
"جی۔" وہ آہستہ سے اور رسانیت سے گویا ہوئی' اسے آج ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے اگلے دن یونیورسٹی میں کیسے گزرنے والے تھے۔
وہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھ رہے تھے اور انابیہ کو ان کا ساتھ دینے کے لیے باقاعدہ تیز تیز چلنا پڑ رہا تھا' لیکن وہ پھر بھی اس سے کچھ قدم آگے تھے۔
"ہیلو ہانی' کیسے ہیں آپ؟ آج کچھ لیٹ نہیں ہو گئے۔" وہ ہوا کے تیز جھونکے کی مانند اڑتی ہوئی ان کے پاس پہنچی۔ بلیک جینز پر وائٹ کرتا پہنے' پیروں میں سیاہ رنگ کے بند جوتے تھے' وہ خاصی دراز قد تھی اور اس کے گھنگھریالے بال ایک پونی کی صورت میں ربربینڈ میں بندھے ہوئے تھے۔
"ہاں یار! راستے میں دیر ہو گئی' حالانکہ ارادہ تھا کہ پہلے پہنچ کر ایک ٹاپک ڈسکس کر لوں گا تم سے۔" وہ گھنی مونچھوں کے نیچے مسکرائے۔ انابیہ نے چونک کر ان کی شکل دیکھی' ایسی مسکراہٹ کم از کم میر ہاؤس کے مکینوں کو کبھی دیکھنا نصیب نہیں ہوئی تھی۔
"ہو از شی....؟" اس لڑکی نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔ وہ لاشعوری طور پر ان کے بالکل برابر آن کھڑی ہوئی۔
"میٹ مائی فرسٹ کزن انابیہ خاقان۔" برہان کے ان الفاظ نے اس کی ڈوبتی ہوئی نبض کو زندگی بخشی۔
"او آئی سی.... نائس ٹو میٹ یو....." اس نے ایک دلکش مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی اور پھر دوبارہ برہان کی طرف متوجہ ہو گئی۔
"آئی تھنک' ہمیں اپنا ٹائم ویسٹ نہیں کرنا چاہیے' آپ کے آفس میں چلیں یا لائبریری؟"
"لائبریری' وہاں سے ریفرنس بکس آسانی سے مل جائیں گی۔" برہان نے مسکرا کر جواب دیا اور پھر انابیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔
"سامنے ڈپارٹمنٹ ہے تمہارا' وہاں چلی جاؤ' نوٹس بورڈ پر ٹائم ٹیبل لگا ہو گا' اسے نوٹ کر کے کلاسز لو اپنی اور آخری کلاس کے بعد کال کر لینا مجھے۔" وہ جلدی جلدی اسے ہدایات دے کر اس لڑکی کے ساتھ مخالف سمت کو روانہ ہو گئے۔

انابیہ کو یوں لگا جیسے کوئی تیز رفتار ٹرین اس کے پرخچے اڑاتی ہوئی اس کے اوپر سے گزر گئی ہو۔ اس کی روح میں ایک ایسا سناٹا اتر آیا تھا جس میں اسے اپنی خواہشیں بین کرتی ہوئی صاف سنائی دے رہی تھیں۔

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

☆ ☆ ☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"تمہیں ضرورت کیا تھی آخر' تایا ابا کی گاڑی لانے کی۔"

طوبیٰ اور در شہوار دونوں سڑک پر موجود تھیں۔ در شہوار کے شیطانی دماغ میں روز نئی نئی چیزیں ہی چلتی تھیں' جس کا خمیازہ ان سب کو باجماعت ہی بھگتنا پڑتا تھا۔ رات ہی سے اس نے ضد لگا رکھی تھی کہ وہ آستانہ مراد شاہ پر حاضری دے کر آئے گی۔ جو ان کے گھر سے اچھے خاصے فاصلے پر تھا۔ جس کا حل در شہوار نے یہ نکالا کہ وہ میر محتشم کی گاڑی نکال لائے گی جو پارلیمنٹ کا اجلاس اٹینڈ کرنے داجی کے ساتھ اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔

آستانہ مراد شاہ سے پورے دو کلومیٹر کے فاصلے پر جا کر ان کی گاڑی اچانک رک گئی اور کافی زیادہ ہاتھ پیر مارنے کے بعد بھی اس نے چلنے سے انکار کر دیا تو وہ دونوں گھبرا کر باہر نکل آئیں۔

گرمیوں کا آغاز ہو چکا تھا اور مری کی پہاڑیوں پر آج تیز دھوپ نے بسیرا کر رکھا تھا۔ جس کے نتیجے میں وہ دونوں چند منٹوں میں ہی پسینے سے شرابور ہو گئیں۔

"اب آسمان سے غیبی مدد کے انتظار میں ہو کیا۔۔۔؟" طوبیٰ نے اپنے بیگ سے سن گلاسز نکالے اور غصے سے اسے گھورا۔

"وہ کمینہ ہمسایہ بھی دور دور تک کہیں نظر نہیں آ رہا۔۔۔" اس نے خفت زدہ مسکراہٹ کے ساتھ دائیں بائیں دیکھا۔ جیسے ہمیشہ کی طرح ہادی کہیں نہ کہیں سے نکل کر سامنے آ جائے گا۔

"ہاں' ہمارے باپ کا نوکر ہے ناں وہ' جو ہر جگہ ہماری مدد کرنا فرض ہے اس کا۔" طوبیٰ نے چڑ کر جواب دیا۔

"میں سیو بھیا کو فون کرتی ہوں۔۔۔" در شہوار نے نہ صرف سیل فون نکالا بلکہ اس کا نمبر ملا کر ساری داستان بھی سنا دی تھی اور اب خاموشی سے دوسری جانب سے اس کی جھاڑ سن رہی تھی۔

"کروا لی اپنی ٹیوننگ۔۔۔" اس نے جیسے ہی فون بند کیا' طوبیٰ نے ہنس کر اسے چھیڑا۔

"کون سا پہلی دفعہ ہوئی ہے۔۔۔" اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

پورے بیس منٹ کے بعد وہ آرمی ہی کی جیپ میں اڑتا ہوا اپنے ایک دوست کے ساتھ وہاں پہنچا تھا۔ اسے دیکھ کر در شہوار کی باچھیں کھل سی گئیں۔

"ویسے ایک بات ہے' آرمی کے یونیفارم میں میرا بھائی لگتا پرنس ہے۔" اس نے اترا کر اپنی رائے کا اظہار کیا' طوبیٰ نے بھی چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ واقعی بڑا ہینڈسم لگ رہا تھا' لیکن اس وقت اس کے چہرے پر حد درجہ ناراضی اور بے زاری تھی۔ جس کی وجہ طوبیٰ اچھی طرح جانتی تھی۔ اس دن والے واقعے کے بعد ان دونوں کی بات چیت بالکل بند تھی بلکہ شاہ میر جہاں اسے دیکھتا' کترا کر گزر جاتا۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا' کچھ اندازہ ہے کہ میس کا ٹائم تھا ہمارا اور صرف آدھے گھنٹے کی چھٹی لے کر آیا ہوں اپنے ٹو آئی سی سے۔" وہ جیپ سے اترتے ہی در شہوار پر برس پڑا۔ اس نے طوبیٰ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا' جب کہ وہ خود بھی ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"تو اور کس کو فون کرتی' برہان لالہ اور ارسل تو اسلام آباد گئے ہوئے ہیں اور پیچھے رہ گئے تھے آپ۔۔۔" اس نے شاہانہ انداز میں جواب دیا۔

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

"ہاں میرا تو پورا یونٹ ہی مری میں تمہاری خدمت کے لیے ٹرانسفر ہو کر آیا ہے۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اس نے طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے گاڑی کا جائزہ لیا اور دو ہی منٹ کے بعد سخت جھنجلایا ہوا نیچے اتر آیا۔
"جس طرح تمہیں اپنی زبان چلانے کے لیے انرجی کی ضرورت ہوتی ہے نا اسی طرح گاڑی کو بھی چلنے کے لیے فیول کی ضرورت ہوتی ہے، آنکھیں بند تھیں کیا تمہاری' جو ریزرو سوئی پر نظر نہیں پڑی تمہاری۔" اس کی جھاڑ پر وہ دونوں ایک دم شرمندہ ہوئیں۔
"گاڑی میں نہیں' طوبیٰ چلا رہی تھی۔۔۔" درشہوار صاف مکر گئی۔
شاہ میر نے خفگی سے بھرپور ایک نظر طوبیٰ پر ڈالی' جو درشہوار کے اس سفید جھوٹ پر ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے کولیگ کو نیچے اترنے کا اشارہ کیا اور اس کے پاس جاکر کچھ ضروری ہدایات دیں۔
"بیٹھو' میری جیپ میں۔"
شاہ میر نے ان دونوں کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ درشہوار چھلانگ مار کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ شاہ میر کا ایک دم دماغ گھوم گیا۔
"پیچھے جاؤ' تمہارے ابا کی گاڑی نہیں ہے یہ" اس کے طنزیہ لہجے پر وہ ڈھٹائی سے مسکرائی اور طوبیٰ کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔
"ویسے پاک آرمی کی گاڑی میں بیٹھنے کا اپنا ہی سواد ہے۔ بندہ خود کو بڑا وی آئی پی محسوس کرنے لگتا ہے۔" اس نے طوبیٰ کے کان میں سرگوشی کی جو شاہ میر نے گاڑی چلاتے ہوئے صاف سن لی تھی۔
"میرے کسی سینئر نے دیکھ لیا تو کتنے سنگین نتائج بھگتنے پڑ سکتے ہیں' اس چیز کا اندازہ نہیں ہے تمہیں۔" اس کا مزاج ہنوز برہم تھا۔
وہ جیپ کو تقریباً "اڑاتا ہوا گھر تک پہنچا اور ان دونوں کو گیٹ پر پہنچتے ہی نیچے اترنے کا اشارہ کیا' اسی سڑک پر سامنے سے ہادی کی گاڑی آرہی تھی۔ اسے دیکھ کر درشہوار کے دل کی دھڑکنوں نے بغاوت کردی۔
ہادی نے سرسری نگاہ سے ان دونوں کو جیپ سے نیچے اترتے دیکھا۔ درشہوار کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جس کی گاڑی اس کے گھر کے اندر داخل ہو چکی تھی۔
"جا چکا ہے وہ' اب تم بھی اپنے گھر تشریف لے جاؤ۔۔۔" طوبیٰ نے طنزیہ انداز میں اس کی آنکھوں کے آگے اپنا ہاتھ لہرایا۔
"اوہ..... سوری۔" اس نے ہڑبڑا کر دیکھا' شاہ میر اور ہادی دونوں ہی وہاں سے جا چکے تھے۔
"ویسے ایک بات تو طے ہے درشہوار!"
"دیکھو' کوئی ایسی ویسی بات مت کرنا' میرا دل پہلے ہی بڑا ٹوٹا ہوا ہے۔" اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔
"تاریخ گواہ ہے کہ تم پر جب جب کوئی مصیبت آئی' تم نے ہمیشہ کمینگی کا اعلا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا سارا ملبہ میرے سر ڈالا۔" طوبیٰ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے انتہائی رکھائی سے کہا۔
"نہیں' صرف میرو بھیا کے سامنے۔" وہ شرارت سے ہنس کر مزید بولی۔ "وہ بھی اس لیے کہ مجھے معلوم ہے وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے' دیکھا نہیں گاڑی والی بات پر بھی کیسے چپ کر گئے تھے' جب میں نے کہا کہ وہ تم چلا رہی تھیں۔" وہ اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار ایک دفعہ پھر قہقہہ لگا کر ہنسی' لیکن اس دفعہ اس کا آدھا قہقہہ حلق میں ہی دم توڑ گیا۔
اس نے کہنی مار کر طوبیٰ کی توجہ ہادی کے صحن کی طرف مبذول کروائی جہاں ایک ان ہی کی ہم عمر' خوب صورت اور نازک سی لڑکی' ٹہلتے ہوئے سیل فون پر بات کر رہی تھی۔ درشہوار کے چہرے پر الجھن کے تاثرات نمودار

URDU SOFT BOOKS DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہوئے۔
"کون ہو سکتی ہے یہ؟"
"شاید بہن ہو اس کی" طوبیٰ نے لاپروائی سے جواب دیا۔
"نہیں اکلوتا ہے یہ۔" اس کی زبان پھسلی تو طوبیٰ نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔
"تمہیں کس نے بتایا ہے یہ؟"
"ارسل سے پوچھا تھا' باتوں باتوں میں۔" در شہوار نے مسکرا کر جواب دیا۔
"اب جا کر اسی سے ڈائریکٹ پوچھ لو کہ یہ حسینہ کون ہے؟" طوبیٰ منہ بناتے ہوئے اندر کی طرف چل دی۔
جب کہ در شہوار کا سارا سکون غارت ہو چکا تھا۔ وہ سخت گرمی میں درخت کے نیچے کرسی رکھ کر بیٹھ گئی۔ بظاہر اس کی توجہ اپنے سیل فون کی اسکرین کی طرف تھی لیکن کن اکھیوں سے وہ اس لڑکی کی حرکات و سکنات کا بڑے غور سے جائزہ لیتے ہوئے دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"یقین مانو منو! تمہیں اس گھر میں دیکھ کر دلی خوشی ہو رہی ہے مجھے۔"
ہادی ایک ٹرے میں ہارڈیز کے برگر' فرنچ فرائز اور دو کولڈ ڈرنکس رکھے لان میں چلا آیا۔ فضا میں موجود گھٹن کا احساس کافی کم ہو گیا تھا اور دیکھتے دیکھتے آسمان نیلے رنگ کی بدلیوں سے بھر گیا اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔
"بڑے حسین نظارے ہیں ارد گرد کے۔" منائل نے شرارتی انداز میں آنکھ دبا کر ساتھ والے لان میں بے زار بیٹھی در شہوار کی طرف اشارہ کیا۔
"اس کی شکل کی معصومیت پر مت جانا۔ پورا تخریبی گینگ ہے اس کا۔" ہادی جی بھر کر بدمزا ہوا۔
"خیر ہے' بڑی معلومات حاصل کر رکھی ہیں۔" اس نے فرنچ فرائز کی پوری پلیٹ اٹھا کر اپنی گود میں رکھی' وہ دونوں لان میں رکھی کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ دوسری طرف در شہوار نے کسی کا نمبر ملا کر وہیں ٹہلنا شروع کر دیا تھا۔
"تم چھوڑو اس کو' یہ بتاؤ' اچانک کیسے پلان بن گیا تمہارا۔" ہادی نے فوراً" بات پلٹی۔
"پی سی میں ایک سیمینار تھا ہمارا' وہی اٹینڈ کر کے فری ہوئی تھی کہ ممانی کی کال آگئی کہ میرے صاحب زادے کے درشن کر کے آنا' یہاں آکر پتا چلا کہ تمہارا کیوں دل نہیں کرتا گھر آنے کو۔" وہ بے تکلفی سے اسے چھیڑ رہی تھی۔
"کیسا چل رہا ہے تمہارا ایم ایس کا تھیسس؟" اس نے بڑی خوب صورتی سے موضوع بدلا۔
"اسی کے سلسلے میں خواری ہو رہی ہے' اچھا جی پی اے بن جائے تو پی ایچ ڈی میں ایڈمیشن لے لوں گی فوراً"۔" منائل نے اسے اپنے ارادوں سے آگاہ کیا۔
"ہاں' ساری زندگی کتابوں میں ہی گزار دینا۔" ہادی نے منہ بنایا۔
"تو اور کیا کروں؟" وہ ہنسی۔
"شادی۔" ہادی نے بے تکلفی سے مشورہ دیا۔ ویسے بھی ان دونوں کے درمیان اچھی خاصی بے تکلفی تھی۔
"سمجھو ففٹی پرسینٹ کام ہو گیا ہے۔" منائل نے شرارتی لہجے میں اسے اطلاع دی۔
"وہ کیسے بھئی؟" ہادی خوش گوار حیرت کا شکار ہوا۔
"میں راضی ہوں' اگلے بندے کو منانا ہے۔" اس کی شرارت پر وہ قہقہہ مار کر ہنسا اور در شہوار نے کھا جانے

والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ دونوں کے چہروں پر موجود مسکراہٹ سے وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ ان کے درمیان خاصی خوش گوار بات چیت چل رہی ہے۔
"شرم کرو بھائی کے سامنے ایسی باتیں کر رہی ہو۔" ہادی نے مسکرا کر اسے چھیڑا۔
"جی نہیں بھائی وائی نہیں' دوست ہو تم میرے بلکہ ماموں زاد کزن۔" مناہل صاف مکر گئی۔
"پھر ٹھیک ہے۔" وہ بھی جلدی متفق ہو گیا۔
"بھئی ہادی! بہت ٹائم ہو گیا ڈرائیور آتا ہو گا مجھے لینے۔ میں ذرا اپنی چیزیں اٹھالوں اندر سے۔" مناہل کلائی پر بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے فوراً" عجلت بھرے انداز میں کھڑی ہوئی۔
"کسی دن آؤ نا ماما کے ساتھ ویک اینڈ پر۔" وہ دونوں مسکراتے ہوئے اندر کی طرف چل دیے تھے اور در شہوار کا موڈ ٹھیک ٹھاک خراب ہو چکا تھا۔ وہ پاؤں پٹختی ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئی۔ اسے اب ہادی کو ایک دفعہ پھر مزا چکھانا تھا۔

☼ ☼ ☼

شہزاد کی زندگی ایک عجیب سے موڑ میں داخل ہو چکی تھی۔
رومیصہ والے واقعے نے اس کی اور ٹینا بیگم کی راتوں کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں۔ اس شام بھی اے ایس پی ارتضیٰ حیدر ان کے ڈرائنگ روم میں موجود تھا' وہ ایک نوجوان' متحرک اور متاثر کن شخصیت کا حامل پولیس آفیسر تھا اور سی ایس ایس کے بعد اس کی پہلی پوسٹنگ اسلام آباد میں ہوئی تھی۔
ٹینا بیگم ملازمہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں اور انہوں نے توصیفی نگاہوں سے سامنے بیٹھے پولیس آفیسر کو دیکھا' یہ لڑکا انہیں پہلی نظر میں ہی شہزاد کے ساتھ اچھا لگا تھا لیکن ان دنوں وہ خود بھی ذہنی طور پر اتنی الجھی ہوئی تھیں کہ شہزاد سے اس کے متعلق تفصیلا" بات نہیں کر سکیں۔
"مجھے ایٹی پرسینٹ یقین ہے کہ اس واقعے کے پیچھے بریگیڈیئر وقار کی بیٹی کنزہ کا کوئی نہ کوئی ہاتھ ضرور ہے یا پھر کم از کم وہ اتنا ضرور جانتی ہے کہ رومیصہ کو کڈنیپ کرنے والے لوگ کون ہیں۔" ارتضیٰ کی اس بات نے دونوں ماں بیٹی کو بے چین کر دیا۔
"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں یہ بات؟" ٹینا بیگم ذرا سی بے چین ہوئیں' جب کہ شہزاد کو اپنے تاثرات چھپانے میں کمال حاصل تھا۔
"اس لیے کہ جب میں نے ان سے انویسٹی گیشن کے سلسلے میں بات کی تو وہ بچی بہت زیادہ کنفیوز تھی۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔
"تو کیا آپ اس کی کنفیوزن کی وجہ سے اسے کوئی مارجن دینا چاہتے ہیں۔" شہزاد کے طنزیہ لہجے پر وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔
اسے اس لڑکی کا دو ٹوک انداز' محتاط شخصیت کے ساتھ ساتھ حد درجے سنجیدگی میں چھپی ہوئی ذہانت بہت متاثر کرتی تھی۔
"ناٹ ایٹ آل۔" اس نے فوراً" صفائی دی۔
"تو کیا اس کے فادر کی پوسٹ آپ کے راستے کی رکاوٹ بن رہی ہے؟" اس دفعہ شہزاد کا لہجہ پہلے سے بھی زیادہ کاٹ دار تھا۔
"ایسا ہرگز نہیں ہے' میں اپنے فرائض کی راہ میں کسی چیز کو رکاوٹ بننے نہیں دیتا۔" وہ اس دفعہ اس کی

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر خود اعتمادی سے بولا۔
"آپ اس کا نام لکھوائیں ایف آئی آر میں اور پھر دیکھیں ہماری پرفارمنس۔" اس نے مشورہ دیا۔
"ٹھیک ہے کب لکھوانا ہے' بتائیں۔" شہزاد کے اعتماد پر وہ ایک لمحے گڑبڑا سا گیا۔
"صبح آجائیں آفس۔"
"ابھی کیوں نہیں۔۔۔" شہزاد نے گھڑی کی طرف دیکھا' اس وقت شام کے سات بج رہے تھے۔
"ٹھیک ہے۔" وہ ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ میز پر رکھ کر کھڑا ہوا' نہ جانے کیوں وہ اس لڑکی کے سامنے بے بس ہو جاتا تھا۔
"شیری! میرا خیال ہے' اس معاملے پر ہمیں کسی اور سے بھی مشورہ کرلینا چاہیے۔" ٹینا بیگم اس کی عجلت پر تھوڑا بے چین ہوئیں۔
"آئی ایم سوری مام' جب تک رومی گھر۔۔۔ واپس نہیں آجاتی' میں سکون سے نہیں بیٹھ سکتی۔" وہ ارتضیٰ کے ساتھ باہر نکل آئی۔
"میرا خیال ہے' آپ میری گاڑی میں آجائیں۔۔۔ واپسی پر میں آپ کو ڈراپ کروادوں گا۔"
شہزاد نے چپ چاپ اس کی بات مان لی' ویسے بھی وہ بلا کی پُر اعتماد تھی۔ ارتضیٰ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا اور شہزاد اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔ مسز قریشی کے آفس میں اس سے ملاقاتوں کے بعد دونوں کے درمیان اچھی خاصی بے تکلفی پیدا ہو چکی تھی۔ مسز قریشی اپنے اکثر معاملات میں اپنے بیٹے سے زیادہ اس پر بھروسا کرتی تھیں۔ یہ بات شہزاد کو بہت جلد معلوم ہو گئی تھی۔
"ایک مشورہ دوں آپ کو' مائنڈ تو نہیں کریں گی۔" جیسے ہی گاڑی مرکزی سڑک پر آئی' ارتضیٰ حیدر نے تھوڑا جھجک کر کہا۔
"جی بولیں۔"
"آپ کو پہلی فرصت میں سی ایس ایس کرلینا چاہیے۔" اس کی بات پر ایک مبہم سی مسکراہٹ شہزاد کے ہونٹوں پر دوڑی۔
"آپ نے ایسا کر کے کون سا تیر مار لیا ہے' جو کسر میں آکر پوری کرلوں گی' ایک بریگیڈیئر کی بیٹی تک سے تو آپ کھل کر انویسٹی گیشن کر نہیں سکتے' تو کیا فائدہ ایسے اختیارات کا۔" شہزاد کے جل کر بولنے پر وہ بے اختیار ہنسا۔
"شاید ہم دونوں مل کر کوئی ایسا تیر چلالیں' جو میں اکیلا نہ چلا پا رہا ہوں۔" اس نے بات کو ہنسی میں اڑانے کی کوشش کی۔
"سوری' مجھے سہاروں کی عادت نہیں' میں اپنی جنگیں تنہا لڑنے کی عادی ہوں۔" اس نے حسب توقع وہی جواب دیا جس کی ارتضیٰ کو پوری امید تھی۔ اس لڑکی کی سحر انگیز شخصیت کے جال میں وہ بری طرح سے پھنس چکا تھا اور اسی وجہ سے وہ آج اس کے گھر تک پہنچ گیا تھا۔ اپنے کام سے جیسے ہی وہ فارغ ہوئی' ارتضیٰ کا ڈرائیور اسے گھر چھوڑ آیا تھا۔
"مجھے یقین ہے ارتضیٰ حیدر' اب باقی معاملے کی کھوج لگالے گا۔" رات وہ ہمزاد کو فون کر کے پوری تفصیل بتا رہی تھی اور وہ بہت خاموشی کے ساتھ اس کی ایک ایک بات غور سے سنتے ہوئے اچانک بولا۔
"مجھے لگتا ہے یہ اے ایس پی تم پر لٹو ہو چکا ہے۔"
شہزاد کو اس کی طرف سے ایسے مذاق کی بالکل توقع نہیں تھی تب ہی وہ ایک لمحے کو چپ ہو گئی۔
"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں یہ بات؟" کچھ لمحوں کے توقف کے بعد وہ ذرا سنبھل کر گویا ہوئی۔

"میری چھٹی حس کہہ رہی ہے اور تمہارے معاملے میں یہ مجھے کبھی دھوکا نہیں دیتی۔" وہ اپنی باتوں سے اکثر اسے لاجواب کردیتا تھا۔
"ہاں تو ہرج کیا ہے۔" شہزاد کو بھی شرارت سوجھی۔
"کیا' واقعی کوئی ہرج نہیں ہے۔" دوسری طرف اس کا لہجہ کچھ پست ہوا۔ شہزاد کا تیر نشانے پر لگا تھا۔
"ہاں' ہینڈ سم' ذہین اور انٹلی جینٹ ہے اور سب سے بڑی بات' سامنے بیٹھ کر بات کرنے کی جرات رکھتا ہے۔" شہزاد کی بات پر ہم زاد کو شاک لگا اور اس نے افسردگی میں لپٹی خاموشی کے ساتھ کال کاٹ دی۔
شہزاد کو اس وقت بالکل اندازہ نہیں ہوا کہ آنے والے دنوں میں یہ مذاق اسے کتنا مہنگا پڑنے والا ہے۔ وہ پہلی دفعہ ہم زاد کو شعوری طور پر خفا کرچکی تھی۔

✵ ✵ ✵

"کون ہے یہ بیرسٹر شیری' پتا کرواؤ اس کا۔"
میر خاقان علی مشتعل انداز میں ٹہلتے ہوئے میر وہاج سے مخاطب ہوئے۔ وہ اس وقت میر محتشم کے ساتھ اسلام آباد میں واقع نور محل میں تھے۔ ان کے ہاتھ میں وہ عدالتی نوٹس تھا جو انہیں شجاع غنی کی وکیل بیرسٹر شیری کی طرف سے ملا تھا۔
"اتنی ٹینشن لینے کی کیا بات ہے۔" میر محتشم نے سگار سلگاتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔
"اس میں الزامات کی نوعیت دیکھی ہے آپ نے" وہ بھڑک کر بولے۔
"کیا ضرورت ہے دیکھنے کی' ایسے ہزاروں نوٹس آئے اور فضاؤں میں اُڑ گئے۔" میر محتشم نے سگار کا دھواں فضاؤں میں چھوڑتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔
"آپ جانتے نہیں بابا' معاملے کی نوعیت بہت سنگین ہے۔" وہاج نے اپنے باپ کو دبے دبے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔
"مثلاً ہہ؟" انہوں نے طنزیہ نگاہوں سے اپنے چھوٹے بھائی اور بیٹے کو دیکھا۔
"ایسی ہی ایک درخواست شجاع غنی نے محکمہ اینٹی کرپشن کے ڈائریکٹر جنرل عبداللہ قریشی کو دے رکھی ہے اور اس کے علاوہ ایک کرائم رپورٹر کو بھی اس کیس کے پیچھے لگا رکھا ہے۔ کل رات اس دو نمبر اینکر سعید چوہان نے ٹی وی پر اس ٹاپک پر ایک شو تک کر ڈالا ہے۔"
"واٹ؟" میر محتشم کو پہلی دفعہ معاملے کی سنگینی کا کچھ احساس ہوا۔ "شجاع غنی کی اتنی جرات۔۔۔؟" ان کے لہجے سے برہمی جھلکی۔
"کوئی بھی میمنا' ایک دم ایسے اٹھ کر جب ناچنا شروع کردے تو سمجھ لینا چاہیے کہ کسی بھیڑیے نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا ہے۔" میر خاقان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"کون ہے شجاع غنی کے پیچھے؟" وہ سنبھل کر بیٹھ گئے۔
"ملک زبیر علی۔" وہاج نے مری میں اپوزیشن پارٹی کے ایم این اے کا نام لیا جو الیکشن میں ہمیشہ میر فیملی کے خلاف کھڑا ہوتا تھا۔ ان دونوں خاندانوں کی ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔
"کوئی اچھا وکیل ہائر کرو تم بھی۔" میر محتشم نے اب سنجیدگی سے انہیں مشورہ دیا۔

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر خود اعتمادی سے بولا۔
"آپ اس کا نام لکھوائیں ایف آئی آر میں اور پھر دیکھیں ہماری پرفارمنس۔" اس نے مشورہ دیا۔
"ٹھیک ہے' کب لکھوانا ہے' بتائیں۔" شہرزاد کے اعتماد پر وہ ایک لمحے گڑبڑا سا گیا۔
"صبح آجائیں آفس۔"
"ابھی کیوں نہیں۔۔۔" شہرزاد نے گھڑی کی طرف دیکھا' اس وقت شام کے سات بج رہے تھے۔
"ٹھیک ہے۔" وہ ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ میز پر رکھ کر کھڑا ہوا' نہ جانے کیوں وہ اس لڑکی کے سامنے بے بس ہو جاتا تھا۔
"شیری! میرا خیال ہے' اس معاملے پر ہمیں کسی اور سے بھی مشورہ کرلینا چاہیے۔" ٹینا بیگم اس کی عجلت پر تھوڑا بے چین ہوئیں۔
"آئی ایم سوری مام' جب تک رومی گھر۔۔۔ واپس نہیں آجاتی' میں سکون سے نہیں بیٹھ سکتی۔" وہ ارتضیٰ کے ساتھ باہر نکل آئی۔
"میرا خیال ہے' آپ میری گاڑی میں آجائیں۔ واپسی پر میں آپ کو ڈراپ کروا دوں گا۔"
شہرزاد نے چپ چاپ اس کی بات مان لی' ویسے بھی وہ بلا کی پُراعتماد تھی۔ ارتضیٰ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا اور شہرزاد اس کے برابر میں بیٹھ گئی' مسز قریشی کے آفس میں اس سے ملاقاتوں کے بعد دونوں کے درمیان اچھی خاصی بے تکلفی پیدا ہو چکی تھی۔ مسز قریشی اپنے اکثر معاملات میں اپنے بیٹے سے زیادہ اس پر بھروسا کرتی تھیں۔ یہ بات شہرزاد کو بہت جلد معلوم ہو گئی تھی۔
"ایک مشورہ دوں آپ کو' مائنڈ تو نہیں کریں گی۔" جیسے ہی گاڑی مرکزی سڑک پر آئی' ارتضیٰ حیدر نے تھوڑا جھجک کر کہا۔
"جی بولیں۔"
"آپ کو پہلی فرصت میں سی ایس ایس کرلینا چاہیے۔" اس کی بات پر ایک مبہم سی مسکراہٹ شہرزاد کے ہونٹوں پر دوڑی۔
"آپ نے ایسا کر کے کون سا تیر مار لیا ہے' جو کسر میں آکر پوری کرلوں گی' ایک بریگیڈیئر کی بیٹی تک سے تو آپ کھل کر انویسٹی گیشن کر نہیں سکتے تو کیا فائدہ ایسے اختیارات کا۔" شہرزاد کے جل کر بولنے پر وہ بے اختیار ہنسا۔
"شاید ہم دونوں مل کر کوئی ایسا تیر چلالیں' جو میں اکیلا نہ چلا پا رہوں۔" اس نے بات کو ہنسی میں اڑانے کی کوشش کی۔
"سوری' مجھے سہاروں کی عادت نہیں' میں اپنی جنگیں تنہا لڑنے کی عادی ہوں۔" اس نے حسب توقع وہی جواب دیا جس کی ارتضیٰ کو پوری امید تھی۔ اس لڑکی کی سحر انگیز شخصیت کے جال میں وہ بری طرح سے پھنس چکا تھا اور اسی وجہ سے وہ آج اس کے گھر تک پہنچ گیا تھا۔ اپنے کام سے جیسے ہی وہ فارغ ہوئی' ارتضیٰ کا ڈرائیور اسے گھر چھوڑ آیا تھا۔
"مجھے یقین ہے ارتضیٰ حیدر' اب باقی معاملے کی کھوج لگالے گا۔" رات وہ ہمزاد کو فون کر کے پوری تفصیل بتا رہی تھی اور وہ بہت خاموشی کے ساتھ اس کی ایک ایک بات غور سے سنتے ہوئے اچانک بولا۔
"مجھے لگتا ہے یہ اے ایس پی تم پر لٹو ہو چکا ہے۔"
شہرزاد کو اس کی طرف سے ایسے مذاق کی بالکل توقع نہیں تھی تب ہی وہ ایک لمحے کو چپ ہو گئی۔
"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں یہ بات؟" کچھ لمحوں کے توقف کے بعد وہ ذرا سنبھل کر گویا ہوئی۔

”بات وکیل ہائر کرنے کی نہیں، ان ثبوتوں کی ہے جو اس بیرسٹر شیری کے پاس پہنچ چکے ہیں۔“ خاقان علی اچھے خاصے پریشان تھے، کیونکہ اگلے الیکشن سر پر تھے اور کرپشن کا کوئی بھی کیس اس موقعے پر سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتا تھا۔

”وہ کوئی توپ چیز ہے، جو بیرسٹر عالیہ قریشی کے چیمبر میں نہ صرف اپنی جگہ بنا چکی ہے بلکہ ان کے ساتھ ایک چوٹی کا کیس بھی جیت چکی ہے۔“

”یہ بیرسٹر عالیہ قریشی وہی ہیں نا جو.....؟“ انہوں نے بات ادھوری چھوڑی۔

”جی وہی ہیں، محکمہ اینٹی کرپشن کے ڈائریکٹر جنرل عبداللہ قریشی کی مسز، جن کا ریکارڈ ہے کہ انہوں نے اپنے کیریر میں بہت کم کیس ہارے ہیں۔“

میر خاقان کے لہجے میں چھپی تشویش اب کھل کر میر محتشم کی سمجھ میں آچکی تھی۔ اس لیے انہوں نے بھی چوٹی کا وکیل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ بھی اتنی آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھے۔

رومیصہ حواس باختہ انداز میں شیشے کی دیوار سے باہر دیکھ رہی تھی۔

باہر گہری تیرگی چھائی تھی، جواب اسے اپنے مقدر پر بھی چھائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

وقت تیزی سے بھاگ رہا تھا اور ہر لمحہ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ مقتل کی طرف گامزن ہو۔

اس کے چہرے کی ساری روشنیاں گل ہو گئی تھیں۔ مسلسل گریہ و زاری سے اس کے پپوٹے الگ متورم تھے۔

نہ جانے کون لوگ تھے وہ؟ کیا مقصد تھا ان کا....؟

وہ تو راستے میں بے ہوش ہو گئی تھی اور جب آنکھ کھلی تو اس نے خود کو اس ماسٹر بیڈ روم میں پایا۔

کمرے کی مشرقی دیوار اگرچہ شیشے کی تھی، لیکن اس کے باہر بھی لوہے کی سلاخوں کا ایک جنگلا تھا، جو شاید حفاظتی انتظامات کے پیش نظر لگایا گیا تھا۔ یہ جدید طرز تعمیر کا ایک خوب صورت فارم ہاؤس تھا، جہاں سبزے اور درختوں کی بہتات تھی۔ وہ شیشے کی دیوار سے باہر کا جائزہ لے چکی تھی، لیکن بہت تیزی سے پھیلتے اندھیرے نے ہر چیز کو نگل لیا تھا۔

رومیصہ نے اس بلند و بالا فارم ہاؤس پر ایک شکستہ نظر ڈالی، ماسٹر بیڈ روم سے نکلنے کا صرف ایک دروازہ تھا جو باہر سے مقفل تھا۔ وہ پچھلے تین دن سے یہاں قید تھی اور کمرے میں موجود فریج میں رکھی چیزیں بھی آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی تھیں۔

”یا اللہ.... میری مدد فرما۔“ اس کی جان پتے کی طرح لرز رہی تھی۔

اچانک فارم ہاؤس کی گہری تاریکی اور خاموشی میں کسی گاڑی کا ہارن گونجا، رومیصہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس نے کسی کے مضبوط قدموں کی آواز کمرے کی کھڑکیوں کے باہر سنی اور خوف اور گھبراہٹ سے اس کا وجود کانپنے لگا۔

شیشم کی مضبوط لکڑی کے بنے دروازے میں کسی نے چابی گھمائی اور کھٹ کر کے تالا کھلا اور رومی نے خوف زدہ انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔ کوئی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا عین اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

”آنکھیں بند کرنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔“ سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے ایک مردانہ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

رومیصہ نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں، اس کی پیشانی عرق آلود اور ہتھیلیاں پسینے میں بھیگی ہوئی تھیں۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اس نے سخت حیرانی اور پریشانی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اپنے سامنے کھڑے شخص کی طرف دیکھا۔
براؤن کلر کی جینز کے ساتھ، چاکلیٹ کلر کی شرٹ میں ملبوس وہ ہینڈسم شخصیت کا حامل نوجوان تھا، اس نے اپنی لیدر کی جیکٹ سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور اپنی بڑی بڑی شہد رنگ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے ایک سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر اسے لائٹر کا شعلہ دکھایا۔
"کک... کون ہیں آپ..." رومیصہ کی کانپتی ہوئی آواز ابھری۔
"ملک الموت۔" اس نے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔
"کیوں لائے ہیں آپ مجھے یہاں؟" وہ لجاجت سے پوچھ رہی تھی۔
"ویسے ہی مارنے کے لیے جیسے تم نے روحیل محمود کو مارا تھا۔" اس کی مسکراہٹ زہریلی اور لہجہ سفاک تھا۔
رومی کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ——— محسوس ہوئی تھی۔ اس نے اپنی لیدر کی جیکٹ سے ایک چھوٹا سا جدید پستول نکالا اور رومی کی کنپٹی پر رکھ دیا۔
"میں نے نہیں مارا اسے۔" وہ بوکھلا کر گویا ہوئی۔ اس کے جسم کا ہر بال خوف کے زیر اثر کھڑا ہو گیا تھا۔
"روحیل کو تھپڑ تو تم نے میرے سامنے مارا تھا کلب میں، یاد ہے؟" اس کی سرد آنکھوں کے سامنے رومی کو اپنی قوت گویائی سلب ہوتی محسوس ہوئی۔
"بدتمیزی کی تھی اس نے میرے ساتھ۔" اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔
"ایسا کون سا پہاڑ توڑ دیا تھا تمہارے اوپر؟ کیا کرنے آئی تھیں تم وہاں؟ اتنی ہی پارسا تھیں تو نہیں آنا چاہیے تھا تمہیں کلب میں۔" وہ اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال رہا تھا۔
"تم نے میرا بچپن کا دوست، میرا ساتھی، میرے قدم سے قدم ملا کر چلنے والا میرا بیسٹ فرینڈ چھین لیا، میں چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔" اس کی آنکھوں میں گویا لہو اتر آیا تھا۔
"میں نے روحیل کو قبر میں اتارتے ہوئے قسم کھائی تھی کہ اس کی سانسیں چھیننے والے کو میں زیادہ دیر تک دنیا میں سانس لینے نہیں دوں گا۔" وہ اسے اپنے خطرناک عزائم سے آگاہ کر رہا تھا۔
"بائے گاڈ... اسے میں نے نہیں مارا۔" رومیصہ کے اعصاب جواب دے گئے۔ تب ہی اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ایک لڑی بہہ نکلی۔
"جھوٹ بول رہی ہو تم مجھ سے۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ "مجھے خود کنزہ وقار نے بتایا ہے۔"
اس کی بات سن کر رومی کے سر پر تو گویا آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ اس نے انتہائی تعجب سے اس کا مشتعل چہرہ دیکھا۔
"کنزہ غلط کہہ رہی ہے۔" اس کا لہجہ رندھ گیا۔
"وہ نہیں، تم غلط کہہ رہی ہو اور میں چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔" وہ تلخی سے بولا۔
"کیا کرو گے تم، مارو گے مجھے۔" موت کو سامنے دیکھ کر اس نے اپنی جنگ بہادری سے لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔
"تو کیا اس فارم ہاؤس میں اپنی مسز بنا کر رکھوں گا۔" اس کے استہزائیہ انداز پر رومی کا دماغ الٹ گیا۔
"تمہاری مسز بننے سے اچھا ہے، میں گولی کھا کر مر جاؤں۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انتہائی تنفر لہجے میں بولی۔
رومی کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کا مداوا کرنے کی کوشش کرتی، فضا میں گولی چلنے کی آواز، رومیصہ کی چیخ پر حاوی ہو گئی۔ دور کہیں پرندوں کے جھنڈ میں شور مچا اور اس کے بعد فضا میں سناٹے کا راج ہو گیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

محترم قارئین

اگر آپ کو ہماری یہ کتاب اچھی لگے تو ہماری حوصلہ افزائی کے لیے

Google پر جا کر Urdu Novels سرچ کر کے ہماری ویب سائٹ

www.urdusoftbooks.com کو ایک مرتبہ وِزٹ کر لیں

اگر آپ کو ہماری ویب سائٹ Google کے پہلے پیج پر نظر نہ آئے تو

دوسرے یا تیسرے پیج پر چیک کر لیں،

وہاں آپ کو مزید اچھی کُتب ڈاؤن لوڈ کرنے کو ملیں گی۔ شُکریہ

Google | Urdu Novels

Web | Images | Books | Videos | News | More | Search tools

Page 2 of about 17,100,000 results (0.24 seconds)

Urdu Novels Archives - Download Free Pdf Books
pdfbooksfree.pk/category/urdu-novels/
Ambar Naag Maira Maut Ka Taaqub Ki Wapsi series contains 100 complete **novels**. All **novels** of this series promote amazing historical fiction stories for [...].

Urdu Novels | Urdu Writers - aanchalpk.com - Aanchal Magazine
www.aanchalpk.com/urdu-novels.html
Urdu Novels reading online and also reading aricles urdu stories novels for all the pakistani and indian womens all the collection of your favourite urdu writes ...

Urdu Novels | Urdu Books and Urdu Novels - Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com/2017/03/urdu-novels.html
When we talk about novels, it has sequential and global history of about two thousand years. Lot of unfold stories are available to read and explore. **Urdu novels** ...

Hasil By Umera Ahmed - Urdu Novels Online
www.urdunovelsonline.com/2014/09/hasil-by-umera-ahmed/
Sep 15, 2014 - Read **Urdu Novel** Online Hasil By Umera Ahmed. ... Latest Novels : Main Kisi Ka Husn e Khyal Hun **Urdu Novel** By Sonia Chaudhary05/03/ ...

عطیہ خالد

دریا کا نیلا پانی تیز نارنجی رنگ میں بدل رہا تھا۔ کہیں کہیں سرخی گہری ہو رہی تھی۔ صبح سے دھیرے دھیرے بہنے والی ہوا نے رخ بدل لیا تھا اور انداز بھی۔ نرمی سے چلتے چلتے اچانک چنگھاڑنے لگ گئی تھی جیسے اس نے گاؤں کی طرف بڑھتے سموں کی آہٹ اور ارادہ پہچان لیا ہو۔ اب وہ غرا رہی تھی۔ اپنے پنجے تیز کیے ان پر پل پڑنے کے لیے تیار۔

ستارہ ان سب سے بے نیاز پانی میں پاؤں ڈالے بیٹھی تھی۔ کئی دن سے بدلنے والی گھر کی فضا کے متعلق سوچتی وہ گم صم سی تھی۔ آخر نذر نے ماں سے ایسا کیا کہہ دیا کہ وہ اس سے اکھڑی اکھڑی تھیں۔ جب وہ دریا کی طرف آنے کی اجازت مانگتی ان کو غصہ آجاتا۔ سارا دن تیزی سے گھر کے کام نبٹانے کے باوجود ستارہ ان کو راضی نہیں کر پا رہی تھی۔ آج تو اس

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نے اتنی تیزی سے قالین بُنا تھا کہ اس کی سفید موی انگلیاں نیلی پڑ گئی تھیں لیکن پھر بھی جب اس نے سیر کے لیے اجازت مانگی تو ان کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگی تھیں۔

تب ہی گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز اسے اپنے قریب سے آئی تو وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ سوار کی لمبی چوڑی پشت دیکھتے ہوئے وہ سمجھ گئی کہ یہ وہی اجنبی ہے جو گزشتہ کئی دنوں سے اسے گھومتا نظر آرہا تھا۔ موسم کے تیوروں نے اسے اجنبی پر غور کرنے کا موقع نہ دیا۔ دریا کی طرف الوداعی نظریں ڈالتے ہوئے اس نے اپنے قدم گھر کی طرف تیزی سے بڑھائے۔ اس کا دل کسی انجانے وسوسے سے، کسی اجنبی ڈر سے دھڑک رہا تھا۔ وہ اپنے بھائی کے آنے سے پہلے گھر پہنچ جانا چاہتی تھی۔ اسے آج تک اس کے غصے کا مقابلہ کرنا نہیں آیا تھا۔

گلی کے اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے زوبیا کی پکار کو بھی نظر انداز کر دیا اور قریباً بھاگتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہو گئی۔ باورچی خانے میں ہونے والا شور بتا رہا تھا کہ یہاں مچھلی تل رہی ہے۔ یعنی کہ واقعی اس کو دیر ہو گئی تھی۔ وہ دبے قدموں سے ماں کے پاس سر جھکائے چلی آئی۔ اس نے خود کو ایک زوردار ڈانٹ بلکہ تھپڑ کے لیے تیار کر لیا تھا۔

"ستارہ! جلدی پچھلے کمرے میں جاؤ اور خمیر والے آٹے کا پیالہ لے آؤ۔ جلدی کرو، بہت جلدی۔ اسے سانچوں میں ڈال کر تنور میں رکھو۔"

"ماں! کیا مہمان آرہے ہیں؟" اس نے سانچوں کو تنور میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ شوربا تم کو تیار کرنا ہے۔ اپنے ہاتھوں میں تیزی لاؤ ستارہ!" ماں نے بڑے دیگچے میں موجود بھیڑ کے گوشت کی طرف اشارہ کیا۔ گوشت کے پارچے بتا رہے تھے کہ گوشت بہت عمدہ تھا۔ ستارہ نے جان لیا تھا کہ کوئی بہت ہی خاص مہمان آنے والا ہے۔ وہ اپنے لبادے کی آستینوں کو اوپر تک موڑ کر اپنے اسکارف کو کس کر، پوری تن دہی سے شوربا بنانے میں جت گئی۔

تند و تیز ہوا سیٹیاں بجاتی صحن میں چکراتی پھر رہی تھی۔ رات کے اندھیرے نے پورے کرگت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا ایسے کہ بڑے بڑے چراغوں کی روشنی بھی ناکافی معلوم ہو رہی تھی۔ آج رات بہت زیادہ اندھیری تھی۔ اندھیری اور ڈراؤنی۔ ستارہ اور ادینہ نے نوکسم کے کھانے تیار کرنے کے بعد ابھی سانس بھی نہ لیا تھا کہ دروازہ کھٹکھٹایا جانے لگا۔ پھر نذر کی آواز آئی۔ وہ ماں کو مہمانوں کی آمد کی اطلاع دے رہا تھا۔ گھر کے پچھواڑے میں گھوڑے باندھنے کے بعد مہمان اندر آگئے تھے۔ ماں نے جلدی سے ستارہ کو اندر کمرے میں دھکیلا اور خود مہمانوں کی پیشوائی کے لیے باہر نکل گئی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" ستارہ نے بے حد حیرانی سے سوچا۔ ادینہ جب کچھ دیر بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک بیش قیمت ارغوانی لباس تھا۔ "فوراً اسے پہن کر تیار ہو جاؤ، بیٹی!" اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ کیا وہ وقت آن پہنچا تھا کہ ماں کو اس سے نظریں چُرانی پڑ رہی تھیں؟ کیا اس کا بھائی اپنے غصے کی طرح اپنے مقدر کا بھی تیز نکلا تھا۔

"ماں! ضیافت کی تیاری مکمل ہے؟" نذر کی آواز میں تازہ ڈھلے سونے کی اشرفیوں کی سی کھنک تھی۔

ماں لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے جلدی کرنے کا کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔ آخر اس کے دریا پر جانے کے بعد ایسا کیا ہو گیا تھا کہ ماں اس سے ایسا برتاؤ کر رہی تھی!! سوائے اس کے کہ اس نے آج میلے پر جانے کی ضد کی تھی۔ اسے اپنی کوئی غلطی یاد نہیں آرہی تھی۔ تھوڑی دیر رونے کے بعد اس نے اپنی ضد چھوڑ دی۔ اور سہ پہر تک ماں کے ساتھ قالین بنتی رہی تھی۔ ماں خوش نہیں تھی لیکن اس نے اس کے بالوں میں خود ریشمی رومال باندھ کر ان کو سنوار دیا تھا اور اسے دریا کی طرف سیر کے لیے جانے کی اجازت دی تھی۔

اور اب؟

وہ لباس کے ریشم پر انگلیاں پھیرتی ہوئی ساتھ

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

والے کمرے سے آنے والی آوازیں سن رہی تھی۔ ہلکے ہلکے قہقہوں کی، برتنوں کے کھنکنے کی، شوربا پینے کی آوازیں..... لیکن دراصل وہ ان آوازوں سے بھی پرے کہیں اور کھوئی ہوئی تھی۔... اسے اپنے بابا کی یاد آ رہی تھی۔ اور ان سے بھی زیادہ دادا کی۔ دونوں اسے چھوڑ گئے۔ اس کا دل چاہا وہ بھاگ کران کی قبر پر جا کران کو آواز دے۔ ان کو بتائے کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ وہ بے یقین تھی..... سخت حیران..... کاش! وہ دریا پر نہ جاتی۔ کاش! وہ سارا وقت ماں کے پاس رہتی، تو ماں ایسا فیصلہ نہ کرتی۔ اور اگر کرتی تو اس کو وجہ ضرور بتا دیتی۔

☼ ☼ ☼

بادشاہ نے کہا۔ "اچھا تو اتنی سمجھدار ہے تمہاری بیٹی تو اس سے کہو ان تیس انڈوں سے کل شام تک تیس چوزے نکال کر جوان مرغ بنا کر ہمارے دربار میں لائے۔"

بوڑھا کسان روتا دھوتا سر پٹختا گھر پہنچا اور اپنی بیٹی کو بادشاہ کا فرمان سنایا۔ بیٹی نے سن کر کہا۔ "پیارے بابا! آپ ذرہ بھر نہ گھبرائیں۔"

کسان بولا۔ "کیسے نہ گھبراؤں بیٹی؟ بھلا کوئی کیسے کل تک ان سے تیس مرغ تیار کر سکتا ہے؟"

بیٹی نے اپنے باپ کو بہت تسلی دی اور ان انڈوں سے طرح طرح کے مزیدار پکوان بنانے میں جُت گئی۔ اس نے انڈوں کا سالن اور ان کا لذیذ حلوہ بنایا۔ بہت دن بعد باپ بیٹی نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔"

ستارہ اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھولے دادا کی رضائی میں چھپی کرگت کے ہر گھر میں سنائی جانے والی لوک کہانی سن رہی تھی۔

"اب تم بتاؤ ستارہ بیٹی کہ صبح کسان کی بیٹی نے کیا پیغام بادشاہ کو بھیجا؟"

وہ بولی "بابا! جا کر بادشاہ سے کہیے کہ ان چوزوں کے لیے آج بیج بو کر دوپہر تک تیار ہونے والا باجرہ چاہیے۔ اگر ان کو ذرہ بھر بھی پرانا باجرہ دیا گیا تو وہ نہیں کھائیں گے اور مر جائیں گے۔"

فرفر بولتی ستارہ کے چہرے پر بوڑھے کسان کی بیٹی جیسی دانائی اور حکمت صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ لیکن صرف دانائی کے بل پر قسمت سے نہیں لڑا جا سکتا۔ اگر دنیا کے سب مسئلے دانائی سے حل ہو سکتے تو ستارہ کے باپ کو کبھی موت نہ لے جاتی۔ وہ اپنی جواں سال بیوی اور کم عمر بچوں کو چھوڑ کر شکار کے لیے گیا تھا۔ جہاں وہ اپنے ہی ساتھی کی گولی کا شکار ہو گیا۔ وہ بے حد دانا اور بہادر تھا۔ لیکن قسمت کے آگے اس کی دانائی کام آئی نہ بہادری۔ اس کے بعد اس کا خاندان اس کے بوڑھے باپ کی سرپرستی میں دن گزارنے لگا۔ گاؤں میں ان کی بہت سی زرخیز زمین تھی۔ ان کے باڑے میں دودھ دینے والی گائیوں کی بہتات تھی۔ ان کے پاس اعلا نسل کے گھوڑے تھے۔ ان سب کی کثرت بھی ستارہ اور نذر کی زندگیوں سے یتیمی کا داغ نہیں مٹا سکتی تھیں۔ زندگی کرگت کے گھر گھر میں سنائی جانے والی لوک کہانی نہیں تھی۔ جس میں کوئی نہیں مرتا تھا اور سب لازمی ہنسی خوشی رہنے لگتے تھے۔

"ستارہ! ستارہ!" اسے کندھوں سے پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کرنے والی زویا تھی۔

"مجھے ابھی خالہ ادینہ نے بلوایا ہے ستارہ! تم نے مجھے بتانے کی بھی ضرورت نہ سمجھی۔" اس نے شکوہ کیا۔

"اور تم اس طرح کیوں بیٹھی ہو۔ ابھی تک لباس بھی تبدیل نہیں کیا۔ کیا تم غسل نہیں کرنا چاہتیں ستارہ؟" زویا نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف گھمایا۔

"کیا تمہیں اپنا لباس ناپسند ہے؟" زویا نے اس ریشمی لباس کو پھیلا کر دیکھا۔

"یوں تو یہ لباس بہت قیمتی اور منفرد ہے۔ اسے شہر کے خاص کاریگروں نے تیار کیا ہے۔ کرگت میں تو ایسا کوئی ماہر نہیں ہے۔"

"ستارہ! کیا تم اس شادی کے لیے تیار نہیں ہو؟" زویا کی آواز اب کے بالکل نیچی تھی۔

ستارہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسوؤں کی برسات شروع ہوگئی۔ زوبا نے اس کی طرف قدرے حیرانی سے دیکھا۔

"زوبا! کیا میں نے تم کو اس لیے بلوایا تھا کہ تم ایسی سستی دکھاؤ" ادینہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے ڈانٹا۔

"ستارہ! وقت بہت کم ہے۔ جلدی لباس تبدیل کرو۔" ادینہ نے اس کو کھینچ کر پردے کے پیچھے دھکیلا۔

"ماں۔۔۔؟" اس نے کچھ کہنا چاہا۔

"بس کسی بات کی گنجائش نہیں ہے ستارہ! تم نے اپنا حق خود کھو دیا ہے۔" نذر نے جلدی جلدی کا شور مچا رکھا تھا جبکہ زوبا اس کے بال سنوار کر ان میں موتی پرو رہی تھی اور ادینہ اسے زیور پہنا رہی تھی۔ جب انہوں نے اس کے چہرے پر سرخ جالی کا گھونگھٹ کھینچا تو وہ سرخ گلاب سے بھی زیادہ خوب صورت اور معصوم دکھائی دیتی تھی۔

"مجھے دکھ ضرور ہے کہ تم نے مجھ پر بھروسا نہ کیا۔ لیکن مجھے تسلی ہے کہ جس کو تم نے پسند کیا ہے وہ بہت اچھا ہے۔ جری اور ایماندار۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ وہ تمہیں خوش رکھے گا۔"

ادینہ نے اسے ایک طرف سے تھام لیا اور زوبا نے دوسری طرف سے اور اسے مہمانوں کے پاس لے آئیں۔ شادی کی رسمیں ادا کی جانے لگیں۔ دولہے کی ماں نے دولہے کی جھوٹی مٹھائی اسے کھلائی۔ اسے بیش قیمت جھومر پہنایا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ اب وہ شادی کا گیت گا رہی تھیں۔ ادینہ اور زوبا بھی دف بجا رہی تھیں۔

✡ ✡ ✡

یتیمی نے نذر پر سے باپ کی آنکھ چھین لی تھی۔ وہ اپنا وقت قہوہ خانوں اور جوئے کے اڈوں پر بتانے لگا تھا۔ ادینہ اسے روکنے کی کوشش کرتی تو وہ لڑ پڑتا۔ اس سے پہلے کہ لڑائی روز بروز بڑھتی جاتی اس نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔

نذر اب کڑیل جوان تھا۔ ادینہ چاہتے ہوئے بھی اسے کمانے کے لیے نہیں کہتی تھی۔ وہ اپنے بیٹے کے مزاج کو سمجھ گئی تھی۔ جانتی تھی کہ اگر بولے گی تو اپنی عزت گنوائے گی۔ محبت تو پہلے ہی بیٹے کی آنکھوں کو الوداع کہہ چکی تھی۔ آوارہ اور نکمے دوستوں میں گھرا نذر زمین اور جانوروں سے ہونے والی آمدنی کو دونوں ہاتھوں سے لٹا رہا تھا۔ اپنی ماں اور بہن کی ضرورتوں کو بالکل فراموش کرکے۔ اگر اس کا گھر سے کوئی واسطہ تھا تو بس اتنا کہ اس کو ماں کے ہاتھ کا کھانا چاہیے ہوتا تھا۔ ادینہ جیسا کھانا پورے کرگت میں کوئی بھی عورت نہیں بناتی تھی۔

وہ بہت سلیقہ مند عورت تھی۔ اب اس نے اپنا سارا فن ستارہ میں منتقل کرنا شروع کردیا تھا۔ ستارہ اس کے ساتھ بہترین سوزنیاں بناتی، قالین بنتی اور کھانے بناتی۔ اس کے حسن اور سلیقے کے چرچے کرگت سے نکل کر اردگرد پھیل رہے تھے۔ کئی خاندانی اور دولت مند نوجوان اس سے شادی کے خواہش مند تھے۔ ان کے پیغامات سے ستارہ اور ادینہ بے خبر نہیں تھیں۔ ادینہ نے تو اس کی شادی کے لیے چیزیں جمع کرنا شروع کردی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ نذر ان پیغامات میں سے کسی ایک کو قبول کرلے۔ آخر بلاوجہ دیر کرنے سے کیا فائدہ؟

اس نے جب دبے لفظوں میں ان پیغامات کا تذکرہ کیا تو نذر کی تیوریاں چڑھ گئیں اور وہ بلاوجہ ادینہ پر چڑھ دوڑا کہ وہ ستارہ کو گھر میں بند رکھے۔ ادینہ اب فکرمند تھی۔ آنے والا وقت اسے خوف زدہ کررہا تھا۔ نذر کی آنکھوں سے جھلکتی سردمہری بڑھتی جارہی تھی۔ وہ بلاوجہ معصوم بہن کو ڈانٹتا اور اس پر فضول قدغنیں لگاتا۔

بہار کا میلہ شروع ہوچکا تھا۔ ستارہ کا دل اس میلے میں جانے کے لیے بے تاب تھا۔ کتنے دنوں سے وہ اس کی تیاری کررہی تھی۔ اپنا گلابی لبادہ اور ستاروں سے سجا ہوا سیاہ رومال۔ گلابی جوتے۔ سب کچھ ہی تو

تیار تھا۔ لیکن نذر نے صبح صبح ہی سخت تنبیہہ کردی تھی۔
لیکن ستارہ کو یقین تھا کہ اس کے جانے کے بعد ماں اس کو ضرور میلے میں بھیج دے گی۔ اس لیے اس نے صبح ہی صبح سب کام ختم کرلیے تھے۔ لیکن ادینہ نے اسے اجازت نہ دی۔ اس کی سب سہیلیاں اس کا انتظار کرکے جاچکی تھیں۔ وہ قالین بُنتی رہی۔ پھر شام ڈھلے وہ ماں سے اجازت لے کر دریا پر چلی آئی۔ اس کی اداسی کا وہی ایک محرم راز تھا۔ اس کا مونس و غم خوار۔۔۔ وہ ہمیشہ سے دریا سے باتیں کرنے کی عادی تھی۔ دریا کی لہریں آج بڑی ترنگ میں تھیں۔ ستارہ دیر تک پانی میں پیر ڈالے اداسی بھرے گیت گنگناتی رہی۔

☆ ☆ ☆

نذر جوئے میں ساری زمین ہار بیٹھا تھا۔ ساری گائیں، سارے گھوڑے اور تو اور اپنا گھر بھی۔ اب وہ جوئے خانے میں بے یقین سا بیٹھا تھا۔۔۔ گنگ اور حیران۔۔۔

"ایک بازی ہوجائے اور۔۔۔ اس کا حریف میز پر اپنے دونوں ہاتھ بچھا کر جھک گیا۔ اس کی آنکھوں میں اپنی سرخ بے رحم آنکھیں ڈالے۔

"ایک بازی۔۔۔ وہ سارا مال جو تم ہار گئے۔۔۔ میری طرف سے۔" وہ مسکرایا۔

"میرے پاس اب کچھ نہیں۔" نذر نے اس سے زیادہ خود کو سمجھایا۔

"ہے نذر! تمہارے پاس کرگت کا سب سے قیمتی خزانہ ہے۔" وہ اس کے کان کے قریب آکر بولا۔

"نہیں! میرے پاس کوئی خزانہ نہیں۔" وہ قدرے خوف زدہ ہوا۔ آخر اس کا حریف کس خزانے کی بات کررہا تھا۔

"کیا تم نے اپنی بہن ستارہ کی شادی نہیں کرنی؟" وہ مکاری سے بولا۔

"لیکن میری بہن کی شادی کا یہاں کیا ذکر؟" وہ غرایا۔

"مجھ سے اس کی شادی کردو۔ اور اپنا سب مال واپس لے جاؤ۔۔۔ اس مال سمیت۔" اس نے اس دن جیتا ہوا ڈھیر سا مال اس کی طرف دھکیلا۔

"کیا واقعی؟" نذر کو لگا اسے سننے میں دھوکا ہوا ہے۔

"تو پھر طے ہوا۔"

سرخ چہرے والا ایک اجنبی جوئے خانے میں داخل ہوا۔ اس کا لباس، اس کا رعب، اس کی بلند قامتی سب کو مرعوب کررہی تھی۔ وہ کئی دن سے لگاتار قہوے خانے میں آرہا تھا۔ کھیل میں حصہ لینے کی بجائے وہ قہوہ پیتا اور ان کا کھیل دیکھتا رہتا۔ اس کے رکھ رکھاؤ، بیش قیمتی لباس اور شاندار گھوڑے سے اس کی حیثیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ سب ہی اس سے مرعوب ہونے کے ساتھ ساتھ دل ہی دل میں چاہتے تھے کہ اس سے ایک بازی تو ضرور لگائی جائے۔ وہ سب جو خود کو جوئے کے سارے داؤ جاننے اور ان پر مہارت رکھنے کا دعوا کرتے تھے۔ لیکن ابھی تک کسی نے اس کو دعوت دینے میں پہل نہیں کی تھی۔ اور آج اس نے خود نذر سے کھیلنے کی خواہش ظاہر کرکے سب کو حیران کردیا تھا۔

"مجھے نذر سے بازی لگانی ہے۔"

"نذر سے؟ لیکن نذر جب تک یہ بازی نہ کھیل لے، وہ کسی اور سے نہیں کھیل سکتا۔ آپ انتظار فرمائیے۔" حریف نے اجنبی مہمان سے پوری طرح مرعوب ہوتے ہوئے کہا۔

"مہمان کے لیے قہوہ لاؤ اور میٹھی تل والی روٹیاں۔" وہ بولا۔

"مہمان داری کرگت کے لوگوں کا اولین فرض ہے۔"

مہمان مسکرایا۔ اور اس نے اپنی ٹوپی اتار کر سر کو خم دیا۔ یہ اس کی مہمانی قبول کرنے کا اشارہ تھا۔ اب وہ میٹھی روٹی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ان کا کھیل دیکھ رہا تھا۔ نذر نے سارے داؤ آزما لیے تھے۔ لیکن نتیجہ اس کی شکست پر منتج رہا۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"اب ایک بازی میرے ساتھ۔" مہمان مسکرایا اور ایک نہایت قیمتی ہیرا نکال کر میز پر رکھ دیا۔ اس کی نیلگوں روشنی نے اپنی قیمت آپ ہی بتادی۔ حریف کی رال ٹپک گئی۔

"آج جو کچھ بھی میں نے جیتا ہے۔" حریف ہیرے پر نظر جمائے ہوئے بولا۔ کھیل آدھے گھنٹے تک جاری رہا۔ مہمان ہار گیا اور حریف ہیرے کو لے کر خوشی سے دیوانہ ہوگیا۔ اس نے قہوہ خانے میں سب کے لیے ضیافت کا اعلان کردیا۔ مہمان ضیافت سے معذرت کرتا ہوا نذر کو لے کر وہاں سے نکل آیا۔

✲ ✲ ✲

اوینہ نے اس کا ہاتھ ساتھ بیٹھے ہوئے ایک سرخ تانبے سے بنے کرخت مردانہ ہاتھ میں دے دیا۔ وہ ہاتھ بہت بڑا تھا۔ ستارہ کا نرم سفید ہاتھ اس کی گرفت میں عجیب سا لگتا تھا۔ اور جب وہ اٹھا اور اس نے ستارہ کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا تو وہ اس کی گرفت کی سختی محسوس کر کے کانپ گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ چلا چلا کر ماں سے پوچھتی کہ اس کو اس طرح کیوں وداع کیا جارہا ہے خاندان اور گاؤں کی روایات سے انحراف کرتے ہوئے۔ اس سے پہلے کہ وہ سوال کرپاتی اس تانبے سے بنے مرد نے اسے گود میں اٹھا کر گھوڑے پر بٹھایا۔ اور پھر اچک کر خود بھی پیچھے یوں بیٹھا کہ لگامیں تھامتے ہوئے ستارہ اس کے بازوؤں کے گھیرے میں تھی۔ لیکن اس کے گھیرے میں بجائے پناہ کے احساس کے ستارہ کو شدید گھٹن محسوس ہورہی تھی۔

یہ ابھی اولین لمحوں کی بات تھی۔ ابھی یہ مضبوط گھیرا پناہ کا احساس پیدا کرنے سے قاصر تھا۔ اس کا غم اس کی برداشت سے بہت بڑا تھا۔ وہ نڈھال تھی۔ اس کی سانس رک چکی تھی یا چلتی تھی معلوم نہیں ہورہا تھا۔ جب اس نے گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور اس کے گرد مضبوط بازوؤں کا گھیرا تنگ کردیا اور اپنا گھوڑا باوجود اندھیرے کے اڑانا شروع کردیا۔۔۔ تب بھی۔۔۔ وہ خوف زدہ تھی یا ساکن کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔

ایک نہ دو پورے نو سال پتا نہ چل سکا کہ وہ خوفزدہ تھی یا ساکن۔۔۔؟

✲ ✲ ✲

اس کا تانبے کی طرح کا سرخ اور سخت شوہر اس کے سکوت اور خوف کو مٹانے کے لیے کوشاں رہا۔ پہلے پہل اس کی کم عمری اور خوف کو دیکھتے ہوئے اس نے اس کی طرف دوستی اور خلوص کا ہاتھ بڑھایا جو کہ مجبوراً "تھاما گیا۔ وہ جانتا تھا۔ پھر اس نے اپنی نرمی اور محبت سے اس کے دل میں کچھ جگہ بنالی تھی۔ وہ اس تھوڑی سی جگہ پر ہی بہت خوش تھا۔

حدید موتیوں اور زیورات کا بہت بڑا تاجر تھا اس کی شہر میں کئی دکانیں تھیں۔ اس کا باپ اور بھائی بھی موتیوں کا کاروبار کرتے تھے۔ گھر میں کسی چیز کی تنگی نہیں تھی۔ گھر میں ملازمین کی فوج تھی۔ حدید کی ماں سب کاموں کی نگرانی کرتی تھیں۔ بہت سارے دن تو ستارہ نے اپنے کمرے میں خاموشی سے گزار دیے۔ اس کی ساس حدید کے جانے کے بعد اس کے پاس آتیں۔ اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتیں۔ اس کو اپنے رشتہ داروں کے بارے میں بتاتیں۔ کسی معمول کی طرح ستارہ ان کے پوچھے ہوئے سوالوں کا جواب دیتی اور پھر اپنے لب سی لیتی۔ اس کی ساس نے کہا کہ وہ کم سے کم رات کے کھانے پر ضرور سب کے ساتھ شامل ہوا کرے تاکہ گھر والوں سے اس کی واقفیت ہوجائے۔ انہوں نے یہ بات اتنی نرمی سے کی کہ ستارہ اسی وقت اٹھ کھڑی ہوئی۔

انہوں نے اس کی تابعداری پر اس کو مسکرا کر دیکھا اور ایک زرتار رومال اس کے سر پر باندھ دیا اور اس کا ہاتھ تھام کر کھانے کی میز تک لے آئیں۔ سب گھر والوں کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ حدید کے والد نے اس کے سر پر بوسہ دیا اور حدید کے ساتھ والی کرسی پر اس کو جگہ دی۔

ستارہ نے کھانے کی میز پر گھر کے مردوں کو خاموشی سے کھاتے دیکھا۔ وہ رزق کی بڑائی کرنے والے لوگ

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نہیں تھے، لیکن اس سے رہا نہیں گیا۔ وہ اگلے روز باورچی خانے میں چلی آئی۔ اس کی ساس بے حد خوش ہوئیں۔ ملازموں میں بھی نیا جوش دوڑ گیا۔ وہ اس کی زیر نگرانی کھانا بنانے میں مصروف ہو گئے۔ شام کے وقت کھانے کے لیے بیٹھے ہوئے افراد نے اس قدر کھانے کی تعریف کی کہ اس پر تصنع کا گمان ہوتا تھا، لیکن شوربے کے خالی برتن۔ بھنے ہوئے پارچوں کی خالی قاب اور قورمے کی باقیات میں سفید ہڈیوں نے بتایا کہ ان سب کو کھانا کتنا پسند آیا ہے۔

رات میں حدید نے جب اس سے کہا کہ اس کی انگلیوں نے سارے روس کی لذت چرالی ہے تو وہ دھیرے سے مسکرائی۔ اور بس۔ حدید اس ایک پل کو چمکنے والی مسکراہٹ کے لیے روس کی برف پوش پہاڑیوں پر چڑھ سکتا تھا۔ ارسک کی سرد ترین راتوں میں اس کو اپنی بانہوں میں اٹھائے گھوم سکتا تھا۔ اس کی محبت اس کی زندگی کی ضامن تھی۔ وہ اس کو دیکھ کے جیتا تھا۔

بہت جلد سارا گھرانہ ستارہ کی دانشمندی اور سلیقے کا قائل ہو گیا۔ اسے کاروباری گفتگو میں شریک کیا جانے لگا۔ حدید اگر سچا پارکھی تھا تو وہ بھی کاروباری نزاکتوں کو خوب سمجھتی تھی۔ اس نے زیور بنانے والے کاری گروں کی نگرانی شروع کر دی۔ وہ نئے سے نئے باریک اور انتہائی خوب صورت زیور بنواتی۔

وہ ماں بننے والی تھی۔ اس کی بے چینی دیکھتے ہوئے حدید کا دل چاہتا اس کو کرگت لے جائے۔ لیکن وہ تو جیسے ٹھانے بیٹھی تھی کہ ادھر سے پیغام آئے گا تو ہی وہ ادھر کا رخ کرے گی۔ ورنہ سب کچھ اپنے کلیجے پر سہ لے گی۔ منہ سے آہ نکالے بغیر۔ وہاں سے پیغام کیسے آتا؟

جن مجرموں کو دیس نکالا ملتا ہے ان کو پیام نہیں آتے۔ ان کے دیس کے پرندے بھی ان حرماں نصیب مجرموں کے گاؤں کی طرف اڑانیں نہیں بھرتے۔ دریا اپنے پانیوں کی پیٹھ ان کی طرف کر لیتے ہیں اور ہوائیں خاموش تماشائی رہتی ہیں۔ وہ نہ ادھر کی پیامبر ہوتی ہیں، نہ ادھر کی۔ ستارہ کے پاس کوئی پیام کیسے آتا؟

گزرتے وقت نے ایشان اور یشب سے ان کے باغ کو سجا دیا۔ ان کی بے ساختہ شرارتوں پر ستارہ ہنس پڑتی تھی۔ لیکن حدید کی باتوں پر کھلکھلانا اسے ابھی تک نہیں آیا تھا۔ حدید کی باتیں اس کی محبت کے عطر سے بھیگی ہوئی نظریں اس کو کتنا گدگداتی تھیں۔ یہ تو بس وہی جانتی تھی۔ ان کا رشتہ پرت در پرت نہ جانے کتنے بھید بھرے لحافوں میں لپٹا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اوہ! میرے خدا۔۔ ایک اور بیٹی۔۔ نذر تو مجھے چھوڑ دے گا۔" زولفیہ نذر کی بیوی زچگی کی تکلیف بھول کر خوف سے کانپنے لگی تھی۔ دائی نے نہلا کر بچی کو گرم کپڑے میں لپیٹ کر اودینہ کی گود میں دے دیا۔ زولفیہ کو تو کانپ کانپ کر بخار ہو گیا تھا۔

"نذر! دیکھو کیسی پیاری ہے تمہاری بیٹی۔"

"بیٹی! پھر بیٹی۔۔ تیسری بیٹی؟" وہ آگ بگولا ہو کر چلایا۔

"نذر! زولفیہ کی طبیعت بہت خراب ہے۔ تم خاموش ہو جاؤ۔" اودینہ نے روتی ہوئی بچی کو سینے میں چھپاتے ہوئے کہا۔ لیکن نذر خاموش کیسے ہو جاتا۔ وہ چلاتا رہا۔ چیزیں پٹختا پاگلوں کی طرح۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ گھر کو آگ لگا دے۔ دونوں بڑی بچیاں ساشا اور گوشا ایک دوسرے سے لپٹی روتی رہیں۔

"ماں! بابا بہت غصے میں ہیں۔" گوشا نے ماں کے پلنگ کا پایہ پکڑ لیا تھا۔

"ہاں! وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" زولفیہ نے اس سے زیادہ خود کو دلاسا دیا۔

لیکن اس کو آنے والی رات کی ہولناکی کی خبر نہیں تھی۔ وہ اٹھ بیٹھی تھی۔ اور توشہ کو گود میں لے کر اس کے نقوش کو چھو چھو کر محسوس کر رہی تھی۔ اس کے ننھے سے دہانے کو چوم کر وہ مسکرائی۔ اور گوشا اور ساشا کو اس کے ہونٹ پر موجود تل دکھانے لگی۔ اودینہ نے اپنے آنسو چھپا لیے۔ اس کو کسی اور کے ہونٹ کا تل یاد آ گیا تھا۔ ایسا لگا جیسے ستارہ نے اس گھر میں دوبارہ

جنم لیا ہو۔ وہ گہری سانسوں میں اپنا دکھ چھپائے گھر کو سنوارنے میں لگی ہوئی تھی۔

"نہ جانے کیسی ہوگی میری ستارہ۔ میری بچی۔ چڑیوں! میری ستارہ کو میرا پیغام دے دینا۔" ادینہ نے ان کے آبخورے بھرتے ہوئے کہا۔

تین دن سے غائب نذر لوٹ آیا تھا۔ ادینہ نے اس کے کھانے کا انتظام کیا۔ زولفیہ بھی گود میں بچی لیے پاس آبیٹھی۔

"میں ماسکو جارہا ہوں۔ میں نے شادی کرلی ہے۔" اس نے بڑے اطمینان سے گھر کے سب نفوس کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی۔

"میں نے زمین اور جانوروں کا سودا کردیا ہے۔ ابھی وہ لوگ جانور لے جائیں گے۔ یہ گھر تم لوگوں کے پاس رہے گا۔" دسترخوان سے ہاتھ صاف کرکے وہ اٹھا اور اپنے کپڑے صندوق میں رکھنے لگا۔

بچیاں، ماں اور بیوی منہ پر ہاتھ رکھے اسے دیکھ رہی تھیں۔ سب سامان سمیٹ کر وہ ایسے نکل گیا جیسے وہ ایک سرائے میں رہتا رہا تھا۔ جہاں کے رہنے والے اس کے لیے اتنے اجنبی تھے کہ ان سے الوداعی کلمات کہنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ وہ چلا گیا اور گھر کی عورتوں نے زندہ رہنے کی جنگ لڑنی شروع کردی۔

زولفیہ گھر بیٹھ کر قالین بنتی اور ادینہ تنور میں خمیری روٹیاں لگاتی اور بھیڑ کے گوشت کا شوربا بناتی۔ گوشا اور ساشا ان کی مدد کرتیں۔ توشہ سے کھیلتیں اور دعا مانگتیں کہ کرگت کے سارے مسافر کھانا کھانے ان کے گھر آئیں اور ادینہ کی سب روٹیاں بک جائیں اور سارا شوربا ختم ہوجائے۔ ان عورتوں نے ہار نہ ماننے کا عہد کررکھا تھا اپنے اپنے دل میں۔ لیکن تقدیر تو کچھ اور کہانی لکھ رہی تھی۔

ایک دن شوربے کا دیگچہ چولہے پر سے اتار کر رکھتی ادینہ نے اگلا سانس نہ لیا۔ گوشا نے اس کو گرتے دیکھا تو بھاگ کر ماں کو بلا لائی۔ لمحوں میں محلے والے اکٹھے ہوگئے۔ ڈاکٹر بھی آگیا، اس نے ادینہ کی موت کی تصدیق کردی۔ ستارہ کے گاؤں اطلاع بھیج دی گئی۔ نو سال بعد اس کے مائیکے سے پیام آیا تھا۔

یہ پیام کیسا تھا؟ گزشتہ نو سالوں میں ستارہ نے ہر ہر پل مائیکے کو یاد کرتے ہوئے یہی سوچا تھا کہ وہ ان کو بھول چکی ہے۔ وہ سوچتی تھی کہ وہ ان کے لیے مرچکی ہے۔ اور وہ۔۔۔ خدا انہیں ابدالآباد تک جیتا رکھے۔

کبھی اسے خیال آتا کہ اس کی ماں نے شاید اسے جنم نہیں دیا تھا۔ پیٹ میں نہیں رکھا تھا۔ کسی سے مول لیا تھا شاید۔۔۔ اگر جو پیٹ میں رکھا ہوتا تو۔۔۔؟

اور آج ماں کی موت کی اطلاع سیدھی اس کے پیٹ میں ہی جا لگی تھی۔ اس کی آنتیں کرگت کی طرف کھنچی جاتی تھیں۔ وہ اس تانبے سے بنے ہوئے مرد کے ساتھ بگھی میں بیٹھی، جیسے اپنے زور سے گھوڑوں کو اڑائے لیے جارہی تھی۔ آنسوؤں کا تار اس کا دامن بھگو رہا تھا۔

رات کے جس پہر ماں کا جنازہ اٹھنے کو تیار تھا۔ وہ بگھی سے اتر کر بھاگتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ جنازے کی گاڑی کے پاس وہ پیٹ پکڑے پکڑے دہری ہوگئی۔

"ماں۔۔۔" اس نے کہنا چاہا۔ لیکن آواز نہ نکلی۔ زولفیہ نے اسے بانہوں میں لے کر ماں کا چہرا دکھایا۔ پتا نہیں اس نے دیکھا بھی یا نہیں۔ وہ بے ہوش ہوچکی تھی۔ کئی دن اس کی یہی کیفیت رہی۔

ایک مہینہ گزرا تو نذر آگیا اچانک۔ پورے تین سال بعد نذر اس گھر میں آیا تھا۔ گوشا اور ساشا گھبرا کر ماں کے پیچھے چھپنے لگیں لیکن تین سالہ توشہ بھاگ کر اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔ جیسے اس نے اپنے باپ کی خوشبو پہچان لی تھی۔ نذر نے بھی جھک کر اسے اٹھالیا۔ مسکراہٹ نے اس کے کرخت چہرے کو نرم کردیا تھا۔ سب خاموش تھے۔۔۔ نذر خاموش تھا۔

کھانے کے بعد وہ اندر جاکر ماں کے صندوق کھولنے لگا۔ چھوٹا سا کمرہ چند لمحوں میں ایسا نظارہ پیش کرنے لگا جیسے ڈاکوؤں نے اسے کھدیڑ ڈالا ہو۔ اب وہ بڑے کمرے میں موجود صندوق الٹ رہا تھا۔ اناج والے بڑے ڈبے میں بھی جھانک لیا تھا۔ باورچی خانے کے برتن الٹانے کی آواز سے توشہ ڈر کر اٹھ بیٹھی تھی۔

آتش دان میں لکڑیاں سُلگ رہی تھیں ورنہ وہ اس میں بھی گھس کر ضرور دیکھتا۔ زولفیہ جو تو شہ کا جھولا ہلا رہی تھی، پریشان ہو کر ستارہ کی طرف دیکھتی جو بڑے اطمینان سے پلنگ پر بیٹھی تھی۔

"گھر کے کاغذ کہاں ہیں؟" اس نے بالآخر اپنی زبان کھولی۔

"کیسے کاغذ؟" زولفیہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتی ستارہ بولی۔

"گھر کے کاغذ۔ یہ گھر رہن بھی نہیں رکھا گیا۔ مجھے دھوکا دینے کی کوشش نہ کرنا۔"

"یہ گھر بک چکا ہے۔"

"کب؟ کیسے؟" اس کے منہ سے کف نکلنے لگا۔

"کس نے خریدا یہ گھر؟"

"میرے شوہر نے یہ گھر آج سے ایک سال پہلے خرید لیا تھا۔"

"جھوٹ! بالکل جھوٹ۔ تم نے ماں کے مرنے سے پہلے کبھی کرگت میں قدم بھی نہیں رکھا۔"

"ہاں نہیں رکھا۔ لیکن ماں آئی تھی میرے گھر۔ اس نے سودا کیا تھا گھر کا۔"

"میں ابھی ارسک جا رہا ہوں۔ اگر یہ بات جھوٹ نکلی تو یاد رکھنا واپسی پر ان دونوں کے خون سے اس کی پیاس بجھاؤں گا۔" اس نے کندھے پر بندوق ٹانگتے ہوئے کہا۔ اس کے گھوڑے کی ٹاپوں کو سنتے ہوئے زولفیہ نے اپنے منہ کو سختی سے ڈھانپ لیا اور تیزی سے ستارہ کی طرف آئی جو ابھی بھی مطمئن نظر آ رہی تھی۔ رات دونوں عورتوں نے جاگتے ہوئے کاٹ دی تھی۔ زولفیہ کی آنکھوں کے آگے اپنی زندگی کے ماہ و سال تھے اور ستارہ اپنے نو سال کے تجربے کو اپنا یقین بنائے جاگ رہی تھی۔

حدید نے اسے دریا پر بیٹھے دیکھا تھا پہلی بار۔ اور پھر بار بار وہ کرگت کے چکر لگانے لگا۔ وہ سچے موتیوں کا بیوپاری تھا۔ ستارہ جیسا سچا اجلا موتی بھلا وہ کیونکر چھوڑ دیتا۔ اس نے گاؤں کے لوگوں سے تعلق بنا کر ستارہ کے بارے میں سب معلومات لے لی تھیں۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ اس موتی کے لیے اسے بہت پیچ دار جال ڈالنا پڑے گا۔ اس نے نذر کے بارے میں سب معلوم کر لیا تھا۔ اور جس دن اسے موقع ملا اس نے نذر کو سارا جیتا ہوا مال دے کر ستارہ کا رشتہ مانگ لیا۔ وہ کوئی بھی ہوتا، نذر کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ نذر نے اپنا گناہ چھپانے کی خاطر ماں سے جھوٹ بولا کہ ستارہ حدید سے دریا پر ملتی ہے۔ اوینہ نے حدید کو دیکھتے ہی پسند کر لیا تھا اور اگر بیٹی بھی اسے پسند کرتی تھی تو بہت اچھا تھا۔

صبح سورج کی دستک سے پہلے گھر کا کواڑ کھٹکھٹایا جانے لگا۔ زولفیہ تو مارے خوف کے بستر سے اٹھنے کے بجائے مزید سمٹ گئی جبکہ ستارہ مضبوط قدموں سے باہر نکل گئی۔ اس نے دروازہ کھول کر اس تانبے سے بنے مرد کا استقبال کیا۔ اس کی مسکراہٹ کے باوجود مرد نے خیریت دریافت کی۔

"تم کیسی ہو؟ بچے اور زولفیہ؟" اس کی پریشانی ستارہ کو بہت اچھی لگی۔ اس نے تسلی کے انداز میں سر ہلایا اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ وہ اب رو رہی تھی۔ بار بار اس مرد کا شکریہ ادا کرتی وہ اسے اندر لے آئی۔ حدید حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ سارے گھر میں چہکتی پھر رہی تھی، جیسے کل ان کا بیاہ ہوا ہو اور آج وہ اپنے مائیکے ملنے آئی ہو۔

"ستارہ! اس دن تم نے کیسے کہہ دیا کہ ماں نے مکان مجھے بیچا ہے۔ اور جو میں کہہ دیتا نذر سے کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"تم نے مجھے گھوڑے پر بٹھا کر جب میرے گرد اپنے مضبوط بازوؤں کا گھیرا بنایا تھا تو میں نے جان لیا تھا کہ تم کون ہو۔ ماں نے کہا تھا تم مجھے خوش رکھو گے۔ تم سچے پارکھی ہو حدید! نذر اپنے ساتھ سارے کرگت کے جھوٹ ہی اکٹھے کر کے کیوں نہ لے جاتا، تم حقیقت کو پرکھ لینے والے تھے۔" ستارہ نے اس تانبے سے بنے مضبوط آدمی کے ہاتھ تھام کر بوسا دے کر کہا اور مسکرا دی۔

✡

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

امت العزیز شہزاد

لیلیٰ، مجنوں اور وہ

یہ شہر کا ایک پر تعیش کافی ہاؤس تھا۔ یہاں آنے والوں کی عمومی اکثریت طبقہ امراء سے تعلق رکھتی تھی۔ باہر کے خنک موسم کے برعکس کافی ہاؤس کے اندر کا ماحول خاصا گرم اور خوش گوار سا تھا۔ دیدہ زیب مدھم بتیاں روشن تھیں۔ پس منظر میں موسیقی کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ہال میں موجود تقریباً" تمام میزیں ہی بھری ہوئی دکھائی دے رہی تھیں آج....

اور یہی "رش" خلق خدا سے ازلی بیزار قیس عالم کی طبع نازک پر خاصا بلکہ اچھا خاصا گراں گزر رہا تھا۔ حالانکہ اس نے دانستہ نسبتاً" کونے والی میز اور اپنے تئیں پرسکون جگہ کا انتخاب کیا تھا مگر وقتاً" فوقتاً" کسی نہ کسی میز سے کوئی بے ساختہ اور بے فکرا قہقہہ ان کی سماعت سے ٹکرا جاتا اور ان کے وجیہہ چہرے کے تاثرات بگڑ بگڑ سے جاتے اور اب تو یوں بھی چہرے کے زاویے بگڑنے کا دورانیہ وقفہ بہ لحظہ کم ہوتا چلا جا رہا تھا کہ وہ پچھلے پون گھنٹے سے یہاں محو انتظار تھے اپنی لیلیٰ کے۔

کہاں رہ گئی ہو لیلیٰ
مجنوں بیٹھا ہے اکیلا!

ازحد ناگوار بیزاری سے انتظار کی سولی پر لٹکے لٹکے یکدم ہی ایک شعر موزوں ہو گیا جو انہوں نے بلا تاخیر ہاتھ میں تھامے اسمارٹ فون سے اپنی ایف بی پر پوسٹ بھی کر دیا۔ چونکہ آدھ گھنٹے پیشتر وہ اپنی اس لوکیشن پر موجودگی کے ساتھ ویٹنگ فار سم ون اسپیشل کا اسٹیٹس اپ ڈیٹ کر چکے تھے للٰذا ان کے شعر پوسٹ کرتے ہی ڈھیروں لائیکس، کمنٹس، تاثرات وغیرہ کی بھرمار سی ہو گئی۔

وہ لوگ جو اپنے پڑوسیوں کی خیریت (بلکہ کچھ تو شاید گھر والوں کی بھی) سے ناواقف رہے ہوں گے۔ وہ جناب قیس عالم کی خیریت جاننے کے لیے بے تابی کا مظاہرہ کرنے لگے.... تو کچھ لیلیٰ کی تاحال غیر موجودگی پر تشویش کا اظہار کر رہے تھے بلکہ ایک 'دو' نے تو اس ضمن میں کوئی لمبی چوڑی سی دعا بھی ان کے ساتھ شیئر کر لی تھی۔

دراصل قیس عالم ایف بی کی دنیا کا خاصا مقبول انسان تھا۔ وہ "پارٹ ٹائم شاعر" تھا جو "فل ٹائم" ادیب بننے کا خواہاں تھا۔ اس کی پوسٹ کی گئی اکثر چیزوں پر فوراً" ہی درجنوں لائیکس اور کمنٹس آجایا کرتے اور اس غیر معمولی "رسپانس" کا سہرا بقول دشمناں (ظاہر ہے موصوف کے....) ان کی اس پروفائل پکچرز کو جاتا تھا جو انہوں نے بطور خاص اسی مقصد کے لیے اپنے اچھے دوست اور اس سے بھی بہتر فوٹوگرافر۔ "سپوا جمیری" سے بنوائی تھیں۔

اگرچہ اس کی سیلفیاں بھی اتنی بری نہیں ہوا کرتی تھیں مگر بہرحال وہ فواد یا سلمان خان تو تھا نہیں جو صنف نازک کو ہر تصویر اور ہر حال میں "خوبرو' اسمارٹ اور ڈیشنگ" دکھائی دیتا۔ جبکہ اس کا خیال تھا (قطعی ذاتی اور....) کہ ایک تخلیق کار کی مقبولیت میں اس کے شخصی سحر کا بہت بڑا ہاتھ ہوا کرتا ہے (خفیہ) اور وہ نوجوان نسل کا ابھرتا ہوا شاعر تھا۔ (بزعم خود) اور اس کے لیے دیگر کی طرح "سیلف مارکیٹنگ" اشد ناگزیر تھی۔ ورنہ تو ترقی اور شہرت کی اس دوڑ میں اس نے بہت پیچھے رہ جانا تھا۔

"ہوں' اس نے سر اثبات میں ہلا کر ایک شاعرانہ قسم کا ہنکارا ابھرا۔ اس کی تنقیدی نگاہیں سامنے میز پر دھرے اپنے فون اسکرین کی جانب مرکوز تھیں۔ جہاں اس کا ایف بی اکاؤنٹ کھلا تھا اور اس کے تازہ ترین اسٹیٹس پر اسے مسلسل لائیکس اور کمنٹس موصول ہو رہے تھے۔ تبھی مشام جاں کو مہکاتی ایک

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU SOFT BOOKS AND DAILY MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
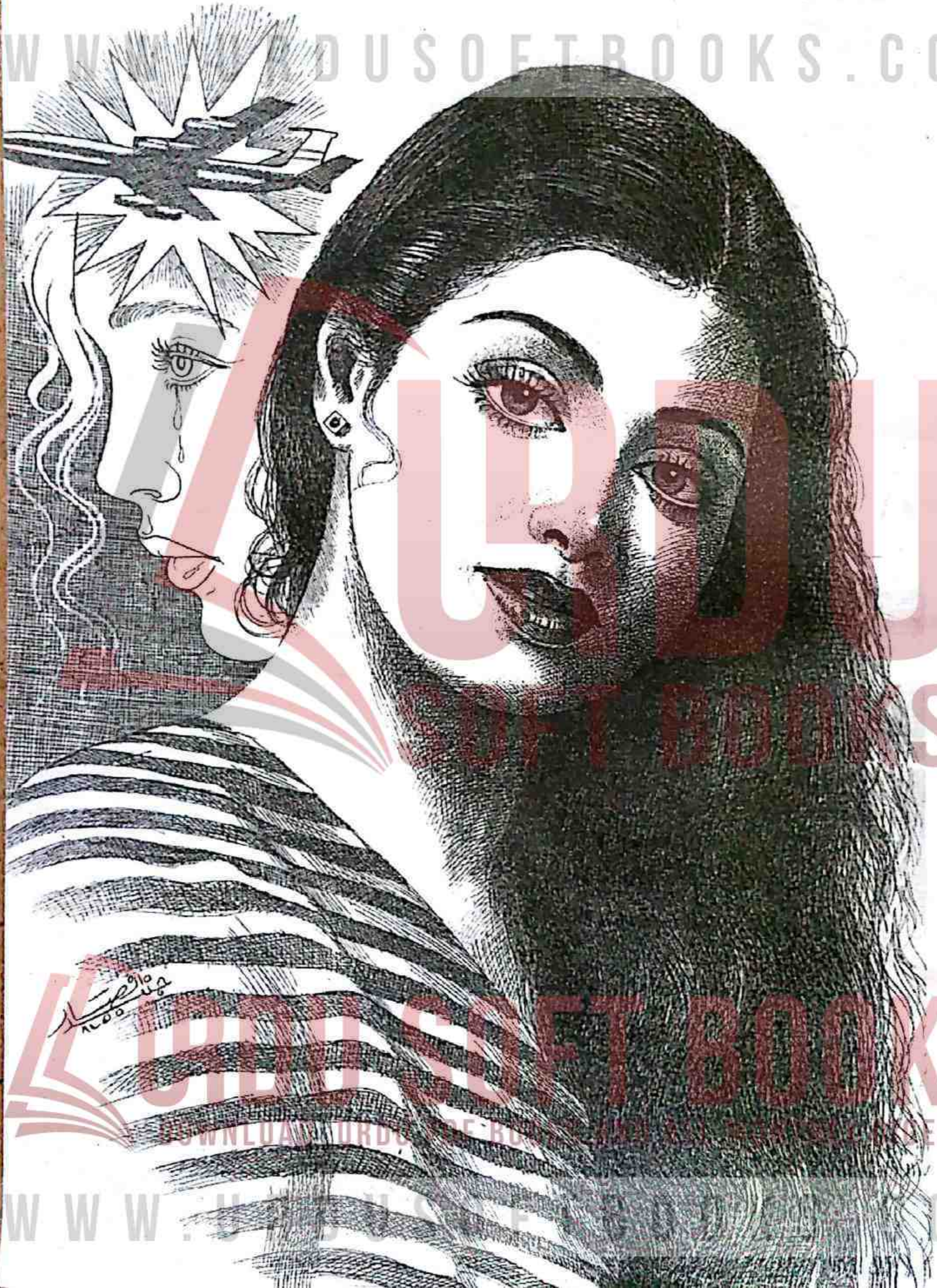
دلفریب خوشبو اونچی ہیل پر ٹک ٹک کرتی اس کے نزدیک آ ٹھہری۔
اس نے بے ساختہ گردن اٹھائی۔۔۔ کالی چست جینز کے اوپر سیاہ و سفید امتزاج کا اونی بلیز زیب تن کیے، سیدھے تراشیدہ کالے بالوں کو پشت پر بکھرائے، کانوں میں چاندی کے گول آویزے ٹکائے اور نامحسوس رنگوں سے اپنے چمکیلی جلد والے چہرے کو نکھارے یہ لیلیٰ تھی۔۔۔ مجنوں کی لیلیٰ!
"اتنی دیر لگا دی آنے میں؟" قیس خفگی سے بولا۔
"کب سے تمہارا منتظر ہوں یہاں۔"
"آئم سو سوری قیس۔" وہ میز کی دوسری طرف والی کرسی پر براجمان ہو کر اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتی ہوئی معذرت خواہانہ لہجے میں بولی۔
"راستے میں بہت ٹریفک تھا۔ کتنی مشکل سے گاڑی نکال کر لائی ہوں، یہ میں ہی جانتی ہوں۔"
"گاڑی تمہارے پاس ہے، ظاہر ہے تم ہی جانتی ہو گی کہ کیسے نکالی ہو گی؟" قیس پھیکا سا مسکرایا۔ "مجھ جیسے بائیک پر پھرنے والے غریب انسان کو کیا معلوم کہ رش سے گاڑی کیسے نکالی جاتی ہے؟" وہ فون کونے میں کر کے اب اپنے مخصوص بے نیاز انداز میں کرسی کی پشت سے کمر ٹکا کر بیٹھ گیا۔
"اوہ کم آن قیس!" لیلیٰ اس کی بات پر فہمائشی انداز سے اسے دیکھ کر بولی۔ "تم جانتے ہو نا مجھے کتنا برا لگتا ہے جب تم اپنے آپ کو انڈراسٹیمیٹ کرتے ہو تو۔"
"کیا فرق پڑتا ہے۔" قیس نے عجیب انداز سے ہنس کر بناوٹی بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ "تمہیں جس قدر بھی برا لگے۔۔۔ سچائی تو بہرحال یہی ہے۔"
"اچھا چھوڑو یہ باتیں۔" لیلیٰ جانتی تھی کہ جتنا وہ اس بات کو طول دے گی، قیس کا موڈ مزید خراب ہوتا جائے گا۔ "یہ بتاؤ کافی کے ساتھ کچھ لو گے؟" تمہارے فیورٹ براؤنیز منگوا لوں؟"
"جو جی چاہے منگوالو۔۔۔ پیسہ تمہارا ہے، مرضی بھی تمہاری چلنی چاہیے۔" وہ اپنا مذاق اڑانے والے لہجے میں بول کر دوسری جانب دیکھنے لگا۔ لیلیٰ کی کالی بھنورا سی آنکھوں میں تاسف ہلکورے لینے لگا۔
"دیکھو قیس!" اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "ایسی دل دکھانے والی باتیں تمہیں نہیں کرنا چاہئیں۔ پیسہ میرا ہو یا تمہارا، ایک ہی بات ہے۔ تب پھر تم کیوں مستقل ایسی باتیں کرتے رہتے ہو۔ دیکھو۔" اس نے خاموشی سے خود کو تکتے قیس کو ہاتھ اٹھا کر سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "تم جدوجہد کر رہے ہو۔۔۔ یہ بہت پوزیٹو سائن ہے، دیکھنا تمہاری محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔"
"لیلیٰ!" اس نے طنزیہ مسکرانے کے چکر میں منہ کچھ زیادہ ہی ٹیڑھا کر لیا۔ "کرنے میں یہ باتیں بہت اچھی لگتی ہیں مگر تم اپنے دولت کدے سے باہر نکل کر دیکھو، دنیا میں زندہ رہنا اتنا بھی آسان نہیں۔۔۔ مگر تم جیسی سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہونے والی مخلوق کیا جانے گی یہ تلخ سچائیاں۔" اس کی زہرخند مسکراہٹ اور لہجہ لیلیٰ کو برا تو ضرور لگا مگر پھر بھی وہ تحمل سے بولی۔
"دیکھو، سب کی زندگی اور مسائل مختلف ہوتے ہیں۔ اپنی اپنی جگہ اسٹرگل تو سب ہی کرتے ہیں قیس! لہٰذا تم خود کو اتنا بے چارہ سمجھنا چھوڑ دو۔"
"میں سمجھ رہا ہوں خود کو بے چارہ؟" وہ تحیر سے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت اپنی جانب کر کے بولا۔
"یہ کیا بات کی تم نے؟" اس کے لہجے کی تپش پھر بڑھنے لگی تو اس بار لیلیٰ نے اکتا کر اسے ٹوکا۔
"ویٹ آ منٹ پلیز، پہلے مجھے آرڈر پلیس کرنے دو، کافی کی شدت سے طلب ہو رہی ہے۔" کلاسک کافی اور براؤنیز کا آرڈر کرنے کے بعد وہ اس دوران مستقل خاموش مگر ناراضی سے بیٹھے ہوئے قیس کی جانب دوبارہ متوجہ ہو کر بولی۔
"ہاں کہو اب۔۔۔ کیا کہہ رہے تھے تم؟" اتنا کہہ کر وہ اپنے سلور بلیک ہینڈ بیگ سے اپنا بیش قیمت اسمارٹ فون برآمد کر کے واٹس ایپ پیغامات وغیرہ پر سرسری سی نظر ڈالنے لگی۔۔۔ اور قیس کو اس کے یہی شاہانہ بے نیازی سے بھرپور انداز عجیب طرح کے احساسات سے

دو چار کر دیا کرتے تھے۔ اسی لیے وہ از حد برہم ہو کر بولا۔

"میں کوئی تقریر نہیں کر رہا تھا محترمہ! جو تمہارے اجازت مرحمت فرمانے پر دوبارہ شروع ہو جاؤں۔" وہ کہہ رہا تھا جبکہ پیغامات پر تیزی سے پھسلتی لیلیٰ کی نگاہیں، بیسلہ کے تازہ ترین پیغام پر جیسے جم سی گئیں۔ وہ کوئی نئی بات نہیں کر رہی تھی پر نجانے کیوں یکدم لیلیٰ کو بالکل نئی اور قابل غور بلکہ قابل عمل بھی معلوم ہوئی تھی۔

"لگتا ہے بہت اہم کام کر رہی ہو تم۔۔؟" وہ اس کی توجہ نہ پا کر جلبلا کر بولا۔ "تمہارے نزدیک میرے زخمی جذبوں کی کوئی قدر ہے بھی یا نہیں؟" وہ شرمندہ کرنے والے لہجے میں بولا تو لیلیٰ جیسے کسی گہری سوچ سے چونکتے ہوئے باہر نکلی اور ناگواری سے اسے دیکھ کر بولی۔

"ایکسکیوز می! یہ تم ہمیشہ مجھ سے ایسے لہجے میں کیوں بات کرتے ہو جیسے تمہارے خراب حالات کی ذمے دار میں ہوں؟"

"تم نہ سہی۔" وہ اس کے گلہ آمیز لہجے سے متاثر ہوئے بنا الزام لگانے والے لہجے میں بولنے لگا۔ "تمہارے والد جیسے بڑے لوگوں کا ہاتھ ضرور ہے۔ انہی جیسے امراء ہم جیسے غریبوں کا حق مارتے آئے ہیں۔۔۔ تم پھولوں کی سیج پر زندگی گزارنے والوں کو کیا معلوم ہم کانٹوں پر زندگی کیسے بسر کرتے ہیں؟"

شدت جذبات سے اس نے ٹیبل پر بایاں ہاتھ مارا۔ اردگرد موجود لوگوں نے بری طرح چونک کر ان کی میز کی جانب دیکھا تو وہ خفیف سا ہو گیا۔ پھر ہلکا سا کھنکھار کر بالکل سیدھا ہوا۔ لیلیٰ اس بار کچھ نہیں بولی بس خاموش مگر سوچتی نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ گویا جو کچھ ذہن میں ہے اس کا "جواب" قیس کے چہرے سے اخذ کرنا چاہ رہی ہو۔

"کیوں؟" ویٹر بھاپ اڑاتی خوشبودار مگر کڑوی مہک والی کافی کے مگ بمعہ براؤنیز میز پر رکھ گیا۔ تب ہی قیس نے اس کی مستقل خاموشی سے اکتا کر اسے بولنے پر اکسایا۔ "کیا ہوا؟ کیا میرے الفاظ کی سچائی جناب کی طبع نازک پر گراں گزری ہے؟"

"نہیں قیس!" بالآخر وہ ایک طویل ٹھنڈی سانس بھرنے کے بعد ہڑبڑا کر بولنا شروع ہوئی۔

"میں صرف یہ سوچ رہی تھی کہ اگر تم نے سچ بولنے کی ٹھان ہی لی ہے تو کیوں نہ میں بھی اپنا ایک سچ تمہارے سامنے واضح کر ہی دوں؟" اس نے اتنا کہہ کر بڑے غور سے قیس کی خود پر مرکوز نیم وا آنکھوں میں جھانکا۔

"تمہاری سچائی؟" قیس کی آنکھوں سے الجھن مترشح ہونے لگی۔ "کیا ہے تمہاری سچائی؟"

"وہ نہیں ہے۔۔۔ جو شاید تم سمجھ بیٹھے۔" وہ جیسے خود پر ہنسی۔

"میں کیا سمجھ رہا ہوں تمہیں؟" اس نے ناسمجھی سے استفسار کیا۔

"تم نے ایک رئیس زادی سمجھا تھا نا مجھے؟" اس نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"ظاہر ہے۔" قیس تیزی سے بولا۔ "وہ تو تم ہو۔۔۔ تمہارے والد عبیداللہ صدیقی کوئی ایسے معمولی انسان بھی نہیں۔" وہ طنزیہ بولا۔

"بے شک وہ معمولی انسان نہیں مگر۔۔۔" اس نے اتنا کہہ کر توقف کیا۔

"مگر کیا؟" قیس نے بے قراری سے پوچھا۔ "صاف صاف بات کرو لیلیٰ یہ اگر مگر کیا کر رہی ہو؟" وہ سرتاپا بے چین ہو گیا۔

"میں عبیداللہ صدیقی کی سگی نہیں، ان کی لے پالک بیٹی ہوں۔" اس نے نظریں جھکا کر گویا اعتراف جرم کیا تھا یا قیس کے کان کے قریب کوئی ایٹمی دھماکہ ہوا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ساکت بیٹھا رہ گیا جبکہ وہ کہہ رہی تھی۔

"میں ان کی خالہ زاد کزن کی بیٹی ہوں۔۔۔ وہ مجھے بہت کم عمری ہی میں خوف خدا کے تحت اپنے گھر لے آئے تھے کیونکہ۔۔۔"

"یہ بات تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟" وہ اس

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کی بات قطع کر کے گویا ہوش میں آکر تقریباً" چلا اٹھا ... لیلیٰ اس کے یوں چراغ پا ہو جانے پر گھبرا کر یکدم چپ ہو گئی۔

"بتاؤ... کیوں چھپا رکھی تھی تم نے مجھ سے آج تک اپنی اصلیت؟" اس نے آگے ہو کر دانت پیسے...

"کیونکہ۔" لیلیٰ اپنا حوصلہ مجتمع کر کے بولی۔ "کیونکہ انکل اس بات کی تشہیر پسند نہیں کرتے اور میں کسی اجنبی پر اپنی اتنی ذاتی نوعیت کی بات کبھی ظاہر نہیں کرتی کیونکہ انہوں نے مجھے ہمیشہ سگی بیٹی کی طرح چاہا اور شفقت دی ہے۔"

"خیرات میں ملی ہوئی محبت سے کوئی سگا نہیں ہو سکتا محترمہ۔" مارے طیش کے وہ تو دیوانہ ہی ہوا جاتا تھا "تم نے مجھے دھوکے میں رکھ کر اچھا نہیں کیا لیلیٰ... اچھا نہیں کیا۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے بلا ارادہ اپنا سر تھام لیا گویا لٹ چکا ہو... اور شاید وہ واقعی لٹ چکا تھا۔

"دھوکا تو تب ہوتا قیس! جب میں حقیقت حال سے پردہ اٹھائے بغیر تمہیں اپنی زندگی میں شامل کر لیتی۔" لیلیٰ کا منہ اتر گیا تھا۔ "لیکن تمہیں اس بات پر اتنا غصہ کیوں آرہا ہے قیس! کیا فرق پڑتا ہے اگر میرے والدہ نہیں، مگر میں تو وہی ہوں نا... تمہاری لیلیٰ!" اس نے کسی موہوم سی امید کے تحت جیسے اسے یاد دہانی کروائی مگر بے سود...

"فرق تو پڑتا ہے لیلیٰ!" سامنے رکھی کافی کی ساری تلخی اس کے لہجے میں سما گئی "نئے رشتے جوڑنے ہوں تو پرانی باتیں بہت اہمیت اختیار کر جاتی ہیں... مگر چھوڑو میں کیوں بتا رہا ہوں تمہیں یہ سب (بالالفاظ دیگر بھاڑ میں جاؤ) وہ دائیں ہاتھ سے اپنا ماتھا ملتے ہوئے بولا۔

"مگر آخر تمہیں اس قدر اعتراض کس بات پر ہوا ہے؟" لیلیٰ نے اس بار چبھتے لہجے میں پوچھا۔ "میری ولدیت پر؟ یا پھر اس کے ساتھ تبدیل ہو جانے والی میری حیثیت پر؟"

"میں چلتا ہوں فی الحال!" وہ جواب دیے بنا بعجلت اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "زندگی رہی تو پھر ملیں گے کہیں۔" وہ آنکھیں چراتا ہوا لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ لیلیٰ کو وہیں تنہا چھوڑ کر۔

آج کی یہ ملاقات ان کے مابین ہونے والی ملاقاتوں میں سب سے غیر رومانوی ملاقات ثابت ہوئی تھی اور شاید آخری بھی!

"میں نے محبت کا چہرہ کبھی دیکھا تو نہیں تھا۔ لیکن جب سے تمہیں دیکھا ہے تو سوچ رہا ہوں شاید وہ ایسی ہی کومل، اتنی ہی مکمل اور اتنی ہی نرمل دکھتی ہو گی۔"

محبت کے نشے میں مکمل ڈوبے ہوئے یہ الفاظ آج سے ساڑھے دس ماہ قبل جناب قیس عالم صاحب نے لیلیٰ صدیقی سے ہونے والی اپنی دوسری ملاقات میں ان سے کہے تھے... ان کی پہلی ملاقات ایک محفل مشاعرہ میں ہوئی تھی۔ جہاں قیس عالم نے بھی اپنی ایک "کچھ زیادہ ہی آزاد" نظم پڑھ کر اوسط سے نچلے درجے سے ذرا اوپری درجے کی داد سمیٹی تھی۔ (واضح رہے زور "ذرا" پر ہے)۔ تاہم موصوف غضب کی پرسنالٹی کے حامل تھے۔ اوپر سے صنف نازک میں سے کسی کے مخاطب کرنے پر اس روزان کا وہ "اینگری ینگ مین" والا انداز اف! کتنوں کا دل دھڑک دھڑک گیا تھا... کچھ نے دھڑکتے دل کے ساتھ ان کی فیس بک آئی۔ڈی بھی پوچھ ڈالی لگے ہاتھوں اور یہ بھی بتا ڈالا کہ وہ آج ان کی نظم سننے کے بعد ان سے کس قدر متاثر ہوئی ہیں کہ بس فین ہی بن گئی ہیں گویا...

اور ان سارے بیانات پر ایک لمحے کے لیے بھی شک نہ کرتے ہوئے (حالانکہ کرنا چاہیے تھا) قیس نے فی الفور ان بیانات پر نہ صرف یقین کر لیا بلکہ اپنی آئی ڈی دے کر "فلاں فلاں چیزیں ضرور لائیک کر کے شیئر کریں" کا ٹکڑا بھی لگا دیا... یہ تو ہوا ان لڑکیوں کا ذکر جو اس روزان کی مداح بن گئی تھیں۔ جبکہ کچھ ایسی بھی تھیں جو خود انہیں مدح سرائی پر مجبور کر گئی تھیں۔ ان

میں ایک لیلیٰ بھی تھی۔۔۔ خوب صورت' باوقار! وہ اس کی طرف خود بڑھا تھا تعارف تو ہو ہی چکا تھا۔۔۔ بعد میں ان کی دوستی ہو گئی۔

لیلیٰ' تعلیم یافتہ' ماڈرن اور باعمل لڑکی ضرور تھی۔۔۔ مگر اس کے دل میں ایک نفیس طبع' خوش شکل' صاحب ذوق جیون ساتھی کی خواہش بھی پنپتی تھی۔۔۔ اور قیس انہی خصوصیات کا حامل شخص دکھائی دیا تھا اسے' اس کے علاوہ وہ باتیں بھی دل موہ لینے والی کیا کرتا تھا۔۔۔ سو اس کا اسیر ہوئے بنا کوئی چارہ نہ تھا۔ لہٰذا ہو گئی۔

وہ مشینی قسم کی لڑکی تھی۔ مگر اب بری طرح اس کی عادی ہوئی جا رہی تھی یا شاید اس نے بڑی محنت شاقہ سے لیلیٰ کو اپنا عادی بنا ڈالا تھا۔ وہ اپنی شاعری اس کے نام سے منسوب کیا کرتا۔ اس کے حسن کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا ڈالتا۔ وہ اپنے الفاظ کا سحر پھونکتا تھا۔ لہٰذا خوب صورت لفظوں کی شیدائی لیلیٰ مسحور ہوتی گئی۔۔۔ اور سحر زدہ انسان وہی کچھ دیکھ سکتا ہے جو اس کا ساحر اسے دکھائے مگر کچھ اور لوگ بھی تھے جو ساحر کے سحر کے دائرہ کار سے باہر تھے۔۔۔ اور انہی میں سے ایک بیلہ تھی۔۔۔ مگر یہ بیلہ آخر تھی کون؟

☆ ☆ ☆

"OMG" پو نے قیس کی زبانی اس کی اور لیلیٰ کی آخری ملاقات کا احوال سن کر اپنا ماتھا بے بس زنانیوں کی مانند بری طرح پیٹ ڈالا" ارے او کم عقلے' یہ کیا غضب کر آیا تو۔۔۔ کم از کم مجھ سے تو پوچھ لیتا۔"

کلیجے پر سیدھا ہاتھ رکھے وہ اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں نچا کر ازحد تاسف سے بولا۔ پو بھی قیس کی طرح اپنی فیلڈ میں محنت کر رہا تھا۔ پو اور قیس دو کمروں کا یہ ملگجا سا فلیٹ شیئر کرتے تھے۔ پو کا تعلق حیدر آباد سے تھا جبکہ خود قیس کے گھر والے جن میں والدہ' چھوٹا بھائی اور تین بہنیں شامل تھیں نواب شاہ کے رہائشی تھے۔ جبکہ وہ خود اپنی قسمت آزمانے کراچی چلا آیا تھا۔ یہ اور بات کہ قدم قدم پر قسمت اسے آزما رہی تھی فی الحال تو۔۔۔ بہرکیف!

قیس اور پو ایک فلیٹ میں رہتے رہتے اچھے دوست بن چکے تھے۔ خود کو درپیش مسائل کے بارے میں ایک دوسرے سے مشورے کرنے کے علاوہ زندگی میں آگے کے لائحہ عمل کے متعلق بھی وہ اکثر تبادلۂ خیال کر لیا کرتے تھے۔ مفید اور کار آمد' نادر مشوروں کا لین دین بھی معمول تھا۔

"اس میں مشورہ کرنے والی کیا بات تھی؟" وہ سنگل بیڈ پر نیم دراز سگریٹ نوشی کرتے ہوئے منہ بنا کر بولا" یوں بھی اس لے پالک کو منہ لگا کر کیا ملتا مجھے۔۔۔ جائیداد میں سے پھوٹی کوڑی بھی نہیں ملتی لے پالک کو۔" قیس نے پو کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"اوہ میری بہن' اوہ ہو میرا مطلب ہے کہ بھائی۔" پو نے گڑبڑا کر جلدی سے اپنا جملہ درست کیا" تیری یہ جلد بازیاں ہی تو بری لگتی ہیں قسم سے مجھے" وہ منہ بنا کر بولا اور لیٹے ہوئے قیس کے برابر بچھے سلوٹ زدہ چادر والے سنگل بیڈ پر آ بیٹھا۔۔۔ "ارے تو اس سے بات تو کرتا رہتا۔ تو نے تو اس روز کے بعد اسے پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔ ایسے تو وہ ہاتھ سے نکل جائے گی۔۔۔ ویسے ہی کتنی مشکلوں سے اپنی غریبی کا احساس دلا دلا کر اسے پیسے نکالنے پر مجبور کیا تھا تو نے۔"

"پیسے ہوں گے ہی کہاں اس کے پاس جو نکالتی۔" قیس چمک کر بولا۔ "اتنے عرصے میں ڈھنگ کا ایک گفٹ تک تو دیا نہیں تھا اس نے مجھے' اس بات کا تو اب مجھے خیال آ رہا ہے۔"

"اوہ یار! تم اس کے بے نقط بولتے رہنے پر پو کچھ بے مزہ سا ہو کر اسے ٹوک بیٹھا" پوری بات تو سن لے پھلکے۔" اس کے بولنے پر وہ خاموش ضرور ہو گیا۔ تاہم منہ کے زاویے اب بھی بری طرح بگڑے ہوئے تھے۔ پو نے اپنی بات جاری رکھی۔

"صدیقی کی سگی بیٹی نہیں تھی تو کیا ہوا؟ انہوں نے اسے بیٹی بنا تو رکھا تھا۔ کیسے شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے رہتی تھی۔ اپنی ذاتی گاڑی دوڑائے پھرتی تھی۔۔۔ پھر صدیقی صاحب نے اپنی کمپنی میں اچھی پوسٹ بھی

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
Monthly Shuaa May 2017

دے رکھی تھی اسے۔ پھر جائداد کا ہوکا تم نے کیوں کرنا تھا۔ بے وقوف آدمی! ارے 'سونے کا انڈا دینے والی مرغی' تھی وہ تیرے لیے۔ تو خود سوچ بھلے سے اسے صدیقی کی جائداد میں سے کچھ ملتا یا نہ ملتا لیکن اگر وہ "اپنے ڈیئر انکل" سے اپنے منہ سے کسی چیز کی فرمائش کردیتی تو کیا انکار کردیتے وہ اسے؟ مگر ہے نا تو ایک جاہل انسان ہمیشہ جلد بازی سے کام لیتا ہے' بھئی' بڑا ہی اثر ہے تجھ پر شیطان کا قسم سے۔" وہ لفظ لفظ چبا کر اور گردن بمع آنکھیں مٹکا کر بولتا گیا اور قیس کی پہلے سے کشادہ آنکھیں ضرورت سے کہیں زیادہ کھلتی چلی گئیں۔ واقعی! اس نہج پہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ کیسا گھامڑ اور واقعی جاہل انسان ہی تو تھا وہ۔

"یہ باتیں تو میرے ذہن میں آئی ہی نہیں تھیں یار!" وہ کف افسوس ملتے ہوئے تڑپ کر بولا "بس اس کی اصلیت جان کر ایک دم ہی دھچکا سا لگا تھا دل کو۔ ظاہر سی بات ہے دس ماہ محنت کی تھی میں نے باقاعدہ اس پہ یار! تو تو جانتا ہی ہے۔ یہاں ترقی کرنا اتنا آسان کب ہے؟ انسان اگر شارٹ کٹس تلاش نہ کرے تو پھر کیا کرے؟" وہ زمانے بھر کی مظلومیت اپنے لہجے میں بھر کر بولا۔

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں' جلدی فون کر اسے۔ دو چار چکنی چپڑی باتیں کرکے منالے اسے' ایسا نہ ہو کہ کہیں دیر ہو جائے۔ یوں بھی باتیں بنانا تو تیرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

وہ آخر میں دائیں آنکھ میچ کر خباثت سے ہنسا تو اس بار قیس بھی کھل کر مسکرا دیا۔ اتنے دن کی کلفت یک لخت زائل ہوتی محسوس ہوئی۔ وہ تو بے کار ہی ہفتہ بھر سے اس قدر فکرمند' دل شکستہ اور پریشان سا بیٹھا تھا۔ لیلیٰ کون سا ابھی ہاتھوں سے نکل گئی تھی اس کے۔

"ہاں ٹھیک ہی کہہ رہا ہے تو؟ واقعی وہ صدیقی کی بیٹی نہیں تھی تو کیا ہوا مگر کچھ ایسی گئی گزری بھی نہیں تھی۔ پھر کون جانتا ہے کہ وہ صدیقی صاحب کی سگی بیٹی نہیں۔ مجھے تو ہر جگہ ان کا "سگا داماد" کہہ کر ہی پروٹوکول دیا جائے گا نا۔ اچھی بات تو یہ ہوئی کہ میں نے اس کے سامنے کچھ بھی بکواس نہیں کی۔ بس یونہی خاموشی سے چلا آیا۔" وہ جوں جوں بولتا چلا جارہا تھا اس کی گہری آنکھوں میں شاطرانہ چمک دوچند ہوتی چلی جارہی تھی۔

"ہاں اب مزید وقت ضائع کیے بغیر سب سے پہلے تو اسے فون ملا کر سوری کر' چل شاباش ہری اپ۔" پپو نے حوصلہ بڑھایا اور اس نے فون اٹھانے کے لیے ہاتھ۔۔۔

دوسری جانب بیل جارہی تھی۔ فون تو ملا لیا تھا اس نے بڑا پراعتماد ہوکر مگر اب وہ کش مکش کا شکار ہو گیا۔ نجانے وہ فون ریسیو کرتی ہے یا نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس روز وہ کچھ زیادہ ہی "روڈ" ہو گیا تھا۔

"ہیلو!" مگر خیر گزری لیلیٰ نے فون بند ہونے سے قبل فون اٹھالیا۔

(ہرا۔ یعنی ابھی دیر نہیں ہوئی۔ شکر!) قیس کا دل بلیوں' کتوں بلکہ گدھے کی طرح لوٹنیاں کھانے لگا۔ پپو نے بھی بڑے مدبرانہ بلکہ فلسفیانہ انداز سے مسکرا کر گردن اثبات میں ہلا کر اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"ہیلو لیلیٰ!" وہ زمانے بھر کی چاہت اپنے لہجے میں بھر کر بولا "میں قیس! کہو کیسی ہو؟"

"اوہ تو تم ہو!" لیلیٰ کی سرد مہری آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"کہو آج میری یاد تمہیں کیسے آگئی؟" وہ اجنبی سے لہجے میں بولی۔

"یاد تو تمہاری روز آتی تھی لیلیٰ۔" وہ اپنی آواز میں جذب ضرورت سے زیادہ بھر کر بولا۔ "لیکن تم سے شکوہ ہے کہ میں اگر تم سے ناراض رہا اتنے دن تو تم نے بھی تو پلٹ کر میری خبر نہ لی۔" اس کی لفاظی پر سامنے براجمان پپو نے بے ساختہ اسے توصیفی نگاہوں سے دیکھا۔

"پلٹ کر میں تمہاری خبر کیوں لیتی قیس؟" وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولی۔ "جبکہ میں جانتی ہوں تم مجھ سے ناراض ہوکر نہیں' مایوس ہوکر گئے تھے وہاں

Monthly Shuaa May 2017
URDUSOFTBOOKS.COM

سے۔ تمہارے چہرے پر تاسف تھا۔ ایک بے مایہ' بے حیثیت لڑکی کے پیچھے اتنے دن تک اپنا وقت برباد کرنے کا۔ کیوں کیا میں نے کچھ غلط کہا؟" وہ استہزائیہ مسکرائی... لیلیٰ سے اس قدر صاف گوئی اور "ذہانت" کی امید نہیں تھی اسے۔ اسی لیے گڑبڑا کر جلدی سے وضاحت دینے لگا۔

"مجھے اس قدر غلط مت سمجھو لیلیٰ! میں تو بس تمہارے اتنے دن تک غیریت برتنے پر تم سے خفا ہو گیا تھا۔"

"نہیں قیس..." وہ سنجیدہ وسپاٹ لہجے میں بولی۔ "میں تمہیں غلط نہیں اب جا کر ہی تو بالکل ٹھیک سمجھی ہوں۔"

"اگر ایسا ہوتا تو پھر آج میں تمہیں خود سے کیوں کال کرتا؟" وہ لیلیٰ کے بے لچک انداز پر چڑ سا گیا۔

"کیا معلوم کیوں کی۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی' "بہرحال اتنا تو میں جان گئی ہوں کہ تمہارے جیسے انسان کوئی کام بھی بلا حساب کتاب نہیں کیا کرتے... محبت بھی نہیں۔" اس کی آواز اب کی بار دھیمی پڑ گئی۔

"دیکھو لیلیٰ!" وہ اس بار حقیقتاً پریشان ہوا تھا اس کی سنجیدگی پر "میں جانتا ہوں اس روز میرے رویے نے تمہاری دل شکنی کی ہے اس کے لیے میں تم سے معذرت بھی کر رہا ہوں... بس ختم کرو... اور کل ملو مجھ سے۔" اس نے اس بار محبوبوں والا مخصوص رعب ڈالنے کی کوشش کی مگر وائے افسوس دوسری جانب اس کی محبوبہ نہیں تھی۔

"شاید تم میری بات سمجھ نہیں رہے قیس..." وہ پرتپش لہجے میں بولی "اب ان باتوں کا کچھ حاصل نہیں۔ سچ کہوں تو میں تو تمہیں کبھی پہچان ہی نہ پاتی اگر بیلہ مجھے احساس نہ دلاتی تو... یوں کہانی سنا کر تمہیں آزمانے کا آئیڈیا اسی نے تو مجھے دیا تھا اور بیڈ لک مسٹر قیس عالم کہ بہت جلد باز اور تھڑدلے نکلے تم کہ میری سنائی ہوئی اس فولش سی کہانی پر بنا کچھ سوچے سمجھے اپنے اندر کا مکروہ لالچی انسان تم نے باہر نکال کر میرے سامنے کھڑا کر دیا اور بیلہ کے مردم شناس ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی... تھینکس ٹو مائی ڈیئر سسٹر بیلہ صدیقی... وہ واقعی ایک بہترین سائیکالوجسٹ ہے۔"

"کک کیا مطلب؟" وہ اب کی بار صحیح معنوں میں چکرا کر رہ گیا۔ "کیا کہہ رہی ہو میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا۔" اس کا چہرہ آن واحد میں فق ہو گیا۔

"ہاں قیس! میں گئے زمانوں کی سوہنی نہیں تھی جو محبت کے کچے گھڑے پر سوار ہو کر خود کو زندگی کی بے رحم موجوں کے حوالے کر دیتی... میں آج کے دور کی لیلیٰ ہوں جناب! جو محبت کرنا تو بے شک جانتی ہے مگر اس محبت کے نام پر خود کو ارزاں کر سکتی ہے اور نہ ہی کسی کے ہاتھوں بے وقوف ہی بن سکتی ہے... اور تمہیں میری نصیحت ہے کہ آئندہ کسی لڑکی کے ساتھ محبت کا نام پر یہ کھیل نہ کھیلنا ورنہ ہار اس بار بھی تمہارا ہی مقدر بنے گی۔" ہموار لہجے میں بولتے بولتے آخیر میں اس کا لہجہ زخمی ہو گیا۔

"کیا ہو گیا ہے لیلیٰ! پلیز میری بات تو سنو... تم کیا کہہ رہی ہو میری تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا۔" وہ اترے چہرے کے ساتھ منت کرنے لگا... پو فکر مند ہو کر اس کے نزدیک آ کھڑا ہوا۔

"ابھی بھی نہیں سمجھے؟" وہ معنی خیزی سے بولی... تو اس بار وہ کچھ بھی نہ بولا تب ایک طویل ٹھنڈی سانس لے کر بہت واضح آواز میں وہ بولی تھی۔

"اتنی لمبی کتھا سنانے کے بعد یہ بتانے کی ضرورت تو باقی نہیں بچی کہ میں لیلیٰ صدیقی عبیداللہ صدیقی کی لے پالک نہیں بلکہ سگی اولاد ہوں مگر افسوس صد افسوس... کہ تم ان کے داماد نہیں بن سکو گے... اس لیے ہمیشہ کے لیے خدا حافظ!" اس نے اپنے الفاظ کے ایٹم بم گرانے کے بعد بعجلت فون بند کر دیا۔

اور رہا قیس... واقعی کچھ روز تو اس کی حالت "ہیروشیما اور ناگاساکی" جیسی ہی رہی۔ تاہم اب وہ بالکل معمول پر آچکا ہے... اور تلاش میں ہے اب ایسی لیلیٰ کی جس کی کوئی بہن قریب تو کیا کہیں دور دور تک بھی موجود نہ ہو اور اگر ہو بھی تو انٹلیکچوئیل تو ہرگز... ہرگز نہ ہو...!

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سعدیہ حمید چوہدری

مکڑا اور مکھی کا کھیل

کالج بس سے تقریباً" لٹکتے ہوئے اس نے ریڑھی سے سٹہ اٹھایا تھا اور پیسے ریڑھی والے کو پھینکنے والے انداز میں پکڑائے تھے۔ ڈرائیور کو بھی اس کی عادت کا پتا تھا اس لیے بس تقریباً" رک ہی گئی تھی اور اگر چلتی بھی رہتی تو اس نے کون سا باز آجانا تھا۔ شکل اتنی معصوم تھی کہ قتل بھی کر دیتی تو کوئی مان کے نہ دیتا کہ یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔ اس کے نقرئی قہقہے بس میں یوں گونجتے تھے جیسے مٹی کے گھڑے میں کسی نے کنکر پھینکے ہوں یا کسی نے فضا میں یاد کے لاتعداد سکے پھینک دیے ہوں اور وہ کسی کے ہاتھ نہ آئے ہوں۔ نہ جانے کون سی باتیں تھیں ختم ہونے میں آتی تھیں اور اسی رفتار سے قہقہوں کا چرخہ چلا کرتا تھا جس وہ اپنے پن کا سوت بنا کرتی تھی۔ نہ جانے یہ لڑکی اتنا خوش کیسے رہتی ہے؟ کسی نے جل کے تبصرہ کیا تھا۔ صاف بات ہے جب ہم کسی کے خوش ہونے میں کوئی حصہ نہیں ڈالتے تو ہمیں اس کی ہنسی پہ اعتراض کا بھی حق نہیں ہونا چاہیے مگر ہم کسی کو ہنستے دیکھ کے اس کی ہنسی کے دائم ہو جانے کی دعا دینے کا ظرف بھی تو نہیں رکھتے۔
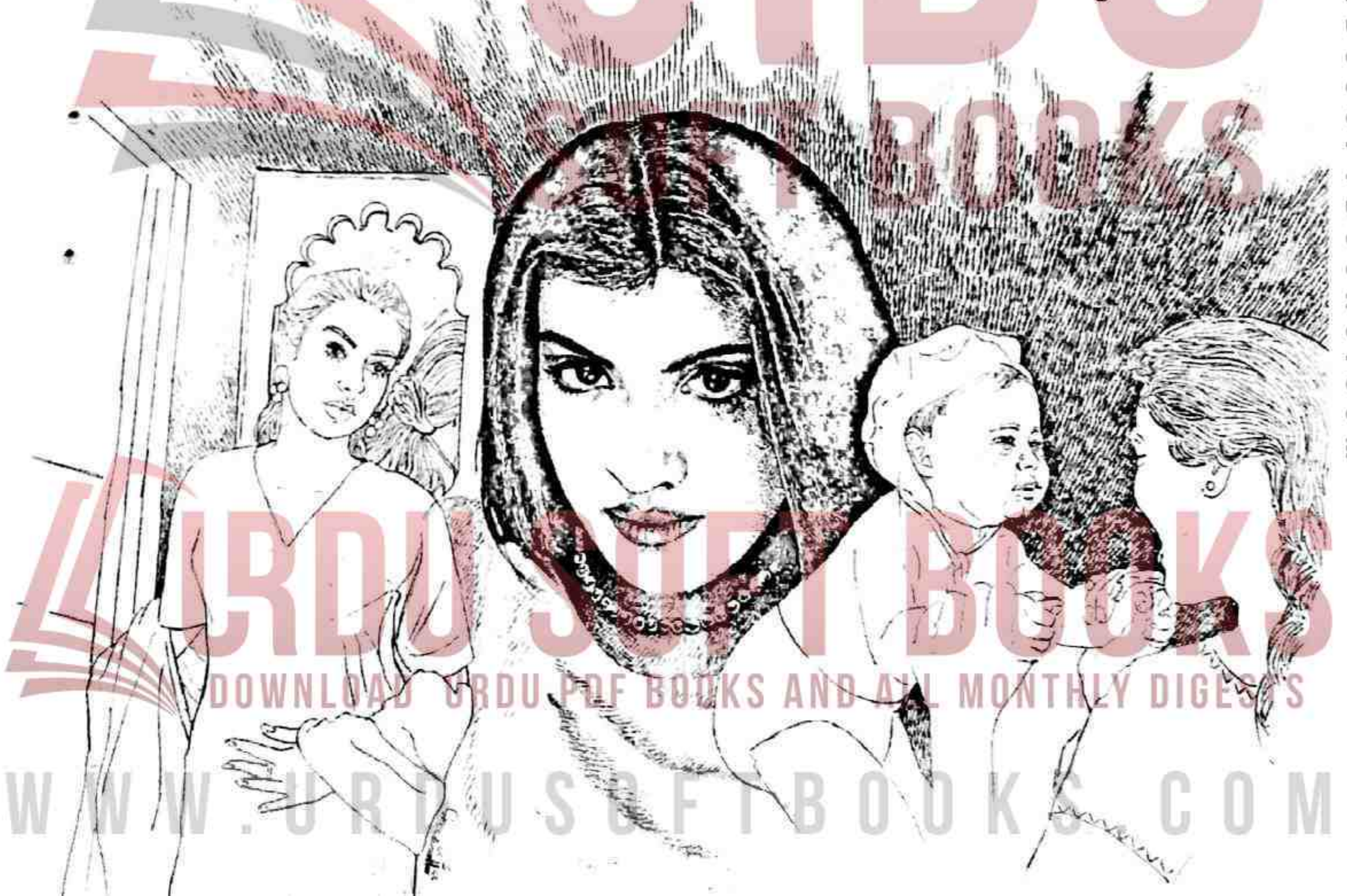
کالج میں داخل ہوتے ہی وہ لائبریری کی سمت

URDUSOFTBOOKS.COM URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM URDUSOFTBOOKS.COM
URDU SOFT BOOKS
URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ناولٹ

بھاگ گئی تھی، مگر گراؤنڈ پار نہیں کر پائی تھی۔ اس کی ٹیم وہاں موجود تھی۔

"سارہ اے سارہ منصور! تمہیں پتا ہے آج ہمارا میچ ہے ریلوے کی ٹیم کے ساتھ۔" تازیہ نے اپنی پاٹ دار آواز میں اس کی توجہ سمیٹی تھی۔
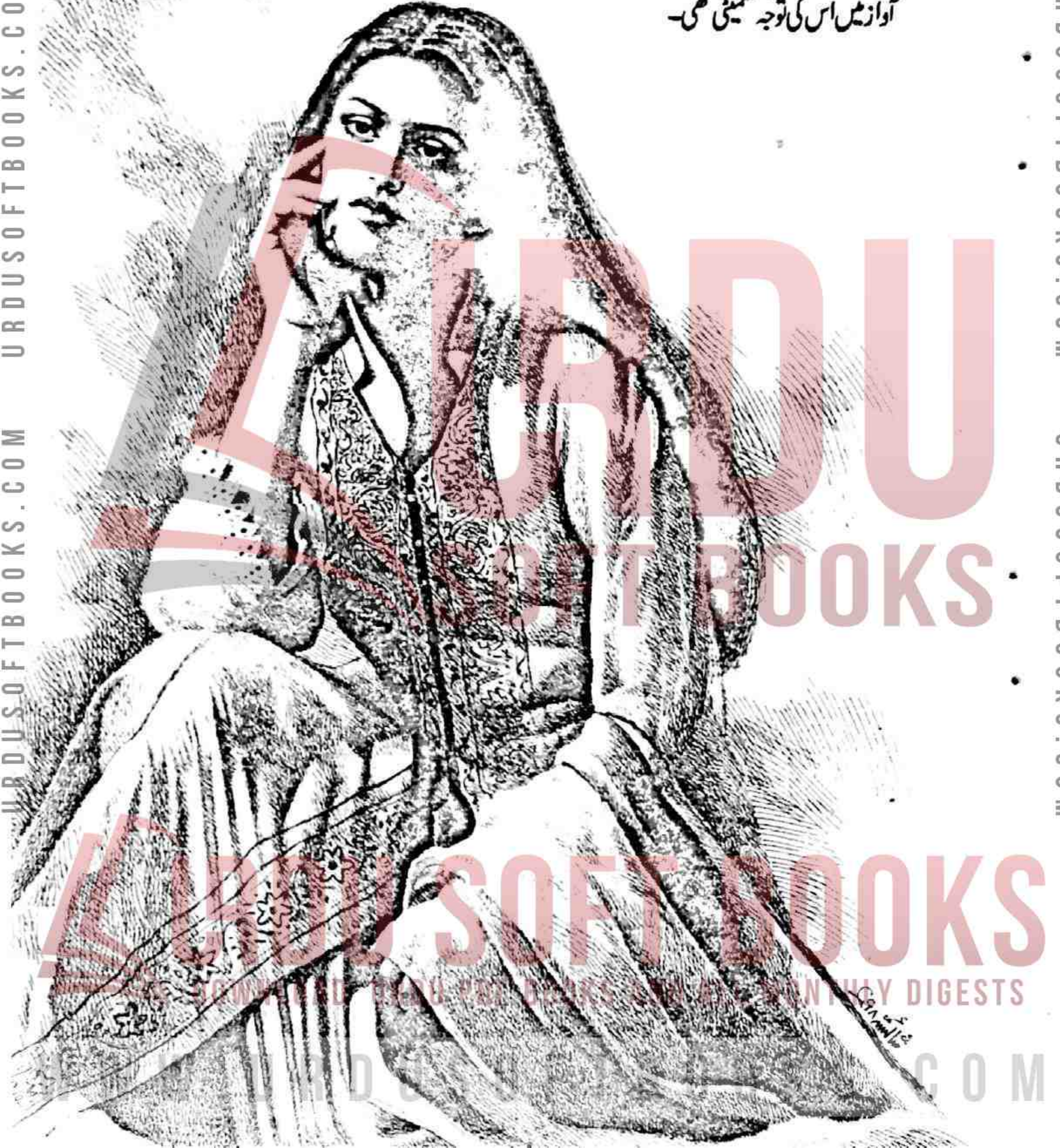
URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"شیڈول میں تو نہیں تھا۔" وہ رک گئی تھی۔

"مس درشہوار بتا کے گئی ہیں ابھی۔ تمہیں بلا رہی ہیں۔"

"کیا ہے یار! آج میرا کچھ پڑھنے کا موڈ تھا۔ تمہیں پتا ہے نا پایا کل۔ ہٹلر ہیں پورے اور میرے پاس کٹ بھی نہیں ہے۔" اس نے عذر تراشا تھا۔

"میرے پاس زائد ہے۔" ثوبیہ نے فوراً اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

"جاگرز بھی تو نہیں ہیں میرے پاس۔"

"وہ تو تمہیں ارینج کرنے پڑیں گے کیوں کہ ان ننھے پاؤں میں کسی اور کے جاگرز آتے کہاں ہیں۔" وہ سب نازیہ کی بات پہ ہنس پڑی تھیں۔

"کیا ہے یار! پیپرز اسٹارٹ ہونے والے ہیں۔ میم سے بات کرتی ہوں مجھے ایکسکیوز دے دیں۔"

"تو وے ہم میچ ہارنا نہیں چاہتے۔ تمہارا تو نام کافی ہے سارہ۔ تمہیں ایکسکیوز نہیں ہو سکتا۔"

انہوں نے اسے کندھے پہ اٹھالیا تھا' کالج کے در و دیوار اور وہاں موجود نفوس کے لیے یہ روز کا معمول تھا۔ کچھ چڑیاں اس کے قہقہوں کی بازگشت سے ٹکرائی تھیں اور گھبرا کے اڑ گئی تھیں۔

بڑی مشکل سے جان چھڑا کر وہ مس درشہوار کے پاس گئی تھی' مگر انہوں بھی اس کی ایک نہیں سنی تھی۔

"جاگرز کا کیا مسئلہ ہے نئے خرید لو۔" انہوں نے جیسے اس کا مسئلہ منٹوں میں حل کر دیا تھا۔

"نہیں' آپ مجھے پرمیشن لے دیں میں گھر سے اپنی کٹ اور جاگرز لے آتی ہوں۔" وہ مرے مرے لہجے میں ان کو دیکھ کے بولی تھی جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑی کھڑی تھیں اور اسے ہامی بھرتے دیکھ کے انہوں نے قلانچیں بھری تھیں۔ یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے سہانے خوابوں اور نیلگوں سرابوں والی عمر۔

"سارہ منصور کو گھر جانے کی اجازت دی جائے۔" نازیہ کاغذ لہراتی آرہی تھی۔ اسے تھما کے وہ گراؤنڈ میں ہی لپٹ گئی تھی۔

"جلدی آنا لالی۔"

"اچھا!" وہ بے دلی سے چل پڑی تھی۔

وہ ہمیشہ ہر میچ میں آل راؤنڈ کی پرفارمنس دیتی تھی اور مین آف دی میچ کی پوزیشن اس سے کوئی چھین نہیں سکتا تھا۔ اس لیے وہ ایک جانی پہچانی کھلاڑی تھی۔ سارہ منصور اکثر کالجز میں جاکے کوچنگ بھی کرتی تھی۔ مس درشہوار اسے پاکستان کی وومن ٹیم کے لیے تیار کر رہی تھیں۔ اپنی من موجی طبیعت کے باعث وہ اپنی اہمیت کا احساس ہی نہیں کرتی تھی۔ ایک عام سی لڑکی۔ مگر بعض اوقات عام ہونا بھی بہت خاص بن جایا کرتا ہے۔ انسانی شخصیت کے کچھ گوشے ساری عمر بھی اس کی اپنی نگاہوں سے اوجھل رہیں تب بھی ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ خود اپنے لیے اجنبی ہوتا ہے وہ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کے خود سے سوال کرتا ہے یہ میں ہی ہوں یا میرے اندر کوئی اجنبی سما گیا ہے۔

مصروف شاہراہ سے تیز تیز گزرتے ہوئے وہ بہت سی نگاہوں کا حصہ بنی تھی۔ کالج یونیفارم کے ساتھ وہ بے وقت سڑک پہ تھی کچھ منچلوں نے آوازے بھی کسے تھے' مگر وہ ان سنی کرتے ہوئے سڑک پہ کھڑی تھی۔ کوئی سواری آکے نہیں دے رہی تھی۔ چلچلاتی دھوپ اسے بے زار کر رہی تھی۔ پاس لگے پیپل کے پتے خوامخواہ شور کر رہے تھے۔ جیسے ہوا سے اٹھکیلیاں کر رہے ہوں۔ اس نے اچانک ایک ہنڈا گاڑی کو آگے جاکے واپس مڑتے دیکھا تھا۔

"آیئے میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔" وہ گاڑی کی کھڑکی سے سر نکالے کہہ رہا تھا۔

اس کے لیے یہ منظر نیا نہیں تھا۔ اکیلی لڑکی کو دیکھ کے اکثر لوگوں کی حس ہمدردی جاگ جایا کرتی ہے۔ وہ اسے صاف نظر انداز کر کے دائیں طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ شام نگر میں رہتی ہیں نا۔" وہ ایک دم چونکی تھی۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"میری سسٹر بھی وہیں پہ رہتی ہیں ایک دو بار آپ کو وہاں آتے جاتے دیکھا ہے۔ آپ غلط مت سوچیں۔ یہ آف ٹائمنگ ہے کینوینس جلدی نہیں ملے گی آپ کو۔" وہ طوعاً "کرہاً" بیٹھ گئی تھی۔ "ویسے گھر ہی چھوڑنا ہے ناآپ کو؟" وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"نہیں۔ آپ کے گھر جا رہی ہوں میں۔" وہ جل کے بولی تھی۔

"سوسٹ ویلکم۔" اس کی مسکراہٹ نے اسے اور جلا دیا تھا۔ "حد ہے پھیل ہی رہا ہے۔ مجھے کہیں جانا ہے ذرا' پلیز گاڑی جلدی چلائیں۔"

"شیور!۔" اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھادی تھی۔

"پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کا گھر کس طرف ہے؟۔"

"کیوں؟۔" وہ تیکھے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"میں نے آپ کے گھر آنا ہے۔" اس نے اسی کے انداز میں جواب دیا۔ "ظاہری بات ہے آپ کو گھر چھوڑنا ہے۔"

"نہیں شکریہ۔ بس یہیں اتار دیں۔ میں خود چلی جاؤں گی۔" اس نے بغیر کچھ کہے لاک کھولا تھا اور وہ بغیر شکریہ ادا کیے چلی گئی تھی۔ وہ پیچھے اپنی بے نیازی چھوڑ گئی تھی اور کچھ تیکھے جملوں کی باس۔

اسے یہ بھی پتا تھا کہ وہ گلی کے موڑ تک جا کے ہی اسے بھول گئی ہوگی' مگر نہ جانے کیوں وہ اسے یاد رہنا چاہتا تھا۔ شاید وہ اسے یاد ہوگئی تھی۔ ایک سفر کی مسافت میں۔ یہ بھی نہیں تھا کہ اس کا واسطہ عورتوں سے نہیں پڑا تھا' مگر اس کی من موہنی صورت اس کی نگاہوں میں کھب گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

مائدہ کو اس کی امی کے ہاں ڈراپ کرنے کے بعد وہ آفس کے لیے نکل آیا تھا۔ نہ جانے وہ کہاں گئی ہوگی پتا نہیں کہاں جانا تھا اسے۔ وہ سڑک پہ اسے کھوج رہا تھا۔ سڑک بہت سیدھی تھی' مگر وہ خود الجھ رہا تھا۔ اس نے اپنی الجھن رحیم احمد کو سونپ دی تھی۔

"یہ ایک لڑکی ہے شام نگر میں رہتی ہے اور اس کالج میں پڑھتی ہے۔" اس نے ایک چِچ پہ مکمل تفصیلات بتائی تھیں اسے۔ حلیہ بھی۔ ان کا کام ہی یہی تھا۔

"سر! کل تک ساری معلومات آپ کی ٹیبل پہ ہوں گی۔" رحیم کاغذ لے کے چلا گیا تھا۔

تیری صورت نگاہوں میں پھرتی رہے
عشق تیرا ستائے تو میں کیا کروں

یہ مصرعہ اس کی زبان کی نوک پہ مچل رہا تھا۔ "رحیم کوئی پتا ملا؟" اس نے دن کا پہلا کام یہی کیا تھا کہ رحیم کو فون کیا تھا۔ "جی سر جی! آپ کے گھر کے آس پاس ہی رہتی ہے۔ سارہ منصور۔ منصور ملک کی بیٹی ہے وہ واپڈا میں جاب کرتا ہے۔ زیادہ کھاتے پیتے لوگ نہیں ہیں۔ چار بھائی اور ایک بہن ہے اور یہ کرکٹ بہت اچھا کھیلتی ہے سر! کوچنگ بھی کرتی ہے ساتھ۔ اپنی

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
دستِ کوزہ گر
فوزیہ یاسمین
قیمت -/750 روپے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار کراچی۔ فون نمبر 32735021

فیملی کو سپورٹ بھی کرتی ہے۔"
"نمبر ہے کوئی اس کا؟"
"منصور ملک کا ہے سر!"
"رحیم!" وہ سخت ہوا تھا ایک دم اس وقت وہ مذاق کے موڈ میں نہیں تھا۔
"بالکل جی۔ اوکے سر جی نوٹ کریں۔" رحیم اس کا اسسٹنٹ تھا اس کا بدلتا موڈ اسے مستعد کر گیا تھا۔ وہ نمبر نہیں تھا علی حسن کے لیے وہ ہفت اقلیم کی دولت تھی۔
صبح آفس جانے کی بجائے وہ اس کے کالج کے آگے کھڑا تھا۔ ایک نظر دیکھنے کی خواہش نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔ وہ کب سے گاڑی میں بیٹھا کئی نگاہوں کا مرکز بن رہا تھا۔ وہ اسے نظر آگئی تھی۔ طویل قامت دیوار کے سائے میں چلتی ہوئی کھوئی کھوئی سی۔ وہ گاڑی سے باہر نکل آیا تھا۔ نظر ملنے پہ اس نے ماتھے پہ ہاتھ رکھ کے اسے سلام کیا تھا۔ جواب میں تیوری پہ پڑے بلوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔
"میں نے آپ سے لفٹ لی تھی مگر دینے کا کوئی ارادہ نہیں میرا۔" وہ ترش لہجے میں بولی تھی۔
"تم بہت پیاری ہو' پتا ہے تمہیں۔"
"ہاں پتا ہے۔" وہ اکھڑ لہجے میں بولی تھی۔ "آئندہ یہاں نظر مت آنا۔" وہ مڑی تھی۔
"تو کیا گھر آجاؤں۔"
"دماغ زیادہ ہی خراب لگتا ہے۔ لگتا ہے صحیح کرنا پڑے گا۔"
"یہ میرا کارڈ رکھ لو۔"
"کیوں؟" وہ تیکھے تیوروں سے پوچھ رہی تھی۔
"تم کرکٹ کھیلتی ہونا۔ یہ میرا فٹنس کلب ہے۔ کبھی دل چاہے تو آنا۔" اس نے نخوت سے کارڈ تھاما تھا۔
"ویسے یہ میرا پارٹ ٹائم کام ہے جاب تو میں کچھ اور کرتا ہوں۔"
"واٹ ایور' وہ کندھے اچکا کے آگے بڑھ گئی تھی۔"
"کافی ٹیڑھی کھیر ہے مگر اسے چکھنے کا اپنا مزا ہے۔" وہ بھرپور انداز میں مسکرایا تھا۔

☆ ☆ ☆

موبائل کی گھنٹی کب سے بج رہی تھی' وہ سوکھے کپڑوں کا ڈھیر لیے انہیں استری کر رہی تھی' نہ جانے کون ڈھیٹ ہے۔
"سارہ! تمہارا فون بج رہا ہے۔" امی کی ہانک کچن سے آئی تھی۔
"اچھا!" وہ بے دلی سے اٹھی تھی۔
"ہیلو سارہ۔"
"آپ کون؟"
"میں ناچیز علی حسن۔"
"نمبر کہاں سے لیا ہے آپ نے؟" وہ ترخ کے بولی تھی۔
"لگن ہونی چاہیے بس۔ ویسے میرے لیے یہ بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔" آپ پرانے کھلاڑی لگتے ہیں بہرحال مجھے آپ کی ذات میں کوئی دلچسپی نہیں۔ اس لیے آئندہ فون مت کیجئے گا۔ ان فیکٹ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔
"میں بہت سے کام بغیر فائدے کے کرتا ہوں۔"
"بہت ڈھیٹ ہیں آپ۔ آخر چاہتے کیا ہیں۔؟" وہ زچ ہو گئی تھی۔
"مجھ سے دوستی کرو گی۔؟"
"منہ دھو رکھیں۔ اور اپنا راستہ ماپیں۔" وہ فون بند کر گئی تھی۔
"لفٹ کیا لے لی' سر پہ ہی سوار ہو گیا یہ۔" بڑبڑاتے ہوئے اپنا کام کرنے لگی تھی۔
مگر وہ باز کہاں آیا تھا۔ ساری رات اس کے فون ہی اس کی کالز آتی رہی تھیں۔
"لیچڑ۔" اس نے جھنجلا کے سیل آف کر دیا تھا۔
"جان کو ہی آگیا ہے۔" نیند کی گہری وادیوں میں اترنے

تک وہ اس کے سر پہ سوار تھا۔

٭ ٭ ٭

حیرت سے گنگ ہو جانے کا مطلب اسے تب سمجھ آیا تھا جب اس نے اسے ریلوے اسٹیڈیم میں کھڑے دیکھا تھا۔ میچ ختم ہونے کے بعد اس نے "مین آف دی میچ" کا ایوارڈ حاصل کیا تھا مگر اسے وہاں دیکھ کے اس کی ساری خوشی کافور ہو گئی تھی۔

"تم مہا ڈھیٹ ہو۔" وہ اس کے قریب آئی تھی۔

"تم یہاں آئے کیسے ہو؟"

"وہ کیسی سرحدیں، کیسی مجبوریاں میں یہاں ہوں۔ یہاں ہوں یہاں۔" وہ کھلکھلا کے ہنسا تھا جیسے سارہ نے کوئی بچکانہ بات کر دی ہو۔

"میرے لیے تمہیں ڈھونڈنا تم سے بات کرنا کوئی مشکل نہیں۔ بلکہ ایسا کرو تم میرا فٹنس کلب جوائن کر لو مجھے تمہیں ڈھونڈنا ہی نہ پڑے۔"

کافی دیر منڈلانے کے بعد وہ خوشنما بھنورا سنہری پھول پہ بیٹھنے کو بے تاب تھا۔ چمکتا ہوا پھول اپنی سنہری رنگت کی تابناکیوں میں گم تھا، اس کے بیٹھنے کی سرسراہٹ کو محسوس نہ کر سکا۔ بھنورا اپنے میٹھے لہجے کی شیرینی میں اس کا رس سمونے لگا تھا۔ یہی بھنورے کی لمبی تازگی سے بھرپور زندگی کا راز ہے۔ وہ ڈال ڈال منڈلانے سے تھکتا نہیں۔ اسے دراصل لبھانے کا فن آتا ہے۔

٭ ٭ ٭

رات کی سرگوشی میں علی حسن کی سرگوشیاں شامل ہو گئی تھیں۔

"کس کا فون ہے؟" بابا اکثر دروازے میں آکے کھڑے ہو جاتے۔

"نازیہ کا بابا!" وہ مہارت سے جھوٹ بولنے لگی تھی۔

چوری مزا دینے لگی تھی۔

"تم آج جلدی گھر آگئی ہو سارہ؟" امی اکثر پوچھ لیتیں۔

"مس درشوار چھوڑ گئی تھیں امی۔"

"کھانا نہیں کھانا؟"

"ٹیم کے ساتھ کھا لیا تھا۔"

"لیٹ اس لیے آئی ہوں کہ کوچنگ کے لیے گئی تھی۔" اس نے کتنے جھوٹ سوچ کے لبادے میں لپیٹ لیے تھے۔

"روز لیٹ آؤں گی امی! کیوں کہ میں فٹنس کلب جوائن کر لیا ہے۔" اس نے کتنے جھوٹ بولنے کے بعد اکلوتا سچ بول کے خود کو مطمئن کر لیا تھا۔

اکثر ایک خطیر رقم ماں کو تھما دیتی۔ ماں مطمئن تھی کہ بیٹی کی کمائی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ اس کی سر ڈھانپنے والی بیٹی کچھ دور جا کے سر سے دوپٹہ اتار لیتی ہے۔ آج کل اس کے پرفیوم کی خوشبو ایک کمرے تک محدود نہیں رہتی بلکہ پورے گھر میں منڈلاتی رہتی ہے۔ اسے یہ بھی پتا نہیں چلا کہ اب اس کے لباس میں شکنیں آگے کی طرف نہیں بلکہ پیچھے کی طرف ہوتی ہیں وہ بس میں کھڑے ہو کہ نہیں بلکہ بیٹھ کے جاتی ہے۔ اب اس کے چہرے پہ غازہ ہے۔ معصومیت چھپنے لگی ہے۔ سب سے بڑھ کہ اسے اپنی بیٹی کے سر پہ منڈلاتا گدھ نظر نہیں آیا۔

اب اس کے قہقہے بناوٹی سے لگنے لگے تھے۔ نازیہ اسے محسوس کر رہی تھی۔

"تم آج کل کہاں ہوتی ہو محترمہ سارہ منصور!"

"کہیں نہیں یہیں ہوں۔" "میں یہاں ہوں یہاں ہوں یہاں" کی دھن کی سرسراہٹ نے اسے ایک لمحے کو غائب کر دیا تھا۔

"نہیں تم یہاں نہیں ہو پرنس کو فون کرو تو ہوں، ہاں ہاں کی گردان شروع ہو جاتی ہے۔ کھیل میں بھی دلچسپی نہ ہونے کے برابر ہے تم آج کل کون سا کھیل کھیلنے لگی ہو سارہ منصور!" نازیہ نے کھوج لگانے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

"وہی آدمی ہے نا وہ جو اس دن اسٹیڈیم میں تمہارے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ تمہیں ایک ٹک دیکھ رہا

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تھا۔" جیسے پہلی بار کوئی لڑکی دیکھی ہو یا کسی دم توڑتے جانور کو پھر سے کوئی تازہ شکار میسر آ گیا ہو۔ خیر پہلا آپشن تو غلط ہی ہو گا۔

وہ بے نیازی سے کندھے اچکا گئی تھی کیوں کہ سارہ کی چپ نہیں ٹوٹ سکی تھی۔ شاید وہ خود ٹوٹ چکی تھی۔

سرخ گلابی پھول کی رنگت ماند پڑنے لگی تھی۔ کچھ وقت ساتھ رہنے سے' زیادہ ہمیشہ ساتھ رہنے کی خواہش اس کے دامن کو جلانے لگی تھی۔ حاصل سے لاحاصل کے خدشات اس کے دل کو سہانے لگے تھے۔ دوریوں کا تصور اسے ہر آن ڈرانے لگا تھا۔ ایک نامراد سا جنون اس کے اندر سانپ کی طرح منڈلی جما کے بیٹھ گیا تھا۔

"وہ شادی شدہ ہے نازیہ!"

"اس کے دو بچے بھی ہوں گے؟" نازیہ نے یقین کے ساتھ کہا تھا۔

"جب پتا ہے تو سوال کیوں کرتی ہو۔" اس کی نگاہیں بول رہی تھیں۔

پتا ہی نہیں چلا زہر رگوں میں اتر گیا تو تب ہوش آیا۔ ہوش بھی کیسا جب ہوش کی تمنا ہی نہ ہو۔

"وہ کہتا ہے وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتا۔ اتنی منتیں کرتی ہوں اس کی' وہ سنتا ہی نہیں۔" وہ تڑخے گھڑے کی طرح ٹوٹ رہی تھی جس کے ٹوٹ جانے کے بعد جڑنے کی کوئی امید نہ ہو۔

نازیہ ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

"ایسے مت دیکھو نازیہ! اب میرے چہرے کو صرف اس کی نگاہوں کی عادت ہو گئی ہے۔"

نازیہ نے نظریں تو پھیر لی تھیں مگر وہ کسی ہمدم دیرینہ کی طرح اسے محسوس کر رہی تھی۔

"وہ شادی شدہ ہے۔ کیسے شادی کرے گا تم سے۔ وہ تمہارے ساتھ وقت گزاری تو کر سکتا ہے مگر تمہیں عزت نہیں دے سکتا۔"

"میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"اور اسے یہ پتا ہو گا۔" نازیہ نے ہاتھ میں پکڑی شاخ پہ سارا غصہ اتارا تھا۔ کتنے دن ہوئے ہیں تمہیں اس سے ملتے ہوئے۔"

"چار مہینے دس دن۔"

"چار سال بھی ہوتے تو تم اسے نہ جان سکتیں کیوں تمہاری عقل اب تمہاری پاسبان نہیں۔ چار مہینے میں تم اس پہ اپنی جان وارنے کو تیار ہو۔ بہت ہنر مند ہے' وہ اس کے ہنر کی داد دیتی جا رہی ہے۔ ویسے تم نے بہت گھاک مرد دیکھے سارہ! مگر کسی کو گھاس نہ ڈالی۔" نازیہ کے لہجے میں اس کی ہار کا دکھ تھا۔ "اب کی بار بھی اپنی ذات کا بھرم رکھ لیتیں تو اچھا تھا۔"

"کوئی اس جیسا نہیں تھا نہ ہی ہے۔"

"سب ایک جیسے ہوتے ہیں بھیڑیے نما انسان۔" انہیں بھیڑوں کے ریوڑ میں گھس آنے کا ہنر آتا ہے۔ اپنی مرضی کی بھیڑ منتخب کر کے اس کا خون پیتے ہیں' وعدوں' آرزوؤں کے جال میں مقید کر کے۔ پھر کسی نئی بھیڑ کی طرف دیکھ کے ان کی رال ٹپکنے لگتی ہے ' ویسے کیا بہت دولت مند ہے؟

"ہاں۔ بہت بڑے عہدے پر ہے۔"

"کہاں پہ۔"

"کبھی پوچھا نہیں میں نے۔"

"یا اس نے بتایا نہیں۔" نازیہ کو الہام ہونے لگا تھا۔

"تمہیں تو یہ بھی پتا نہیں ہو گا کہ وہ کہاں رہتا ہے۔"

اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"پتا تو پوچھ لو تاکہ اس کا گریبان تو پکڑ سکو۔ کہاں جاؤ گی پھر؟"

"کیوں کر رہی ہو ایسی باتیں؟" سارہ تلخ ہوئی تھی۔

"اپنا ہی گریباں چاک کرنا پڑے گا' اپنا ہی دامن پکڑ کے رونا پڑتا ہے مائی ڈیئر!

کون سنتا ہے یہاں آج کہانی اپنی' وہی قصہ ہے وہی بات پرانی اپنی۔

"میں اب اسے نہیں چھوڑ سکتی۔"

"تم اس کے بغیر نہیں رہ سکتیں۔"

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نگر وہ رہ سکتا ہے۔ نازیہ نے ایک بار پھر ایک پتے پر غصہ اتارا تھا۔ جی بھر کے اسے نوچا تھا۔

"بہت قریب جاچکی ہو اس کے؟"

"ہاں۔ مجھے پتا ہے وہ کون سا پرفیوم لگاتا ہے' اس کے کالر کا سائز کیا ہے' وہ کون سی شیونگ کریم استعمال کرتا ہے؟"

"سب پتا ہے' کیا اس کے دل میں اور اس کے گھر میں اپنی گنجائش کا بھی پتا ہے؟"

سارہ ایک دم اٹھ کے چل دی تھی اس نے مڑ کے نہیں دیکھا تھا۔

نازیہ نے دور تک اس کی کھوج لگائی تھی گمنامی کی ان گلیوں تک جہاں لاحاصل کی تمنا کرلاتی پھر رہی تھی۔

☆☆☆

"آپ مجھ سے شادی کب کریں گے؟" نازیہ کی باتوں کا اثر تھا یا کھودینے کا ڈر۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے اپنے سارے خدشات مٹا دینا چاہتی تھی مگر یہ ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔

"چلو ابھی کرلیتے ہیں ہم مجھے قبول کرلو میں تمہیں بس تین بار کہہ لو۔"

وہ اپنے سیل پہ مسلسل ٹیکسٹ کررہا تھا۔

"مذاق نہیں علی! میں سیریس ہوں۔"

"یار تمہیں پتا ہے نا مائرہ کتنی پوزیسو ہے قتل کردے گی مجھے۔"

"اور میں خود کو مارلوں گی۔؟"

"تم..... تم تو ایک چڑیا نہیں مار سکتیں۔ چھوڑو نا بور مت کرو کیا کھاؤ گی؟"

"کچھ نہیں کھانا مجھے۔ مجھے چوبیس گھنٹوں کا ساتھ چاہیے۔"

"وہ تو مائرہ کو بھی نہیں ملا۔"

"مگر اس کے نام کے ساتھ آپ کا نام جڑا ہے۔"

"تمہیں میرا ساتھ تو ملتا ہے نا۔ وہ میرے ساتھ ہو کر بھی میرے ساتھ نہیں اور تم میرے ساتھ نہ ہو کر بھی میرے ساتھ ہو۔"

باتوں کا سنہری جال بچھ چکا تھا۔

"نہیں مائرہ سے خود ملوں گی اس سے کہوں گی کہ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"اوکے۔ تم ملو مائرہ سے پھر۔ مجھے جانا ہے کہیں۔"

وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا تھا اپنے گاگلز سیل اور گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی اس کے پیچھے لپکی تھی' ہوٹل کے در و دیوار اور نقوش کے لیے وہ منظر نیا نہیں تھا مگر ہر بار لڑکی ضرور نئی ہوتی تھی.....

پارکنگ ایریا میں اس نے اسے جالیا تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھنا بھول گیا تھا۔ اس کی شرٹ کا بازو اس کے آنسوؤں کی بارش میں بھیگ گیا تھا۔

"میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔" وہ مسلسل ایک ہی بات کی گردان کیے جارہی تھی۔ اور اس کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"اوکے سب دیکھ رہے ہیں۔ گاڑی میں بیٹھو۔"

"آپ مجھ سے شادی کرلیں نا پلیز۔"

"تم جانتی ہو میں آل ریڈی میرڈ ہوں۔"

"تو کیوں آئے تھے آپ میری زندگی میں۔" وہ چلا اٹھی تھی۔

"اچھی لگی تھیں تم۔ جیسے کوئی بھی چیز اچھی لگتی ہے۔"

"محبت پارٹ ٹائم جاب تو نہیں ہوتی جو ایسا سمجھتا ہے وہ محبت کی تذلیل نہیں کرتا بلکہ اپنی تذلیل کرتا ہے۔"

وہ سوکھی نظروں سے اسے ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔

"بے ریا محبت کے لیے بڑا ظرف چاہیے۔"

"برگر کھاؤ گی؟"

اس نے دھیرے سے نفی میں سرہلایا تھا۔ "بھوک نہیں ہے۔"

"تم پریشان نہیں ہو' کچھ کرتا ہوں۔" وہ اس سے نظریں چرائے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اور وہ چڑیا جیسا دل رکھنے والی لڑکی بہل گئی تھی۔ یہ پرکھے بغیر کہ اس کے

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

وعدے کا رنگ کتنا کچا ہے۔ جو اس کے اپنے آنسوؤں سے ہی ڈھل جائے گا۔

☆ ☆ ☆

وہ پہلی گیند پہ کیچ دے کر پویلین میں لوٹ گئی تھی۔ وہ کبھی ڈک پہ آؤٹ نہیں ہوئی تھی۔ نازیہ کیا پوری ٹیم حیران و پریشان تھی جب اس نے ایک اوور میں سینس رنز دیے تھے۔ اور مزید اوور کرنے سے معذرت کرلی تھی۔ وہ ڈریسنگ روم میں چلی گئی تھی۔ وہ اپنی ٹیم کا رائٹ ہینڈ تھی۔ مخالف ٹیم کا پلڑا بھاری تھا اب۔ نازیہ بے دلی سے کھڑی فیلڈنگ کررہی تھی، جب گیارہویں کھلاڑی گل رخ نے باؤنڈری وال کے پاس آکے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"ایک عورت ڈریسنگ روم میں سارہ کے ساتھ لڑرہی ہے۔"

وہ اپنی جگہ گل رخ کو کھڑا کرکے ڈریسنگ روم میں آئی تھی جہاں وہ مکئی کے سٹے جیسے بالوں والی عورت سارہ کو بری طرح زدوکوب کررہی تھی اور سارہ پتھر کا بت بنی کھڑی تھی کوئی مزاحمت بھی نہیں کررہی تھی۔

"آپ کون ہیں اور آپ کی ہمت کیسے ہوئی اسے ہاتھ لگانے کی، میں ابھی گارڈ کو بلواتی ہوں۔ شرم نہیں آتی آپ کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے۔"

نازیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا قیمہ بنادے۔

"اسے شرم نہیں آئی کسی کے شوہر پہ ڈورے ڈالتے ہوئے۔ اور تم سمجھ کیا رہی ہو اسے تو عادت ہے تم جیسی لڑکیوں کو ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرنے کی۔ کبھی اس کا سیل دیکھو، تم جیسی آوارہ لڑکیوں کی بھرمار ہے۔ اچھی گاڑی دیکھ لی اور جیب میں پیسے دیکھ لیے۔ لٹو ہوگئیں اور اوقات کیا ہے تم لوگوں کی۔"

اس کے منہ سے کف اڑرہا تھا۔

"تو آپ ان سینکڑوں لڑکیوں کو بھی جاکے ماریں نا مجھ پہ ان باتوں کا اثر نہیں ہوتا۔ آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں سمجھ جاؤں گی اس طرح؟"

"ان کے ہونے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر تمہارے ہونے سے پڑتا ہے کیوں کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے، اس نے خود کہا ہے مجھ سے۔ میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔"

"تمہاری بھول ہے یہ۔"

"میں تمہیں اس قابل ہی نہیں چھوڑوں گی مائنڈ اٹ۔ میں علی کے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"میں بھی اسے نہیں چھوڑوں گی یہ بھول ہے آپ کی۔"

"تمہیں تو میں۔" وہ سارہ کی طرف لپکی تھی مگر نازیہ کا کیم شحیم وجود درمیان میں حائل ہوگیا تھا۔

"آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں میں اب ان کے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی میں مرجاؤں گی اس کے بغیر۔"

"تو مرجاؤ۔ جان چھوڑو ہماری۔ لاسٹ وارننگ دے رہی ہوں تمہیں۔ باز آجاؤ ورنہ وہ حشر کروں گی کہ محبت کا سارا بھوت اتر جائے گا۔"

"ارے جاؤ بہت دیکھی ہیں تم جیسی۔" نازیہ نے اسے ڈریسنگ روم سے باہر دھکا دیا تھا۔

"اپنے شوہر کو تو روک نہیں سکتیں جس کے منہ کو حرام لگ چکا ہے دوسری لڑکیوں کی زندگی تباہ کررہا ہے۔"

لاسٹ وارننگ دے رہی ہوں تمہیں۔

"گارڈ!" نازیہ نے گلا پھاڑ کے گارڈ کو آواز دی تھی۔ مگر اس کی باقی آواز گلے میں رہ گئی تھی۔ جب اس نے سارہ کو علی سے بات کرتے ہوئے دیکھا تھا جیسے کسی بچے کو گہری چوٹ آئی ہو۔ اور وہ اپنی ماں کی گود میں چھپنا چاہتا ہوں۔ اس کو ان سارے تھپڑوں کی چوٹ اب لگی تھی جب وہ علی حسن سے بات کررہی تھی۔ نازیہ اسے ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔ اور اپنے گردوپیش سے یوں بے خبر تھی جیسے وہ نازیہ کو بھی نہیں جانتی تھی۔

وہ اس کیفیت میں تھی جب انسان سراپا اپنے محبوب پہ قربان ہوجاتا ہے۔ اس کا وجود درد سے بھری بانسری بن چکا تھا جس کے سارے سر محبوب کے نام

کے ہوتے ہیں۔

✡ ✡ ✡

وہ اس کے لیے ڈھیروں گفٹس لے کے آیا تھا۔

"تمہارے ہر آنسو کا نذرانہ بلکہ ہرجانہ ہیں یہ۔"

"مجھے یہ سب کچھ نہیں آپ چاہئیں اب میں ان سے بہلنے والی نہیں ہوں۔ پہلے میرے دل میں آپ کے وجود سے دیے جلا کرتے تھے اب میں خود ایک دیا ہوں جس میں آپ کے ہونے سے روشنی ہوتی ہے۔ آپ نہ ہوں تو بجھ جاتا ہے۔" وہ اس کی بات بڑے دھیان سے سن رہا تھا کہ اس کے سیل کی گھنٹی بجی تھی اس نے فون بند کر دیا تھا۔

"کس کا فون تھا؟"

"مائرہ کا۔"

"سن لیتے آپ۔"

"بات کرلیتا ہوں۔ تم کھانا کھاؤ۔"

"وہ کہہ رہی تھیں آپ کی زندگی میں اور لڑکیاں بھی ہیں۔ آپ نے اپنے دل کو کیا سرائے عام کر رکھا ہے اتنا سستا دام ہے کیا؟"

"جو اچھا لگے اسے خرید لیتا ہوں۔ خود نہیں بکتا۔"

"اگر کسی نے آپ کو خرید لیا تو؟"

"گاہک کی نوعیت پہ ہے۔ گاہک پھولوں جیسا ہو بن دام کے بک جاؤں گا۔"

"میں خریدنا چاہوں تو کیا دام لگائیں گے۔"

"تم نہیں خرید سکتیں مجھے۔"

"کیوں جان دے کر بھی نہیں......"

"نہیں۔" وہ قہقہہ لگا کے ہنسا تھا۔ اور وہ رو دی تھی۔

"مگر آپ کو خریدنا ہے۔ مجھے چوبیس گھنٹوں کا ساتھ چاہیے۔"

"جتنا ساتھ مل رہا ہے اس پہ اکتفا کرلو۔"

"دل نہیں مانتا۔"

"دل کی اتنی مانتی ہو۔"

"مانتی ہوں تو آج یہاں آپ کے ساتھ ہوں۔"

ورنہ کون اتنے جھوٹ بولتا ہے اپنی ماں سے اور وہ ماں جس کی زندگی کا سب سے بڑا سچ اس کی بیٹی ہو۔

میرے سارے سچ میرے وجود کی گواہی آپ کے پاس رہن رکھی گئی ہے مگر میرے پاس اتنے دام نہیں کہ آپ کو خرید سکوں مزید یہ کہ آپ کو میری بے مائیگی کا احساس بھی نہیں۔

اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں جو علی حسن کو کسی بھنور سے کم نہیں لگ رہے تھے۔ وہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے والا کسی گہرے کنویں میں ڈوب چلا تھا۔

"چلو تمہیں رنگ لے کے دیتا ہوں۔"

"رنگ کا مطلب سمجھتے ہیں نا۔"

"سمجھتا ہوں بچہ نہیں ہوں۔"

"چلیں پتا ہے تو پھر لے دیں ڈائمنڈ کی لے کے دیں گے؟" وہ اسے آزما رہی تھی۔

"چلو ڈائمنڈ کی سہی۔"

وہ اسے سنار کے پاس لے کے گیا تھا اور اس کی پسند سے اسے ڈائمنڈ کی رنگ اور بریسلیٹ لے کے دیا تھا۔ اور وہ خود کو کسی پرستان کی شہزادی سمجھنے لگی تھی اس لمحے۔

"ایک اور فرمائش ہے؟"

"کیا؟"

"شادی کرلیں مجھ سے۔"

"او کے سوچتے ہیں اس پہ۔"

"رئیلی!" وہ بے طرح خوش ہوئی تھی۔

"مگر ایک شرط ہے میری ابھی اناؤنس نہیں کروں گا میں۔"

"ٹھیک ہے۔"

محبت کی سر تال پہ ناچنے والی اس مورنی کو کیا خبر تھی کہ پیار کے اس کھیل میں شرط نہیں ہوتی یہ جان دے کر جان وارنے کی بنیاد پر ہوتا ہے جو اسے اپنی شرطوں پہ کھیلتا ہے وہ جیت کی خواہش نہیں رکھتا۔ اسے پہلے سے اپنی مات کا پتا ہوتا ہے۔

جیسے علی حسن کے علم میں تھا کہ اگر وہ شادی کرے

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

گا تو صرف اس لیے کہ اسے جسم و جاں کے تمام رشتوں سمیت اپنالے گا اور یہ شادی تب تک ہی چلے گی جب تک مائرہ کے علم میں نہیں ہو گا۔ کوئی فائدہ ہی سہی۔ کیونکہ اسے اتنے عرصے میں اندازہ ہو چکا تھا کہ سارہ ان لڑکیوں میں سے تھی جو پیار میں اندھی ہو کر بھی حرام کے راستے پہ نہیں چلتیں۔ ان کے لیے حلال کا ٹڑ کا ضروری ہوتا ہے اور یہ بات علی حسن جیسا گھاک مرد بخوبی سمجھ رہا تھا۔

"یہ ریڈ ڈریس پہن کے آؤ۔"

"یہاں!" وہ حیران ہوئی تھی۔

"ہاں" اب کہ اس کا لہجہ کچھ تحکمانہ تھا۔

"اچھا!" وہ طوعاً و کرہاً اٹھی تھی۔

"میں لابی میں ہوں۔"

"اوکے۔"

کچھ دیر کے بعد وہ آئی تھی تو وہ آنکھیں جھپکنا بھول گیا تھا وہ بہت معصوم سی پری لگ رہی تھی۔

"یہ بلیک شوز بالکل اچھے نہیں لگ رہے۔ چلو ریڈ شوز لے کے دیتا ہوں۔"

"پھر لے لوں گی علی! اٹس اوکے۔" وہ اس کی وارفتگی سے الجھ گئی تھی۔

"نہیں 'یہ بالکل اچھے نہیں لگ رہے۔"

وہ اس کے پیچھے معمول کی طرح چل پڑی تھی۔ کتنی دکانیں گھوم کے اسے سرخ شوز پسند آئے تھے۔

"چلو اب کورٹ چلتے ہیں۔" وہ ہکا بکا اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔ مگر ایک لفظ نہیں بولی تھی۔

کورٹ میں دستخط کرتے ہوئے اس کے ہاتھ لمحہ بھر کو کانپے تھے۔ ماں باپ کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آیا تھا۔

"چلو آج سے تم علی حسن کی ہوئیں۔"

"اور علی حسن کس کا ہوا؟" اس نے برجستہ سے پوچھا تھا۔

"یہ راز ہے۔" وہ قہقہہ لگا کے ہنسا تھا۔ "یہ دل یہ پاگل دل میرا کیوں بجھ گیا آوارگی۔"

"گھر چھوڑ دیں گے مجھے۔" وہ اس کے گنگنانے سے گھبرا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

"پاگل ہو تم۔" وہ ہنسا تھا۔ اتنا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

اور اس نے دیکھا تھا کہ ان آنکھوں میں بننے والی ایک بھی شبیہ اس کی نہیں تھی۔ جب کہ اس کے دل پہ وہ قابض تھا۔

روح و جسم کے تعلق نے اسے خود سے بے نیاز کر دیا تھا۔ وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ جہاں اس کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ اس کی فتح کا نشہ اترنے لگا تھا۔ اب وہ اس کے لیے ایک مفتوح علاقہ تھی۔ اور وہ اسے ہر زاویے سے فتح کر رہا تھا۔ اسے جسے ہارنے کی تمنا بھی نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ نازیہ کو ایک ایک چیز دکھا رہی تھی۔

"ریڈ شوز۔ کیرن یاد ہے اس نے بھی ریڈ شوز پہنے تھے پھر اترے نہیں تھے اس کے پاؤں سے۔ پاؤں سمیت اترے تھے وہ ہینز کرسچن اینڈرسن کی شارٹ اسٹوری والی کیرن۔۔۔"

"یاد ہے مجھے۔" سارہ مسکرائی تھی "کیوں ڈرا رہی ہو مجھے۔ ابھی تو میں نے اڑنا سیکھا ہے مسز علی حسن بن کر۔"

"شادی کر لی تم نے اس سے؟" نازیہ چیخ اٹھی تھی۔

"اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں سب خسارہ ہے اس کے بغیر تو۔۔۔ کرنی پڑی۔ اب اسے اپنا بنانا ہے۔ اپنا تو لیا ہے اس نے مجھے مگر ابھی وہ میرا نہیں۔" وہ بے حد مگن ہو کے بتا رہی تھی کہ ایک دم چونکی تھی۔

"کون ہے وہ؟" ثمینہ دروازے میں بت کی طرح ایستادہ تھیں پتھرائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ "کتنا بھروسا کرتے تھے ہم تم پہ۔۔۔" وہ لرزنے لگی تھیں۔

"آنٹی بیٹھیں پلیز۔" نازیہ نے انہیں بٹھایا۔

"امی! شادی کر لی ہے میں نے علی حسن سے' وہ

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بہت بڑے آفیسر ہیں۔ ایک سیکیورٹی کے ادارے میں۔" وہ مجرمانہ انداز میں بتارہی تھی۔ رک رک کے ماں کا دل پھٹ گیا تھا۔ "تم نے ہمارے بارے میں ایک بار بھی نہ سوچا۔ میرا تم پہ کوئی حق بھی نہیں کہ وہ شخص ہم سے بھی زیادہ عزیز ہو گیا تمہیں۔"

"میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتیں امی۔ آپ پلیز ابو کو بھی بتادیں۔"

"تم ایسے کیسے خود مختار ہو گئیں۔ اپنے فیصلے خود کرنے لگیں تم۔ اور اتنا بڑا فیصلہ' ہم لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ ایسی منہ زور اولاد سے بہتر تھا کہ ہم بے اولاد رہتے۔" وہ دوپٹے میں منہ چھپا کر رونے لگی تھیں۔

"کیسے کیا تم نے' یہ سب اور کیسے خوش رہ سکتی ہو تم یہ سب کر کے۔" وہ کمزور سی عورت اپنا دکھ رو کے بیان کر رہی تھی۔ اور کر بھی کیا سکتی تھی وہ سوائے رونے کے اور وہ بے طرح رو رہی تھی۔

"اُفوہ امی! شادی ہی تو کی ہے میں نے۔ مر نہیں گئی ہوں میں اور اب بالغ ہوں میں۔ اپنی مرضی کر سکتی ہوں بلکہ میں نے آپ کی مشکل آسان کر دی ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو سارہ؟" نازیہ نے اسے روکا تھا۔

خود ان کی چھوٹی سی عمر میں شادی ہو گئی یہ اور بات کہ میں بہت لیٹ پیدا ہوئی گویا ہم ان کے بڑھاپے کی اولاد ہیں' وہ کھلکھلا کے ہنسی تھی۔ "اب کہاں ان میں اتنا دم خم کہ یہ میرے لیے رشتے ڈھونڈتی پھرتیں میں نے تو ان کا کام آسان کر دیا۔ انہیں تو میرا احسان ماننا چاہیے۔ آپ روئیں مت یہ ڈائمنڈ کی رنگ دیکھیں اور یہ گولڈ کا بریسلٹ بھی کتنا خوب صورت ہے نا۔"

وہ چہک رہی تھی۔

"اب میں نے ان سے گھر اور گاڑی کی فرمائش کرنی ہے۔ پھر تم میرے ٹھاٹ دیکھنا نازیہ! بیگم صاحبہ بن جاؤں گی میں مائرہ بیگم کو آؤٹ کر دوں گی۔"

"پھر انڈوں کی ٹوکری گر جائے گی جو سر پہ رکھی ہے تم نے شیخ چلی نہ ہو تو۔" نازیہ نے اس کی کلاس لی تھی۔

"تم نے بالکل بھی اپنے بوڑھے ماں باپ کے بارے میں نہیں سوچا لمحہ بھر کو بھی۔ میری ساری عمر کی ریاضت بیکار کر دی اس لڑکی نے لوگ کیا کہیں گے تھو تھو کریں گے ہم پہ۔" ثمینہ پھر رونے لگی تھیں۔

"جو خوشیاں ماں باپ کو دکھ دے کے حاصل کی جائیں ان سے حاصل ہونے والی خوشیاں دائمی نہیں ہوتیں۔" وہ اسے کوسنے دے رہی تھیں بے بس ہو کے۔

"بس کریں امی دعا! نہیں دے سکتیں آپ تو کم از کم بد دعا بھی مت دیں۔ آپ دیکھیے گا میں کتنا خوش رہوں گی۔" وہ اٹھلا کے کہہ رہی تھی۔

"تو مور لیکچر!" اس نے نازیہ کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا تھا۔

"اوکے اریوش۔ چلو یار' اللہ تمہیں خوش رکھے چلتی ہوں میں اب مجھے کچھ کام بھی ہے۔"

اس کے جانے کے بعد اس نے علی حسن کا نمبر ملایا تھا۔

"علی! آپ فری ہیں میں نے امی سے آپ کی بات کروانی ہے آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"کیوں ملنا چاہتی ہیں؟" اسے لہجہ عجیب لگا تھا یا سوال دکھ دینے والا تھا وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

"علی! امی آپ سے کیوں ملیں گی۔ آپ کو نہیں پتا۔"

"سنو کچھ دن تک تم مجھے کال مت کرنا اس۔۔۔ جیولر نے مائرہ کو کال کر کے سب بتادیا ہے۔"

انتہائی نازیبا گالی اس کے منہ سے نکلی تھی۔ وہ لمحہ بھر کو ششدر رہ گئی تھی۔

"مگر میں۔" وہ اس کی پوری بات سنے بغیر فون بند کر گیا تھا' وہ حیران و پریشان فون کو دیکھ رہی تھی پھر اس کی نظریں کی ڈبڈبائی ہوئی نظروں سے ٹکرائی تھی۔ اور پورے کمرے اور اس کے دل میں سناٹے کے ڈیرے تھے۔

مگر وہ سناٹا زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکا تھا۔ دروازے پہ ہونے والی دستک بہت تیز تھی جیسے کوئی دروازہ توڑ ہی دے گا۔ یہ کون آگیا وہ ماں کے اٹھنے سے پہلے دروازے کی طرف لپکی تھی۔ دروازے پہ مائرہ کو کھڑے دیکھ کے وہ ساکت ہوگئی تھی۔

"میں نے تمہیں لاسٹ وارننگ دی تھی مگر تم باز نہیں آئیں ایکچوئلی بہت ڈھیٹ ہو تم۔"

اس کے ایک دھکے نے اس کے چودہ طبق روشن کردیے تھے وہ تخیم عورت تھی اور وہ دھان پان سی لڑکی۔ دیوار کے ساتھ سر لگتے ایک گومڑ سا ابھر آیا تھا۔ وہ اندر کی طرف بھاگی تھی مگر مائرہ نے اسے دروازہ بند نہیں کرنے دیا تھا۔ ثمینہ ہکا بکا یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔

"تو تم ہو اس بدچلن کی ماں!" مائرہ کی نظر ثمینہ پر پڑ چکی تھی مغلظات کا ایک طوفان تھا جو ابل رہا تھا اس کے منہ سے۔ "ایک بیٹی نہیں سنبھالی جاتی تم سے 'شرم سے ڈوب مرو۔ یا اس کا دھندا ہی یہ ہے شریف مردوں کے پیچھے پڑ جانا اور انہیں کھانا۔ اچھا تو یہ سب لے کے دیا اس نے تمہیں۔"

وہ کپڑوں پہ جھپٹی تھی ساتھ رکھی ڈائمنڈ رنگ اور برسلیٹ کی ڈبیہ اس سے کہاں چھپی رہ سکتی تھی۔

"میرے شوہر کو کھا رہی ہو۔ تمہیں تو میں چھوڑوں گی نہیں آوارہ حرافہ۔۔۔!" باقی لفظ سارہ کی سماعتوں نے قبول نہیں کیے تھے۔

"شادی کی ہے میں نے ان سے 'بیوی ہوں میں ان کی حق ہے میرا ان سب پہ 'ان پہ بھی۔" وہ مائرہ کے آگے ہاتھ جوڑ رہی تھی "وہ مجھے غلط مت سمجھیں۔"

"شادی۔۔۔" مائرہ کو سکتہ ہوگیا تھا جیسے۔

"جھوٹ بولتی ہو تم۔" اس نے ایک زوردار تھپڑ سارہ کے منہ پہ رسید کیا تھا۔

"آپ یہ سب کچھ لے لیں مگر مجھے علی کو دے دیں۔" اس وقت ایک بھکارن لگی تھی وہ۔ ضعیف العمر عورت جو ایک ماں بھی تھی کچھ نہیں کر سکی تھی تو بھاگ کے نازیہ کو بلا لائی تھی۔ وہ اس ہرنی کی طرح کرلا رہی تھی جس سے اس کا بچہ چھن گیا ہو مگر اب کی بار کوئی سبکتگین نہیں تھا جس کو اسے دیکھ کے رحم آتا۔ یہاں ایک بے اختیار عورت جو اپنے جگر کے ٹکڑے کو لگنے والے ہر زخم پہ بلبلا رہی تھی مگر بے بس تھی اور دوسری طرف طاقت کے زعم میں مبتلا ایک بااختیار عورت تھی۔

نازیہ نے اسے آگے پیچھے دھکیلا تھا۔

"میں ابھی مقدمہ درج کرواتی ہوں تم پہ 'زبردستی دخل اندازی اور غنڈہ گردی کا۔ شرم کرو ذرا مار کے تم نے اس کا بھرکس نکال دیا ہے ابھی یہیں رکو ذرا۔"

اس نے مسز درشہوار کا نمبر ملایا تھا۔

"میم! ذرا سر بارک اللہ کو کال کیجئے۔ یہ ایک عورت ہے مائرہ علی حسن 'اس کے خلاف غنڈہ گردی کی ایف آئی آر درج کروانا ہے۔"

"مگر وہ پوری بات سنے بغیر سارہ کو دھمکیاں دیتی ہوئی باہر نکل چکی تھی۔

نازیہ نے سیل ایک طرف رکھ دیا تھا۔ وہ محض اسے دھمکانے کے لیے جھوٹ موٹ کال کر رہی تھی۔

"اب اس نے تمہارا گھر بھی دیکھ لیا ہے اور جو حشر اس نے تمہارا کیا ہے' وہ تم دیکھ ہی رہی ہو۔ خدا کے لیے باز آجاؤ۔" وہ تھکے تھکے انداز میں اس کا منہ صاف کرتے ہوئے بول رہی تھی۔

"اور نہیں تو اپنے بوڑھے ماں باپ پہ رحم کرلو خود پہ نہیں آتا تو۔"

"اس سے اچھا تھا یہ پیدا ہی نہ ہوتی کتنا مانگ مانگ کے میں نے اسے اپنے رب سے لیا تھا۔ مگر شاید مانگی ہوئی چیز زیادہ تنگ کرتی ہے۔" ثمینہ خود سے باتیں کرتے ہوئے کھانا بنا رہی تھیں۔

منصور ملک اور بچوں کے آنے کا وقت ہو رہا تھا۔ وہ ٹیوشن سے آنے والے تھے۔ اس لیے وہ جلدی جلدی ہاتھ چلا رہی تھیں۔ مگر دل رک گیا تھا۔ وہ تھپڑ جو اس نے زبان اور ہاتھوں سے لگائے تھے ابھی تک لگ رہے تھے اور ہر بار نئے زخم دے رہے تھے۔ شرافت اور بھرم کے سوا کیا تھا ان کے پاس۔ وہ بھی ختم ہوا اس

سے اچھا تھا کہ تم پیدا ہوتے ہی مر جاتیں۔ کئی آنسو ان کی قمیص کے دامن نے سمیٹ لیے تھی۔ اور کئی زیادہ اذیت کے ساتھ آنکھوں میں رہ گئے تھے۔

"میں اس کے بغیر زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

"پہلے کیسے رہتی تھیں تم اس کے بغیر اور کیا وہ تمہیں اپنے ماں باپ سے زیادہ عزیز ہو گیا۔" نازیہ کو غصہ آنے لگا تھا اس پہ۔

"اس کے دل کی ریاست میں میں شہزادیوں کی طرح رہتی ہوں اور یہاں میں گھٹ گھٹ کے جیتی ہوں۔ مجھے اس کے ساتھ شہزادیوں کی طرح رہنا ہے۔"

"بڑی قیمت دینا پڑتی ہے اس کے لیے۔" نازیہ اسے سمجھا رہی تھی جس نے اپنے دل و دماغ کے سارے کواڑ بند کر لیے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ خاموشی سے اسی مخصوص میز پر بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وقت گزر رہا تھا۔ دوپہر سے سہ پہر۔ چونکہ وہ علی حسن کی مہمان تھی اس لیے کسی نے اسے اٹھنے کو نہیں کہا تھا۔

"میڈم! آپ کب تک ان کا انتظار کریں گی۔ وہ نہیں آئیں گے۔" وہ ایک عمر رسیدہ ساویٹر تھا جو بظاہر میز صاف کرتے ہوئے اس سے مخاطب تھا۔ "آپ پہلی لڑکی تھوڑی ہیں، کل بھی ان کے ساتھ ایک نئی لڑکی تھی۔ وہ تھوڑا سا وقت گزارتے ہیں، پھر کوئی اور لڑکی آجاتی ہے ان کے ساتھ، ہم تو عادی ہو چکے ہیں۔ آپ میری بیٹیوں کی طرح ہیں۔ وقت مت ضائع کریں ان کے پیچھے۔"

"انہوں نے شادی کی ہے مجھ سے۔" وہ بے یقینی اور یقین کے درمیان لٹک رہی تھی۔

"ایسی شادیوں کا کون گواہ ہوتا ہے جو ماں باپ کے بغیر ہوتی ہیں۔ نہ کوئی دل سے نکلی دعا اور نہ سر پر ردا۔" وہ اسے سمجھا کے آگے بڑھ گیا تھا۔ مگر وہ سمجھی

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل
SOHNI HAIR OIL
گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
نئے بال اگاتا ہے۔
بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔
قیمت-/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف-/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے	-/350 روپے
3 بوتلوں کے لئے	-/500 روپے
6 بوتلوں کے لئے	-/1000 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:
بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں
بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کہاں تھی متواتر اس کا نمبر ملا رہی تھی۔ مگر اس نے اس کی کوئی کال ریسیو نہیں کی تھی۔ وہ کتنی نگاہوں کا سامنا کر کے شام ڈھلے گھر لوٹی تھی۔ اس نے اپنی زندگی کی ڈور اسے تھمادی تھی جس کے گھر کا ایڈریس بھی اسے پتا نہیں تھا۔ اس معصوم ہرنی سی لڑکی نے کتنی بڑی حماقت کی تھی۔ اس کے ماں باپ کے چہرے کی جھریوں میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ دھان پان سے منصور ملک ریٹائر ہونے سے پہلے زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خواہش کرنے لگے تھے۔ جانے بیوی نے کیا بتایا تھا اور کیا چھپایا تھا۔ ان کے کندھے تو پہلے ہی جھکے تھے۔ اب وہ خود ڈھے گئے تھے۔

"بیٹی غریب کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ مگر بھرم ہوتا ہے۔ تم اسے قائم رہنے دو۔ میرا فخر تمہیں تم ایک مرد کی طرح گھر سے نکلی تھیں تم۔ تم نے میرا سارا غرور خاک میں ملادیا۔ مٹی بن گیا ہوں میں۔ کاش میں مرجاتا مگر یہ دن نہ دیکھتا۔"

"میں نے کوئی غلطی نہیں کی ابو۔"

"نہیں غلطی ہماری ہے، جو تمہیں پال پوس کے بڑا کیا۔ سزا ملنی چاہیے ہمیں۔" بوڑھا باپ اپنی بے بسی پہ رو رہا تھا۔

"آپ کو کیا سزا ملے گی ابو، میں خود ہی اپنی سزا تجویز کروں گی۔" وہ تھکے تھکے قدموں سے اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ جہاں رات اپنی پوری بے اعتنائی کے ساتھ اس کی منتظر تھی۔

اس کا فون ملاتے ملاتے اس کی انگلیاں گھس گئی تھیں۔ ہر روز ایک نئی لڑکی..... محبت نے بڑی زور سے اس کے منہ پہ طمانچہ مارا تھا اس کا دل فگار تھا اور اس کا چہرہ لہولہان تھا۔

رات کے نہ جانے کون سے پہر اس کی سنی گئی تھی۔ اس نے اس کی کال ریسیو کر لی تھی۔

"مجھے کس چیز کی سزا دے رہے ہیں؟" وہ اقبال جرم تو پہلے ہی کر چکی تھی اب کٹہرے میں کھڑی تھی۔

"سزا اس لیے دے رہا ہوں کہ تم نے میرا راز چھپا کے نہیں رکھا۔ میری دی ہوئی چیزیں بھی واپس کردیں تو تم میرے نام کی لاج کہاں رکھو گی، بڑا شوق تھا نا تمہیں میرا نام ساتھ لگانے کا۔ مگر نہیں۔ فیملی بیک گراؤنڈ بہت کاؤنٹ کرتا ہے۔ تم میرے قابل ہی نہیں تھیں۔ غلطی ہو گئی مجھ سے۔ مگر میں اپنی غلطیوں کو سدھارنا جانتا ہوں۔ طلاق کے پیپرز مل جائیں گے تمہیں۔ اب مجھے کال مت کرنا۔ جان کا عذاب بن گئی ہو تم میرے لیے۔ میری میرڈ لائف خطرے میں پڑ گئی ہے تمہاری وجہ سے۔"

"میں آپ سے ایک بار ملنا چاہتی ہوں۔" اس نے بڑے اطمینان سے اپنی آخری خواہش بیان کی تھی۔ جیسے کوئی مصلوب ہونے سے پہلے مر چکا ہو۔

"او کے کل آجانا ہوٹل میں۔"

"آپ آتے نہیں وہاں۔"

"آؤں گا۔" وہ فون بند کر گیا تھا۔

اور وہ پریشان رات میں تارے گننے لگی تھی۔ رات اتنی لمبی کبھی نہیں لگی تھی اسے سالوں پہ محیط ہو گئی تھی۔

"میں ان سے کہوں گی مجھے طلاق مت دیں۔ میں انہیں کبھی تنگ نہیں کروں گی۔ میں ان کی منت کرلوں گی کہ میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں بتادوں گی۔"

کتنے خیالوں کے ٹوٹے ہوئے تارے اس کے خالی دامن پہ گرتے رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ ایک بار پھر اسی مخصوص ٹیبل پر بیٹھی اس کی منتظر تھی۔ وقت اور لوگ مل کر ایک بار پھر اس کا تمسخر اڑا رہے تھے۔ کتنی بار وہ اٹھ کے باہر گئی تھی، ہر رکتی گاڑی پہ اسے علی حسن کی گاڑی کا گمان ہوتا تھا اور ہر آنے والے شخص پہ اس کا۔ آس و نراس کے وقفے اس پہ بہت بھاری گزر رہے تھے۔ اس نے پھر کال ملائی تھی۔ مگر نمبر بند تھا اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ دوسرا نمبر ملایا تھا۔ دونوں نمبر بند تھے۔ اس کا دل اور اس کی نبض جیسے تھم سے گئے تھے۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

آہستہ سے میز سے اٹھی تھی۔ ڈھیلے قدموں سے واش روم کی طرف بڑھی تھی۔ بہت سی نظروں نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا مگر آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے اپنی سزا خود تجویز کرلی تھی ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی' وہ یہ بھول گئی تھی کہ اپنے والدین کو اس نے کیسی سزا دی اور اب کیسی سزا دینے جارہی تھی۔ رسوائی اور دائمی دکھ۔

وہ مرگئی تھی کتنے چینلز پہ اس کی موت کی خبر چلی تھی۔ خودکشی کی سنسنی خیز خبر مگر اس کی موت اور اس کی اذیت کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکا تھا۔ موت تو ایک بہانا تھی وہ تو تب ہی مرگئی تھی جب وہ ایک بے قدرے شخص کے ہاتھ چڑھ گئی تھی۔

نازیہ مسز درشہوار کے آفس میں بیٹھی تھی۔ "وہ خودکشی نہیں کرسکتی اسے قتل کیا گیا ہے۔ مسز شہوار صدمے کی حالت میں تھیں۔

"اخلاقی طور پر یہ قتل ہی ہے پہلے محبت کرنا سکھانا اور پھر محبت کے نام پہ قتل کردینا۔ اس نے خودکشی کی ہے یا اسے قتل کیا گیا ہے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ قتل تو اسی دن ہوگئی تھی جب وہ اس نامراد پہ اعتبار کرنے لگی تھی۔" نازیہ نے سوچا تھا۔

اس کا سفید چادر سے ڈھکا جسم اور پاؤں میں سرخ جوتے اس کے ذہن میں منجمد ہوگئے تھے۔ سزا صرف اس کو کیوں ملے سزا کا حقدار تو وہ شخص بھی ہے جو مکڑا مکھی کے اس کھیل میں اسے شامل کرنے کا ذمے دار ہے۔ جس کی ہوس کے پیمانے نجانے کب بھریں گے۔ جو ہر لڑکی کو صرف مفت کا مال سمجھتا ہے۔ آئین کی کوئی تو شق ایسی ہوگی جس کے مطابق وہ قصوروار ہوگا۔ کوئی تو حد ایسی ہوگی جہاں بے انصافی کی حد ختم ہوگی۔ چلو مانا کہ قصور زیادہ سارہ کا تھا۔ مگر ساری سزا صرف اس کو ہی کیوں ملے۔ آخر کیوں؟

اس کیوں کا کوئی جواب اور کوئی جواز نہیں ہے۔ نازیہ نے قلم کی نوک کا رخ موڑ دیا تھا۔ اب مزید لکھنے کا چارہ نہیں تھا۔

جانے یہ افسانہ ہے یا حقیقت یا کوئی الف لیلوی داستان۔ ہر اس لڑکی کی جس کا دل کربلا کی تپتی زمین کی طرح ہوتا ہے جس پہ ہر بلا اترتی ہے۔ جس کی خواہشات کے سرخ جوتے اسے زندگی سے کہیں دور کسی پیاس کے صحرا میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں' وہ باعث عبرت بھی ہوتی ہے اور باعث ندامت بھی۔

مگر کوئی اسے محبت کے قابل کیوں نہیں سمجھتا۔ شاید آپ کے پاس اس سوال کا جواب ہو۔ اگر ہو تو ضرور بتایئے گا تاکہ کوئی اور لڑکی اپنی نادانی میں مکڑے اور مکھی کے اس کھیل کا حصہ نہ بن سکے۔

☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
درد موسم	راحت جبیں	1000/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چوہدری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	600/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
مین سے عورت	غزالہ عزیز	200/-
دل اسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
بکھر جائیں خواب	آسیہ رزاقی	200/-
زخم کو ضد تھی مسیحائی سے	فوزیہ یاسمین	250/-
لاروں کا چاند	بشریٰ سعید	200/-

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ - 37 - اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32216361

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نعیمہ ناز

کلک

آج تیسرا دن تھا جب بابر عرف بوبی کھرچ کھرچ کر یوں شیو بنا رہا تھا کہ مانو اپنے چہرے کی سانولی سلونی کینچلی اتار کر اندر سے کوئی نئی نویلی نوزائیدہ بچے جیسی گلابی گلابی کھال برآمد کرلے گا۔ بات صرف اتنی سی نہیں تھی کہ وہ شیو بنانے میں آدھا گھنٹہ اور ڈھیروں ڈھیر شیونگ کریم استعمال کر رہا تھا یا پھر شیو کی آڑ میں اپنا چہرہ ادھیڑنے کے درپے تھا۔ معاملہ اس سے بھی بڑھ کر تھا۔

کہاں وہ ہفتے کے ہفتے نہانے والا اور مشکل سے ہفتے میں دو بار کپڑے بدلنے والا' وہ بھی صرف شرٹ اگر بنیان بدبو بدبو کرکے دہائیاں نہ دیں تو جینز تو پورا مہینہ ہی چڑھا کے رکھے' کچھ بہنوں کی باتیں' کچھ اماں کی صلواتیں' ہفتے بھر میں بے چاری اتر ہی جاتی شاید دعا میں بھی دیتی تو کپڑے بدلنے اور نہانے دھونے کا ایسا چور اگر روزانہ غسل خانے میں ایک ایک گھنٹہ لگائے' استری جما جما کے یوں کرے کہ صدیوں پرانا جوڑا بھی نیا لگنے لگے تو.... تو؟ تو عقل کے اندھے کو بھی دال میں کچھ کالا نظر آنے لگتا ہے اور گانٹھ کا پورا بھی یہ سوچنے پہ مجبور ہوجاتا ہے کہ یہ دو دن میں کیا ماجرا ہوگیا کہ جنگل کا جنگل ہرا' بلکہ ہرا بھرا ہوگیا۔

پھر دوسری طرف دادی تھیں' جو نہ عقل کی اندھی تھیں' نہ گانٹھ کی پوری۔ ماشاء اللہ سارے حواس سلامت اور سارے ہوش قائم تھے' کیسے چوکنی نہ ہوتیں' برآمدے میں جھنگا سی چارپائی عرف کھٹولے پر لیٹے لیٹے یا بیٹھے بیٹھے ہر ایک کے معمولات زندگی کا جائزہ لینا ان کا محبوب مشغلہ تھا اور وہ "ہر ایک" بھی بھلا تھے کون' بیٹا' بہو' پوتیاں اور پوتے۔

پچپن سالہ بیٹے کے معمولات میں پچھلے پینتیس سالوں سے کوئی فرق نہیں آرہا تھا۔ وہی صبح اٹھنا' ہاتھ منہ دھو کر ناشتا کرنا اور فیکٹری کے لیے نکل جانا' چھٹی کے دن ڈٹ کر آرام کرنا' ٹی وی دیکھنا' نہانا دھونا اور ہر ماہ کی ابتدائی تاریخوں میں تنخواہ لاکر بیوی کے ہاتھ میں تھما دینا۔

بہو جنتی خاتون کی بھی اپنی ایک لگی بندھی زندگی تھی' ہر تیسرے سال ایک بچہ گود میں' اگلا پیٹ میں' یوں شادی کے پچیس سالوں میں آٹھ بچے پیدا کرکے سرخ رو ہوئیں۔ ان کے لیے گھر میں اتنے کام تھے' محاورتاً "نہیں حقیقتاً" کہ سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی تھی انہیں' تو بیٹے کو دیکھنے والی بلکہ تفصیلاً "دیکھنے والی آنکھ کہاں سے لاتیں۔

بڑی دو بیٹیاں جو گھر کے کاموں میں ان کی مددگار تھیں' شادی کے بعد سسرال والوں کی چاکری کر رہی تھیں' یہ بے چاری گھر کے کاموں میں گھن چکر بنی نوٹ ہی نہیں کرسکیں کہ گھر میں یہ نیا چکر کیا شروع ہوگیا ہے۔ سارا جائزہ اور نوٹس لیا تھا تو بس دادی نے۔

* * *

بابر عرف بوبی دن میں آرام سے سو کر اٹھتا تقریباً" بارہ بجے تک' پھر وہ ہاتھ منہ دھو کر ناشتا کرلیتا' ایک آدھ گھنٹہ ٹی وی کے سامنے ڈٹ جاتا' پھر تقریباً" تین بجے سے اس کی تیاریاں شروع ہوجاتیں۔ روزانہ استری شدہ پینٹ شرٹ (دو مرتبہ اتوار بازار جاکر کئی نئی شرٹیں اور پینٹیں لایا تھا) گھنٹہ بھر نہانا' گھنٹہ بھر سر کے بالوں میں جیل اور جانے کیا الابلا کریمیں لگا کر انہیں حمزہ علی

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

عباسی کے اسٹائل میں سیٹ کرنا، منہ پہ لگانے کے لیے مردانہ فیئر اینڈ لولی لایا تھا۔ وہ اپنی تیاری کرتا رہتا، اماں بھنیں اس کے "فالودے" کے سارے لوازمات تیار کر دیتیں۔ ٹھیلا سجاتا، اسپرے کی پھوار سے خود کو بھگوتا اور نکل پڑتا۔ اپنے ٹھیے پہ جاتا پھر رات میں ایک ڈیڑھ بجے تک آتا۔ سارا مال ختم کر کے اور نوٹ کما کے۔

- دادی پہلے تو حیران ہو کر اس کایا پلٹ کی ممکنہ وجوہات سوچتی رہیں اور پھر وجہ ان کی سمجھ میں آ ہی گئی۔ انہوں نے بیٹے سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔
- چھٹی والے دن جب بچے گھروں سے اور مرغیاں ڈربے سے نکل کر آزادی سے پھر رہے تھے، دادی نے اپنے بیٹے کو رازداری سے سارا معاملہ بتایا۔ انہوں نے ساری بات غور سے سنی، منہ میں دبے پان کی پچکاری کے لیے کھٹولے کے نیچے رکھا اگال دان کھسکایا، پان کی پچکاری اس میں مار کر شہادت کی انگلی اور انگوٹھے سے باچھیں صاف کر کے پرخیال انداز میں گویا ہوئے۔

"لونڈے کی حرکتیں، دو چار دن سے میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ یہ روز چھیل چھبیلا ہیرو سا بنا رہتا ہے۔ میں نے سوچا نئی نئی جوانی ہے، سجنے سنورنے کا شوق ہو ہی جاتا ہے، ہم بھی اس عمر میں گلے میں لال رومال ڈال کر پھرتے تھے۔"

- گزرے زمانے کی یاد میں ایک روشنی کا کوندا سا لپکا تو فیض احمد کا سانولا چہرہ چمک اٹھا۔
- "تمہارے دور کے لوگ سیدھے تھے فیض احمد! کیا لڑکے، کیا لڑکیاں، کیا مرد، کیا عورت۔ اب تو لڑکے لڑکیوں سے زیادہ ٹیڑھے ہیں اور لڑکیاں، لڑکوں سے چار ہاتھ آگے ہیں۔" دادی نے اپنے جھریوں بھرے چہرے اور چھاؤں میں ہوئے سفید بالوں کا سارا تجربہ اپنے فلسفے میں گھول کر بیان کر دیا۔

"ہم بھی تفتیش کر لیتے ہیں ایسی کیا بات ہے۔" فیض احمد نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"ادھر آ پپو" گھر میں پانی پینے کے لیے آئے پپو کو انہوں نے دھر لیا۔ "جا اپنے بھائی کو بلا کے لا، نکڑ پہ بیٹھا ہو گا یار دوستوں کے ساتھ۔"

"وہ تو نائی کی دکان پر ہیں۔" پپو نے جانے میں وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا، وہیں کھڑے کھڑے خبر پہنچا دی۔

"نائی کی دکان پہ کیا کر رہا ہے۔ سالا پچھلے اتوار تو بال کٹوا کر آیا تھا، اب کیا گنجا ہونے گیا ہے؟"

"فیشل کروا رہے ہیں۔" پپو نے مزید باخبر ہونے کا ثبوت دیا۔

"فیشل؟ اے وہ تو لڑکیاں کرواتی ہیں۔" دادی چھ پوتیوں کی دادی تھیں، فیشن اور بیوٹی کی بنیادی معلومات سے اچھی طرح آگاہ تھیں۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"دادی، لڑکے بھی کرواتے ہیں، لڑکیوں کی طرح یہ بھی بنواتے ہیں۔" پپو نے اپنی بھنوؤں پہ انگلیاں پھیر کر انہیں بتایا۔

"اور بوبی بھائی تو ہر ہفتے فیشل کرواتے ہیں۔ فیصل بھائی (حجام) انہیں ڈسکاؤنٹ دیتے ہیں۔"

پپو کے بارے میں یقینی طور پر پیش گوئی کی جاسکتی ہے کہ وہ بڑا ہو کر کسی بڑے چینل کا باخبر رپورٹر بنے گا، جہاں ناظرین کو خبر سب سے پہلے پہنچانے کا دعوا کیا جاتا ہے جنہیں اتنی جلدی رہتی ہے کبھی کبھی تو خبر وجود میں بھی نہیں آتی اور ناظرین تک پہنچ جاتی ہے مگر خیر یہ تو پپو کے مستقبل کی بات ہے۔ حال کی بات یہ تھی کہ اس نے جو خبر سنائی وہ سو فیصد درست اور سولہ آنے صحیح تھی۔

دادی نے بیٹے کو اور بیٹے نے دادی کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

"میرا شک سولہ آنے ٹھیک ہے فیضو، تو دیکھ لینا تو، کسی لڑکی کا ہی چکر ہے یہ۔"

"آنے دو آج گھر پر، پوچھ لیتے ہیں، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔" فیض احمد نے بچے کھچے پان کی پیک اگالدان میں دوبارہ منتقل کی۔

"نہ، نہ ایسے نہ پوچھنا۔" دادی نے فوراً" منع کیا۔

"کیوں؟"

"ارے ابھی تو ڈھکا چھپا معاملہ ہے، شرم لحاظ ہے درمیان میں، بات کھل گئی تو پردہ ہٹ جائے گا بیچ سے اور پھر تو کھلم کھلا کرے گا، وہ جو کرنا ہوگا۔" دادی نے پتے کی بات کی تھی، فیض احمد فوراً" متفق ہوگئے۔

"میں آرام آرام سے پتا لگانے کی کوشش کرتی ہوں۔ پپو سے بات کرتی ہوں کیا پتا ماں کو رازدار بنایا ہو اس نے۔" دادی نے تجویز پیش کی۔

"ماں کو بتایا ہوتا تو مجھے ضرور پتا ہوتا، مجھ سے کچھ نہیں چھپاتی وہ۔" فیض احمد نے بڑے یقین سے گردن نفی میں ہلائی۔

"بیٹے، ہم نے تیری کئی باتیں، تیرے باپ سے چھپائی تھیں۔ ویسے ہم ہر بات بتاتے تھے ان کو، ماں، ماں ہوتی ہے۔" دادی نے جتایا۔

"اچھا اماں جی۔" فیض احمد کو جانے کیا کچھ یاد آیا وہ فوراً" سنک لیے۔

☼ ☼ ☼

دادی نے تفتیش کا آغاز کردیا۔ ماں بے چاری بدحواس، بے خبر، وہ بھی تشویش میں پڑ گئیں پھر تفتیشی ارکان میں ایک اور رکن کا اضافہ کیا گیا۔ بوبی سے چھوٹی لائبہ کا کہ اس کی مدد کے بغیر تفتیش آگے بڑھ نہیں رہی تھی۔

وہ ساری بات سن کر سوچ میں پڑ گئی۔ پھر دادی کا سوال۔

کون لڑکی ہو سکتی ہے وہ؟ خاندان کی؟ کزنز ایک ایک کرکے گنوائیں۔ ہر نام پہ لائبہ نفی میں سر ہلا دیتی۔ سب اس کی پکی پکی سہیلیاں تھیں۔ سب کا معلوم تھا۔ کس کا معاملہ، کس کے ساتھ سیٹ ہے۔ بوبی کو گھاس ڈالنے والی ان میں سے کوئی نہیں تھی۔

"ٹھیک سے معلوم ہے نا تجھے۔ الل ٹپ اندازے تو نہیں لگا رہی۔" دادی نے اسے گھورا۔

"جی دادی، ٹھیک ٹھیک معلوم ہے مجھے ان سب کا۔"

خاندان کے بعد اب محلے کی باری آئی۔ دو چار خوب صورت لڑکیاں تھیں، مگر ایک دو منگنی شدہ تھیں۔ ایک دو اتنی شریف کہ ان پہ اس قسم کا شک کرنا بھی دادی نے گناہ سمجھا۔

پھر کون ہو سکتی ہے؟ سوچ سوچ کر ان کا دماغ پلپلا ہوگیا۔

"دادی! ایک لڑکی کو تو ہم بھول ہی گئے۔" لائبہ ایک دم اچھل پڑی۔

"کون؟ کون؟" دادی ایک دم بے تاب ہوئیں۔

"یہ جو گلی میں کپڑے والے فضلو بھائی ہیں نا" ان کے کرائے داروں کی بیٹی، کتنی پیاری ہے وہ۔ کبھی کبھی ہمارے گھر آ بھی جاتی ہے۔ گلی میں اور کسی کے گھر

نہیں جاتی۔ بوبی بتا رہا تھا کہ اس کا بھائی تقریباً" ہر روز ہی فالودہ خرید کے لیے جاتا ہے اس سے۔" لائبہ جیمز بونڈ زیرو زیرو سیون کا کردار بالکل ٹھیک ٹھیک نبھانے پر بڑی خوش تھی۔

اب اگلا مرحلہ بوبی کا فون چیک کرنا تھا۔ لائبہ روزانہ کئی بار اس کا موبائل چیک کر چکی تھی، حتیٰ کہ چوری چھپے کالز بھی ریکارڈ کریں، مگر سوائے اس کے دوستوں کی باتوں اور آوازوں کے کسی لڑکی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ میسجز دیکھ، پورا باکس کھنگال ڈالا مگر جیمز بونڈ یہاں فقط زیرو زیرو تھا۔

ایک روز پپو بھاگا بھاگا گھر آیا۔

"وہ کرائے داروں کی بیٹی ہے نا وہ گھر سے بھاگ گئی۔" پھولی پھولی سانسوں سے اس نے بتایا۔

"ہائے میرا بوبی۔" ماں نے دل پہ ہاتھ رکھا، "جانے کہاں گیا ہوگا؟"

"کیا ہوا، کیوں چلا رہی ہو امی۔" اندر سے بوبی آنکھیں ملتا ہوا نمودار ہوا۔ بے چارہ سو رہا تھا ماں کی چیخ پر آنکھ کھل گئی۔ بوبی یہاں ہے تو پھر... سب حیرت سے سوچ کے رہ گئے۔

بوبی کا نہانا دھونا، کپڑے اور باقی سب تیاریاں ویسی ہی تھیں، مگر اس نے نہ جانے کیوں شیو بنانی چھوڑ دی تھی۔ وادی اس کی ایک ایک جنبش پہ نگاہ رکھے ہوئے تھیں۔ اب کیا ہوا؟ کہیں لڑکی نے دھوکا تو نہیں دے دیا کہ اس کے غم میں مجنوں بننے چلا ہو، وہ گال پہ انگلی رکھے گھنٹوں سوچتی رہتیں، مگر پھر بھی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ الجھن بڑھتی جا رہی تھی اور بوبی کی شیو بھی، جواب باقاعدہ داڑھی کی شکل اختیار کر گئی تھی۔

پھر ایک اتوار کو وہ حجام کے پاس سے ہو کر آیا۔ چمکتا ہوا چہرہ جدید قسم کا ہیئر اسٹائل اور نوک والی بڑی بڑی مونچھوں کے ساتھ ایک خاص انداز میں ترشی ہوئی داڑھی، سب کے بیچ میں آکر اسٹائل سے کھڑا ہو گیا، کیٹ واک کے انداز میں۔

"کیسا لگ رہا ہوں میں؟ حمزہ علی عباسی لگ رہا ہوں یا نہیں۔" پہلے سوال کا جواب ابھی ملا نہیں تھا کہ اس نے دوسرا سوال داغ دیا۔

فیض احمد سے ضبط نہ ہوا، وہ آگے بڑھ کر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

"تو اتنا اسمارٹ لگ رہا ہے کہ ہر ہیرو تیرے سامنے زیرو ہے۔ بس یہ بتا دے کہ کون ہے وہ لڑکی؟"

"لڑکی؟ کون لڑکی؟" بوبی بے چارہ حمزہ علی عباسی سے ایک دم ہونق علی عباسی بن گیا۔

"یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کون ہے وہ۔ جس کے چکر میں سالا اتنا ہیرو بن کے گھوم رہا ہے۔ اب بتا ہی دے کھل کے، سمجھ میں آئی تو جوڑا اور مٹھائی لے کے چلے جائیں گے۔" باپ نے لگے ہاتھوں آفر بھی کر دی۔

"کس کی بات کر رہے ہو ابا! قسم سے ایسی ویسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو خود لڑکیوں سے بلکہ ہر قسم کی لڑکی سے چالیس فٹ دور رہتا ہوں۔" بوبی نے اپنے کانوں پہ ہاتھ لگاتے ہوئے باپ سمیت تمام جملہ حاضرین کو یقین دلایا۔

"تو پھر یہ سب کیا ہے؟ بارات نہیں لے جانی تو ہر وقت دولہا بن کے کیوں مٹرگشت کرتا رہتا ہے۔" ابا پھٹ پڑے۔

"وہ... وہ... ابا... یہ تو..." بوبی بوکھلا گیا۔ مگر سب کی گھورتی نظریں خود پر مرکوز پا کر وہ بنا رکے بولتا چلا گیا۔

"بات یہ ہے کہ پاکستان میں چائے والا اور بھارت میں بریانی والا اپنے اپنے ڈھابوں سے نکل کر کیٹ واک کے ریمپ پر پہنچ گئے۔ ایک تصویر کے "کلک" نے انہیں "کلک" کر دیا۔ میں نے سوچا، میں بھی ٹرائی مار لیتا ہوں۔ کیا پتا میری قسمت کا تالا بھی کلک کر کے کھل جائے۔" وہ بولتا جا رہا تھا اور وادی سمیت جملہ حاضرین حیرت کے سمندر کے میں غوطے کھا رہے تھے۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ایمل رضا

رقصِ جاں

ثریا کوثر اپنے خالہ زاد سکندر احمد کی محبت میں یکطرفہ طور پر مبتلا تھیں۔ سکندر بیرون ملک مقیم تھے۔ ثریا کی انتہا کی محبت کو دیکھتے ہوئے خالہ نے سکندر کو بہانے سے بلا کر زبردستی ان کی شادی ثریا سے کردی۔ ماں کی وفات کے بعد سکندر نے ثریا کوثر کو طلاق کے لیے ہر طرح سے قائل کیا۔ مگر وہ ان کی محبت سے کسی طور دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھیں۔

بالآخر سکندر واپس یونان چلے گئے جہاں انہوں نے ایک امیر گھرانے کی خاتون صوفیہ سے شادی کر رکھی ہے۔ یہ خاتون بھی سکندر کی محبت میں گرفتار ہیں۔ سکندر کے تین بچے انس، احد اور ڈورس ہیں۔ ڈورس باپ کی بے حد لاڈلی، حسین، ذہین اور ان کی محبت پر قابض ہے۔ احد اس بات کو بے حد محسوس کرتا ہے اور ڈورس سے اکثر اس کی جھڑپیں رہتی ہیں۔ ڈورس کو ہر معاملے میں باپ کی حمایت حاصل ہے۔

ثریا کوثر اپنے دو بچوں منال اور اسد کے ساتھ اپنے اکلوتے بھائی کے گھر میں رہتی ہیں۔ اسد ہر حال میں خوش رہنے والا بچہ ہے۔ دونوں بچوں کی زندگی میں ان کا باپ صرف ایک تصویر کی صورت میں ہے۔ منال کے ماموں نے دونوں بچوں کو باپ کی کمی کبھی محسوس نہیں ہونے دی۔ ان کی بیٹی حفصہ، منال کی دوست ہے۔ جبکہ نادیہ سے ان بن رہتی ہے۔

مکمل ناول
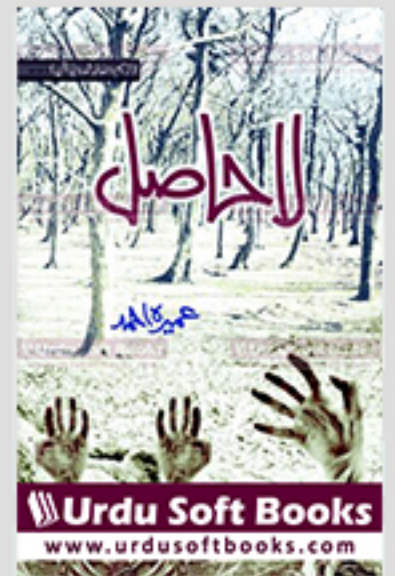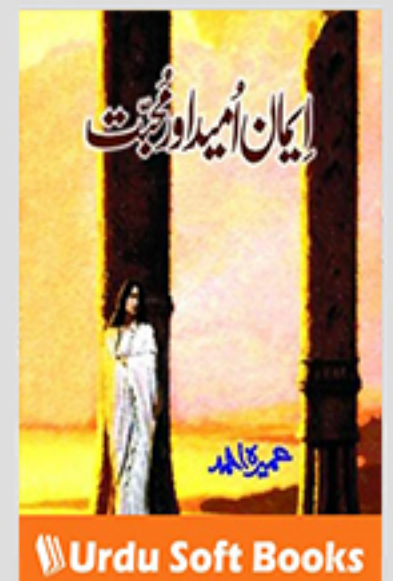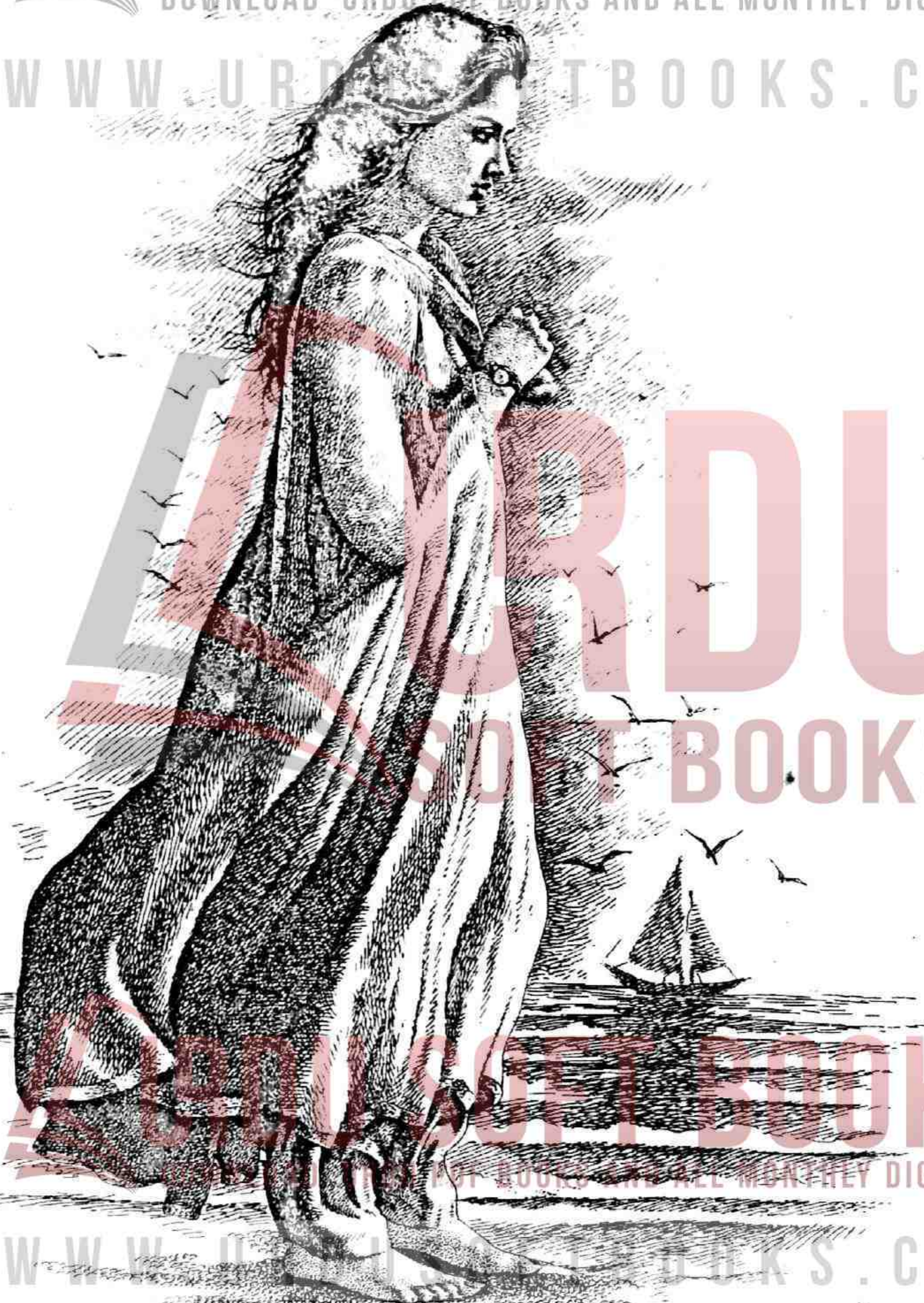
URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مرنے سے پہلے ثریا کوثر نے اپنی محبت کی داستان منال کو سنائی، مگر باپ کو بے قصور ماننے کے بجائے اس کے دل میں ان کے لیے مزید نفرت بڑھ گئی۔ ثریا کی وفات پر سکندر کو پتا چلا کہ ان کے دو بچے بھی ہیں۔
سکندر احمد کی پہلی شادی کی خبر پر صوفیہ کا ردعمل نارمل تھا۔ انہوں نے سکندر کی بات کا یقین کر لیا تھا۔ انس اور احد نے بھی یہ بات سمجھ لی، مگر ڈورس نے شدید ردعمل ظاہر کیا۔ سکندر اپنے دونوں بچوں کو لے کر یونان آ گئے۔
سکندر احمد اور ان کے بچوں کی شاہانہ زندگی نے منال کے احساس محرومی کو بڑھا دیا اور اس نے پورے گھر کا سکون غارت کرنے کی ٹھان لی۔ اس نے سکندر احمد کو اذیت میں مبتلا کرنے کے لیے ڈورس کو نشانے پر رکھ لیا۔ جو باپ کی محبت میں اسے برداشت کر رہی تھی۔ ڈورس اور منال میں ٹھن گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو زک پہنچانے کی تگ و دو میں لگ گئیں۔
مگر صوفیہ کے حسن اخلاق کی وجہ سے منال کا رویہ ان کے ساتھ دوستانہ تھا۔ اسد کا داخلہ لندن کی یونی ورسٹی میں ہو گیا تھا۔ وہ انس کے ساتھ وہاں چلا گیا۔ ایک روز منال کا اپنی یونی ورسٹی میں ایک لڑکے عجرم سے ٹکراؤ ہوا۔

دوسری قسط

منال کی جان جل کر رہ گئی۔
"کیا ہوا؟ تم اتنی سہم کیوں گئی ہو؟ کیا گم ہو گئی ہو یا ہونے کا ارادہ ہے۔ ایسے سہمی ہوئی مجھے دیکھ رہی ہو جیسے میں توپ کا کوئی گولہ ہوں۔" وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا اور منال کو یہ رنج کھائے جا رہا تھا کہ وہ ہر بار کتنی آسانی سے بدھو بن جاتی ہے۔ وہ ہے ہی پاگل، بدھو۔
"تمہیں کیا لگتا ہے کون ہوں میں؟" (بے وقوف، الو۔۔۔ تو کیا گدھی بھی؟ سچ؟)
"لگ تو رہی ہو انسانوں جیسی۔۔۔" (ہاں! سچ)
"اچھا! لگ رہی ہوں؟ ہوں نہیں؟" غصے میں اس کا سر کچھ زیادہ ہی ہلنے لگا۔
"وہ تم خود فیصلہ کر لو نا۔۔۔" وہ اس کی ملائی کافی کو آواز کے ساتھ پیتا اس سے پوچھ رہا تھا۔
"مجھے بے وقوف کیوں بنایا؟" گول سر کی گول آنکھوں کے ڈیلے بھی غصے میں گھومنے لگے۔
"بنے بنائے کو اور کیا بناتا؟" وہ سنجیدہ تھا۔۔۔ ہائے اللہ وہ سنجیدہ تھا۔
کچھ غصے، کچھ بے بسی سے وہ بل کھا کر رہ گئی۔
"کپڑے تو اچھے پہنے ہیں، کافی کے پیسے نہیں تھے تو اتنا ڈراما کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" اپنی بے وقوفی کو اس نے اس کی غربت میں بدل کر اسے دھتکارنا چاہا۔
"میں نے تو ڈراما کیا ہے، تم تو فلم چلا رہی ہو۔۔۔ کپڑے بھی اچھے ہیں اور شکل بھی۔۔۔ تم فلموں میں کام کیوں نہیں کرتیں؟ ویسے مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ میرے کافی والے مذاق نے تمہیں دیوالیہ کر دیا ہے۔"
"میں دیوالیہ کر دینے والوں میں سے ہوں۔۔۔ بائی دا وے! تم اگر سیدھے منہ کہہ دیتے کہ تم صبح کے بھوکے ہو تو کافی کے ساتھ اور بھی بہت کچھ کھلا سکتی تھی۔"
"تھینکس گاڈ! مجھے بھی کوئی رِچ کِڈ ملا۔۔۔ یعنی تم کافی امیر ہو؟ پھر مجھے ایک آئس کریم کھلا دو۔۔۔؟ بہت دل کر رہا ہے یار! اور بھوک بھی تو لگی ہے۔"
وہ اس کی شکل دیکھنے لگی کہ اس کا دماغی توازن ابھی کھڑے کھڑے خراب ہوا ہے یا پہلے سے ہی گڑبڑ ہو رہا تھا۔
"خود ہی تو کہا ہے، صاف کہہ دیتا تو تم مجھے اور بھی بہت کچھ کھلا دیتیں۔" اس کے حیرت سے دیکھنے پر اس نے وضاحت دی۔
"غیرت نام کی ایک چیز ہوتی ہے۔۔۔ وہ تم میں ہے؟" اسے لگا اس کے سامنے ڈورس کھڑی ہے۔
"تمیز نام کی ایک چیز ہوتی ہے؟ وہ تم میں ہے؟"
"کیا مطلب؟ بدتمیزی تم نے کی؟ مفت کی کافی پی

اور بدتمیزی کا لیبل مجھ پر لگا رہے ہو؟"
"یہ یونیورسٹی ہے' یہاں تم سے ہر روز کوئی نہ کوئی ایسا مذاق کرے گا۔ تم ایسے ہی روڈ ہوتی رہو گی؟"
اس نے کچھ نہ بولنے کا فیصلہ کر لیا اور پلٹ کر جانے لگی۔ وہ نہیں چاہتی تھی' یہاں اسے کوئی بدتمیز ہونے کا طعنہ دے۔
"تم میں تو خدا حافظ کہنے کے بھی مینرز نہیں ہیں۔" تیزی سے چلتا وہ اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کی یونانی لب و لہجہ والی اردو بہت بھلی لگ رہی تھی۔
وہ ٹھٹک کر رکی۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا تاکہ اس کا غصہ اڑنچھو ہو سکے۔ (تم لاہور میں ہوتے تو احمد سے پٹواتی۔)
"خدا حافظ۔" وہ جانے لگی۔
"میں نے تو تمہیں خدا حافظ کہا ہی نہیں۔ پھر تم ایسے کیسے بھاگ سکتی ہو؟ اس ساری یونیورسٹی کو چھوڑ کر میں نے تمہارے ساتھ مذاق کیا۔ اب تمہارے ساتھ بات کر رہا ہوں۔ تمہیں اپنا نام بتایا۔ تمہیں تو میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے اور تم.....؟"
"تم نے ساری یونیورسٹی چھوڑ کر مجھ سے مذاق کیا۔ میں نے اس شرارت (کمینگی) میں تمہاری مدد کی۔ تمہیں کافی لا کر دی اور اپنا نام بھی بتایا۔ اب اور میں کیا کروں؟"
"تم فی الحال یہیں کھڑی رہو..... بائے داوے!
تمہارا نام بہت پیارا ہے۔ یونیک..... منال۔"
"شکریہ!" وہ جانے لگی۔
"لیکن..... کیا میرا نام پیارا نہیں ہے؟" بھنویں جوڑ کر وہ معصومیت سے پوچھنے لگا۔
"تمہارا نام بھی بہت پیارا ہے۔ تم خود بھی بہت پیارے ہو۔ تمہارا چلنے' بیٹھنے' بولنے کا انداز' لوگوں کو بے قوف بنانے کے پلانز' سب ہی بہت پیارے ہیں۔" اختتام تک پہنچتے پہنچتے وہ ہانپنے لگی۔
"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ میری تعریف نہیں بلکہ تذلیل کی گئی ہے۔"
"جو لگ رہا ہے اس پر یقین کر لو۔ اور جاؤ یہاں سے..... بائے' خدا حافظ' اللہ نگہبان' رب رکھا' فی امان اللہ..... (یا میرے اللہ)" کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ البتہ یہ خوف ساتھ رہا ہے کہ وہ پیچھے سے سامنے نہ آجائے۔

☆ ☆ ☆

وہ پیچھے سے ہی سامنے آیا تھا۔ اگلے دن جب وہ کلاس لے کر باہر نکل رہی تھی۔
"تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ مجھے دیکھ کر تم ایسے بھاگ رہی ہو جیسے میں تمہیں اغوا کرنے والا ہوں۔" لوگ ایک نمبر کے جھوٹے ہوتے ہیں' وہ ایک سو ایک نمبر کا جھوٹا تھا۔ کیونکہ منال نے اسے دیکھا ہی نہیں تھا۔
"کیا تم نے آسمانی اور زمینی بلاؤں والی موویز نہیں دیکھیں؟ وہ جب نکلتی ہیں تو لوگ انہیں دیکھتے ہی بس بھاگنے لگتے ہیں۔ تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟"
"یہی کہ تم ڈٹ کر کھڑی رہو' منہ سے آگ نکالو' اور سب انسانوں کو کھا جاؤ..... پھر واپس زمین کی تہ میں اپنے ٹھکانے لوٹ جاؤ۔"
وہ اس کی شکل دیکھ رہی تھی..... وہ قہقہہ لگا رہا تھا۔
"میری بھی کلاسز ہو چکی ہیں۔ پہلے تم مجھے آئس کریم کھلا دو' پھر چاہو تو لنچ کے لیے لے جانا' ورنہ مجھے ڈراپ کر دینا۔" وہ چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔
"اب چلو بھی..... خود ہی تو کہا تھا میں بہت امیر ہوں..... اب دوست بنایا ہے تو کچھ دوستی پیسے سے بھی نبھاؤ۔"
وہ ابھی بھی خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔
اس کے شولڈر بیگ کی اسٹرپ میں اس نے انگلی ڈال کر کھینچا اور اپنے ساتھ لے کر چلنے لگا۔ منال بھی چلتی رہی۔ اسے آئس کریم کھلا دی۔ خود بھی کھانے لگی۔
ٹھیک ہی تو تھا..... وہ زبردستی دوست بن رہا تھا تو وہ بھی زیادہ ضد نہیں کر رہی تھی۔

"کس ڈپارٹمنٹ سے ہو تم؟"
"انٹیریر ڈیزائننگ۔" اس کا رخ بس اسٹاپ کی طرف تھا۔
"کہاں جا رہی ہو...؟"
"بس اسٹاپ تک... بس یا ٹرام سے جاؤں گی۔"
"کیا مطلب ہے تمہارا؟ تمہارے پاس کار نہیں ہے... تم امیر نہیں ہو؟" اس نے گہرے صدمے سے پوچھا۔
منال اپنی ہنسی نہیں روک سکی۔ "شٹ اپ!"
"چلو' میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" وہ جلدی نارمل ہو گیا۔
"نہیں... اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" نفی میں سر ہلاتی وہ اس سے آگے چلنے لگی۔ "میں چلی جاؤں گی۔" اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیسے ٹالے۔
"اوکے..." اس نے کہا۔ منال نے شکر ادا کیا کہ بلا ٹل گئی لیکن وہ بلا مزید سر چڑھنے والی تھی۔
"آج میں بھی بس سے ہی چلا جاتا ہوں۔ کار کل پک کر لوں گا۔"
منال تھوک نگل کر رہ گئی۔ اب وہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔
"تم کم بول رہی ہو یا میں زیادہ بول رہا ہوں...؟ یا صرف میں ہی بول رہا ہوں؟"
"یہ جاننے کے لیے مجھے ایک پرسکون مائنڈ چاہیے... جو تمہاری موجودگی میں میسر نہیں۔"
"یعنی میں تمہارا وہ دماغ کھا رہا ہوں جو پہلے سے ہی کھوکھلا ہے؟ میں ایسی بے کار چیزیں کیوں کھانے لگا' ہوں؟ آج ہی اپنے ڈاکٹر سے ملتا ہوں۔" وہ بڑبڑا رہا تھا۔
"تین چار اپنے جیسے پاگلوں سے بھی مل لینا' اچھا فیل کرو گے۔"
"ایک سے تو مل لیا... اچھا فیل ہوا۔" اس کی طرف اشارہ کر کے وہ مسکرایا۔
وہ بھی مسکرا دی۔ جب سے یونان آئی تھی' ایسے کم ہی ہنسی تھی۔
"تمہاری بھی یہی بس ہے؟" وہ اسی کی بس میں بیٹھ گیا تھا۔
"پتا نہیں... بیٹھ کر معلوم کر لوں گا۔"
"یعنی پہلے سارا شہر گھومو گے پھر گھر جاؤ گے۔"
"ہاں! آج بس میں گھوم لیتا ہوں۔ سنو! کل زیادہ پیسے لانا۔ لنچ کریں گے۔"
"کیوں؟ تمہیں گھر سے پیسے نہیں ملتے؟"
"وہ تو مجھے میرے لیے ملتے ہیں۔ تم اپنے دوست یعنی میرے لیے زیادہ پیسے لے کر آنا۔"
اتنی فرینک نیس...؟ اس کے کزنز کے بعد وہ پہلا شخص تھا جو اس طرح اس سے بات کر رہا تھا۔
اپنے اسٹاپ پر اترنے کے لیے وہ کھڑی ہوئی تو وہ بھی اس کے پیچھے ہی تھا۔ "کل آؤ گی؟"
نیچے اتر کر وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ "ہاں... کیوں؟"
"کل تمہیں مجھے لنچ کروانا ہے... مجھ سے ادھار نہیں ملے گا نہ پیسوں کا نہ لنچ کا۔"
بس کی کھڑکی میں آدھا لٹکا وہ چلا کر کہہ رہا تھا۔ اس نے پروا نہیں کی۔ ٹرام میں موجود سب لوگ اس کے چلانے پر پہلو بدل رہے تھے۔ گھر تک وہ اس کے انداز پر ہنستی رہی۔ وہ اور حفصہ جب جب بازار جاتی تھیں تو سر بازار ہی چلا چلا کر ایک دوسرے کو یاد کرواتی تھیں کہ پچھلی بار فلاں نے چاٹ کھلائی تھی اور فلاں نے کھائی تھی۔ اب میں کھاؤں گی تم کھلاؤ گی۔ وہ بھی ویسے ہی آئس کریم آئس کریم' لنچ لنچ چلا رہا تھا۔
رات میں وہ سونے کے لیے لیٹی تو نجانے کون خواب میں آئس کریم' آئس کریم' لنچ لنچ پکارتا رہا۔

☼ ☼ ☼

اپنی آخری کلاس لے کر وہ باہر نکلی تو وہ سامنے ہی ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ صبح تک تو وہ اسے یاد تھا لیکن پھر کلاسز لینے کے دوران وہ اس کے ذہن سے محو ہو گیا

تھا۔ اسے اپنے سامنے دیکھ کر وہ سمجھ نہ سکی کہ وہ مسکرا کر اس کا استقبال کرے یا خوش رہے۔ کیا وہ واقعی لنچ کا بھوکا تھا؟ کیا یہی ایک وجہ تھی؟

"ہائے۔۔۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔ "میں پندرہ منٹ سے فارغ ہو کر یہاں کھڑا ہوں۔"

"ویل ڈن۔"

"یہ سننے کے لیے میں یہاں نہیں کھڑا تھا۔"

"مجھے یاد تھا کہ مجھے تمہیں لنچ کروانا ہے۔ ویسے تم کافی ڈھیٹ ہو اور خوامخواہ ہی میرے گلے پڑ گئے ہو۔۔۔"

"خوامخواہ تو نہیں۔۔۔ پوری پلاننگ کے ساتھ۔"

"اچھا! کیوں کی یہ پلاننگ۔۔۔؟"

"سوچا کچھ غیر انسانی لوگوں کے ساتھ وقت گزار کر دیکھا جائے۔۔۔"

"تمہارے گھر میں مرر نہیں ہے؟ اس کے سامنے کھڑے ہو کر وقت کیوں نہیں گزارتے؟"

اس نے قہقہہ لگایا۔ وہ دونوں یونیورسٹی کے قریب ہی ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ چکے تھے۔

"یونی کے علاوہ تمہاری کیا مصروفیت ہیں؟"

"کچھ خاص نہیں۔۔۔" اس نے سچ بتایا لیکن یہ نہیں بتایا کہ گھر والوں کا جینا حرام کرنا۔

"بور نہیں ہوتیں پڑھ پڑھ کر؟"

وہ سوچنے لگی۔ اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ بور ہوتی ہے یا نہیں۔ "شاید نہیں۔۔۔"

"شاید نہیں۔۔۔ یعنی امکان ہے کہ ہوتی بھی ہو گی۔ مجھے سن کر ہی بوریت ہو رہی ہے۔ میں شام میں ڈانس سیکھنے کے لیے جاتا ہوں۔ مجھے اسٹریٹ ڈانس سیکھنے کا بہت شوق ہے۔ ایک اسٹریٹ ڈانسر ہے، جس سے میں سیکھ رہا ہوں۔ اس کے ٹوٹے پھوٹے ڈربے میں۔۔۔ شروع میں، میں نے ایک میوزک بینڈ بھی جوائن کیا تھا۔ لائیو کنسرٹ بھی کرتے رہے ہیں ہم لیکن اب اتنا وقت نہیں ہوتا۔ بر وقت ملتے ہی ہم اپنا میوزک البم بناتے ہیں اور لائیو کنسرٹ کرتے ہیں۔ آن دی ریکارڈ کچھ نہیں ہے۔ بس کبھی کبھی جو وقت ملے تو لائیو کنسرٹ میں شرکت کر لیتے ہیں۔ ہمارا کنسرٹ ہوا تو تم بھی آنا۔" اس نے سر ہلا دیا۔

"یہاں کب سے ہو؟"

"چھ ماہ سے۔۔۔" اس نے مختصراً اپنا تعارف کروایا۔

"تم نے اتنا نو دیکھا ہے۔"

وہ یہاں آنے کے بعد پہلا شخص تھا جس نے اس سے یہ پوچھا تھا۔ اسد، احد اور انس کے ساتھ باہر جاتا رہتا تھا لیکن وہ ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی۔ صوفیہ آنٹی نے بھی آفر کی تھی لیکن اس نے خود ہی دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔

"یونیورسٹی سے گھر تک کا دیکھا ہے۔"

عجوم نے حیرت سے اس کی شکل دیکھی۔ پھر بمشکل اپنی ہنسی دباتے دباتے دل کھول کر ہنسنے لگا۔

"یونیورسٹی سے گھر تک کا۔۔۔" اس نے اس کی ہی بات دہرائی۔ "بہت زیادہ دیکھ لیا ہے تم نے۔ اتنا تو میں نے بھی نہیں دیکھا۔"

"میرا مذاق نہ اڑاؤ۔۔۔ ابھی تم نے میرے پیسوں سے لنچ اڑایا ہے۔۔۔"

"اوہ ہو۔۔۔ میں اڑاتا نہیں کھاتا ہوں۔۔۔ تمہیں بھی کھا سکتا ہوں۔۔۔"

"شکل سے ہی آدم خور لگ رہے ہو۔"

میز پر رکھا موبائل اٹھا کر اس نے اپنی شکل دیکھی۔

"کیا واقعی؟ دنیا تو کچھ اور ہی کہتی ہے۔"

"جھوٹ بولتی ہے دنیا۔۔۔"

"سچ بولتی ہو تم۔۔۔ صرف تم۔۔۔ امیر ہونے کے ساتھ ساتھ تم تو شریف بھی ہو۔"

"شریف سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ تمہیں کیا لگتا ہے میں ڈرگ سپلائی کرتی ہوں؟"

"تم چاہو بھی تو نہیں کر سکتیں۔۔۔ جیسے ہی ایئرپورٹ پر کتے نے تمہیں سونگھنا شروع کیا تم خوف سے تحلیل ہونا شروع ہو جاؤ گی۔"

پاکستان میں سب اسے کہتے تھے کہ اس کی زبان

قینچی کی طرح چلتی ہے۔ عجوم کی تو کئی سو قینچیوں کی طرح چل رہی تھی۔

"ایتھنز دیکھنا ہے؟"

"آفر کے لیے شکریہ... کھا چکے ہو تو میں بل منگوالوں؟"

"اپنی پیشانی کے بل مٹادو... ہنس دو اور جواب دو مجھے... اتنا غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے اپنی پیشانی کے بل مٹادیے... ہنس دی اور غصہ ختم کردیا... رات کو سوتے ہوئے۔

☼ ☼ ☼

ان کی کلاس کے دس طلبہ کے گروپ کو ایک پرائیوٹ پراجیکٹ ملا تھا۔ ان دس میں منال بھی شامل تھی۔ یہ ایونٹ ڈیزائنگ کا کام تھا جسے انہیں صرف تبدیلی کے لیے آفر کیا گیا تھا۔ کلاس سے فارغ ہوتے ہی وہ وہاں جاتی تھی۔ اب وہ اپنی گاڑی میں آنے لگی تھی۔ سب راستے اسے اچھی طرح سے ذہن نشین ہو چکے تھے۔ ایک دو دن کی بے نام جھجک کے بعد وہ اچھی ڈرائیونگ کرنے لگی تھی۔ وہ ڈورس کی طرح گاڑی نہیں چلا سکتی تھی، لیکن کسی بھی عام انسان کی طرح چلا لیتی تھی۔

گھر میں ڈورس سے اس کا سامنا کم ہی ہوتا تھا۔ البتہ احد آتا اور اس کے کمرے سے کار کی چابی لے جاتا۔ وہ اس سے پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے باپ کے پیسے پر صرف دو ہی افراد عیش کررہے ہیں۔ ایک ڈورس اور ایک وہ۔ اس لیے اب اسے پوری طرح سے ان عیش کرنے والوں کو مزا چکھانا ہے۔ وہ فون پر اپنے دوستوں کے ساتھ بات کرتا تو گھر میں موجود دو چڑیلوں پر سیر حاصل تبصرہ کرتا۔

"تمہارے پاس کچھ پیسے ہوں گے۔" ایک دن وہ اس کے کمرے میں آیا اور پوچھنے لگا۔

"بہت ہیں...."

"دے دو...."

"کیوں؟"

"کیونکہ میرے بھی باپ کا پیسہ ہے... اس لیے دے دو۔"

"اپنے باپ سے خود جا کر مانگ لو۔"

"زیادہ باتیں نہ بناؤ... پیسے دے دو... واپس کردوں گا۔"

"جیسے میں جانتی نہیں کہ کتنی بار تم نے واپس کیے ہیں۔"

"جیسے میں جانتا نہیں کہ تم کتنے پیسے دبا کر بیٹھی ہوئی ہو۔ کیا کروگی اتنے پیسوں کا؟ فرض کرو تم کچھ دیر میں مرجاتی ہو۔ تو؟ کہاں جائے گا وہ پیسہ؟"

"فرض کرو تم کچھ دیر میں مرجاتے ہو.... وہ پیسہ بلیک ڈریس، شوز اور سن گلاسز خریدنے میں جائے گا۔"

"ایک دن آئے گا تم بھیک مانگوگی مجھ سے... اور میں، میں دے دوں گا۔"

"ایک دن آگیا ہے... تم بھیک مانگ رہے ہو مجھ سے... اور میں، میں نہیں دے رہی، جاؤ جو کرنا ہے کرلو۔"

اس وقت تو اس نے کچھ نہیں کیا البتہ جب وہ واش روم میں تھی تو وہ اس کے بیگ میں سے پیسے نکال کر چلا گیا۔ وہ اچھا خاصا لٹیرا بنتا جارہا ہے۔ اس کا پیٹ بھی بھرتا ہی نہیں تھا، ہر وقت کسی نہ کسی سے پیسے مانگتا رہتا تھا۔

دس دن اس نے خوب دل لگا کر کام کیا تھا۔ یہ اس کا پہلا کام تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ نا صرف ڈیزائنو بلکہ اس کے کلاس فیلو بھی اس سے متاثر ہوں۔ وہ یہ کام کرسکتی ہے۔ یہ بات وہ خود کو بھی باور کروانا چاہتی تھی۔ ان دنوں میں اسے کھانے پینے کا بھی کوئی ہوش نہیں رہا تھا۔ وہ ہر وقت اپنے کام کے بارے میں ہی سوچتی رہتی تھی۔ کلاس کے دوران بھی اور کلاس کے بعد بھی۔

ان دس اسٹوڈنٹس کا گروپ جانتا تھا کہ وہ اس پراجیکٹ کو لے کر ان میں سب سے زیادہ پرجوش ہے۔ وہ ایک ایک چیز کو لے کر ان سے بات چیت کرتی

تھی۔ چھوٹے چھوٹے پوائنٹ پر گھنٹوں ان کا سر کھاتی تھی۔ یہ ایسا کیوں ہے؟ ویسا کیوں ہے؟ ویسا کیوں نہیں ہے؟ ایسے کیسے ہوگا؟ کلاس کے اسٹوڈنٹ اتنے اچھے تھے کہ وہ اس کے ساتھ گھنٹوں اپنا سر کھپاتے رہتے تھے۔ وہ کلاس کی کوئی نالائق اسٹوڈنٹ نہیں تھی لیکن کلاس کی تھیوری اور پریکٹیکل میں بہت فرق تھا۔ اسے تو اس لحاظ سے بھی مشکل ہوئی کہ یہ اس کا پہلا پریکٹیکل تھا۔ جو بھی تھا اسے جتنی بھی دقت ہوئی لیکن اسے مزہ بھی آیا۔ دس دن گزرے، کام ختم ہوا، تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ وہ خوش تھی۔ کام اچھا ہوا تھا۔

"میرا نام عجوم ہے۔"

اس کے سامنے سنجیدگی سے کھڑا وہ اسے یاد کروا رہا تھا۔ وہ سیڑھیوں پر چپ بیٹھی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ مسکرانے لگی۔

"مجھے معلوم ہے۔"

"مجھے بھی معلوم ہے کہ تم میرا نام بھول گئی ہوگی ورنہ تم میری کلاس میں ضرور آتیں۔" سنجیدگی اس پر بری لگ رہی تھی۔

"مجھے آنا تھا۔۔۔ لیکن وقت۔۔۔"

"وقت؟ تم بھی وہی بے سرا راگ الاپنے لگی ہو جو یہاں سب الاپتے ہیں۔ تمہارے پاس تو وقت ہونا چاہیے اور بہت زیادہ ہونا چاہیے۔"

"میرے پاس وقت ہے لیکن صرف پچھلے چند دنوں ہی نہیں رہا تھا۔ میں اپنے پہلے پراجیکٹ پر کام کر رہی تھی۔"

"گڈ۔۔۔ یعنی مجھ سے ملتے ہی تمہاری قسمت تم پر مہربان ہو گئی۔ چلو جلدی سے پھر کچھ کھلاؤ۔۔۔"

"چلو۔۔۔" اسے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

"تم نے پوچھا نہیں میں اتنے دن کہاں رہا۔"

"کہاں رہے۔۔۔؟" وہ کافی کے ساتھ کافی کچھ کھا رہا تھا۔

"کوئی بیس بار میں تمہاری نظروں کے سامنے سے گزرا لیکن تم نے ہائے کہا نہ ہیلو۔"

"سچ؟" وہ حیران ہوئی۔

"ہاں۔ لوگ کتنی جلدی بدل جاتے ہیں۔ دو بار تمہیں آئس کریم کھلائی، ایک بار لنچ کروایا۔ تم اتنی جلدی بھول کیسے گئیں مجھے۔"

اتنی جلدی بھول گیا وہ۔۔۔ کیونکہ اس نے اسے ایک پیسے کی چیز بھی نہیں کھلائی تھی۔

"تم ہمیشہ اتنا ہی جھوٹ بولتے ہو یا کبھی کبھی زیادہ کا بخار چڑھتا ہے؟"

"کبھی کبھی یہ بخار کم ہوتا ہے۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔۔۔ بے قاعدہ یا باقاعدہ۔۔۔ وہ اس کا واحد دوست تھا۔ وہ ہنستا تھا، ہنساتا تھا۔ اچھا تھا، برا تھا۔ اس کے ساتھ تھا۔ پورے یونان میں، ایک وہی اسے میسر تھا۔

☆ ☆ ☆

ان دس افراد کے گروپ کو اسی ہال میں جانا تھا جس کا انہیں پراجیکٹ ملا تھا۔ ہال میں ہونے والے فنکشن میں انہیں خاص طور پر بلایا گیا تھا۔ وہاں کچھ برانڈز کے شوز ہونے تھے۔ منال کے لیے یہ بہت ہی خاص دن تھا۔ اس کے گروپ کے باقی لڑکے لڑکیوں نے بہت خاص تیاری کی تھی۔ خاص ملبوسات بنوائے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا پہنے۔ وہ ان سے پوچھ بھی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ وہ "کچھ" بھی پہن سکتے تھے۔ لیکن وہ "کچھ بھی" نہیں پہن سکتی تھی۔

اپنی مدد آپ کے تحت اس نے اپنی ایک کلاس فیلو جیسا ہیئر کٹ کروا لیا تھا اور ڈائی بھی۔ ڈیزائنر سفید فراک اور سینڈل لیں۔ اپنے گروپ کی ہی ایک لڑکی کو اس نے پک کرنے کے لیے کہا۔ سکندر احمد اسے چھوڑ سکتے تھے لیکن رات کو وہ ڈرائیونگ نہیں کرتے تھے۔ احد سے توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی اور ٹیکسی میں اسے جانا نہیں تھا۔

ان دس افراد کا خیال تھا کہ ان کا ڈیزائن کیا گیا ہال

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بے حد شان دار لگ رہا ہے لیکن جب وہاں اس سے بھی شاندار لوگ آئے تو ہال کو چار چاند لگ گئے۔ شہر کے بڑے بڑے لوگوں کا ہجوم تھا۔ ریمپ واک کے ساتھ ماڈلز نے برانڈ شو کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں پر نظریں دوڑاتے دوڑاتے اسے ایک طرف سکندر احمد کھڑے نظر آئے۔ وہ کسی کے ساتھ کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ اس نے انہیں دیکھا اور نظریں ایسے پھیر لیں جیسے اپنے باپ کو نہ دیکھا ہو، کسی اجنبی کو دیکھ لیا ہو۔

سرد مہری جہاں سے شروع ہوئی تھی، آج بھی وہیں تھی۔ انہیں دیکھ کر اس کے دل میں کسی بھی قسم کا احساس نہیں جاگتا تھا۔ وہ اس کا باپ ہے... بس... جس کے گلے میں وہ بانہیں ڈال دیا کرتی تھی، وہ جا چکی تھی۔

سکندر احمد کی وہاں موجودگی سے زیادہ اس کے لیے وہاں ریمپ پر واک کرتی ماڈلز دلچسپ تھیں۔ بے حد خوب صورت، دراز قد اور ٹھک ٹھک لہرا لہرا کر چلتیں۔

"ناؤ پریزنٹنگ ڈورس..." (اور اب پیش ہیں ڈورس)

برانڈ کے لیے تعارف کے بعد لفظ ڈورس نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ ریمپ کی لائٹس آف تھیں۔ جیسے ہی لائٹس آن ہوئیں۔ سیاہ فرشی گاؤن میں ریمپ پر کوئی کوئن کی طرح چلتا نظر آیا۔

وہ ڈورس ہی تھی۔ ہمیشہ سے زیادہ خوب صورت۔ ڈورس لیدر بیگ کی ماڈلنگ کرتی ہوئی۔ منال نے آس پاس کے لوگوں کو ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتے ہوئے دیکھا۔ تو سکندر احمد یہاں اس کے لیے آئے تھے۔

یہ شام بھی ڈورس کی تھی۔ سکندر احمد کی بیٹی ڈورس کی... بے دلی سے جا کر وہ ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ اس کی ساری دلچسپی ختم ہو چکی تھی۔ سارا جوش، کامیابی کی خوشی ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ جہاں جہاں وہ جائے گی، وہاں وہاں ڈورس پہلے ہی قبضہ جما کر بیٹھی ہو گی۔ ہر طرف اس کی بادشاہی ہو گی۔ یا سحر زدہ کیے ہو گی یا سحر پھونکتی ہو گی۔

انہیں پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ آخر میں ان سب کو بلایا جائے گا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس ریمپ پر چلے جہاں ڈورس چل چکی تھی۔ لیکن اسے اپنے گروپ کے ساتھ جانا ہی تھا۔

تیس سیکنڈ کے ان کے تعارف کے بعد انہیں بلایا گیا۔ وہ سب ایک ساتھ چل رہے تھے۔ جتنی ہمت اور مضبوطی سے وہ چل سکتی تھی چلی۔ ان کے لیے تالیاں بجائی جا رہی تھیں۔ ان کے کام کو بہت پسند کیا گیا تھا۔ اس نے سکندر احمد کو ڈھونڈ کر دیکھنے کی کوشش کی اور اس نے انہیں ڈھونڈ ہی لیا۔ وہ بھی سب کی طرح زور و شور سے تالیاں بجا رہے تھے۔ ان کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ خوش ہیں لیکن حیران زیادہ ہیں۔ انہیں حیران دیکھ کر اسے دلی خوشی ہوئی۔ ڈورس وہاں نہیں تھی... وہ کہیں مر چکی تھی۔

"یہ سب تم نے کیا ہے؟" ہال میں اس کے پاس آتے ہی وہ لپک کر اس کے پاس آئے۔

"جی... !"

"امیزنگ... تم نے مجھے حیران کر دیا منال!"

"شکریہ!"

اس نے سکندر احمد کو حیران کر دیا تھا، ویسے جیسا شاید اماں چاہتی تھیں۔ حیران تو اس نے ڈورس کو بھی کر ہی دیا ہو گا۔ جو ایک کمرہ ڈیزائن نہیں کر سکتی تھی، اس نے اس کے لیے ریمپ ڈیزائن کی۔

"کس کے ساتھ آئی ہو تم؟"

"میری فرینڈ نے پک کیا تھا مجھے..."

"اچھا اب میرے ساتھ گھر چلو..."

"نہیں! میں اپنی فرینڈ کے ساتھ ہی واپس جاؤں گی۔" ان کے ساتھ ڈورس ہو گی جس کے ساتھ اسے جانا نہیں تھا۔

"چلو ٹھیک ہے..." انہوں نے اس کے گال پر تھپکی دی۔

اس کی فرینڈ نے اسے آواز دی اور وہ اس کے پاس چلی گئی لیکن اس کا گال دہکتا رہا۔ اس کی آنکھیں نم ہو

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

گئیں۔ اگر سکندر احمد کچھ دیر اور اس کے گال پر تھپکی دیتے رہتے تو وہ ان کے گلے سے لگ کر رو دیتی۔ وہ ان سے شکایتیں کرتی۔ ان سے سوال کرتی' ہنگامہ کرتی اور پھر بس محبت پر ٹھہر جاتی۔

وہ ساری زندگی اپنے باپ کے لیے ترستی رہی تھی' وہ اب بھی ان ہی کے لیے ترس رہی تھی۔ غصہ' شکوے' سوال' اس محبت پر غالب آگئے تھے لیکن محبت کی راکھ میں کتنی ہی چنگاریاں بچی تھیں۔ اس نے ماں کا کرب نہیں دیکھا ہوتا تو اب تک سب بھلا چکی ہوتی۔ وہ سکندر احمد کی طرف جانا بھی چاہتی تو اسے لگتا کہ وہ اماں سے بے وفائی کر رہی ہے۔ جس جوگ میں انہوں نے جان دے دی' وہ اس جوگ کی قیمت وصول کرنے لگی ہے۔ وہ سودا کرنے لگی ہے اس جدائی کا جو انہوں نے مر مر کر کاٹی۔

"تم ٹھیک ہو؟"

وہ اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھی اور اس کی فرینڈ پوچھ رہی تھی۔ اس نے سر ہلا دیا۔ ڈورس پاپا کے ساتھ آکر کھڑی ہو چکی تھی۔ وہ ہنس ہنس کر سب سے ایسے باتیں کر رہی تھی جیسے ابھی ابھی اس نے مس یونیورس کا کراؤن جیتا ہو۔ پھر اس کی بھٹکتی ہوئی نظریں اس تک بھی آئیں۔ وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکی اور پھر اس نے اپنا سر پاپا کے شانے پر رکھ دیا۔ اس کا دل چاہا کہ ہاتھ میں پکڑا مشروب کا گلاس اس کے منہ پر اچھال آئے لیکن وہ اپنی فرینڈ کا ہاتھ پکڑ کر باہر آگئی۔

"گھر چلیں......"

"ابھی تو پارٹی شروع ہوئی ہے...... ڈنر نہیں کرنا۔"

"نہیں......" وہ اکیلی ہی ٹیکسی لے کر گھر آگئی۔ اس کی ہر خوشی کو ڈورس برباد کر دے گی۔ یہی اس کی قسمت میں لکھا ہے کیا؟

☆ ☆ ☆

مشترکہ طور پر انہیں ایک چیک ملا تھا۔ ان کے کام کا معاوضہ۔ جو انہوں نے آپس میں بانٹ لیا۔ اور کلاس کی ٹریٹ کے لیے الگ سے پے کیا۔

اپنا چیک اس نے ماموں کو بھیج دیا۔ اور تاکید کی کہ وہ اسے ضرور استعمال میں لائیں۔ سب کزنز کے لیے تحائف الگ سے۔ صوفیہ آنٹی بھی بے حد خوش تھیں۔ اگلی ہی صبح سکندر احمد ان کے ساتھ اس کے کمرے میں آئے تھے۔ وہ صوفیہ آنٹی کو اس کے کام کی تفصیل سنا رہے تھے اور موبائل میں سے تصویریں بھی نکال نکال کر دکھا رہے تھے۔

"تم نے مجھے اپنے کام کی بھنک بھی نہیں پڑنے دی۔"

وہ پیار سے ناراض سی ہو گئیں۔

"میں تو ویسے ہی آپ کو اتنا ڈسٹرب رکھتی ہوں۔ سوچا تھوڑا ریلیکس کر دوں۔" وہ ہنس کر ان کے گلے سے لگ گئی۔

اس کا اعتماد بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ بے وجہ مسکرا رہی تھی۔ خوش تھی۔ اس نے خود پر توجہ دی تھی۔ اپنا بہترین ڈریس پہنا تھا۔ خود کو خوب صورت لگنے دیا تھا۔ آتے جاتے اپنے کلاس فیلو اور کالج فیلوز سے گپ شپ کر رہی تھی۔ آج وہ خود کو ان جیسا ہی محسوس کر رہی تھی۔ اپنی کلاسز لینے کے بعد اس نے عجوم سے ملنے کا سوچا۔

"بہت ہی پیاری لگ رہی ہو۔" اس نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"آئس کریم کھانے کے لیے یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔" اس کا انداز خفگی لیے ہوئے تھا۔

"میں تمہیں ڈنر کروا دیتا ہوں اور پھر کہہ دیتا ہوں ...... بولو منظور......؟"

اس نے بولنے کی کوشش کی لیکن اس کی بے ساختہ تعریف نے اسے ایسا کرنے نہیں دیا۔

"تم پیاری ہو لیکن آج زیادہ پیاری لگ رہی ہو بلکہ بہت زیادہ پیاری لگ رہی ہو۔"

زندگی میں بہت سے لوگ تعریف یا تنقید کرتے ہیں لیکن شاید اس سے اتنا فرق نہیں پڑتا جو کسی ایک کے کرنے سے پڑتا ہے۔ رات اس کے کام کی تو تعریف ہوئی لیکن اس کی نہیں۔ جس طرح عجوم

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نے کی اس نے اس کے دل پر نقش چھوڑ دیے۔ اس نے مان لیا کہ وہ پیاری ہے اور بہت پیاری لگ رہی ہے۔ پیارا ہونا بہت اچھا لگتا ہے۔ خاص کر جب کسی کو لگا جائے۔

اوپن ریسٹورنٹ میں ان دونوں نے اٹالین فوڈ کھایا۔ بے مقصد بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ کچھ لو کر، کچھ طنزاً، کچھ مذاقاً دو گھنٹے گزار دیے... دو گھنٹے ... اور اسے پتا ہی نہیں چلا کہ اتنا وقت گزر گیا۔

"شکریہ عجوم..." اپنی بہترین مسکراہٹوں میں سے ایک کو وہ چہرے پر سجائے اس کی ممنون تھی۔

"کیوں...؟" اس کے لہجے میں حیرت نمایاں تھی۔

"تم نے مجھ سے اتنی باتیں کیں۔ میرا وقت بہت اچھا گزرا۔"

"ہاہا... باتیں کرنے پر شکریہ۔"

"ہاں! میرا بھائی یہاں میرے ساتھ نہیں ہوتا۔ میرا کوئی فرینڈ بھی نہیں ہے۔"

اور پاپا؟ ماما؟"

"پاپا؟" وہ خاموش سی ہو گئی۔

"تم اداس ہو گئی ہو... ہے نا؟"

"میں ہمیشہ اداس ہی رہی ہوں... روتی دھوتی، چیختی چنگھاڑتی۔ محرومیاں جتنی زیادہ ہوں، شخصیت میں انتشار اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔ جو لوگ گلا پھاڑ کر روتے رہے ہوں، انہیں چپ ہو کر رونے میں بڑا وقت لگتا ہے۔ جو سسکتے رہے ہوں، انہیں قہقہے لگانے میں صدیاں لگ جاتی ہیں۔"

زیر لب وہ کہتی گئی اور وہ اسے دیکھتا رہا۔

"میں ہوں نا تمہارا دوست... تمہارا بڈی..."

اس نے اپنے بڈی کی طرف دیکھا اور مسکرا دی۔

حفصہ ٹھیک کہتی ہے "منڈا ہے کیوٹ۔"

☆ ☆ ☆

ان کی طرف سے دی جانے والی ٹریٹ کہاں تھی اور کیسی ہوئی تھی اسے نہیں معلوم تھا۔ اس کے سب کلاس فیلوز جا رہے تھے۔ اور وہ بھی جانا چاہتی تھی۔

یہ ٹریٹ پارٹی کسی بار میں دی گئی تھی۔ اور اسے وہاں جا کر اپنے آنے پر شدید افسوس ہوا تھا۔ جس کلاس فیلو نے اسے پک کیا تھا۔ اس نے ہی اسے ڈراپ کرنا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ بار اس شہر میں کہاں ہے۔ تو وہ آتی کیسے اور جب آ نہیں سکتی تو جاتی کیسے۔ اس لیے اسے اب وہیں بیٹھے ان سب کے فارغ ہونے کا انتظار کرنا تھا اور فی الحال وہیں رہنا تھا۔ ڈانس فلور پر اس کے کلاس فیلو پاگل ہو رہے تھے۔ اور وہ یہ سوچ کر ہنسنے لگی کہ لالہ کے گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ وہ کہاں کہاں پائی جائے گی۔

ایک طرف بیٹھ کر وہ انتظار کرنے لگی اور رات گئے تک اس کی واپسی ہوئی۔

صوفیہ آنٹی، سکندر احمد لاؤنج میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ احد گیم کھیل رہا تھا شاید... مگر صرف اس کے وہاں آنے سے پہلے تک... اس کے صوفے پر بیٹھتے ہی اس نے اپنا گیم بند کیا اور سب کو بلا لازمہ اسکرین کی طرف متوجہ کیا۔

"پاپا! دیکھیے ذرا اپنی بیٹی کے کمالات..."

وہ مجھے ڈورس کی واک دکھانے کے لیے سب کو متوجہ کر رہا ہے لیکن وہاں ڈورس نہیں منال تھی... بار میں...

"آپ جانتے ہیں یہ کون سا بار ہے۔"

سکندر احمد کا تناؤ زدہ چہرہ دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ انہیں معلوم ہے کہ یہ کون سا بار ہے۔ ڈورس بھی اس کے ساتھ آ کر بیٹھ چکی تھی۔

"آپ کی بیٹی بہت فاسٹ جا رہی ہے۔ راتوں رات فیس بک پر چھا گئی ہے یہ..."

اس کا منہ اس وقت ایسا ہی لگ رہا تھا جیسا احد کا اس وقت تھا جب اس نے اس پر سوپ پھینکا تھا۔ احد کا حلقہ احباب اتنا تو تھا کہ اسے یہ تصویریں مل گئی تھیں۔ سکندر احمد کے اعصاب تنے ہوئے تھے۔ اس رات والی خوشی اور گرم جوشی کا کہیں نام بھی نہیں تھا۔

وہ آزادی کے قائل تھے لیکن بے حیائی کے نہیں۔ ڈورس کی جتنی بھی ماڈلنگ اس نے دیکھی تھی وہ سب ویسٹرن ڈریسز میں ضرور تھی۔ لیکن بے ہودہ نہیں تھی۔ لیکن جس انداز میں اس کی تصویریں لی گئی تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ ایسی کمپنی میں بیٹھی ہے جو ٹھیک نہیں ہے۔

سکندر احمد اٹھ کر چلے گئے۔ احد بار بار تصویروں کی سلائیڈ چلا رہا تھا۔ ڈورس ببل کھاتے ہوئے وہ سب تصویریں ایسے دیکھ رہی تھی جیسے اس کی کوئی پسندیدہ مووی لگی ہو۔ اس نے ریموٹ چھین کر دیوار پر دے مارا۔

"کہاں سے لی ہیں تم نے یہ تصویریں؟" وہ چلائی۔

"جہاں جہاں یہ موجود تھیں۔۔۔ وہاں وہاں سے۔" وہ مزے سے بولا۔

"تم ناراض کیوں ہو رہی ہو، دیکھو تم تو مشہور ہو گئی ہو۔" ڈورس نے کہا۔

"تم اپنی بکواس بند رکھو۔۔۔"

"تم اپنی حرکتیں محدود رکھو۔" وہ اٹھ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ "ایسے ہر کام سے باز رہو جو پاپا کو اپ سیٹ کر دے۔"

"تمہیں مجھے ہدایات دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ضرورت تو ہمیں تمہاری بھی نہیں ہے۔"

"یہ تمہیں طے نہیں کرنا۔۔۔"

"تم وہ زبردستی کا بوجھ ہو جو پاپا اٹھا رہے ہیں۔"

اس بات کے آگے وہ کوئی جواب نہیں دے سکی۔ یہ سچ تھا۔ وہ من چاہی نہیں تھی۔ وہ بوجھ تھی۔ اچانک ملنے والی بری خبر۔ زبردستی ان کی زندگی میں آجانے والی۔ ماموں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ کسی صورت اسے اپنے پاس نہیں رکھیں گے۔ اسے ہر صورت اپنے باپ کے پاس ہی جانا ہو گا۔ یہی اس کی ماں کی آخری خواہش تھی۔ اگر اس کے پاس کوئی متبادل ہوتا تو وہ اس وقت یہاں نہ ہوتی۔ وہ نہیں بھی ہوتی لیکن یہاں ہرگز نہ ہوتی۔

مشہور مزاح نگار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں

کارٹونوں سے مزین

آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش

کتاب کا نام	قیمت		
آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-
نگری نگری پھرا مسافر	سفرنامہ	225/-
خمارِ گندم	طنز و مزاح	225/-
اُردو کی آخری کتاب	طنز و مزاح	225/-
اس بستی کے کوچے میں	مجموعہ کلام	300/-
چاند نگر	مجموعہ کلام	225/-
دل وحشی	مجموعہ کلام	225/-
اندھا کنواں	ایڈگرایلن پو/ابن انشاء	200/-
لاکھوں کا شہر	اوہنری/ابن انشاء	120/-
باتیں انشاء جی کی	طنز و مزاح	400/-
آپ سے کیا پردہ	طنز و مزاح	400/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

☆ ☆ ☆

اسے شاید فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ سب اس کے لیے کیا سوچ رہے ہیں لیکن اسے فرق پڑ رہا تھا کہ سکندر احمد ایسے اٹھ کر چلے گئے تھے۔ صرف دو تین دن پہلے وہ اس کی تعریف کر رہے تھے اور صرف دو تین دن کے بعد وہ اس کی حرکت پر شرمندہ ہو گئے تھے۔

اس نے سوچا اسے ٹیکسی میں ہی فوراً" واپس آجانا چاہیے تھا۔ وہ جگہ اس کے لیے بھی اتنی پسندیدہ نہیں تھی کہ وہ وہاں مزے سے بیٹھی رہتی لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ان کے پاس جا کر انہیں خود سے یہ سب بتانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ انہیں خود سے سوائے کام کے مخاطب نہیں کرتی تھی۔ صرف صوفیہ آنٹی تھیں جن سے وہ بات کرتی اور آنے جانے کا بتاتی تھی۔ انہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے' کب آئے گی۔ وہ اسے فون کرتیں 'اس کے ساتھ رابطے میں رہتیں۔ اس گھر میں سب کچھ کرنے کی آزادی تھی لیکن حدود میں رہ کر۔

دل تو اس کا چاہ رہا تھا کہ احد کا سر پھوڑ دے جا کر لیکن چاہ کر بھی وہ ایسا کر نہیں سکتی تھی۔ وہ اس کے اتنے پیسے مانگ مانگ 'اٹھا اٹھا کر کھا چکا تھا اور پھر بھی یہ سب کرنے سے باز نہیں رہا۔ تھوڑی سی شرم ہوتی تو ڈوب مرتا۔ اس نے اسد کو فون کیا۔

"کیا ضرورت تھی باہر جا کر پڑھنے مرنے کی؟"

"کیوں اتنا بھڑک رہی ہو؟"

"میں یہاں اکیلی جنگ لڑ رہی ہوں 'تم وہاں مزے کر رہے ہو۔"

"کس نے کہا ہے جنگ کرنے کو۔ تم بھی لائف انجوائے کرو۔ کنگ فو پانڈا بننا چھوڑ دو۔ نارمل ہو جاؤ۔"

وہ نارمل ہو جاتی اگر اس کے آس پاس ایب نارمل لوگ نہ ہوتے۔ احد اکثر سے زیادہ گھر سے باہر ہی رہتا تھا۔ جتنا وقت وہ گھر میں گزارتا تھا واش روم میں ہی گزارتا تھا یا صوفیہ آنٹی سے کچھ نہ کچھ پکوا کر کھانے میں اور تیار ہو کر شام کروز بن کر کار میں بیٹھ کر۔۔۔ شو ہو جانے میں۔

دو تین بار جب وہ ایسے ہی کھانے کا کہہ کر واش روم میں چلا گیا تو اس نے اس کا موبائل پکڑ کر اچھی طرح کھنگال ڈالا۔ اس کے موبائل میں اتنا کچھ تھا کہ۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ کس کس کے ساتھ کیا کیا کرے۔

کچھ گدھے موبائل اتنا یوز کرتے ہیں کہ وہ موبائل پر پاس ورڈ لگاتے ہی نہیں کہ کون بار بار پاس ورڈ اوپن کرے۔ احد بھی ان ہی گدھوں میں سے ایک کھوتا تھا۔ اسی لیے منال کے ہاتھ میں اس کی زندگی کی تباہی کا سارا ڈیٹا موجود تھا۔

بس کچھ ویڈیوز۔۔۔ کچھ پرسنل میسجز۔۔۔ کچھ ایسی۔۔۔ زیادہ وہی تصویریں اس نے سوشل سائٹس پر پوسٹ کر دیں اور اس کے فرینڈز کو ٹیگ کر دیا۔ موبائل واپس رکھا اور لاؤنج میں بیٹھ کر میگزین پڑھنے لگی۔

باہر نکل کر احد کو اپنا کھانا کھانا تھا۔ جو وہ صوفیہ آنٹی سے کہہ کر گیا تھا۔ جب تک وہ باہر نکل کر اپنی فرمائشی ڈش کھاتا 'اس سے پہلے ہی اس کا فون کچھ اس شدومد سے بجنے لگا کہ صوفیہ آنٹی تک نے گھور کر اس کے فون کو دیکھا۔

"دیکھو کہاں آگ لگی ہے۔" وہ چڑ گئیں۔

آگ دیکھنے کے لیے اس نے فون اٹھا لیا اور۔۔۔

"نو۔۔۔ میں نے نہیں کیا۔۔۔ واٹ دا ہیل میں نے ابھی موبائل پکڑا ہے شٹ اپ۔۔۔ اسٹاپ اٹ۔"

وہ چلا رہا تھا 'گالیاں دے رہا تھا۔ وہ مزے سے پیر ہلا رہی تھی۔ طوفان کے آثار تھے 'اور وہ گنگنانا چاہتی تھی۔

کال کرنے والے کو ہولڈ کروا کر اس نے اپنا اکاؤنٹ دیکھا۔ جیسے ہی اس کا رنگ اڑا ویسے ہی منال نے زیر لب گنگنانا شروع کر دیا ہے۔ اس نے سیٹی مارنے کی کوشش بھی کی۔

گردن موڑ کر احد نے اسے دیکھا اور اس کا گلا دبانے کے لیے اس کے قریب آیا۔

URDU SOFT BOOKS DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"تم نے میرے فون کو لیچ کیا؟"

"نہیں۔۔۔ صرف لیچ نہیں۔۔۔ میں نے پورا کھنگال ڈالا۔۔۔ پھر جو جو اچھا لگا وہ پوسٹ کردیا۔۔۔ کچھ یہاں ۔۔۔ کچھ وہاں۔۔۔ شو ہو تو بھرپور۔۔۔ ورنہ مزا نہیں آتا۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

"آج کی رات تمہاری آخری رات ہے۔" وہ چلایا۔

"یہ تم کیسے بات کررہے ہو اپنی بہن سے؟" سکندر احمد آچکے تھے۔

"پاپا اس نے میرے فون سے میرا پرسنل ڈیٹا شیئر کردیا ہے۔" وہ اپنا غصہ دباتا بمشکل بولا۔

"میں نے اس کے فون کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔" منال نے جھوٹ بولا۔

سکندر احمد نے خفگی سے احد کو دیکھا اور وہ پاؤں پٹختا چلا گیا۔ "دنیا میں اتنی بم دھماکے ہوتے ہیں' پتا نہیں اس گھر میں سے کوئی ان میں سے کیوں نہیں مرتا۔"

☼ ☼ ☼

اسے معلوم نہیں تھا کہ عجوم کو اس میں کیا اچھا لگتا ہے۔ لیکن منال کو یہ معلوم تھا کہ اسے عجوم اچھا لگتا ہے۔ "سارے کا سارا" ہر طرح سے' ہر انداز میں۔ وہ روز ملتے تھے۔ دن میں کئی بار ملتے تھے۔ ہنستے' باتیں کرتے' لڑتے اور مل کر کسی نہ کسی نئی جگہ یا کیفے میں کھانا کھاتے تھے۔ منال نے اس کے ساتھ کچھ زیادہ ہی سیاحت کرلی تھی۔ اب اس کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ ڈورس یا احد سے لڑے۔ وہ یونیورسٹی کے بعد عجوم کے ساتھ کافی وقت گزار لیتی تھی۔ رونے کے لیے اسے حفصہ کو فون کرنے کی ضرورت نہیں رہتی تھی کیونکہ اب اسے رونا آتا ہی نہیں تھا۔ وہ خوش رہنے لگی تھی۔

سکندر احمد کے ساتھ اس کی ہلکی پھلکی بات چیت ہوجاتی تھی۔ یا وہ اس کے کمرے میں آجایا کرتے تھے یا اسے اپنے کمرے میں بلالیا کرتے تھے۔

"تمہاری اسٹڈیز کیسی جارہی ہیں منال!"

"سب ٹھیک ہے۔۔۔" وہ انہیں مختصر جواب دینا ہی پسند کرتی تھی۔

"تمہارے فرینڈز نہیں بنے؟"

"بنے ہیں۔۔۔ کلاس فیلو بھی اور یونیورسٹی فیلو بھی۔"

"گڈ۔۔۔ انہیں گھر بلاؤ۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔"

"کچھ چاہیے تو نہیں؟"

"نہیں۔"

"تم پاپا سے پیسے لے لو۔۔۔ مجھے ضرورت ہے۔" ڈھیٹ ابن ڈھیٹ صبح صبح اسے روک کر کھڑا تھا۔

"لیکن مجھے یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"دیکھو' بات کو بڑھاؤ نہیں۔ مجھے پاپا سے پیسے لے دو۔ مجھے ٹیم کو فنڈ دینا ہے۔ تمہیں وہ انکار نہیں کریں گے۔"

"پر میں جھوٹ کیوں بولوں۔۔۔ وہ بھی تمہارے لیے؟"

"سوتیلا ہی سہی تمہارا بھائی ہوں۔ اور تم کون سی ایسی سچی ہو کہ جھوٹ بولنے پر گلٹ سے مرجاؤ گی۔"

"سوتیلے ہی سہی تم میرے دشمن ہو' میں جھوٹ بول کر اس دشمن کا پیٹ کیوں بھروں۔ تم اپنی سگی بہن کے پاس کیوں نہیں جاتے؟"

"کیونکہ تم دونوں سگی سوتیلی بہنوں نے میرے باپ کو لوٹ کر کھالیا ہے کہ اس کے پاس میرے لیے پیسے ہی نہیں بچے۔"

"تو ٹھیک ہے' غریب رہ کر زندگی گزارو۔ ورنہ لوٹ مار مچاؤ۔ چور ڈاکو بن جاؤ۔"

کہہ کر وہ چلی گئی لیکن رات کو وہ خود۔۔۔ سکندر احمد کے کمرے میں گئی اور ان سے احد کے لیے بات کی۔

"یہ لڑکا ہم سب کو دیوالیہ کردے گا۔ ہر ایک سے بھیک مانگتا رہتا ہے۔"

انہوں نے پیسے دے دیے۔۔۔ لیکن زیر لب بڑبڑائے بھی۔ منال ہنس دی۔ احد کے کمرے میں جاکر اس نے

سائیڈ ٹیبل پر پیسے رکھ دیے اور اوپر نوٹ لکھ کر پیپر ویٹ رکھ دیا۔

"غریب لوگوں کے لیے 'امیر لوگوں کی طرف سے۔"

اگلے دن وہ عجوم کو یہ بات بتائے بغیر نہیں رہ سکی۔

"وہ ساری دنیا کو دیوالیہ کردے گا لیکن پھر بھی اور اور اور کہتا پھرے گا۔"

"بڑی مزیدار پرسنالٹی ہے تمہارے بھائی کی۔"

"وہ کوئی ڈش نہیں ہے۔"

"واؤ! تم برا مان رہی ہو۔"

"میں اسے کچھ بھی کہہ سکتی ہوں لیکن تم نہیں۔"

"اوہو! اچھا چلو آج تمہیں سینٹ سے ملواتا ہوں۔"

"مجھے گھر جلدی جانا ہے۔ اسائنمنٹ پر کام کرنا ہے۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی لیکن گھر نہیں جاسکی۔

"اگر تم گھر گئیں تو پتھر کی ہوجاؤ گی۔ سمجھیں۔"

"سمجھ گئی۔ تمہارا اپنے ڈاکٹر سے ملاقات کا وقت آ گیا ہے۔"

"تمہارا مجھ سے ملاقات کا وقت ختم نہیں ہوا..... اس لیے چلو میرے ساتھ....."

اسے جانا پڑا۔

"یہ منال ہے....." عجوم نے اس کا تعارف کروایا۔ "اور منال! یہ سینٹ ہے....."

"من..... آل....." اٹک اٹک کر اس نے نام دہرایا۔ یہ عجوم کا ڈانس انسٹریکٹر تھا۔ اس کے سر پر بال نہیں تھے۔ وہ گنجا تھا لیکن سر پر کافی سانپ بچھو وغیرہ بنے ہوئے تھے۔

"مشکل نام ہے....." دوبار نام دہرا کر جیسے وہ تھک گیا۔

"تمہاری طرح....." عجوم ہنسنے لگا۔

میوزک آن کرکے وہ اور عجوم ڈانس کرنے لگے۔ سارا وقت انہیں دیکھ دیکھ کر وہ ہنستی رہی۔ الٹے سیدھے ڈانس اسٹیپ اور مشکل بھی..... کسی ایک اسٹیپ پر اس کی ہنسی کچھ زیادہ ہی بلند ہوگئی سینٹ رک گیا۔

"یہ ہمارا مذاق اڑا رہی ہے۔ خاص کر میرا اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔" ڈانس روک کر اس نے سنجیدگی لیے اس کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں' نہیں..... بالکل نہیں..... ایسا نہیں ہے۔" شدت سے وہ سر کو نفی میں ہلانے لگی۔ ایک ہی لمحے میں اس کے سانس کی آمدورفت ڈھیلی ہوگئی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے۔

"یہ تو بہت بھولی ہے۔ میرا اگلا مذاق تو اس کی جان لے لیتا۔"

"اور میں تمہاری....." عجوم نے اس کا مکا بنا کر ڈرایا۔

"کھڑی ہو جاؤ....." وہ اس سے کہہ رہا تھا' وہ کھڑی ہوگئی۔

"ایسے کرو....." اس نے پیروں کو آگے پیچھے دوبار حرکت دی۔

"میں نہیں کر سکتی....." بدحواسی میں وہ سر ہی ہلاتی گئی۔

"کم آن..... مشکل نہیں ہے..... ایسے۔" اس نے پھر کرکے دکھایا..... "بچے بھی کر لیتے ہیں یہ..... کم آن..... ایک بار صرف....."

اس نے کوشش کی کرنے کی لیکن اسے اچھا نہیں لگا۔ لیکن وہ بہت خوش ہوا۔

"ایک بار پھر کرو....."

وہ اور اصرار کرنے لگا وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔ ناچار اس نے پھر کوشش کی مگر لڑکھڑا گئی۔ عجوم نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اب کرو..... اب نہیں گرو گی۔"

عجوم کے لیے یہ معمولی بات تھی۔ ہاتھ پکڑ لینا' لیکن جس کا پکڑا تھا اس کے لیے یہ عام بات نہیں تھی۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ سانس اور دھڑکن ایک لمحے کے لیے جیسے رک گئیں۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"کرو بھی۔۔۔"
وہ کہہ رہا تھا۔ وہ سن رہی تھی۔۔۔ بس۔۔۔
"کرلو۔۔۔ پتھر کا بننے کی ضرورت نہیں ہے۔"
پتھر منال میں جنبش ہوئی۔ اس نے ویسا ہی کیا جیسا سینٹ نے کیا تھا۔
"اس بار تم نے بہت اچھے انداز میں کیا۔"
وہ خوش تھا لیکن وہ خاموش تھی۔ اسے چپ لگ گئی تھی۔ اگلے دن بھی وہ ایسی ہی رہی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر جیسے وہ اس کی دنیا میں آگیا تھا۔
"یہ لو۔۔۔" اس نے اس کے سامنے تہ شدہ کاغذ کیا۔
"کیا ہے یہ۔۔۔؟" پکڑے بغیر وہ پوچھ رہی تھی۔
"تمہارا خط۔۔۔"
"میرا خط۔۔۔؟ لیکن کس کا خط اور تمہیں کیسے ملا؟"
دراصل وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ اس زمانے میں خط۔۔۔
"ہاں تمہارا خط۔۔۔ مجھے کسی نے دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ خط تمہیں کب سے ڈھونڈ رہا ہے۔"
اس نے کھولا۔۔۔ سفید کاغذ پر بہت بڑی مسکراہٹ بنائی گئی تھی اور لکھا تھا۔ "آپ مجھے کہاں بھول آئی ہیں۔ میں کب سے آپ کو ڈھونڈ رہی ہوں۔۔۔ آپ کی مسکراہٹ۔۔۔"
پڑھتے ہی وہ بے اختیار مسکرانے لگی۔ "اپنی شکل بنائی ہے؟"
"اگر میری شکل دیکھ کر تمہیں ہنسی آتی ہے تو یہ ہی سمجھ لو۔۔۔ تم کہاں بھول آئی تھیں مجھے؟" منہ بنا کر اس نے پوچھا۔
وہ اور زیادہ ہنسنے لگی۔
"کل سے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ ایسے ہی گم صم ہو۔ کیا بات ہے؟"
"لیکن صبح تو ہم ملے ہی نہیں۔"
"ہاں نہیں ملے۔۔۔ لیکن تمہیں دیکھا ضرور تھا۔۔۔ بور ہو رہی ہونا۔۔۔ کتنی بور لائف ہے ہماری۔ کتنے بے چارے ہیں ہم۔۔۔ سارا دن پڑھتے ہیں۔ کام کرتے ہیں اور رات کو سو جاتے ہیں۔" وہ ساتھ ساتھ بے چاری شکلیں بھی بنا رہا تھا۔
"چلو تمہیں ایتھنز و کھاؤں۔"

☆ ☆ ☆

اوڈین تھیٹر کی شان و شوکت ہال کے لوگوں کے لیے بھی خیرہ کن تھی۔ گولائی میں ترتیب سے بنی سیڑھیاں اور اوپر نیچے چلتے پھرتے لوگ۔۔۔ یہ منظر اسے بہت دلچسپ لگا۔
"تم پہلی بار آئی ہو نا؟ تمہاری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تم یہاں پہلی بار آئی ہو۔ تمہاری آنکھیں جب حیران ہوتی ہیں، مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ پہلے یہ تب بھی حیران تھیں جب میں نے تم سے کافی منگوائی تھی۔ اس لیے مجھے انہیں حیران کرنا اچھا لگتا ہے۔"
عجوہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا اس سے کہہ رہا تھا۔ اوڈین تھیٹر اسے بہت روشن لگا۔ جیسے ایتھنز لگتا تھا۔ جیسے اسے اب یہ دنیا لگنے لگی تھی۔
پھر ہر چیز اچھی لگنے لگی۔ خوب صورت۔۔۔ کھلی کھلی۔۔۔ پر بہار۔۔۔
وہ صوفیہ آنٹی کے ساتھ احد کا میچ دیکھنے گئی تھی۔ وہ لائیو میچ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ زیادہ ہجوم نہیں تھا۔ زیادہ تر اسکول کے طلباء تھے۔ والدین اور کچھ مقامی لوگ۔ وہ بھی کھڑی ہو کر ہاؤ، اؤ کرتی رہی۔ احد کے گول کرنے پر اس نے بھی گراؤنڈ کو سر پر اٹھا لیا۔
احد کی ٹیم میچ جیت گئی تھی۔ صوفیہ آنٹی بہت خوش تھیں احد کے لیے۔ احد بھی بہت خوش تھا۔
"ماما! مجھے اب اپنے فرینڈز کو ٹریٹ دینی ہوگی۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا۔"
ہانپتے ہوئے اس نے پہلی فرصت میں، پہلی بات صوفیہ آنٹی سے آکر یہ کی۔
"یس مائی سن! میں کچھ زیادہ ہی سمجھ رہی ہوں۔ تمہاری جیت ہم پر بہت بھاری پڑنے والی ہے۔"
"کیسی لگی میری پرفارمنس؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔
"اچھی لگی۔"

"بہت اچھی کہو..." کہہ کر وہ گراؤنڈ میں واپس بھاگ گیا۔

اسے اپنے ایک کلاس فیلو کے انکل کے بیڈ روم کا کام ملا تھا۔ انہیں ٹرینڈ سے ہٹ کر کچھ کراس کلچر چاہیے تھا۔ اسی لیے اس کے کلاس فیلو نے اسے ریفر کیا تھا۔ سب جانتے تھے وہ جو بھی کرتی ہے اس میں اس کے اپنے ملک کی تہذیب کی جھلک ضرور نظر آتی ہے۔

صرف بیڈ روم ہی تھا تو اسے زیادہ مسئلہ نہیں ہوا۔ انہوں نے اسے اچھا معاوضہ دیا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اسے اس کام میں اتنے زیادہ پیسے بھی مل سکتے ہیں۔ وہ بھی تعلیم کے دوران ہی۔ اس نے اپنے کلاس فیلوز کی نسبت زیادہ کام کرلیا تھا۔ اسے سکندر احمد کے ایک سائٹ آفس کا کام بھی ملا تھا۔ جسے تین کے گروپ نے مکمل کیا تھا۔ اس کے پاس پیسوں کی کمی یہاں آنے کے بعد سے نہیں تھی۔ لیکن اب اس کے پاس اپنے پیسے تھے اور کافی سے زیادہ تھے۔ پاکستان وہ باقاعدگی سے پیسے بھیجتی رہتی تھی۔ ماموں، مامی اسے منع کرتے رہتے تھے لیکن وہ باز نہیں آتی تھی۔ ماموں نے اسے باپ بن کر پالا تھا۔ اس کی کمائی پر ان کا پہلا حق تھا۔ وہ حفصہ کو بھی الگ سے پیسے بھیجتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ جن محرومیوں نے ہمیشہ ان کے گھروں میں جگہ بنائے رکھی وہ ہمیشہ وہاں موجود رہیں۔

عجرم اپنے ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ اسٹڈی ٹور پر تھا۔ اس لیے اس کے یونی ورسٹی کے دن پھیکے پھیکے سے تھے۔

"سینٹ...!" وہ مال میں ضروری چیزیں لے رہی تھیں۔ جب اسے وہ نظر آیا۔

"ہائے..." سینٹ کی آواز میں نقاہت تھی۔

"تمہیں کیا ہوا۔" اسے وہ بہت لاغر اور بیمار نظر آرہا تھا۔ "بیمار ہو..."

"بیمار تھا... اب ٹھیک ہوں۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"کیا ہوا تھا؟" دیکھنے میں وہ اسے ابھی بھی بیمار ہی لگ رہا تھا۔

"بیمار تھا اور بیمار ہی ہوا تھا۔" وہ ہنسنے لگا۔

"میں تمہیں ڈراپ کردوں؟" عام حالات میں وہ کبھی اسے نہ کہتی، لیکن اسے دیکھ کر لگ رہا تھا۔ جیسے وہ چل بھی نہیں سکتا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا شاپنگ بیگ تھا۔ وہ شاید اپنے لیے کھانے پینے کی اشیا لینے آیا تھا۔

"ضرور..." وہ فوراً بیٹھ گیا۔

"تم جاب نہیں کرتے؟"

"نہیں... مجھے لگتا ہے، میں ایک براڈانسر ہوں اور مجھے جاب نہیں کرنی چاہیے۔ عجرم جیسا کوئی مل جائے تو میرا گزارا ہو جاتا ہے۔"

اس کی طرف دیکھ کر اسے اس سے ہمدردی ہو رہی تھی۔ اس کی صحت بری طرح سے خراب تھی۔ وہ بہت کمزور نظر آرہا تھا۔

"میرے ساتھ کام کرو گے... ہیلپر... جاب نہیں ہے۔ مجھے کبھی کبھی کچھ کام ملتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کا کام ہوتا ہے۔ تم میرے ساتھ مدد کروا دیا کرنا۔ زیادہ کام نہیں ہوتا۔" اس نے آفر کی۔ سینٹ اپنا سر کھجانے لگا۔

"کبھی کبھی نا؟" اس نے پوچھا۔ منال نے بھی مسکراتے ہوتے ہاں میں سرہلا دیا۔

"اور صرف ایک ہفتے کا ہی کام ہوتا ہے نا؟"

"ایک ہفتے سے زیادہ کا ہوا تو تم نہ کرنا۔ چھوڑ دیا کرنا۔"

"ٹھیک ہے، لیکن میرا موڈ کبھی بھی بدل سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، کوئی مسئلہ نہیں... یہ تمہارا ایڈوانس ہے۔ آج سے تم میری جاب پر ہو۔" اس نے پیسے نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔ جو اس نے پکڑ لیے اور وہ بڑی دیر تک انہیں گھورتا رہا۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU SOFT BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
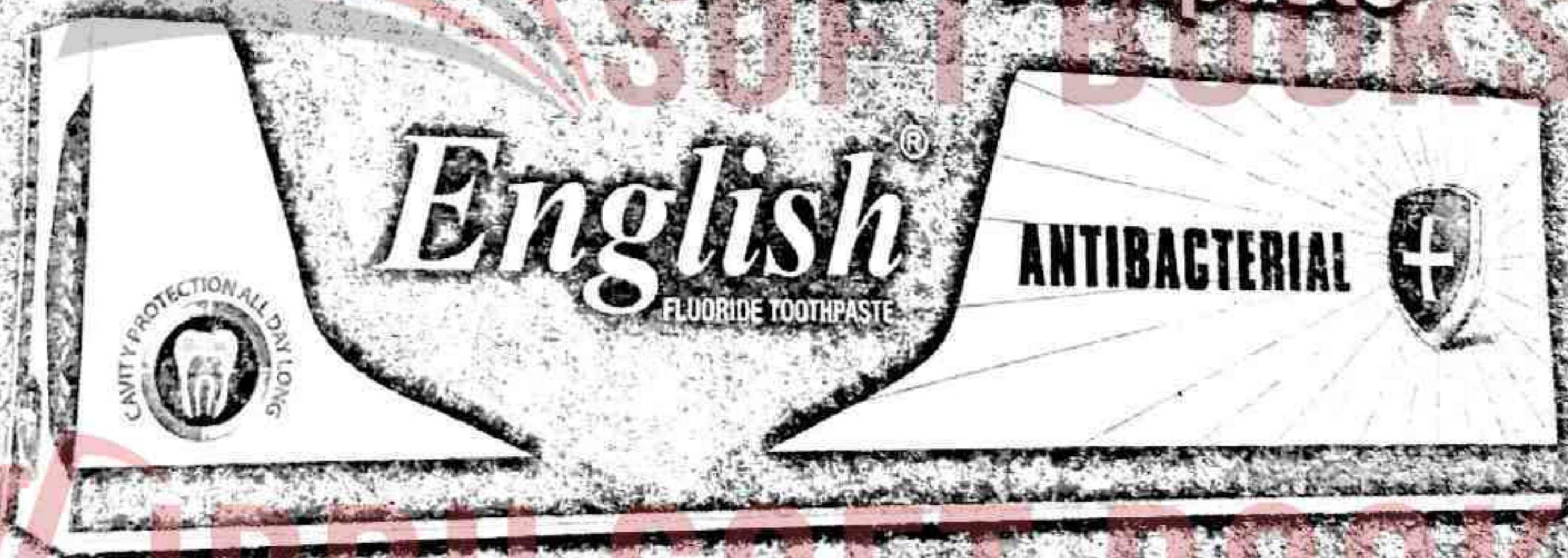
"مجھے تمہارا انداز اچھا لگا۔۔۔ مدد کرنے کا۔۔۔ تم اچھی لڑکی ہو۔" کہہ کر وہ ہاتھ ہلاتا گاڑی سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

عجوم نہیں تھا۔ وہ اس کی تصویریں سامنے پھیلائے دیکھ رہی تھی جو اس نے اوڈین میں لی تھیں۔ وہ اکثر انہیں نکال کر دیکھتی رہتی تھی۔ وہ خوش ہوتی تب بھی، اداس ہوتی تب بھی۔ سکون کی نہ سمجھ میں آنے والی کیفیت تھی۔ جس کا اسے احساس ہوتا تھا اسے دیکھ کر۔۔۔ وہ کیسے اس کی اداسی کو کم کرتا ہے۔ اس کا خیال رکھتا ہے۔ اس کی باتیں سنتا ہے۔ اسے مسکرانے کے لیے کہتا ہے۔ اس کا دل بھی اسی کی طرح شان دار ہے۔

تصویریں دیکھتے دیکھتے انہیں وہیں کاؤچ پر چھوڑ کر وہ اپنے لیے کچھ کھانے کے لیے لینے کچن میں چلی گئی۔ واپس آئی تو تصویریں ڈورس کے ہاتھ میں تھیں۔ وہ ایک ایک تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے آتے ہی اس نے ایک ادا سے آنکھیں گھمائیں۔ جیسے اس کا مذاق اڑا رہی ہو۔

"مجھے دو یہ۔۔۔" تیزی سے اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کی سمت بڑھایا۔

"لگتا ہے بہت خاص ہیں یہ۔۔۔" ڈورس نے ان تصویروں کو اس کے سامنے لہرایا۔

"دو یہ مجھے۔۔۔"

"لے لو۔۔۔ یہ لو۔"

ایک سیکنڈ میں اس نے تصویریں پھاڑ کر اس کے سامنے کیں۔ اس کے ہاتھ نہ بڑھانے پر ہوا میں اچھال دیں۔ اور کیٹ واک کرتی چلی گئی۔

اس کی بے حد پیاری چیز کے ٹکڑے ہو چکے تھے۔ ڈورس سے اور توقع ہی کیا کی جا سکتی تھی۔ اس نے ہی کوتاہی کی تھی۔ ایک ایک کرکے اس نے سب ٹکڑے سمیٹ لیے۔ اسے حقیقتاً بہت دکھ ہوا تھا۔ وہ ان تصویروں کا نیا پرنٹ نکلوا سکتی تھی، لیکن اس کی اداسی کم نہیں ہوئی۔ جو چیز اس کے لیے خاص تھی وہ سب کے لیے نہیں ہو سکتی تھی۔

"کیسا رہا ٹوئٹر۔۔۔؟" عجوم کے آتے ہی اس کی اداسی ختم ہو گئی۔

"تو تعلیمی بات۔۔۔" اس نے ہاتھ سے منع کیا۔ "پھر۔۔۔"

"مجھے کتنا یاد کیا؟"

"تمہاری فون پر بات ہو تو جاتی تھی۔"

"فون فون ہوتا ہے۔۔۔ لائیو لائیو ہوتا ہے۔۔۔ بور ہوتی رہی ہو میرے بغیر۔۔۔"

"ہرگز نہیں۔۔۔ میں میوزیم گئی۔ اتھمنا ٹیمپل گئی اور۔۔۔"

"تم نے ٹیمپل دیکھ لیا اکیلے اکیلے۔۔۔" اسے ٹوک کر وہ قدرے بلند آواز میں بولا۔

"اکیلے نہیں۔۔۔ فرینڈز کے ساتھ گئی تھی۔ ویسے تم نے نہیں دیکھا ابھی تک؟" وہ سمجھی شاید اس نے دیکھا ہی نہیں۔

"میں اسے سال میں پچاس بار دیکھتا ہوں۔ جب جب مجھے اسٹریس ہوتا ہے میں وہاں جاتا ہوں۔"

"وہاں۔۔۔؟ اسٹریس دور کرنے؟"

"نہیں۔۔۔ اور لینے کے لیے۔۔۔" وہ چڑ گیا۔

"تمہیں سال میں پچاس بار اسٹریس ہوتا ہے۔ تم گن کر اسٹریس لیتے ہو۔"

"ہاں۔۔۔ گن کر۔۔۔ تمہیں چاہیے؟ کتنا چاہیے؟ سو، دو سو یا ایک دو ہزار؟"

"تمہیں اسٹریس کیوں ہوتا ہے۔ تمہارے پاس اسٹریس ہونے کے لیے ایسا کیا ہے جو تم اسٹریس لو؟"

"آخری بار مجھے تب ہوا تھا جب میں اسٹیج پر فارم کرتے کرتے اپنے اسٹیپس بھول گیا تھا۔ میری کافی انسلٹ کی گئی اور ہوٹنگ بھی۔۔۔"

"لوگ ہوٹنگ کرتے ہیں۔۔۔ افسوس۔۔۔"

"لوگوں نے نہیں میرے اپنے گروپ کے لڑکوں نے کی۔"

"وہ مذاق کر رہے ہوں گے۔"

"خالص تذلیل کر رہے تھے وہ۔۔۔" اس نے لفظ

خالص پر زور دیا۔
"چلو تمہیں اپنے گروپ سے ملواؤں۔"
اسے لے کر وہ ان کے پاس آگیا۔ وہ لوگ پریکٹس کر رہے تھے۔ اسے تو عجیب ہی میوزک لگا ان کا۔
"کیسا لگا؟"
ایک لڑکے نے معلوم نہیں کیا گایا۔ ان سب نے تو اسے داد دی، لیکن اس کے سر پر سے گزر گیا۔
"عجیب...." اس نے صاف کہا۔ "سمجھ تو خیر کیا پاتی، لیکن سننے میں بھی اچھا نہیں لگا۔" عجوم نے اس کی بات اس لڑکے کو بتادی۔
"یہ اٹالین ہے۔ جس نے ابھی گایا اور یہ ہمارے گروپ کا سب سے بہترین سنگر ہے۔ یہ گانا جو اس نے ابھی گایا اٹالین شاعری ہے۔ جسے اس نے اپنے انداز میں گایا، لیکن میں نے اسے بتادیا ہے کہ تمہیں یہ کیسا لگا۔ اور وہ اس نظم کا مزید حشر نہ کرے۔"
پھر دوسرے لڑکے نے گانا گایا، لیکن صرف گٹار کے ساتھ۔ اس کی آواز اور گانا پہلے والے سے اچھا تھا۔ دو لڑکیاں اور تھیں دونوں کی آواز بہت اچھی تھی۔
"تم نہیں گاؤ گے؟"
"میں گاتا نہیں ہوں۔ میں ڈرمر ہوں۔ گا بھی سکتا ہوں، لیکن لائیو نہیں۔"
"میں سمجھی، تم بھی ان سب کی طرح گاتے ہو۔" اس نے مذاق اڑایا۔
"تم لفظوں کی زبان سمجھتی ہو.... ہے نا؟"
"مطلب....؟" اسے بات سمجھ میں نہیں آئی۔
"مطلب یہ کہ تمہاری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے کیا گایا۔ اس لیے شاید تمہیں ان کے گانے پسند نہیں آئے۔ ایک نے اٹالین، ایک نے جرمن اور دو لڑکیوں نے یونانی زبان میں گانے گائے۔ تم نے ان کے بول سنے، سمجھ نہیں آئے تو کہہ دیا کہ اچھا نہیں لگا۔ میوزک کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ وہ زبان سمجھ میں آنی چاہیے۔"
"شاید ایسا ہی ہے۔"
"تم کچھ گاؤ۔ وہ سب کے سب تمہیں بتائیں گے کہ تمہارا گانا کیسا تھا۔"
"میں.... کبھی نہیں۔" اس کا سر دائیں بائیں ہلنے لگا۔
"تم گا نہیں سکتیں؟ تمہیں گانا نہیں آتا یا تمہیں یہاں نہیں گانا؟"
"گانا بھی نہیں آتا اور یہاں بھی نہیں گانا۔"
صاف انکار۔
"کیسی بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔ کم آن۔ یہ کوئی مقابلہ نہیں ہے یہاں دوسرے لوگ بھی نہیں ہیں۔ صرف ہم چھ بندے ہیں اور یہ تم پر ہوٹنگ بھی نہیں کریں گے۔"
"منال گائے گی۔" اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے سب کو متوجہ کیا۔
"نہیں عجوم! پلیز۔ مجھے نہیں گانا۔"
"گاؤ پلیز۔"
اس کا انداز اور اس کی یونانی لب ولہجے والی اردو۔ باری باری اس نے سب کی طرف دیکھا۔ وہ سب اس کے گانے کا انتظار کر رہے تھے۔
"شرماؤ مت گاؤ...."
ایک لڑکی نے اسے ہمت دلائی۔ اس نے کچھ دیر تک کھڑے کھڑے کچھ سوچا اور اس نے پہلی لائن گا دی۔
"کھڑی نیم کے نیچے ہوں تو ہاں ہیکلی۔"
اس کی آواز کانپ رہی تھی مگر وہ سریلی تھی۔ یہ گانا اس نے ہزار بار سنا تھا۔ یہ گانا اس کے لیے ایسے ہی جانا پہچانا تھا جیسے اس کا اپنا نام۔ اسے خاموش کھڑے دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ اسے اتنا ہی گانا تھا بس۔ سب اصرار کرنے لگے۔ اب جب اس نے ایک لائن گا دی تھی تو وہ مکمل بھی گا سکتی تھی۔

جاتڑو اتاردو منال جھانی بالی دیکھ لے
جھرمر جھرمر مینہ برسے ٹھنوری لولا گائے
موریا پیا میٹھا بولے کوئل شور مچائے
لو تھاں نال پو چھاں جھیل بھنوریا ہیکلی

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

جاڑو واٹا رومناں جھانی ہانی دیکھ لے
اونٹھے چڑھیوا ونٹھ رونی رڑیو رڑیو جائے
سانسری مورا جھیل بھانو رہو ماسادر یو جائے
جاڑو واٹارومناں جانی مانی دیکھ لے
کھڑی نیم کے نیچے۔

گانا گاتے ہی وہ بے انتہا اداس ہو گئی۔ اس کی اداسی آواز میں محسوس کی جاسکتی تھی۔ اس نے اسے ایسے ہی سنا تھا۔ ہمیشہ اداسی سے گاتے ہوئے ایک ہی لے کے ساتھ۔ اور اس نے ویسے ہی گادیا۔ یہ وہ گانا تھا جو ایاں گایا کرتی تھیں۔ وہ اکثر ــــ یہ ہی گنگنایا کرتی تھیں۔ اگر ان کا موڈ اچھا ہوتا تب بھی' برا ہوتا تب بھی' وہ خوش ہوتیں تب بھی' اداس ہوتیں تب بھی۔۔۔

"نہیں اچھا لگا تمہیں؟ میری آواز بھی اچھی نہیں ہے نا؟" سب کچھ نہ کچھ بول رہے تھے۔ ایک وہی خاموش تھا۔

"گانا اور آواز دونوں اچھے تھے' لیکن اس کی دھن نے مجھے ڈسٹرب کر دیا۔"

"ڈسٹرب۔۔۔؟" اس کی شکل پر سوال ہی سوال نظر آنے لگے۔

"ہاں ڈسٹرب۔ تم اکثر اداس ہو جاتی ہو۔ میں جانتا ہوں۔ کیا تم اتنی ہی دکھی ہو جتنا یہ گانا؟ میں یہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"اس دنیا میں کون دکھی نہیں۔ سانس کے ساتھ غم جڑے ہیں۔"

"تم ڈسٹرب ہو گئی ہو؟ ہے نا؟"

"میں اب کم ڈسٹرب رہنے لگی ہوں۔ بہتر ہو رہی ہوں۔"

✡ ✡ ✡

"صوفیہ آنٹی! آپ کی ہمت ہے' آپ اتنے بڑے لان کی دیکھ بھال اکیلے کرتی ہیں۔" وہ ان کی مدد کروا رہی تھی۔ ویسے تو ڈورس اور سکندر احمد بھی ان کی مدد کروا دیا کرتے تھے۔ لیکن ــــ زیادہ کام انہیں اکیلے ہی کرنا پڑتا تھا۔

"میرا ایک ہی تو شوق ہے منال! شوق تھکاتے نہیں۔"

کام ختم کر کے دونوں کرسیوں پر آ کر بیٹھ گئیں۔ سکندر احمد کاروباری کام سے ملک سے باہر تھے۔ اور ڈورس رات گئے ہی واپس آتی تھی۔ آج کل وہ اسٹوڈنٹس فیشن ویک کی تیاری کر رہی تھی یا کپڑوں سے لدی پھندی گھر آتی تھی' یا دس بارہ لڑکے لڑکیوں کے گروپ سے۔۔۔

"مجھے گھر سے زیادہ لان کی فکر رہتی ہے۔ کتنی بار تمہارے پاپا سے دوسرے ملکوں کے پودے لانے کے لیے کہا' مگر کمال کے ہیں سکندر بھی۔ ایک بار بھی کوئی پودا لا کر نہیں دیا۔ ہر بار بھول جاتے ہیں۔ یہ ایک لان دے کر میری ہر بات بھول گئے کہ مجھے اور کیا کیا چاہیے۔" وہ بے نام شکوہ کر رہی تھیں۔

"آپ کو اور کیا چاہیے صوفیہ آنٹی؟" اسے حیرت تھی کہ انہیں اب بھی کچھ چاہیے۔

"ہمیں ہمیشہ صرف چیزیں نہیں چاہیے ہوتیں منال! شادی کے شروع دنوں میں میری شدید خواہش تھی کہ وہ مجھے پاکستان لے کر جائیں لیکن وہ مجھے نہیں لے کر گئے اور میں آج تک نہیں گئی۔"

"آپ جانا چاہتی تھیں؟"

"ہاں! میری خواہش تھی اور ہمیشہ رہی۔ میں چاہتی تھی کہ میرا بھی خاندان ہو۔ میرے سسرال والے ہوں۔ وہ یہاں رہیں یا میں ان کے پاس رہوں۔ دراصل میری شادی صرف میری ذمہ داری پر ہوئی تھی۔ میری فیملی نے سکندر سے میری شادی ضرور کر دی تھی لیکن وہ خوش نہیں تھے۔ پاکستان سے یہاں روزگار کے لیے آئے لڑکے سے وہ میری شادی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ میرے دادا اور میرے پاپا کا کاروبار بہت اچھا تھا۔ ایک عام سے لڑکے سے میری شادی انہیں منظور نہیں تھی۔ اپنے پاپا کی ہی فیکٹری میں میں منیجر تھی اور تمہارے پاپا ورکر۔"

"آپ نے ان کی مرضی کے خلاف شادی کی؟"

اس کا خیال تھا کہ سکندر احمد کی شان دار شخصیت کو

URDU SOFT BOOKS - DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS - WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دیکھ کر صوفیہ آنٹی کے خاندان والوں نے انہیں اپنے کاروبار کا لالچ دے کر ان سے شادی کروادی ہوگی۔

"مرضی کے خلاف نہیں، مگر مرضی سے بھی نہیں۔ میں اپنا فیصلہ کرنے میں آزاد تھی اور وہ میرا فیصلہ تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔ کیونکہ بہرحال وہ مجھ سے زبردستی نہیں کرسکتے تھے۔ میرے پاپا اور بڑے بھائی ایک عرصے تک ناراض ہی رہے لیکن تمہارے پاپا میں اتنی خوبیاں تو تھیں کہ وہ زیادہ عرصے تک ان سے خفا اور لاتعلق نہیں رہ سکے۔"

"یعنی پاپا نے کافی مشکلات جھیلیں؟"

"ہاں! تمہارے پاپا بہت محنتی ہیں۔ ہم دونوں نے اپنے اس بزنس کو کامیاب کرنے کے لیے اتنا کام کیا کہ ہم ہفتوں مہینوں کی گنتی بھی بھول گئے۔ ہم نئے شادی شدہ جوڑے سے زیادہ صرف ورکر لگنے لگے تھے۔ رات دن صرف کام کام اور کام۔۔۔"

منال کے لیے یہ باتیں نئی بھی تھیں اور حیران کن بھی۔ اسے تو لگتا تھا کہ صوفیہ آنٹی سے شادی نے سکندر احمد کو مالا مال کردیا۔ کیونکہ وہ ایک بڑے اور امیر خاندان سے تھیں۔ سکندر احمد نے یہ شادی ایک پُرآسائش زندگی کے لیے کی اور ان کے خاندان کے ڈر سے کبھی پاکستان بھی نہیں گئے۔

"تمہارے پاپا بہت اچھے ہیں منال!" باتیں کرتے کرتے انہوں نے اس کے گال چھو کر نرمی اور محبت سے کہا۔ "ان سے کوتاہی ضرور ہوئی ہے، لیکن وہ اچھے ہیں اور سب سے بڑھ کر وہ تمہارے پاپا ہیں۔ اپنے بزنس میں وہ اتنے مصروف رہے کہ مجھے بھی بھول گئے۔ میں نے ہمیشہ ان سے وقت نہ دینے کا شکوہ کیا۔"

وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔ کسی سے بھی اس کی ان کے لیے ناپسندیدگی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ انہوں نے منال کو بھی اب سب کچھ بتادیا تھا لیکن وہ وقت نہیں دیا تھا جو گزر چکا تھا۔ وہ جب جب انہیں دیکھتی تب تب اسے اماں کی آنکھیں یاد آتیں۔ جو کسی کا انتظار کرتے کرتے بند ہوچکی تھیں۔۔۔ انتظار جو کبھی قرار میں نہ بدلا۔۔۔

کچھ باتیں اختیار سے باہر ہوتی ہیں۔ ان کے لیے ناپسندیدگی اتنی پختہ ہوچکی تھی کہ اسے لگتا ساری زندگی گزر جائے گی۔ یہ ناپسندیدگی ایسے ہی قائم رہے گی۔ اس کی زندگی میں سکندر احمد اور ان کی فیملی آچکی تھی لیکن ان سب کی محبت نہیں۔ صوفیہ آنٹی اس سے محبت کرتی تھیں۔ ان کی محبت محسوس کی جاسکتی تھی۔ وہ اس کی چھوٹی چھوٹی ضروریات کا خیال رکھتی تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ اسے کیا کھانا ہے اور کیسا کھانا ہے۔ انہوں نے جس شخص سے محبت کی اس سے منسلک ہر شخص اور چیز سے محبت کرکے اپنی محبت ثابت کردی۔ ایسا بہت کم کیا جاتا ہے، لیکن انہوں نے ایسا کیا تھا۔ وہ سب سے اس کا تعارف میری بیٹی کہہ کر کرواتی تھیں۔ اس کے لیے خوش اور اس کے لیے فکر مند رہتی تھیں۔ وہ بلاشبہ قابل عزت اور قابل محبت خاتون تھیں۔

وہ ایسی نہیں بن پارہی تھی۔ وہ ڈورس سے کسی بھی انسان سے زیادہ نفرت کرتی تھی کیونکہ وہ پاپا کے قریب تھی۔ جو سکندر احمد کے دل کے قریب تھا وہ اس کے دل سے اتنا ہی دور تھا۔

✲ ✲ ✲

"میری ٹیم کو سپورٹ کروگی؟ یعنی اسپانسر؟" وہ اپنی ٹیم کے لیے ہر چھوٹے، بڑے، لمبے، موٹے، اچھے بُرے سے بات کرنے بیٹھ جاتا تھا۔ وہ ہر موسم میں، ہر وقت اپنی ٹیم کے لیے فنڈ مانگتا رہتا تھا۔

"کیسے۔۔۔؟" جانتی تو وہ بھی تھی کہ کیسے۔۔۔ مگر اس سے سننا چاہتی تھی۔

"مورل سپورٹ سے۔۔۔ مگر پیسوں کے ساتھ۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے احد کہ میں یا پاپا ہم کسی خزانے پر بیٹھے ہیں۔"

"لگنا وگنا کیا؟ مجھے تو یقین ہے۔"

"تم اپنی پاکٹ منی کا کیا کرتے ہو؟"

"وہ ہوتی ہی کتنی ہے کہ کچھ کروں۔ ویسے ہم جو

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کچھ جیتتے ہیں۔ چیرٹی کردیتے ہیں۔" اس نے یہ اطلاع بھی دی۔ "اختلافات اپنی جگہ' چیرٹی کے لیے پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔"

"چیرٹی تم کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر کرتے ہو؟ فرینڈز کے پیٹ بھر کر؟"

"تو بھوکوں کو کھانا کھلانا کیا ہوتا ہے؟"

"کمینہ پن۔۔۔"

"اپنے منہ سے آگ اگلنا بند کرو اور کام کی بات کرو۔ میری ٹیم کی باقاعدہ اسپانسر بن جاؤ۔ ویسے بھی اگلے سال تک تم ٹائمز کی ٹاپ ٹین بااثر لوگوں کی فہرست میں آجاؤ گی۔ اس سے پہلے کچھ نیک کام بھی کرو۔"

"ٹھیک ہے' لیکن میں باقاعدہ نہیں بے قاعدہ بنوں گی۔ پیسے ہوئے تو دے دوں گی' ورنہ۔۔۔"

"اگر مگر' ورنہ شرنہ' میں یہ سب نہیں جانتا۔ جو کہا ہے وہ کرو۔ زیادہ مس قلوپطرہ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے طیش مت دلاؤ کہ میں اس گھر میں سے کسی ایک آدھ کا خون کردوں۔"

"کردو۔۔۔ دیر کیوں کررہے ہو۔۔۔ کاٹ لو اپنا گلا۔"

☆ ☆ ☆

رقص کی اتنی اقسام سے وہ واقف نہیں تھی جتنی اقسام کے رقص وہ دیکھ چکی تھی۔ قریباً "قریباً" ہر ملک اور خطے کے لڑکے لڑکیوں' ہر عمر کے لوگوں کے گروپ نے پرفارم کیا تھا۔ کررہے تھے۔ یہ ایتھنز میں ہونے والا ایک بڑا اسٹریٹ فیسٹیول تھا۔ جس میں شاید سارا یونان ہی امڈ آیا تھا۔ سیاح مقامی لوگوں سے زیادہ پُرجوش تھے۔ وہ ہر ایونٹ' ہر پرفارمر اور ہر اسٹال کے پاس کھڑے رہتے اور ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لیتے۔

دن روشن اور نکھرا نکھرا تھا۔ رش اتنا تھا کہ عجوم نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ اس نے دو تین بار کوشش کی ہاتھ چھڑوانے کی' مگر جیسے اسے ڈر تھا کہ وہ اتنے رش میں کھو جائے گی۔ اس نے پرواہ نہیں کی کہ اس نے ایک لڑکی کا ہاتھ پکڑا ہوا ہے۔ جو اس انداز کی عادی نہیں تھی۔

"مجھے وہ دیکھنا ہے۔" اس نے دور سے نظر آنے والے ایک گروپ کی طرف اشارہ کیا۔

"چھوڑو۔۔۔ بے کار سا لوک رقص ہے۔"

"پر مجھے دیکھنا ہے۔۔۔" اس نے ضد کی۔

"اوکے۔۔۔" اسے لے کر وہ اس طرف آگیا۔ رش میں جگہ بنا کر وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے ہوگئے۔

دراز قد خوب صورت لڑکیاں مقامی روایتی لباس میں مقامی لوک رقص کررہی تھیں۔ لڈی کی طرز کا ہلکا پھلکا لوک رقص تھا۔

"چلو بھی۔۔۔" دو منٹ بعد ہی عجوم نے اس کا ہاتھ بری طرح سے جھنجھوڑا۔

"مجھے دیکھنے دو پلیز۔۔۔" وہ ویسی ہی محویت سے کھڑی دیکھتی رہی۔

"مجھے نہیں دیکھنا اتنا بور ڈانس۔ مجھے اپنے گروپ کی پرفارمنس بھی دیکھنی ہے۔"

"تو جاؤ تم۔"

اس نے مذاقاً کہا تھا۔ مگر وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر سچ مچ چلا گیا۔ اس کی چال سے لگ رہا تھا وہ غصے میں ہے۔

گردن موڑ کر وہ اسے دیکھتی رہی اور وہ واقعی میں چلا گیا۔ یک دم اس کی ساری دلچسپی رقص میں ختم ہوگئی۔ رش میں سے نکل کر وہ بھی اس کی طرف چلنے لگی' جس طرف اس نے اسے جاتے دیکھا تھا لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ اسے ڈھونڈ نہیں سکے گی۔ رش بہت تھا اور راستہ بنا کر چلنا الگ مسئلہ تھا۔ چلتے چلتے اسے بہت سے لوگوں کی پرفارمنس اچھی لگی۔ کوئی گا رہا تھا۔ کوئی صرف بجا رہا تھا' مگر وہ رکنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے یہ سب عجوم کے ساتھ ہی دیکھنا تھا' مگر وہ کہیں بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

ادھر ادھر ہر جگہ ۔۔۔ دیکھتے اسے وہ تو نہیں ملا' مگر ان کا گروپ نظر آگیا۔ اسے یہیں ہونا چاہیے تھا' مگر وہ نہیں تھا۔ وہ وہیں جا کر ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ اس دن کے مقابلے میں اسے آج کے گانے اچھے لگ رہے تھے۔ شاید انہوں نے تیاری زیادہ کی تھی یا گانے

URDUSOFTBOOKS.COM

ہی بدل لیے تھے۔ اٹالین لڑکے کی نظم جو اسے اس دن مضحکہ خیز لگ رہی تھی۔ اس پر سب سے زیادہ تالیاں بجائی گئیں۔ اسے ایک بار پھر سب کے اصرار پر وہ گانی پڑی۔ دائرے کی صورت لوگ آس پاس بڑی تعداد میں کھڑے تھے۔

دوسری بار اس کے گانے پر لوگوں نے اس کے ساتھ کورس میں آواز ملانی شروع کر دی۔ الفاظ تو خیر اسے اب بھی سمجھ میں نہیں آرہے تھے، مگر اس نے بھی سب کے ساتھ کورس میں گانے کی کوشش کی۔

کہیں سے نکل کر عجوم بھی اس کے ساتھ آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ دونوں مل کر کورس میں آواز نکالنے لگے۔ اسکول میں جیسے دعائیہ نظم پڑھی جاتی تھی اور پھر سب ایک ساتھ پیچھے اسے دہراتے تھے۔ بالکل اسی طرح کا منظر یہاں تھا۔ لوگ ہنس ہنس کر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ساتھ ساتھ مسرت سے دائیں بائیں جھول رہے تھے۔

اچانک عجوم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اسے اچانک اس طرح سے اس کا ہاتھ پکڑ لینے پر حیرت ہوئی اور وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے آگے، ساتھ، دائیں بائیں لوگوں نے بھی ایسے ہی ہاتھ پکڑ لیے تھے ایک دوسرے کے۔ گٹار کی دھن پر اپنی نظم گاتا اٹالین بھی اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے میں پیوست کیے لہک لہک کر ایک ہی لائن بار بار گا رہا تھا۔ وہ اپنے جڑے ہوئے ہاتھوں کا اشارہ کرتا، انہیں فضا میں لہراتا اور ایک ہی بند جسے کورس میں دوسرے بھی گا رہے تھے بار بار گا رہا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے؟" اسے محسوس ہوا کہ وہ کوئی ایسی بات کہہ رہا ہے جسے لوگ بہت پسند کر رہے ہیں۔

عجوم نے گاتے گاتے اس کی طرف مڑ کر دیکھا۔

"اس کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے جانے نہ دو۔۔۔ وہ جو محبت ہے۔"

بار بار ایک ہی لائن۔۔۔ سب جوش سے گا رہے تھے۔ دائرے کی صورت موجود وہاں سب نے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔ منال کے لیے وہ دنیا، دنیا نہیں رہی تھی۔ رقص کا میدان بن چکی تھی۔ اس کی کالی شفاف آنکھوں میں دنیا جہاں کے ستارے جگمگا اٹھے۔

"تم پرفارم نہیں کرو گے۔۔۔؟" کافی وقت لگا منال کو اپنے آپ میں آنے میں۔

"میری پریکٹس نہیں ہے۔ مجھے وقت ہی نہیں ملا کرنے کا۔ آؤ ہم سینٹ کو ڈھونڈیں۔۔۔ آج تو اس کا دن ہے۔"

سینٹ دو لڑکوں کے گروپ کے ساتھ تیز موسیقی پر اپنا خاص ٹیلنٹ عام کر رہا تھا۔ اس کے گروپ کی طرف بہت رش تھا۔

"کیا تم بھی سینٹ کی طرح ڈانس کر سکتے ہو؟" اسے دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئی تھی۔

"نہیں۔۔۔ میں نے صرف اپنے شوق کے لیے سیکھا ہے۔ وہ بھی صرف تھوڑا بہت۔۔۔ اسے تو جنون ہے اور شوق اور جنون میں جتنا فرق ہوتا ہے اتنا ہی میرے اور اس کے ڈانس میں ہے۔"

وہ ساتھ ساتھ مختلف چیزیں لے لے کر کھا رہے تھے۔ ادھر ادھر کے اسٹال دیکھتے پھر رہے تھے۔ پن سے لے کر جوتوں تک وہاں بہت کچھ تھا۔ کچھ ایسی چیزیں بھی جو اس نے اس سے پہلے کہیں اور دیکھی ہی نہیں تھیں۔

"ٹھہرو۔"

عجوم ایک اسٹال کی طرف بڑھا۔ اس نے ایک مالا نما ہار کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ دیکھو۔۔۔ یہ صرف ایسے ہی فیسٹیول میں مل سکتی ہے۔" سفید رنگ کی بڑے بڑے موتیوں کی ایسی مالا جو قدیم یونانی زیورات کے ڈیزائن پر بنائی گئی تھی۔

"یہ لو۔۔۔" اس نے پیسے دیے بغیر ہی جھٹ سے مالا اس کے گلے میں ڈال دی اور پھر پیسے دے کر اس کے گلے میں پڑی مالا کو دیکھنے لگا۔

"کیسی ہے؟"

اگر وہ اسے بتا سکتی تو ضرور بتاتی کہ "وہ کس قدر اچھی ہے۔" پھر اس نے اسے اور بھی روایتی چیزیں

لے کر دیں۔
"وہ تمہیں یہ سب پسند آرہا ہے نا؟"
"یہ سب میرے لیے بہت خاص ہے۔"
"میں نے تمہیں اتنا کچھ لے کر دیا۔" وہ اپنا سر کھجانے لگا۔ "تم کچھ نہیں لے کر دو گی؟"
"نہیں۔" وہ اٹھلائی۔ وہ بہت خوش تھی اور نظر بھی آرہی تھی۔
"کیوں؟" وہ مصنوعی انداز سے خفا ہوا۔ "مجھے بھی تمہاری طرف سے کچھ ملنا چاہیے۔ مثلاً"۔۔۔" وہ سوچنے لگا۔ "چلو آج نہ سہی' لیکن جب میں کہوں گا تب۔۔۔ دو گی؟"
اس نے ہاں کہنے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہیں کی۔

رات کو ان کی یونیورسٹی کے ڈپارٹمنٹ کا اسٹیج ملے ہوا۔ کھلے آسمان کے نیچے سب اس طرح خاموش بیٹھے تھے جیسے ماضی کو چپکے سے دیکھ رہے ہوں اور اسے ڈسٹرب بھی نہیں کرنا چاہتے ہوں۔
معلوم نہیں سحر اس یونانی دیوتا کا تھا جو سامنے پرفارم کر رہا تھا' کھلے آسمان کا' رات کا یا ان دونوں کے وہاں ایک ساتھ ہونے کا' لیکن سحر تھا ہر طرف' ہر چیز میں۔۔۔

✻ ✻ ✻

صوفیہ آنٹی کو اس نے عجوم کی دی ہوئی چیزیں دکھائیں۔ وہ ان چیزوں کو چھپانا بھی چاہتی تھی اور سب کو دکھانا بھی۔ وہ سب کو بتانا چاہتی تھی کہ یہ سب اسے دنیا کے سب سے پیارے انسان نے دیا ہے۔
"خوش ہو؟" انہوں نے اس کی پیشانی پر پیار کیا۔
"بہت اچھی لگ رہی ہو۔"
"کیسے؟" اس نے ایسے ہی پوچھا۔
"بات بے بات مسکراتے ہوئے۔"
پاکستان میں حفصہ اور یوکے میں اسد سے بات کرنے کے بعد وہ سونے ہی والی تھی کہ اس نے سکندر احمد کو اپنے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ نیچے کارپٹ پر بیٹھی ساتھ ساتھ اپنے کالج کا کام کر رہی تھی۔ وہ اس کے پاس ہی نیچے آکر بیٹھ گئے۔ وہ انتظار کرنے لگی کہ انہیں جو کہنا ہے کہہ لیں۔ ان کی موجودگی میں اس سے کام کہاں ہوتا اور وہ بھی اسے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے بہت کچھ کہنا ہے۔
"میں تمہارے لیے یہ لایا ہوں۔" ایک پیکٹ انہوں نے اس کے سامنے رکھا۔ اس نے نظر اٹھا کر پیکٹ کی طرف دیکھا۔ کوئی چیز اس میں خوب صورتی سے بند تھی۔
"کیا ہے یہ؟"
اس سے پہلے بھی وہ جب بھی باہر جاتے تھے ہمیشہ اس کے لیے بہت کچھ لے کر آتے تھے۔ جنہیں وہ استعمال کیے بغیر ہی ایک طرف رکھ دیا کرتی تھی۔ ان ہی کے پیسوں سے وہ اپنے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کیا کرتی تھی لیکن خاص ان کی ـــــ لائی گئی چیزوں کو ہاتھ نہیں لگاتی تھی۔ کیسا دھوکا دیتی تھی وہ خود کو۔۔۔ کیسی عجیب کھوکھلی سی انا تھی اس کی۔۔۔
"تمہارا برتھ ڈے گفٹ۔۔۔"
"آج میری برتھ ڈے نہیں ہے۔ اس ہفتے' بلکہ اس مہینے میں کسی دن بھی نہیں ہے۔" وہ طنز کیے بغیر نہ رہ سکی۔
"میں جانتا ہوں۔۔۔ یہ گفٹ میں تمہاری آنے والی برتھ ڈے کے لیے نہیں دے رہا بلکہ یہ ہر اس برتھ ڈے کے لیے ہے جو گزر چکی ہے۔ ہر اس دن کے لیے جب میں نے تمہیں کچھ نہیں دیا۔"
"بہت امیر ہیں نا آپ۔۔۔ آپ تو معافی بھی خرید سکتے ہیں' لیکن آپ بھول رہے ہیں' اگر گزرا وقت آ نہیں سکتا تو گزرے وقت کی تلافی بھی نہیں ہو سکتی۔" وہ یہ کہنے سے خود کو روک نہیں پائی۔
"اگر تلافی کر سکتا تو تمہارے ایک ایک آنسو کی کرتا' لیکن نہیں کر سکتا۔" انہوں نے پیکٹ اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ "اس میں میری تھوڑی سی محبت ہے۔"
اس نے پیکٹ بے پروائی سے نیچے رکھ دیا۔ "مجھے

اب محبت بھی نہیں چاہیے۔"

پیکٹ کھول کر انہوں نے اس کے سامنے رکھا۔ وہ ایک بڑا باکس تھا جس میں مختلف چیزیں تھیں۔

"یہ دیکھو۔ یہ تمہارے اس دنیا میں آنے کے لیے۔" انہوں نے چھوٹے سے ڈائمنڈ ٹاپس اس کے سامنے کیے۔ "یہ ہیئر بن تمہاری پہلی سالگرہ کے لیے۔ یہ چین' یہ بریسلیٹ' ایئررنگز۔۔۔" اس کا ہاتھ پھیلا کر سب کچھ رکھتے ہوئے وہ جیسے اس کی ہر سالگرہ' ہر دن کی تلافی کرنے لگے۔

"آپ ان سب سے اب میری محبت نہیں خرید سکتے۔" وہ اپنے باپ کو پوری طرح سے معاف کرنے کے لیے تیار ہی نہیں تھی۔

"اگر خرید سکتا تو خود کو بیچ کر بھی خرید لیتا۔"

اس بات پر اس نے دیر تک ان کی طرف دیکھا۔ وہ شرمندہ نہیں دل گرفتہ تھے۔ منال کا دل درد سے بھر گیا۔ اس نے سوچا کہ انہیں حق نہیں ہے کہ یہ ایسی باتوں سے میرا دل موم کریں۔

دونوں کے درمیان دیر تک سکوت رہا۔۔۔ بہت کچھ یاد آرہا تھا۔۔۔ بہت کچھ بھلا دینا چاہیے تھا۔۔۔

"کیا تم مجھے معاف نہیں کرسکتیں۔۔۔؟ بولو' صرف ایک بار۔۔۔؟"

وہ خاموشی سے کارپٹ پر انگلیاں گھماتی رہی۔

"جب میں نے فون پر تمہاری آواز سنی تو مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے میری روح جسم سے کھینچ لی ہو۔ پچھتاوے اور دکھ سے۔۔۔ دکھ یہ تھا کہ میں تم سے غافل رہا۔ جیسے کسی نے میری آن کو' میری شان کو آسمان سے نیچے پٹخ ڈالا ہو۔ تمہاری موجودگی نے میری راتوں کی نیند اڑادی۔ میں غفلت جیسے ایک بڑے گناہ کا مرتکب ہوا تھا۔ جب جب میں تمہیں دیکھتا ہوں' تمہاری آنکھوں میں اپنے لیے نفرت' ناپسندیدگی' تب تب میرے اندر گھٹن بڑھنے لگتی ہے۔ میں کبھی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ میری اولاد مجھ سے نفرت کرے گی' لیکن تم نے کی۔۔۔ اور کرنی بھی چاہیے تھی۔"

اس کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔

"مجھے ثریا سے شادی نہیں کرنا تھی۔ بالا ہی بالا میری مرضی کے خلاف اور میرے منع کرنے کے باوجود اس سے میری منگنی کردی گئی۔ میں نے انہیں بہت سمجھایا۔ میں صوفیہ سے محبت کرتا تھا۔ میں اس کے علاوہ کسی سے بھی شادی کا نہیں سوچ سکتا تھا۔ ثریا مجھے بری نہیں لگتی تھی لیکن مجھے اس سے محبت نہیں تھی۔ مجھے اس سے شادی نہیں کرنا تھی اور نہ میں کرسکتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اماں' صوفیہ کے ساتھ میری شادی کے لیے مان جائیں' مگر ان کی ایک ہی ضد تھی۔۔۔ ثریا سے شادی۔۔۔ میں ایک بیٹے کا باپ بن چکا تھا لیکن اماں کو سمجھانے میں ناکام رہا تھا۔ وہ میری کوئی بھی بات نہیں سمجھتی تھیں۔

اماں کی طبیعت بہت خراب ہوگئی تو وہ میری منتیں کرنے لگیں۔ ہر وقت روتی رہتی تھیں۔۔۔ مجھے ثریا سے شادی کرنا ہی پڑی۔

میں نے اپنی شادی صوفیہ سے چھپائی۔ اس کی فیملی ویسے ہی مجھے پسند نہیں کرتی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ انہیں پتا چلے اور وہ مجھے مزید ناپسند کرنے لگیں۔ میں ثریا کو طلاق دینا چاہتا تھا لیکن اس کی ایک ہی ضد تھی کہ اسے طلاق نہیں چاہیے۔ اس نے مجھے باپ بننے کی خبر سنائی لیکن میں نے یقین نہیں کیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ وہ صرف مجھے روکنا چاہتی تھی۔ میں اسے طلاق دینا چاہتا تھا۔ ہر حال میں۔ اس نے مجھے میری اولاد کی قسمیں دیں۔ واسطے دیے کہ میں اسے طلاق نہ دوں۔ میں پھر بھی اسے طلاق دے دیتا اگر میں اپنے چھوٹے سے بزنس کے پے در پے مسائل میں بری طرح سے الجھ نہ چکا ہوتا۔ میرا گھر چھوٹا تھا' میرے بچے چھوٹے تھے۔ مجھے ان کے لیے رات دن کام کرنا تھا اور میں نے کیا۔ مجھے کبھی پاکستان یاد آیا ہی نہیں۔ کبھی ثریا یاد نہیں آئی۔ میرے لیے وہ۔۔۔ ایک حقیقت تھی جسے میں نے کبھی تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔ اگر کبھی اس کا خیال آ بھی جاتا تو لمحوں میں ہی محو ہوجاتا۔ تمہاری ہمدردی حاصل کرنے کے لیے میں جھوٹ نہیں بولنا چاہتا' لیکن میں

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

پاکستان کو کیوں یاد رکھتا جب میرا وہاں کچھ بھی نہیں تھا تو... میرا سب کچھ میرے پاس تھا... صوفیہ‘ میرے بچے...“

منال نے سختی سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔ ایک عورت انہیں رات دن یاد کرتے کرتے مر گئی اور انہیں کبھی اس کی یاد نہیں آئی۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جس کا کوئی شکار رہا تھا۔

”پاکستان میں‘ میں جتنے بھی دن رہا۔ وہاں جتنے بھی لوگ مجھ سے ملے ان سب نے سب سے زیادہ ذکر تمہارا کیا۔ تمہارا مجھے یاد کرنا‘ میرے لیے رونا‘ مچلنا‘ اصرار کرنا‘ میرے لیے ضد کرنا۔ تمہیں کیا لگتا ہے‘ مجھے وہ سب سن کر کیسا لگا ہوگا۔ کوئی بھی میرے دکھ اور پچھتاوے کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ میں جب جب سوچتا ہوں کہ تم میرے لیے روتی رہی ہو‘ دوسروں سے مجھے سمجھ کر لپٹتی رہیں اور میں... میں یہاں اپنی زندگی میں خوش تھا۔ تم نے میرے ہوتے ہوئے یتیموں کی طرح تنگ زندگی گزاری۔ میرے بغیر گزاری۔ اس سب میں قصوروار صرف میں ہی ہوں۔ جب بھی ڈورس بیمار ہوتی تھی تو میں اپنی ہر میٹنگ‘ ہر کام ملتوی کر دیتا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ بیماری سے بے حال جب وہ پاپا کہے تو اس کا باپ اس کے پاس موجود نہ ہو اور وہ اکیلی اپنی بیماری کا مقابلہ کرے اور جب میں یہ سوچتا ہوں کہ تم کتنی بار اور کیسے کیسے بیمار ہوئی ہوگی اور تم نے کتنی بار مجھے پکارا ہوگا تو اپنی غفلت کے لیے میرا افسوس اور بڑھ جاتا ہے۔ میں تمہارے سامنے اپنی غفلت کا اقرار کر رہا ہوں اور یہ اقرار مجھے تمہارے سامنے ہی کرنا چاہیے۔ اگر میں نے ایک بار بھی ثریا کی بات پر یقین کر لیا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔ محبت ہی نفرت میں بدل سکتی ہے اور تمہاری‘ میرے لیے لامحدود محبت نفرت میں بدل گئی۔

میں نے کوشش کی کہ تمہیں خوش رکھ سکوں‘ لیکن دن تو بدلنے لگے لیکن تمہارا‘ میرے لیے رویہ نہیں۔ مجھے لگتا تھا کہ ماں کی موت کے بعد تمہیں ایک لمبا عرصہ چاہیے سنبھلنے کے لیے لیکن شاید مجھ سے محبت کے لیے تمہیں ایک اور زندگی چاہیے۔ تم نے کئی بار میرا ہاتھ جھٹکا۔ مجھے برا نہیں لگا لیکن آہستہ آہستہ تم تک آنے کی میری ہمت ختم ہوتی گئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ تمہیں کیا کہوں یا کس طرح کہوں کہ تم مان جاؤ کہ تم میری بیٹی ہو۔ میں تم سے ویسی محبت کرتا ہوں جو مجھے تم سے کرنا چاہیے۔“

انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگا کر شفقت سے پیار کیا۔ اس نے ان کا ہاتھ نہیں جھٹکا تھا۔ انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگائے رکھا۔ کافی دیر تک ایسے ہی لگائے وہ اس سے باتیں کرتے رہے۔ جب وہ چلے گئے تو اس نے ان کی لائی چیزوں میں سے ڈائمنڈ ٹاپس نکال کر پہن لیے۔

وہ ایک جادوگر رات تھی۔ جس نے ہر چیز پر اپنا جادو کر دیا۔ اس نے دیر تک ٹاپس اور عجوم کی دی ہوئی بالا کو دیکھا۔ دونوں اس کے لیے محبت کی علامت تھیں۔ دونوں میں ہی انجانا جادو تھا جس نے اس کے دل و دماغ کو قابو میں کر لیا تھا۔ دونوں میں ہی اس کے لیے اور اس کا پیار شامل تھا۔ اس نے ان سے ہزار گلے شکوے کیے‘ باتیں کیں‘ اس کے اندر‘ باہر شکایت کا سمندر موجود تھا۔ وہ لڑنا چاہتی تھی رونا چاہتی تھی اور خوش ہونا چاہتی تھی۔ اسے محبت چاہیے تھی ...لامحدود... ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

☆ ☆ ☆

صوفیہ آنٹی کے ساتھ سینوریٹی آئرلینڈ گئی تھی۔ وہ جگہ اسے اتنی پسند آئی کہ وہ دیر تک مبہوت ہو کر ایک ایک جگہ‘ ایک ایک کونا دیکھتی رہی۔ اس نے غروب آفتاب کا منظر دیکھا اور وہ دیر تک ایک ہی جگہ پر کھڑی رہی‘ جیسے اس کے حرکت کرتے ہی سورج اپنی جگہ بدل لے گا۔

”سیاح یہاں یہی منظر دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔“ صوفیہ آنٹی اسے ایک ایک چیز دکھا رہی تھیں۔

اگلی بار بہت ضد کر کے وہ اپنے ساتھ عجوم کو بھی لے آئی‘ وہ آنا نہیں چاہ رہا تھا‘ لیکن وہ انکار بھی نہیں

کرسکتا تھا۔
"مجھے یہ جگہ پسند نہیں۔" اس نے اویا دولیج میں داخل ہوتے ہی کہا۔
وہ تنگ ٹیڑھی راہداریوں سے گزرتی' سیڑھیوں سے اوپر جاتی اور بھاگ کر پھر اس کے ساتھ چلنے لگتی تھی۔ اس کی بات پر وہ رک گئی۔
"کیوں؟" اسے حیرت تھی۔ کہاں اسے ہر چھوٹی بڑی' اہم' غیراہم چیز میں دلچسپی تھی اور کہاں اب وہ یہ کہہ رہا تھا۔
"مجھے یہ قبرستان لگتا ہے۔ سفید قبریں' یہاں قبرستان کی خاموشی گونجتی ہے۔"
"غلط گمان ہے تمہارا۔ یہ ایک ایسا گاؤں ہے جہاں عبادت گاہوں کی طرح مقدس سرگوشیاں گونجتی ہے۔"
وہ اوپر ڈھلان پر کھڑی' سمندر کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"ایسی سرگوشیاں جنہیں محسوس کیا جاسکتا ہے سنا نہیں۔"
عجوم ضرورت سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ وہ اس کی خوشی دیکھ رہا تھا۔ اسے اس کی چمکتی آنکھیں بھی نظر آرہی تھیں' لیکن پھر بھی وہ خاموش ہی رہا۔
"کیا محسوس کیا تم نے ان سرگوشیوں میں۔۔۔؟" ہاتھ باندھے وہ عین اس کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔
"تم محسوس نہیں کرتے۔۔۔؟" اس نے اپنی نظر کے زاویے بدلے۔
"میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔" اس کی نظریں اس پر ٹکی تھیں۔
"تم تو کہتے ہو کہ ہر لفظ کی ایک روح ہوتی ہے۔ اس روح کی پہچان ضروری ہے' لفظ کی ترجمانی نہیں۔"
تیز ہوا سے اس کے بال اُڑ رہے تھے۔ آج اس نے بہت دنوں کے بعد شلوار سوٹ پہنا تھا۔ اس کا لمبا دوپٹا بار بار ہوا میں لہرا رہا تھا۔
"میں ایسا کرسکتا ہوں' مگر میں تم سے سننا چاہتا ہوں۔"
وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ اسے بہت کچھ بتانا چاہتی تھی۔ کہنا چاہتی تھی' لیکن نہ بتایا نہ کہا۔ وہ مایوسی سے آگے آگے چلنے لگی۔ وہ بہت شوق سے عجوم کو یہاں لائی تھی۔ وہ اس کے ساتھ یہاں کا کونا کونا دیکھنا چاہتی تھی۔ سورج کی سب سے خوب صورت تصویر یہاں سے نظر آتی ہے۔ وہ اس کے ساتھ الٹی سیدھی سیڑھیوں پر چلنا چاہتی تھی۔ ڈھلان پر بیٹھ کر بہت ساری باتیں کرنا چاہتی تھی۔
وہ خاموشی سے واپسی کے لیے چلنے لگی۔ اس نے مڑ کر دیکھا بھی نہیں کہ عجوم آرہا ہے کہ نہیں۔ چلتے چلتے اسے رک جانا پڑا۔ عجوم نے پیچھے ہاتھ رکھ کر اسے پلٹنے کے لیے کہا۔ وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے ہوگئے تھے۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ دوسرا ہاتھ پکڑا اور دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا' مگر وہ مسکرا رہا تھا۔
"تم نے یہاں یہ ہی سرگوشیاں سنی ہیں نا کہ "دنیا بہت خوب صورت ہوجاتی ہے۔ جب ایک شخص کے لیے آپ کا دل خوب صورت ہوجاتا ہے۔" وہ خاموش رہی۔
"کیا ایسا ہی ہے؟" اس نے دیر تک اس کی آنکھوں میں دیکھتے رہنے کے بعد پوچھا۔ وہ مسکرانے لگی۔
"بولو۔؟"
"ہاں۔۔۔" مشکل سے ہی اس کی آواز سنی جاسکتی تھی۔
"اور وہ "شخص" میں ہوں؟" اس نے اعتماد سے پوچھا۔
وہ اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے مسکرا کر آزاد کروا کر آگے چلنے لگی۔
"وہ شخص میں ہوں؟" وہ اس کے پیچھے آتے آتے پوچھ رہا تھا۔
"وہ شخص میں ہوں۔"
وہ چلا رہا تھا۔ جیسے وہ چلایا کرتا تھا۔ آس پاس کے

لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔ یہ وہی شخص تھا جس کے لیے اسے ایتھنز اچھا لگتا تھا۔ یونان اچھا لگتا تھا۔ یہ دنیا اچھی لگتی تھی۔

دیر تک وہاں گھومتے رہنے‘ بے تحاشا باتیں کرنے اور اسے تنگ کرنے کے بعد عجوم چپ سا ہو گیا۔

”تم اتنے چپ کیوں ہو گئے ہو؟“

”نہیں چپ نہیں ہوں‘ بس میں کچھ بول نہیں رہا۔“ اس نے بے تکی بات بنائی۔

”دونوں میں کیا فرق ہے؟“

”فرق مجھے معلوم نہیں۔“ اس نے نظریں بدلیں۔ ”مجھے اسٹریس ہو رہا ہے۔“

”اسٹریس...؟ ابھی تو تم ٹھیک ٹھاک تھے۔“

”ہمیں ایک شارٹ فلم بنانی ہے جس کے لیے مجھے کل جانا ہے اور میں نے اس کے لیے کچھ خاص تیاری بھی نہیں کی۔“

”پہلے تو تم نے نہیں بتایا کہ تمہیں جانا ہے۔“ اس کا پروگرام سنتے ہی وہ اداس ہو گئی۔ ”کتنے دن لگیں گے؟“

”معلوم نہیں... شاید بہت دن۔“

”جلدی نہیں آسکتے؟“ اس نے اداسی سے فرمائش کی۔

”کوشش کروں گا۔“ اس کے لہجے میں کوئی امید نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

عجوم بھی نہیں تھا اور اس کے ساتھ فون پر زیادہ بات بھی نہیں ہوتی تھی تو وہ سکندر احمد کے ساتھ اسد سے ملنے لندن چلی گئی۔ لندن جانے کے لیے انہوں نے ہی پوچھا تھا۔ اس بار اس نے انکار نہیں کیا۔

وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ بدل ہی جاتا ہے۔ اچھا یا برا‘ لیکن تبدیلی آ ہی جاتی ہے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ بھی ایک دن دل سے ان کے گلے آ لگے گی اور ان سے لگاؤ کا اظہار کرے گی۔

منال کے پاس دو ہفتے تھے۔ نیو سیشن شروع ہوا تھا اور وہ یونیورسٹی سے اتنا لمبا عرصہ غیر حاضر نہیں رہ سکتی تھی۔ اسد سے مل کر‘ لندن آ کر بھی اس کا دل نہیں لگا۔ اگر ایک بار عجوم سے بات ہو جاتی تو وہ اتنی اداس نہ ہوتی۔ وہ اسے بار بار میسج کرتی‘ مگر بمشکل ہی ایک آدھ کا جواب آتا۔ اسے غصہ بھی آیا اور دکھ بھی ہوا‘ لیکن غصہ بھی نام نہاد تھا اور دکھ بھی... وہ جانتی تھی کہ وہ ایسے ہی مصروف ہو کر رات دن کام کرتا ہے۔

واپس جانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا اس لیے وہ وہیں وقت گزارنے لگی۔ دو ہفتے زیادہ نہیں تھے‘ لیکن اسے زیادہ ہی لگے۔ وہ عجوم سے ملنا چاہتی تھی۔

یونیورسٹی آتے ہی وہ اس کے ڈیپارٹمنٹ گئی‘ مگر وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ عجیب بوریت اور اداسی کا موسم تھا۔ اس کا کہیں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔

ہر روز وہ پہلے اس کے ڈیپارٹمنٹ جاتی۔ وہاں اس کی کسی سے ہیلو ہائے نہیں تھی‘ پھر بھی اس نے ایک لڑکے سے پوچھ ہی لیا۔ اس لڑکے نے نفی میں سر ہلایا۔ یعنی وہ نہیں جانتا۔ پھر ایسے ہی اس نے عجوم کے پراجیکٹ کی بات کی۔ اس نے اس پر بھی لاعلمی ظاہر کی۔

”کیا کوئی اتنی دیر تک کلاس سے غیر حاضر رہ سکتا ہے؟“

”کوئی پاگل ہی ہو گا جو سیشن کے شروع میں غیر حاضر ہونے کی غلطی کرے گا۔“

یعنی یہ غلطی عجوم کر رہا تھا۔ اسے تو اپنے کام کی اتنی فکر رہتی تھی کہ وہ کھانا پینا بھول جاتا تھا تو پھر اب اسے نہیں معلوم کہ وہ کتنا کچھ مس کر رہا تھا۔

جب اس کے ایک آدھ جواب آنا بھی بند ہو گئے تو اسے صدمہ ہوا۔

”یہ کیسی بھی کیا مصروفیت؟“ وہ بار بار خود سے کہتی۔ فون کالز وہ ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ ہے کہاں۔ شہر میں یا شہر سے باہر۔ ملک میں یا ملک سے بھی باہر۔

”عجوم تو یونیورسٹی چھوڑ چکا ہے۔“

وہ کسی ایسے شخص کی تلاش میں تھی جسے اس نے

ایک دو بار عجوم کے ساتھ دیکھا ہو تاکہ وہ اس سے عجوم کا پوچھ سکے کہ وہ کہاں ہو سکتا ہے۔ اسے ایسا ایک مل ہی گیا۔

"چھوڑ چکا ہے؟" اس نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھی کہ شاید وہ سمجھا ہی نہیں کہ وہ اس سے کیا پوچھ رہی ہے۔ اس نے پھر سے پوچھا۔

"ہاں' میں جانتا ہوں تم کیا پوچھ رہی ہو۔ وہ چھوڑ چکا ہے۔"

اس نے بمشکل اپنے بیگ میں سے فون نکال کر اسے کال کرنی شروع کی' لیکن فون بند تھا۔ پھر اس نے اسے مسیج کیا۔ رات تک وہ اس کے فون اور مسیج کا انتظار کرتی رہی۔ فون ہاتھ میں لیے لیے ہی وہ صوفے پر آڑی ترچھی سو گئی۔

فون کے بجنے پر اس کی آنکھ کھلی۔ فون عجوم کا ہی تھا۔ اس نے چھوٹتے ہی ہزاروں شکوے اور شکایات کیں۔ اس کے جھوٹ کا بتایا۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ وہ بہت ناراض اور غصے میں تھی۔

"تمہیں مجھ سے اتنا ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ میں ملک سے باہر ہوں۔ کچھ عرصے تک رابطے میں نہیں رہ سکوں گا۔ تم پریشان مت ہونا۔"

اچھی طرح سے اس کا حال پوچھ کر اس نے فون بند کر دیا۔ وہ ملک سے باہر تھا اور وہ ایسے ہی اندیشوں کا شکار ہو گئی تھی۔ اسے خود پر افسوس ہوا کہ اس نے ایسے ہی عجوم کے لیے الٹا سیدھا سوچا۔ اس کی آواز سنتے ہی وہ کھل اٹھی تھی۔ اس کے لیے اس کے بغیر وقت گزارنا مشکل تھا۔ اس نے اس سے بہت سے سوال کیے کہ آخر وہ ایسی کون سی جگہ ہے جہاں وہ اس سے رابطہ نہیں کر سکتا مگر وہ خوبی سے ٹالتا رہا۔ اس نے اسے بتایا کہ وہ اسے بہت مس کر رہی ہے۔

"میں جانتا ہوں....." اس نے شاید گہری سانس لی تھی۔ منال کو وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ لگا۔

وہ رات گزر گئی اور مزید راتیں گزرنے لگیں۔ اسے یاد کرتے کرتے وہ اس کی پسندیدہ جگہ انتھناسپل آ گئی۔ شاید اسے بھی اس کے نہ ہونے کا اسٹریس ہو رہا تھا۔

ایک جگہ سے دوسری جگہ ٹہلتے ٹہلتے جب وہ تھک گئی تو واپسی کے لیے چلنے لگی۔ ایک شخص کی پشت پر اسے عجوم کا گمان ہوا' لیکن اس نے خود ہی اس گمان کو رد کر دیا۔ مگر پھر بھی وہ اس کی طرف چلنے لگی۔ ابھی تک وہ اس کے لیے شبہ ہی تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچ جاتی۔ وہ اٹھ کر چلنے لگا۔ وہ آگے آگے تھا اور وہ پیچھے پیچھے..... بس وہ اس کا خیال ہی تھا جس کی تصدیق کے لیے وہ جا رہی تھی ورنہ وہ جانتی تھی کہ وہ عجوم نہیں ہو سکتا۔ جب وہ تیزی سے اس سے دور ہونے لگا تو اس نے واپس پلٹنے کا سوچا۔ اسے کیا ضرورت تھی اس کے پیچھے جانے کی' لیکن پھر بھی اس نے اسے آواز دے ہی دی۔

"عجوم....."

چلتے چلتے وہ ایسے رکا جیسے عجوم ہی ہو لیکن پھر سے چلتے ہوئے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اس کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ شخص عجوم ہی تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا' وہ عجوم ہی تھا۔ وہ عجوم ہی تھا۔

لیکن وہ اس سے پوچھتی کیسے۔ رابطہ ہی تو نہیں تھا ان دونوں کے درمیان۔ اچانک ہی وہ چلا گیا تھا۔ کم از کم اسے اس سے مل کر تو جانا چاہیے تھا۔ ایک شارٹ فلم کا کہہ کر وہ جیسے ہمیشہ کے لیے غائب ہو گیا تھا۔

"پریشان ہو؟"

سینٹ اس کا دوست نہیں تھا' لیکن ان دونوں نے دو بار ایک ساتھ کام کیا تھا۔ تھوڑا بہت وہ اسے دیکھ کر اندازہ لگا ہی سکتا تھا۔

"نہیں....." وہ بے دلی سے بیٹھی رہی۔

"عجوم کہاں ہے۔ لڑائی تو نہیں ہو گئی تم دونوں میں....؟ تم بھی الگ ___ نظر آ رہی ہو اور وہ تم سے الگ کسی اور کے ساتھ....." اس نے شرارت سے کہا۔ وہ شاید تھوڑا بہت تو جانتا ہی تھا ان دونوں کے تعلق کو.....

اسے جیسے دھچکا لگا اس کی بات سن کر.....

"کسی اور کے ساتھ۔۔۔؟ اور تم کب ملے اس سے۔۔۔؟" وہ سمجھی وہ شاید گزرے کسی وقت کی بات کر رہا ہے۔

"ملاقات تو نہیں ہوئی' لیکن میں نے اسے دیکھا تھا کچھ دن پہلے۔۔۔ بہت ہی خوب صورت لڑکی کے ساتھ۔"

"کسی لڑکی کے ساتھ؟"

"ہاں! کیا ہوا۔۔۔؟" اس نے بات کرتے کرتے اس کی طرف دیکھا۔ جس کا چہرہ پھیکا پڑ چکا تھا۔

"تم نے اسے کہاں دیکھا؟"

"فلم سٹی میں۔۔۔ میں وہاں آڈیشن کے لیے گیا تھا۔" "وہاں کچھ اسٹوڈنٹس کام کر رہے تھے۔ مجھے جلدی تھی اور میرے پاس وقت بھی نہیں تھا۔ اسے دور سے دیکھا تھا ورنہ میں ہیلو ہائے ضرور کرتا۔"

"لیکن وہ یہاں نہیں ہے۔" اس نے سیجٹ کو جتلایا کہ اسے وہم ہوا ہے۔ "وہ کوئی اور ہوگا۔"

"شاید۔" اس نے آسانی سے اس کی بات مان لی تھی یا وہ اسے مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس سے تو اس نے کہہ دیا کہ اس کا وہم ہوگا' مگر خود سے کیا کہتی' لیکن اگر وہ یہاں ہے تو اس سے جھوٹ کیوں بولے گا۔ وہ اس سے ملنا نہیں چاہتا' یہ ہو ہی نہیں سکتا' لیکن قریب رہ کر مل نہیں رہا۔ یہ ہو رہا تھا۔ وہ کیسے اپنے دل میں پیدا ہونے والے شکوک مان نہ لیتی۔ جب تک اس کی اس سے بات نہ ہو جاتی۔

اسے اس کے ملنے تک بدگمان نہیں ہونا چاہیے تھا اور وہ کوشش کرتی تھی کہ وہ غلط سوچوں کو اپنے ذہن سے نکال دے' مگر سوچتے سوچتے وہ اس کے فلیٹ تک آہی گئی۔

اسی شہر میں اس کی فیملی رہتی تھی لیکن وہ اپنے کام اور اپنے معمولات کی وجہ سے ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔ وہ صرف یہ جانتی تھی کہ کس بلڈنگ کے کس فلور پر اس کا گھر ہے۔ وہ اندر بھی گئی نہیں تھی۔ اگر وہ ایک بار اس کی فیملی سے ہی مل لیتی تو یہ سب مسئلے نہ ہوتے۔ دس منٹ تک دروازے کی گھنٹی پر ہاتھ رکھے کے بعد بھی اسے مایوس ہی لوٹنا پڑا۔

اسے وہم ہونے لگا تھا کہ وہ اندر ہے۔ "کہاں ہوگا؟" یہ اسے معلوم نہیں تھا' لیکن اسے جیسے یقین تھا کہ وہ اندر ہی ہوگا۔ اس کے پاس اتنے سوال جمع ہو گئے تھے عجوم سے پوچھنے کے لیے' لیکن عجوم جواب دینے کے لیے موجود نہیں تھا۔

"وہ کہیں نہیں تھا" اور "وہ ہر جگہ تھا۔"

اس کی آنکھیں ویران ہو گئیں۔۔۔ سارا شہر ویران ہو گیا۔

وہ اس کے ساتھ رابطہ نہیں کر رہا تھا۔ پاس ہی تھا' لیکن ملنا نہیں چاہتا تھا۔ اس سے جھوٹ بول کر چھپ رہا تھا۔ ٹیمپل میں بھی وہی تھا۔ سیجٹ نے بھی اسے ہی دیکھا تھا۔ اس نے یونیورسٹی آنا چھوڑ دیا تھا۔ اتنا کچھ وہم' اور شک کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ خود ہی سوال کرتی' خود ہی جواب تراشتی۔ وہ اسے نظر انداز نہیں کر رہا تھا۔ وہ اسے مہذب طریقے سے چھوڑ چکا تھا۔ شاید یہ بھی اس کا اسٹائل تھا۔ جیسے کافی آفر کرنا' آئس کریم کھلانا۔۔۔ اور چھوڑ دینا۔۔۔

وہ بے مقصد ادھر ادھر گھومتی رہی۔ اس شہر میں جو ویران ہو چکا تھا۔ آخری بار کوشش کرتے ہوئے وہ ٹیمپل بھی گئی۔ اس نے وہاں ایک ایک شخص کو گھور کر دیکھا۔ تھکے تھکے قدموں سے اس نے چپہ چپہ دیکھ لیا۔ اس شہر نے اس کا کچھ گم کر دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ عجوم ٹھیک کہہ رہا تھا کہ وہ وہاں نہیں ہے' لیکن اس کا دل کہتا تھا کہ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ ایسا لگ رہا تھا عجوم اس سے چھپ رہا ہے یا وہ اپنے انداز سے اس سے دور چلا گیا ہے۔

مگر کیوں۔۔۔؟ دنیا کا کوئی بھی شخص اس سے دور چلا جاتا' مگر عجوم کو نہیں جانا چاہیے تھا کیونکہ وہ شخص نہیں تھا' اس کی دنیا تھا۔

"تمہیں نہیں معلوم' محبت کتنا مجبور کر دیتی ہے۔" بڑے وقت پر اسے امال کی بات یاد آئی تھی۔ "اگر محبت مجبور نہ کرے تو اس دنیا کا ہر انسان خوش ہو' مطمئن ہو اگر محبت نہ ہو۔"

وہ اس کے فون کا انتظار کررہی تھی کہ وہ شاید کبھی تو کال کرہی لے مگر۔۔۔

✿ ✿ ✿

اس شام وہ رخصت کا سماں یاد رہے گا
وہ شہر، وہ کوچہ، وہ مکاں یاد رہے گا
وہ ٹیس کہ ابھری تھی ادھر یاد رہے گی
وہ درد کہ اٹھا تھا یہاں یاد رہے گا

شام سے رات ہوگئی اور وہ لان میں ہی بیٹھی رہی۔

اسے دکھ اس بات کا تھا کہ اسے دکھ اتنی جلدی کیوں مل جاتے ہیں۔ سکندر احمد اور صوفیہ اس سے کئی بار پوچھ چکے تھے لیکن وہ انہیں کیا بتاتی۔ ان دونوں نے اسے بہلانے کی کوشش کی لیکن اس کا پہلا والا موڈ بحال ہی نہیں ہوا۔

"کیا ہوا بیٹا؟" انہوں نے پیار سے پوچھا۔

"تمہارے پاپا بھی پریشان ہو رہے ہیں تمہیں دیکھ کر۔ میری نظر لگ ہی گئی تمہیں۔ اتنی اچھی لگتی تھیں تم ہر وقت مسکراتے ہوئے۔"

انہیں اس کی بہت فکر تھی۔ غالباً "گمان انہیں یہی تھا کہ وہ اماں یا پاکستان کو ضرورت سے زیادہ یاد کررہی ہے۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے ٹھیک نظر آنے کی بھی کوشش کی اور مسکرانے کی بھی۔

"کیا ہوا منال؟"

ڈورس اٹھلاتی ہوئی اس کی سامنے آکر کھڑی ہوئی۔ عام دن ہوتے تو وہ اسے کچھ نہ کچھ کہہ کر وہاں سے چلی جاتی لیکن اب وہ اسی حالت میں بیٹھی رہی اور انتظار کرنے لگی کہ وہ خود ہی وہاں سے چلی جائے۔

"بہت دکھی لگ رہی ہو۔" لانگ شوز کیٹ واک اسٹائل میں واک کرتے وہ پوچھ رہی تھی۔ "آج کچھ کھو گئی نہیں۔۔۔؟"

"آج میں تمہیں داد دوں گی کہ تم خود چل کر میرے پاس آئی ہو۔ میرا حال پوچھنے۔"

"واہ۔۔۔" اس نے بلند قہقہہ لگایا۔ "اس کا ابھی وقت نہیں آیا۔ داد تو تمہیں مجھے دینی پڑے گی۔۔۔ تھوڑا سا اور انتظار کرلو۔"

اسے وہیں چھوڑ کر اسے اٹھ کر اندر آنا پڑا۔ اسے اپنے پیچھے بھی اس کی ہنسی کی آواز آتی رہی۔ وہ خوش رہ سکتی تھی۔ وہ ڈورس تھی۔ منال نہیں۔۔۔ اسے کچھ مل کر گم نہیں ہوا تھا۔ اس نے کبھی غم کی، دکھ کی، بے چینی کی شکل نہیں دیکھی تھی۔

✿ ✿ ✿

عجوم کے لیے رو رو کر اور اس کا انتظار کر کر کے جب وہ تھک گئی اور اسے یقین ہوگیا کہ اب وہ نہیں آئے گا تو اس کا میسج آگیا۔

"مل کر سب بتاؤں گا۔ ڈنر کے لیے مجھے میرے فلیٹ سے پک کرلو۔"

بے یقینی سے اس نے دو تین بار میسج پڑھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ میسج عجوم نے کیا ہے۔ اس نے کال کی لیکن فون بزی رکھ کر اس نے ایک اور میسج کیا۔

"مصروف ہوں ابھی۔۔۔ تم ایک گھنٹے میں آجاؤ۔ میں انتظار کررہا ہوں۔"

ڈنر اور عجوم۔۔۔ وہ ایک دم سے کھل اٹھی۔ پچھلا سارا وقت بھول گئی۔ بھول گئی کہ وہ اتنا عرصہ غائب رہا تھا۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ شکوے اپنی جگہ، لیکن وہ بہت خوش تھی۔ اس کے اندر سے سب وسوسے ختم ہو چکے تھے۔ عجوم آچکا تھا۔ وہ اسی شہر میں تھا اور وہ اس سے ملنے جارہی تھی۔ اس نے اپنا بہترین لباس نکالا۔ اور جلدی جلدی میں لیکن دل لگا کر تیار ہوئی۔

"کہیں جارہی ہو۔ بہت پیاری لگ رہی ہو۔" صوفیہ آنٹی نے پوچھا۔

"جی۔۔۔" انہیں بتا کر وہ باہر آئی۔

"دیر ہو جائے تو مجھے فون کردینا۔" پیچھے سے ان کی آواز آئی۔

باہر سے وہ پھر اپنے کمرے میں واپس آئی۔ اس نے

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سفید بڑے موتیوں کی مالا نکال کر پہن لی۔
"اب ٹھیک ہے۔" خود کو دیکھ کر اس نے خود سے کہا۔
بلڈنگ کے نیچے کار میں بیٹھی وہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے اس نے میسج کر دیا تھا کہ وہ اس کا کار میں بیٹھی انتظار کر رہی ہے۔ تھوڑے سے انتظار کے بعد اس کا مسیج آیا۔
"مجھے کچھ اور وقت لگے گا آنے میں۔۔۔۔ تم اوپر آجاؤ۔۔۔۔"
جواب پڑھ کر وہ سوچنے لگی کہ جائے یا نہ جائے۔ ایک لمبے عرصے سے وہ اس سے نہیں ملی تھی۔ اسے اس سے ملنے کی بے چینی تھی۔ وہ اسے دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ وہ جو غائب ہو چکا تھا۔ اسے بھول چکا تھا وہ کہاں ہے۔
جانے نہ جانے کی کشمکش میں وہ لفٹ سے تیسری منزل پر آ ہی گئی۔ معلوم نہیں اسے اوپر آنا چاہیے تھا یا نہیں۔ جب وہ اسے ڈھونڈ رہی تھی تب وہ اس سے صرف ملنا چاہتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ اس کے فلیٹ تک بھی آئی۔ اب جب اس نے خود بلایا تھا تو وہ سوچ رہی تھی، جھجک رہی تھی، بے چین تھی، پریشان تھی۔ کچھ دیر پہلے کی اس کی خوشی خوف میں بدل گئی مگر یہ بھی شاید وہم اور وسوسے ہی تھے سب۔۔۔۔
اس نے خود کو نارمل کیا۔ وہ اتنے دنوں بعد عجوم سے مل رہی تھی اس لیے الٹا سیدھا سوچ رہی تھی۔
اس نے اطلاعی گھنٹی بجائی۔۔۔۔ ایک بار۔۔۔۔ دوبار۔۔۔۔
دروازہ کھل گیا۔ مگر دروازہ کھولنے والا عجوم نہیں تھا۔
"عجوم۔۔۔۔" اسے لگا وہ غلط جگہ، غلط گھر میں آ گئی ہے۔
"پلیز کم ان۔۔۔۔"
کہہ کر وہ اندر کی طرف چلا گیا۔ وہ اس کے فلیٹ میں پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ وہ اکیلا رہتا تھا یا کسی دوست کے ساتھ اسے معلوم ہی نہیں تھا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اسے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ واپس چلی جائے۔
داخلی دروازے سے آگے دیوار کے اس طرف سٹنگ ایریا تھا۔ سست روی سے چلتی وہ اندر آئی۔ دھیمی آواز میں موسیقی گونج رہی تھی۔ وہاں بہت سے لوگوں کے ہونے کا گمان ہو رہا تھا۔ سٹنگ ایریا میں اس کی نظر پڑتے ہی اس کے گمان کی تصدیق ہو گئی۔ وہاں چار پانچ لڑکے لڑکیاں بیٹھے تھے۔ ان کی شکلیں اسے جانی پہچانی لگ رہی تھیں مگر ان سب میں عجوم نہیں تھا۔
ان سب پر نظر پڑتے ہی وہ بری طرح سے گھبرا گئی۔ لمحوں کا کھیل تھا۔ وہ اندر گئی اور فوراً ہی پلٹ کر باہر کی طرف لپکی۔
"کہاں جا رہی ہو۔۔۔۔؟" اس کے کانوں میں آواز آئی۔ وہ لاکھوں کروڑوں میں یہ آواز پہچان سکتی تھی۔ اسے اپنے پیچھے ڈورس کی آواز سنائی دی تھی۔
"منال!"
پلٹ کر دیکھنے کی اس میں ہمت نہیں تھی اور وہ دیکھ کر کرتی کیا۔ وہاں ڈورس ہی تھی۔ وہ خود ہی اس کے پیچھے سے نکل کر اس کے سامنے آئی۔ گہرے سرخ اسٹائلر کو گردن کے گرد بل دیے بکھرا کاجل لگائے۔ وہ ہمیشہ کی طرح بہت پیاری لگ رہی تھی مگر یہاں۔۔۔۔؟ عجوم کے گھر میں۔۔۔۔؟
"عجوم سے ملے بغیر جا رہی ہو؟"
اس کی آنکھوں میں وہ سب کچھ تھا جسے دکھانے کے لیے وہ سب یہاں اکٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب یہاں عجوم کے فلیٹ میں اکٹھے ہوئے تھے۔ ڈورس بھی وہاں تھی۔ منال کو بھی وہاں بلایا گیا تھا۔ وہ سب مل کر اسے انجوائے کرنے آئے تھے۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔ وہ تماشا دیکھنے آئے تھے۔۔۔۔ جواب شروع ہونے والا تھا۔
"باہر کون تھا؟ اب کون آیا ہے؟" عجوم کی کہیں سے آواز آئی۔
"تمہاری گرل فرینڈ آئی ہے۔" ڈورس نے چلا کر کہا۔

"شٹ اپ......" عجوم نے بھی چلا کر ہی کہا۔
منال وہیں کھڑی تھی بت بن کر۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ چل کر اپنی کار تک کیسے جائے۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا۔ وہ سمجھ کر بھی تصدیق کیوں چاہتی تھی۔
"عجوم سے نہیں ملوگی جس سے ملنے تم یہاں آئی ہو؟"
وہ ویسے ہی اٹھلاتی ہوئی بولی۔ "مگر اس عجوم سے نہیں ملنا جس کی تم گرل فرینڈ ہو تو اس عجوم سے ہی مل لو جو میرا فیانسی ہے......" لفظ فیانسی نے اس کی جان نکال کر اس کا حلق تک ادھیڑ دیا۔
اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کی طرف چلنے کے لیے گھسیٹا۔
"آؤ اس سے ملو......"
وہ دونوں داخلی دروازے کے پاس اور دیوار کی اوٹ میں تھیں۔ اس کے ساتھ گھسٹتی وہ دوبارہ سٹنگ ایریا میں آگئی۔ اگر وہ بول سکتی تو بولتی، حرکت کر سکتی تو کرتی لیکن وہ تو کچھ بھی نہیں کر رہی تھی۔
عجوم کچن سے باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں کھانے پینے کی چیزوں سے بھری ٹرے تھی۔
"منال تم یہاں......؟" اس نے حیرانی کی انتہا پر جاتے ہوئے پوچھا۔
ڈورس نے بڑی ادا سے عجوم کے کندھے پر اپنا بازو اور پھر اس بازو پر اپنا سر رکھا تھا اور پھر مسکرائی تھی کہ لو...... دیکھ لو۔ میں جھوٹ نہیں کہہ رہی تھی۔ یہ ہی ہے میرا فیانسی۔ منال کی آنکھوں میں نجانے کیسے آنسو سے بھر گئے۔ جب کہ مقام رونے کا نہیں، مرنے کا تھا۔
"منال......!"
عجوم کے یہ آخری الفاظ تھے جو اس کے کانوں میں پڑے۔ وہ وہاں رکتی تو عجوم کو دیکھتی اور سنتی۔ راہداری کے دروازے کو اس نے تیزی سے اپنے پیچھے چھوڑا۔ اگر کوئی کھڑکی کھلی اسے نظر آجاتی تو وہ وہاں سے چھلانگ لگا دیتی۔ سارے عذاب اس کی جان کے ہونے سے ہی ہیں ناں۔ پھر اتنے عذاب پال کر کیا کرنا۔
وہ لفٹ سے اوپر آئی تھی لیکن اب سیڑھیاں پھلانگ رہی تھی...... تیزی سے......
"منال......!" عجوم کی آواز آئی۔ شاید وہ ان کا تماشا ادھورا چھوڑ آئی تھی۔ شاید ابھی وہ لطف اندوز نہیں ہوئے تھے۔ وہ اسے بلا رہا تھا کہ آؤ مل کر اور تماشا کرتے ہیں۔
جب وہ بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اتر کر مین گیٹ عبور کر کے اپنی کار میں بیٹھنے لگی تب سامنے عجوم اسے لفٹ میں سے نکل کر بھاگتا ہوا نظر آیا۔
وہ دھندلی آنکھوں سے اپنے گلے سے مالا نوچ کر اس کے قدموں میں پھینکنا نہیں بھولی۔
گرتے ہی مالا ٹوٹ گئی اور موتی چاروں طرف بکھر گئے۔
(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

سوچ نگر کی رانی

رضیہ جمیل

قیمت -/350 روپے

منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر:
32735021

ثنائیہ الطاف ہاشمی

پرائی محبت

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"کہاں جا رہے ہیں۔" وہ کپڑے استری کرنے کے بعد انہیں لٹکا رہی تھی کہ کاشف موٹر سائیکل پر باہر جاتا دکھائی دیا۔ یقیناً" وہ بشریٰ کو لے کر کہیں جا رہا تھا۔

"بس یہیں ذرا ڈاکٹر اظہر تک بشریٰ کی بیٹی کی طبیعت خراب ہے' رات سے۔"

وہ سرسری سا بتا رہا تھا ورنہ بتا کر جانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی اس نے۔ صدف کو اچھا تو نہیں لگا' مگر چپ رہی۔ شادی کا تیسرا مہینہ تھا اور وہ کاشف کو سمجھ کر بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ صدف سے محبت کرتا تھا اور نہیں بھی یا شاید کرتا ہی نہیں تھا۔ کیا تھا آخر؟

بشریٰ کی بیٹی سبین اور خود بشریٰ اس گھر پر چھائی ہوئی تھیں۔ وہ دور کے رشتہ دار تھے کاشف کے' مگر اتنے قریبی بلکہ قریب کے بن گئے تھے۔ ایسی دلداریاں اور دھیان داریاں عموماً" رشتہ داروں کی نہیں بھاتیں۔ کاشف اچھا اور خدا ترس انسان تھا' مگر بعض اوقات بلکہ ہر وقت کی یہ خدا ترسی صدف کو عجیب سے خلجان میں مبتلا کر دیتی۔

ہر وقت سبین دیوار پار سے لٹکی سالن مانگتی رہتی۔ پکوڑے کھانے ہیں۔ پلاؤ بنایا ہے تو دے دو۔ صدف اسے یہ سب کبھی نہ دیتی جو اگر وہ عین کاشف اور اس کے کھانے کے دوران نہ آدھمکا کرتی اور وہ کاشف کا موڈ خراب نہ کرنے کی غرض سے اوپری دل سے ہی سہی اسے کچھ نہ کچھ تھما ضرور دیتی' مگر وہ سبین کی اس چالاکی پر اسے اچھا نہیں سمجھتی تھی اور رہی بشریٰ تو وہ بیٹی کو ماؤں والی روک ٹوک کرتی ہی نہیں تھی۔ کاشف سے فرمائشیں کرنی ہوں یا کوئی چیز مانگنی ہو' وہ جوانی کی دہلیز تیزی سے پار کرتی لڑکی سارے کر جاتی تھی۔

کاشف اور صدف کے درمیان جب بھی بدمزگی یا تناؤ بھرا ماحول پیدا ہوا تھا تو وہ صرف بشریٰ اور اس کی بیٹی سبین کی وجہ سے ہوا تھا ورنہ تو کاشف سے بڑھ کر خیال رکھنے اور پیار کرنے والا کوئی ہو نہیں سکتا تھا' مگر اس خدمت اور خدا ترسی کے معاملے میں وہ صدف کی ناراضی کی بھی پروا نہیں کرتا تھا۔ وہ اکیلی رہتی تھی مگر اکیلے رہ کر بھی اکیلی نہیں تھی۔ بشریٰ اور سبین ان دونوں کے درمیان مضبوط پہاڑ کی طرح جمی تھیں۔

صدف کاشف کی محبت پا کر بے حد خوش ہونے کے ساتھ ساتھ بشریٰ کی وجہ سے پریشان بھی رہتی تھی۔ اس وقت بھی وہ جلدی سے موٹر سائیکل لے گیا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا حالانکہ ابھی چند لمحے پہلے وہ قریبی پارک میں سیر اور کچھ کھانے پینے کا ارادہ کر کے بیٹھے تھے۔ ان دونوں کے کپڑے استری کیے رکھے تھے' مگر وہ اپنے کپڑے پہن کر نہا دھو کے سبین کو لے کر ڈاکٹر کے پاس جا رہا تھا۔ بشریٰ چادر سنبھال کر کاشف کے پیچھے بیٹھ گئی تھی۔

صدف نے اسے جس نفرت انگیز نظر سے دیکھا تھا اسے چنداں پروا نہیں تھی۔ وہ صدف کو نظرانداز کیے بائیک پر بیٹھ گئی تھی۔ سبین نے بھی عجیب کاٹتی نظر سے صدف کو دیکھا تھا۔

پیچھے بشریٰ کی ماں گیٹ بند کر رہی تھی فراٹے بھر کے موٹر سائیکل اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی اور پیچھے گندے شاپروں اور دھول کا چھوٹا سا طوفان اڑا

تھا اور ساری گرد سارا طوفانِ صدف کے اندر گھوم گیا تھا۔ اس کی آنکھیں گرم ہوئیں اور پھر بہہ گئیں۔

بشریٰ کی ماں کی نظر بھی خالی اور عجیب سی تھی۔ اس نے گیٹ بند کیا اور پودوں کی کانٹ چھانٹ میں لگ گئی، مگر دل کسی بھی طرح نہیں لگ رہا تھا۔ سامنے کمرے میں اس کا سرخ سوٹ پڑا تھا۔ چادر الگ نصیبوں کو کوس رہی تھی۔ اس نے سب کچھ اٹھا کر الماری میں ٹھونس دیا اور سیڑھیوں پر آبیٹھی اور غیر ارادی طور پر موبائل پر ٹائم دیکھنے لگی۔ ایک بج کر سترہ منٹ ایک بج کر۔

"ہائے پورے دو بج گئے۔" سامنے پودوں کو پانی دینے کی غرض سے لگا پائپ پوری گلی بھر چکا تھا۔ وہ اٹھ کر بھاگی اور جلدی سے موٹر بند کی۔

پائپ سمیٹنے لگی تھی کہ باہر موٹر سائیکل کی آواز آئی۔ شاید وہ واپس آگیا تھا، بلکہ وہی تھا اور ساتھ شاپر میں کچھ تھا پتا نہیں کیا اور چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ موٹر سائیکل روک کر شاپر اسے تھمادیے تھے اور خود اندر چلا گیا۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"بھئی جلدی سے کھانا نکال لاؤ۔ بڑے زور کی بھوک لگی ہے۔"

اس نے بھی موڈ خود ہی ٹھیک کرلیا تھا اور جلدی سے چکن کڑھائی کو بڑی ڈش میں نکالا اور روٹیاں وغیرہ رکھیں ٹرے سیٹ کی اور اندر چلی آئی۔

"میں نے سوچا۔ تم تھک گئی ہوگی اس لیے کھانا لے لیا اور ہاں کوک بھی تھی' جاؤ وہ بھی لے کے آؤ۔ شاید یہ موٹر سائیکل کے ساتھ ہی ٹنگی رہ گئی۔" وہ بھاگ کے دو گلاس میں برف اور بوتل ڈال کے بنا لائی۔ وہ محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ پل میں صبح والی بات بھول گئی تھی اور شاید وہ بھی۔

"صدف! تم نا میری جان ہو۔" وہ محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کاشف! بیبن دوائی نہیں پی رہی۔" دیوار کے پار سے بشریٰ بولی تھی پھر خالہ جان نے گیٹ بجایا تھا جو کاشف نے فوراً"اٹھ کر کھول دیا تھا۔ وہ اندر نہیں آئی تھیں' باہر سے ہی بات کی اور چلی گئیں اور کاشف بھی ان کے ساتھ ہی چلا گیا تھا۔

"لو' پی لو میری جان' تنگ نہیں کرتے' منہ کھولو دیکھو اب میرے کہنے پر بھی منہ نہیں کھولوگی۔"

وہ دیوار کے پاس کھڑی سن رہی تھی۔ بشریٰ بھی پاس ہی تھی۔ یقیناً" صرف وہ اکیلی یہاں جل رہی تھی۔ کیوں کہ بشریٰ اور اماں جی اس سے ناراض تھیں' خود ساختہ ناراض۔

شادی کے شروع دنوں کی خوش اخلاقی کا ذرا سا لحاظ ہوا ہوچکا تھا۔ اسے بیبن اور بشریٰ سے نفرت ہوگئی تھی۔ اتنی نفرت جتنی کوئی کسی ناجائز شراکت دار غاصب سے کرسکتا ہے کوئی تھا۔ جو نہ ہوکر بھی موجود تھا اور وہ بشریٰ تھی۔ اس کی چکنی چپڑی باتیں سمجھاتے الفاظ اشاروں کنایوں میں کیے گئے اشارے اس کی کاشف سے گفتگو سب زہر تھی۔ خالص زہر۔ اب وہ اسے کاشف کے پاس کھڑے دیکھنے کی بھی خود میں ہمت نہیں پاتی تھی تو بشریٰ کی ماں کاشف کو گھیر گھار کر کسی نہ کسی طرح بشریٰ کے پاس لے ہی جاتی۔ اب اسے اس کی بیوی کے غصے کی بھی پروا نہیں تھی کسی چیز کی نہیں۔

اس کا خیال تھا کہ اماں کو اس پر رحم آنا چاہیے تھا۔ میاں بیوی کے درمیان بڑھتے تناؤ کا سوچنا چاہیے تھا اور کچھ نہیں تو انسانیت کے ناتے ہی سہی کچھ نہ کچھ جھجک لحاظ' مگر جب کاشف خود بے خوف ہوچکا تھا۔ وہ نہ کہہ کر بھی سب کہہ رہا تھا' سب واضح کررہا تھا تو کون کسی کا لحاظ رکھتا بھلا۔ اسے پہلی بار احساس ہوا کہ بشریٰ کاشف اور وہ ایک تکون تھے جس کا سب سے کمزور حصہ وہ تھی' صرف وہ۔ ناجائز رشتے اور تعلقات کتنے کس حد تک مضبوط ہوسکتے تھے' وہ دیکھ رہی تھی۔ وہ پہلے بشریٰ کے ساتھ جاتا تو واپسی پر ازالے کے طور پر کچھ نہ کچھ لے آتا تھا۔ اب وہ صرف غصے میں طیش سے بھرا لوٹتا تھا اور منتظر رہتا کہ وہ اس سے کچھ کہے اور وہ اسے بے عزت کرسکے۔ اس کے جسم کے چیتھڑے اڑا سکے۔ وہ صرف اس کے تیور دیکھتی اور اپنے موڈ کو زبردستی ٹھیک رکھنے کی کوشش کرتی۔ ذرا سامنہ پھلانے کی صورت میں ناراضی ظاہر کرنے پر جو ہوتا تھا وہ اور بھی برداشت سے باہر تھا کیوں کہ اس کی بے عزتی بشریٰ لفظ بہ لفظ سنتی تھی۔ وہ ایسے مناظر کی منتظر رہتی تھی اور یہ اسے کسی صورت گوارا نہیں تھا۔

اس نے بشریٰ کی یہ حرکت کاشف کو کتنی ہی بار بتانے کی کوشش کی' مگر وہ بات کے آغاز میں ہی بھڑک اٹھتا تھا اور شور مچانا شروع کردیتا تھا اور وہ اسی شور سے بچنا چاہتی تھی اور وہ شور مچانا چاہتا تھا۔ اتنا شور کہ اس کا دماغ ماؤف ہوکر سوچنا سمجھنا اور کچھ کہنا ہی چھوڑ دے۔ اسے کچھ اچھا نہیں لگتا تھا' نہ ٹی وی دیکھنا' نہ کہیں آنا نہ جانا۔ وہ کیا تھی اور کیا ہوکر رہ گئی تھی۔ ایک مردود عورت نے اسے کیا بنا ڈالا تھا شاید بے وقوف' مگر عورت اس معاملے میں کبھی بے وقوف نہیں ہوتی۔ صدف بھی نہیں تھی' مگر جب راستے اور منزلیں کھو جائیں تو کوئی کیا کرسکتا ہے۔

پہلے وہ دیوار کے پار کھڑی بشریٰ کو کھوجا کرتی تھی کہ وہ چھپی ہوئی تھی کہ نہیں مگر اب یہ بھی چھوڑ دیا تھا۔

میں روز ادھر سے گزرتا ہوں کون دیکھتا ہے
میں کل ادھر سے نہ گزروں گا کون دیکھے گا

☼ ☼ ☼

کسی کو اس کے دیکھنے نہ دیکھنے کی پروا نہیں تھی تو وہ دیکھ کر کیا کرلیتی۔ اسے رہ رہ کر وہ لمحہ یاد آتا تھا جب وہ سسرال میں تھوڑے سے دن رہ کر یہاں چلی آئی تھی۔ اکیلی رہنے، زندگی انجوائے کرنے کا خواب سب چکنا چور ہوگئے تھے۔ وہ بہت تنہا ہوگئی تھی کاشف کا رویہ دن بدن خراب تر ہوتا جارہا تھا۔ وہ اسے ذہنی مریض اور نجانے کیسے کیسے القابات کا کفن اڑھا کر زندہ دفن کرنا چاہتا تھا۔ وہ بھی مرجانا چاہتی تھی۔ اسے بھی زندہ رہنے کی خواہش نہیں تھی کاشف کے لیے سبین اور بشریٰ ہی کافی تھے اور پھر بشریٰ کی ماں کا چکنا چپڑا انداز اور باتیں تو کیا اس کی گنجائش کہیں نہیں تھی۔ کہیں بھی نہیں۔

بشریٰ کی ماں دیکھنے میں اللہ لوک سی خاتون لگتی تھی، مگر ان کے گھناؤنے کام شیطان کو بھی مات دیتے تھے۔ وہ ہر وقت صدف کی بدگوئی غصے کی مثالیں دیتی پائی جاتی اور بشریٰ کی اچھائیاں ایک غیر مرد نامحرم سے کرتی پھرتی۔ کاشف آتے جاتے سبین کو پیار اور بشریٰ سے حال احوال پوچھتا پھرتا اور وہ دکھ سے دیکھتی رہتی۔

اب بشریٰ اسے بے عزت بھی کرنے لگی تھی۔

"کبھی کہتی ہم شوہر سے محبت نہیں کرتیں۔ کبھی ہم اسے ناشتا نہیں دیتیں۔ کبھی، تم بدزبان ہو۔ کبھی جاہل کبھی گنوار کہتی۔

اکثر ان کی لڑائی کے دوران وہ ناشتا بھی نہ بناپاتی۔

بشریٰ فوراً "ناشتا لا کے کاشف کے سامنے چھوٹی میز سجا دیتی اور وہ جو صبح سے منتیں کرتی پھرتی تھی اس کی ایک بھی بات نہ سننے والا چپ چاپ ناشتا کرلیتا۔ پہلے پہل تو وہ بھوکی رہتی اور ناشتے کی بھی پروا نہیں کرتی تھی، مگر اب وہ اکیلے بیٹھ کے ناشتا کرلیتی او، بشریٰ اسے ملامت کرتی کہ اس نے شوہر کو بھوکا بھیجا تھا جب کوئی خود بھوکا جانا چاہے تو کون زبردستی کھلائے اور ایک ناپسندیدہ شخص آخر کتنی منتیں کرسکتا ہے۔

بشریٰ اور اس کی ماں اسے سناتی رہتیں اور وہ سنتی رہتی وہ قصوروار تھی ان چاہی تھی، یہ اس کا قصور تھا۔ بشریٰ جو نیک بننے کی کوشش کرتی تھی۔ کاشف کو ناشتا فٹافٹ دیتی تھی اسے چائے کا کپ بھی دینے کی روادار نہیں تھی۔

سبین اور بشریٰ کی گرفت بہت مضبوط تھی، مگر اسے انتظار کرنا تھا۔ اس اندھیرے کے چھٹنے کا، مگر گھپ اندھیرے میں وہ خود کو بھی کھوجنے سے قاصر تھی۔

ممکن ہے صدیوں بھی نظر نہ آئے سورج
اس بار اندھیرا میرے اندر سے اٹھا ہے

☼ ☼ ☼

امی کی نصیحت اس کے پلے سختی سے بندھی تھی۔ میاں بیوی کو اپنے معاملات خود درست کرنے چاہئیں اور خاص طور پر سسرال والوں سے بچنا چاہیے۔ ورنہ سلجھنے کے بجائے اور خرابی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ بشریٰ اور کاشف اس کے منع کرنے پر اور زیادہ قریب ہورہے تھے۔

اس نے کسی سے کچھ کہنا چھوڑ دیا تھا، مگر معاملات بدستور بگڑ رہے تھے۔ اس نے بشریٰ کو لڑ کر دور کرنا چاہا مگر ناکام رہی۔ وہ بیوی سے لڑ کر شوہر سے باتیں کرتی تھی اور شوہر کو پروا نہیں تھی کہ بیوی سے کس نے کیا کہا ہے۔ اس نے ناراض رہنا شروع کیا تو سب اس سے ناراض ہوگئے کاشف سمیت اس نے لاتعلق رہنا شروع کیا تو کاشف کو اعتراض تھا اس کے اس طرح گم صم رہنے پر۔

کاشف سے بات بند کیے آج پانچواں دن تھا۔ وہ اسے بدفطرت، کنجوس کہتا تھا جو اسے کسی کی مدد کرتے نہیں دیکھ سکتی تھی، مگر وہ کیسے بتاسکتی تھی کہ ایک عورت اپنی محبت تقسیم نہیں کرسکتی بھلے اسے کوئی

کنجوس سمجھے یا جاہل۔ اور وہ کاشف کی محبت تھی یا نہیں اُسے پتا چل چکا تھا۔ وہ محبت دو طرفہ نہیں تھی یک طرفہ تھی۔ فقط صدف اس آگ میں جلی تھی اور زندہ تھی۔ اس کی نمازیں طویل ہوتی گئیں۔ نمازوں سے تہجد کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ اس کی دعائیں طویل ہوتی چلی گئیں اور بیبن اور بشریٰ کا آنا جانا بڑھتا ہی چلا گیا۔ کہیں کچھ کم نہیں ہوا' سب بڑھا ہی بڑھا تھا۔

☼ ☼ ☼

جو مرے درد کی آواز سمجھ سکتا ہو
اے زمانے کوئی ایسا بھی خدا دے مجھ کو

☼ ☼ ☼

سب غلط ہی غلط تھا اور وہ صحیح ہو کر بھی غلط تھی۔ کاشف بشریٰ کو گھر کی چیزیں بھی دینے دلانے میں پیش پیش تھا۔ پلاؤ کی پلیٹ کے بدلے حلوہ جو صدف نے اس کے لیے بنا رکھا تھا اس کا دل جیتنے کے لیے۔ وہ اس کی اجازت کے بغیر بیبن کھا رہی تھی۔ بات حلوے کی پلیٹ کی نہیں تھی' ذلت کی تھی۔ صرف دل کی۔ جس کی کسی کو پروا نہیں تھی۔

وہ امی کے سامنے رو پڑی تھی اتنا کہ اپنی رخصتی کے وقت کو بھی پیچھے چھوڑ گئی تھی۔ اس نے امی سے کچھ نہیں چھپایا' سب کہہ دیا۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ امی کو بھی بہت برا لگا تھا۔ صدف ان کی بیٹی تھی اور بیٹیوں کے آنسو ماؤں کی نیندیں چرا لیتے ہیں۔ وہ کافی عرصے سے گھر بھی نہیں گئی تھی۔ ایک عجیب طرح کی سزا کے اذیت ناک لمحے تھے جو کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتے تھے۔ وہ سن رہی تھی۔ اچانک پیچھے سے کاشف نکل آیا تھا۔ وہ کانپ کر رہ گئی تھی۔

"کیا کہہ رہی تھی تیری ماں بد کردار ہوں۔ میں عورتوں کا رسیا ہوں' برا ہوں' ذلیل ہوں۔"

وہ دھاڑ رہا تھا۔ فون نیچے گر چکا تھا اور ٹوٹ بھی گیا تھا۔ وہ بھی ٹوٹ گئی تھی صفائی دیتے دیتے' کہتے کہتے کہ وہ اسے ایسا نہیں سمجھتی۔ بات حدود سے باہر تھی تو بری تھی' مگر وہ بول بول کر چیخ چیخ کر بتا رہا تھا کہ بات ایسی ہی تھی۔ سب ایسا ہی تھا۔ وہ خدا ترسی کا لبادہ اوڑھے شیطان تھا۔ چھپا ہوا شیطان۔ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔

اس کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی گئی تھی اور بشریٰ کو نئے راستے دکھا گئی تھی۔ منزلیں سہل کر گئی تھی۔ اس نے کہیں پڑھا تھا کہ جھوٹا انسان ہمیشہ بلند آواز کا سہارا لے کر حق سچ کو دبانے کی کوشش کرتا ہے اور سچ صرف وقتی طور پر دب سکتا ہے مگر اپنی حقیقت نہیں کھو سکتا۔ کمرے میں کاشف کی گونجتی آواز سنتے اس نے سوچا تھا۔

اس کے بعد خواری کا لامتناہی سلسلہ تھا۔ کٹھن راستے تھے تنہائی تھی۔ درد تھا اور درد دینے والا اپنا تھا۔ کاشف نے صرف ہنگامہ ہی کھڑا نہیں کیا بلکہ اس ہنگامے کو لے کر اس نے اپنے والدین تک کو صدف سے بدگمان کیا تھا۔ سب اسے لعنت ملامت کر رہے تھے اور کاشف کو سچا مان رہے تھے۔ اس نے فون پر اور ساس کے سامنے بیٹھ کر لامتناہی پھٹکار سنی تھی۔ نندوں کے ذلت آمیز رویے برداشت کیے تھے۔ ساس نندوں کا رشتہ صرف طنز کا رشتہ گندا رشتہ تھا تو کاشف نے انہیں شہ دے کر دگنا کروایا تھا۔ بشریٰ کی زبان درازی میں اضافہ ہوا تھا۔ حوصلے بڑھے تھے۔ وہ جھوٹی ہو کر جیت گئی تھی اور وہ سچی ہو کر خوار ہوتی پھرتی تھی۔ بشریٰ اور بشریٰ کی ماں نے اس کی آنکھوں میں اندھیرے بھر دیے تھے۔ ان کے جھوٹے دکھڑے اور خود ساختہ مسائل جیت گئے تھے۔ صدف ہار گئی تھی۔ سچ کے راستے چلنے والوں کا مقدر رہا ہی ہے شاید۔

وہ بشریٰ کی بکواس ان سنی کیے جھاڑ پونچھ میں مصروف رہتی۔ شوہر کی محبت اور توجہ سے محروم تو وہ ہو ہی چکی تھی' مگر زندہ رہنا تو اس کا حق تھا۔ اسے کاشف کے پاس ہی رہنا تھا اور شکایت یا روک ٹوک نہیں کرنی تھی' چپ رہنا تھا' مگر بشریٰ کی ہنسی اس کا چہرہ گپ شپ کھینچا تانی کو کہ اب وہ درمیان میں سے نکل گئی تھی' مگر روح پہ بوجھ تھا' آنکھوں میں آنسو

URDUSOFTBOOKS.COM

تھے۔ جنہیں وہ کم ہی سنبھال پائی۔ پہلے پہل وہ کاشف کو نیک انسان سمجھتی رہی تھی جسے سب کا خیال تھا اسے واقعی سب کا خیال تھا صرف صدف کا نہیں۔ یہ دھوکا اس نے خود کو بھی دیا تھا اور دنیا نے بھی اسے دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بڑے وثوق سے دنیا فریب دیتی رہی
بڑے خلوص سے ہم اعتبار کرتے رہے

اسے سب کی مدد کرنا تھی' سب کا دکھ محسوس کرنا تھا سوائے صدف کے۔ وہ کاشف کی نظر اور دل دونوں میں کہیں نہیں تھی۔ اس کا لاڈ' فرمائشیں شادی کے اولین دنوں کی طرح غائب ہو گیا۔ کیوں کہ اس سب میں بھی بشریٰ موجود تھی اور صدف کو ہر اس شے سے نفرت تھی جس میں بشریٰ جیسی ہلکی عورت موجود ہو۔ وقت نے اسے ریشمی کپڑے کی طرح کانٹوں پر گھسیٹا تھا اور وہ دور تک گھسٹتی چلی گئی تھی۔

وہ دو سال نہیں گزرے تھے' دو صدیاں گزری تھیں۔ بشریٰ اور بشریٰ کی ماں سبین نے ثابت کیا تھا کہ وہ عورت کے نام پر دھبا ہیں۔ کاشف نے اس پر ہاتھ اٹھا کر اس کی دل آزاری کی آخری حد بھی پار کر لی تھی۔ وہ جتنی بھی روشن خیال لبرل ہوتی' وہ کاشف کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ بشریٰ کو گھسیٹ کر گھر سے نکال باہر کرنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ بشریٰ کو نکالتی تو وہ ظالم بنتی تھی۔ اس کی ماں کو کچھ کہتی تو بے ادب کہلاتی اور سبین کو نظر انداز کرتی' اس سے نفرت کرتی تو بچے سے محروم سائیکو کہلاتی۔

زندگی نے اس پر مزید دروازے اس طرح بند کر لیے تھے کہ اس کی ساس جو کل تک بشریٰ سے نفرت کرتی تھیں اور اسے کاشف سے دور رکھنے کی وجہ سے انہوں نے صدف سے کاشف کی شادی کی تھی۔ آج وہ بھی بشریٰ سے متاثر ہو گئی تھیں۔ بشریٰ پہلے لاہور میں رہا کرتی تھی پھر اس نے اپنے آبائی گھر جو کاشف کے گھر سے متصل تھا' وہیں شفٹ ہونے کا فیصلہ کیا تھا' مگر اس کی ساس نے صدف کو کاشف کے ساتھ بھیج کر سب دروازے بند کرنا چاہے تھے۔ وہ سب بند دروازے کھول چکی تھیں۔ ساس نے بزرگی کا چولا اوڑھا تو بیٹی نے مظلومیت کا اور کامیاب ٹھہریں۔

آج سب بشریٰ اور کاشف کو ایک دیکھنا چاہتے تھے۔ ساری رنجشیں ختم ہو گئی تھیں۔ صدف کے والدین نے بیچ میں پڑ کر ایک بڑی غلطی کر دی تھی اور یہ غلطی کاشف معاف کرنے والا نہیں تھا۔ اس کی خدا خوفی اور بڑھ گئی تھی۔ جو اسے جتانا تھا۔ دکھانا تھا۔ ضد کی آڑ میں سب دکھلایا جا چکا تھا۔

پریشان رہنے سے مسلسل اس کی طبیعت بگڑ رہی تھی۔ صحت گری گری تھی۔ جھیل سی آنکھیں خشک جھیلوں میں بدل گئی تھیں۔ چہرہ کملا سا گیا تھا۔ وہ اپنے کھانے پینے کا خیال بھی بھول چکی تھی۔ مل گیا تو کھا لیا نہیں تو سو گئے' اسی سوتی جاگی کیفیت میں وہ شدید کمزوری کی حالت میں ڈھے سی گئی تھی۔ کاشف سبین کے ایڈمیشن کے سلسلے میں کالج جا رہا تھا۔ سبین تیار تھی۔ وہ بھی بس نکل ہی رہا تھا۔ بشریٰ کی ممنونیت اور اس کی ماں کی صدقے واری جاتی نگاہیں وہ کسی اجنبی کی طرح دیکھ رہی تھی اس کے پیروں میں گیلی چپل تھی شاید وہ اسی وجہ سے گری تھی۔

اس طرح گرنے سے وہ خود سے بھی بیگانہ سی ہو گئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے کاشف بھی سب بھول گیا تھا۔ وہ دوڑ کر اسے اٹھا کر اسپتال لے گیا تھا۔ برے منہ سے ہی سہی بشریٰ کو بھی ساتھ جانا پڑا تھا۔ وہ بیڈ پر لیٹی نجانے کب ہوش میں آئی تھی۔ کاشف اس پر جھکا ہوا تھا اور اتنے پیار سے دیکھ رہا تھا کہ وہ دنگ رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

تم اور اتنی خوش دلی سے پیش آؤ
میں سوچتا ہوں ستم ہے کہ مہربانی ہے

وقت نے خوب صورت پلٹا کھایا اور محمد ولید اس کی دعاؤں کی مستجابی بن کر اس کی زندگی میں شامل ہو گیا تھا۔ اس کی من موہنی صورت کاشف کو بھی اپنے سحر میں

جکڑنے لگی تھی۔ شاید اولاد کی محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔ بے قراری سے بھری ہوئی' شدتوں سے اٹی۔ کاشف اسے پیار کرتے اچھالتے تو تھکتا ہی نہیں تھا۔ اب اس کی توجہ بسین پر بھی کم ہی تھی۔ وہ بچی بن کر جب بھی ولید کی چیزوں کو اٹھانے لگتی۔ کاشف بے اختیاری میں اس کے کھلونے واپس لے کر ولید کے آگے رکھتا جاتا۔ وہ دور سے دیکھتی رہتی کبھی کبھار پیر بھی پٹختی 'مگر وہ رسپانس نہیں ملتا تھا۔

بشریٰ کے شکوے کاشف سے بڑھتے ہی چلے گئے تھے۔ نہ وہ بیوی سے بدسلوکی نہ بے اعتنائی نہ بھاگ کے بشریٰ کی دلداریاں' سب بدل رہا تھا۔ آئے نئے موسموں کی طرح 'خزاں کے بعد نیا موسم۔ نئی امنگ۔ نئی بہار اس کے وجود پر بھی بسیرا کرنے لگی تھی۔

صدف اب صدف نہیں رہی تھی۔ وہ اتنی مصروف ہو چکی تھی کہ اسے کسی کا ہوش نہیں تھا۔ ولید کیا کھائے گا 'کب سوئے گا کب جاگے گا مصروفیات لگی بندھی ہوتی گئیں اور کاشف بھی اس روٹین کا حصہ نجانے کب بنتا ہی چلا گیا تھا۔ شام کو وہ روتے ہوئے بچے کو اٹھا کر باہر نکل گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اب وہ چپ کرے گا اور اس کے کندھے پر سو جائے گا تب وہ لوٹے گا۔ وہ دروازے سے جھانک کے اسے دیکھ رہی تھی اور گیٹ کے پیچھے ایک اور وجود بھی اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔ وہ بشریٰ تھی۔ اس کے نیچے سے نظر آتے پیر اس کی بے قراری کے گواہ تھے۔ صدف کی ساس تک کی ہمدردیاں اس نے سمیٹ لی تھیں۔ سب اس ناجائز تعلق کو جائز تعلق بنالینا چاہتے تھے' مگر اللہ کسی کو مایوس نہیں کرتا۔ اس نے صدف کو بھی نہیں کیا۔ وہ جیت گئی تھی 'مگر ایک دھڑکا دل کو پھر بھی تھا اگر وہ کاشف کو پھر اپنی طرف مائل کر لیتی تو؟؟۔

یہ سوچ ہی اس کے لیے روح کا آزار بن گئی تھی یا پھر محبت ہوتی ہی ایسی ہے۔ کاشف برا تھا بھی اور نہیں بھی 'مگر اسے اپنے بچے کے باپ سے محبت تھی۔ وہ اسے خود سے جڑا دیکھنا چاہتی تھی۔ اپنے گھر سے منسلک دیکھنا چاہتی تھی۔ جو ایک ناکام 'بے حیا عورت کے ہوتے ذرا مشکل تھا وہ سوچتے ہوئے اندر چلی آئی مسہری کی سائیڈ ٹیبل پر رسالوں کا ڈھیر پڑا تھا جو خوب صورت تحریروں اور موتی جیسے لفظوں سے بھرے پڑے تھے۔ اس نے ایک رسالہ اٹھالیا۔

"کاشف! بسین بہت بیمار ہے۔ اس کے کان میں درد ہے۔"

بشریٰ کی مکاری عروج پر تھی۔ وہ روہانسی انداز میں کہہ رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے اسے؟" وہ بے زار لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"تمہیں ہماری کوئی پرواہی نہیں۔" اماں جی بھی شیطانیت میں بشریٰ کی ماں تھیں آخر۔

"اب وہ ہمیں گھر تک نہیں آنے دیتی۔ کبھی دیکھا ہے مجھے ادھر؟" بشریٰ لاڈ سے بولی۔

"بیٹا ہمارا تمہارے سوا اور ہے ہی کون؟" اماں جی چالاکی کی حدوں کو چھو کر شکار کی شہ رگ تک پہنچیں۔

"تم وہاں نہ آیا کرو۔" دیوار کے پار دم سادھے کھڑی صدف کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ کاشف بھی ایسے کہہ سکتا تھا؟ ہاں کہا تھا تب ہی تو سنا تھا نا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

بلو لیڈی میں رچی بسی مسکراتی ہوئی صدف نے ولید کا چھوٹا سا ہاتھ پکڑ کر کیک کاٹا اور اپنی پسند کے چاکلیٹ کیک کا ایک بڑا ٹکڑا خود اپنے منہ میں ڈالا اور دوسرا کاشف کو کھلایا کیوں کہ کوئی اور تھا ہی نہیں نہ بسین اور نہ بشریٰ۔ اصل فیملی اور اصل خوشی جس میں وہ تینوں اپنے ہی شریک تھے۔

کل اس کی ساس اور نندوں کی آمد متوقع تھی کیوں کہ ان کی نئی بھابھی تو آئی نہیں تھی۔ انہیں اب پرانی پر ہی گزارہ کرنا تھا۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

فرزانہ کھرل

کبھی عشق وقت غروب سا

پردہ برابر کر کے کھڑکی سے دور ہٹتے وقت تیاری کے دوران بھی سیڑھیاں اترتے ہوئے ناشتے کی ٹیبل تک آتے ہوئے بھی وہ منظر اس کے ذہن سے کسی صورت مٹ نہیں رہا تھا۔ وہ دونوں کسی بات پہ قدرے اونچی آواز میں الجھ رہی تھیں۔ ان کے گھر میں گفتگو اتنی تیکھی آواز میں نہیں کی جاتی تھی۔ اس نے متجسس سا ہو کر پردہ سرکا کر نیچے جھانکا وہ گاڑی کی اگلی نشست کا دروازہ کھولے۔ ڈرائیونگ نشست پر براجمان آئمہ کو باہر آنے کا کہہ رہی تھی۔

آئمہ منہ بسورتی ہوئی گاڑی سے باہر آئی پھر خراب موڈ کے ساتھ دوسری جانب سے آ کر اگلی نشست پہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔ وہ ناراضی کا بھرپور اظہار کر رہی تھی۔ اور وہ آئمہ کے خراب مزاج کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے حق ملکیت جتاتی گاڑی زن سے بھگا لے گئی۔

آئمہ کا حال اس کے آگے ہاتھی کے سامنے چیونٹی جیسا تھا۔ اس کے برعکس یشان ہر منظر پر چھا جانے اور ہر کسی پر حاوی ہونے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ کھڑکی کا پٹ زور سے بند کرتے ہوئے اس کا دماغ ٹھکانے پر نہیں تھا۔ اپنے کھولتے دماغ کو مصطفیٰ نے ایک بھرپور

URDUSOFTBOOKS.COM
URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

شاور لے کر ٹھنڈا کیا پھر بھی 'وہ منظر بار' بار اس کی آنکھوں میں چبھ رہا تھا۔

"اتنی صبح لڑکیاں کہاں جا رہی تھیں۔" نہ صرف اس کا چہرہ بلکہ لہجہ بھی سلوٹ زدہ تھا۔

امینہ نے ٹھٹک کر اس کا تر و تازہ اور ایک محسوس کروائے جانے والے تناؤ کا شکار چہرہ دیکھا۔

"رات ان کی کسی قریبی دوست کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ اسی سے ملنے اسپتال گئی ہیں۔" امینہ نے اپنے سامنے انتہائی بیش قیمت خوب صورت کپ رکھا اور اس کے لیے چائے بنانے لگی۔

مصطفیٰ کی نگاہیں اس کے خوب صورت ملائم ہاتھوں پہ ٹک سی گئیں۔

"آئمہ پہ بھی کچھ توجہ دیا کرو۔" قہوے میں دودھ انڈیلتے اس کے دودھیا ہاتھ پل بھر کو ساکن ہوئے۔

"بیٹیوں کو پہننے اوڑھنے کے ڈھنگ مائیں ہی سکھاتی ہیں۔" اس کی ہلکی آواز میں پنہاں شکوہ خاصا بھاری تھا۔

وہ اسے بس دیکھ کر رہ گئی۔ مصطفیٰ کے دھیان میں کچھ دیر قبل کا آئمہ کا پھیکا' روکھا سا حلیہ لہرایا جبکہ میشان کیسی کھلی کھلی سی لگ رہی تھی۔

"شاپنگ دونوں ہی ایک جیسی کرتی ہیں" آئمہ رنگ ہی اتنے پھیکے پسند کرتی ہے۔" امینہ نے سہولت سے کپ پکڑاتے ہوئے انتہائی نرمی سے بات کی۔۔۔ اس کے لب و لہجے کی خوب صورتی پہ سامنے بیٹھا مرد آج بھی اپنی سدھ بدھ کھو دیتا تھا۔ وہ اپنے شوہر کے تناؤ کی وجہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"کچھ حساب کتاب ہے کہ ایک ماہ میں اس کے کتنے پروپوزل آتے ہیں؟" وہ اپنی دھواں دیتی آنکھیں' (امینہ کو وہ آنکھیں ہمیشہ ایسی دکھتی تھیں) اس کے انتہائی خوب صورت چہرے پہ جما کر پوچھ رہا تھا۔

"اوہ!" امینہ کی سوچ میں کوئی الجھی سی گرہ کھلی تو شوہر کی برہمی کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی۔

"پچھلے کئی سالوں سے کوئی ایک پروپوزل بھی آئمہ کے لیے آیا؟"

مکمل ناول

URDUSOFTBOOKS.COM

امینہ کے اندر اتنی زور سے کچھ ٹوٹا'اس نے آنکھیں پھاڑ کر مصطفیٰ کو دیکھا'چہرہ اس کے شوہر کا تھا مگر آواز اس کی نہیں تھی۔ اتنے برسوں بعد ہو بہو کوئی کسی کا لہجہ چرا کر وہی الفاظ دہرا سکتا ہے۔ کردار نئے تھے کہانی اور ڈائیلاگ پرانے تھے۔

"آئمہ ابھی بچی ہے۔" ہاں اس نے یہی جملہ اسی طرح سامنے بیٹھے شخص سے نظریں چرا کر بولنا تھا۔

"اچھا!" وہ تلخی سے ہنسا۔۔۔ امینہ نے اپنی اتھل پتھل ہوتی دھڑکنوں کو گہری گہری سانسیں بھر کر ہموار کیا۔ "یشان ایتھ کلاس میں تھی جب سے اس کے پروپوزل آرہے ہیں'یا وہ بیس سال کی ہو کر ایتھ میں پہنچی تھی۔"

کہانی میں اس قدر مماثلت'لہجے کا اتار چڑھاؤ'تمام لائنیں زیر زبر کے ساتھ وہی بولی جارہی تھیں۔ ایک فیصد بھی کچھ غلط نہیں تھا۔ وہ ہونقوں کی طرح اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"کتنے ہی ہائی فائی بزنس فیملیز'بیوروکریٹس اور پولیٹیشنز فیملیز تک کے رشتے تم نے ریجکٹ کر دیے۔"

امینہ کی جان میں جان آئی'یہیں سے کہانی بدلی تھی کہانی بدل گئی تھی تو ڈائیلاگ بھی نئے تھے۔

"تمہیں لگتا ہے وہ سب کے سب اپنا بزنس'اپنی پارٹیز'ویلیوز اور اپنے سیاسی حلقہ احباب میں خوب صورتی کی چکاچوند دکھانے کے لیے یشان سے شادی کریں گے۔" وہ اس کے دل میں بستا تھا'اس کے تمام خدشوں سے واقف تھا۔ بس زبان تک آج لے آیا تھا۔ اس کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ رہا تھا وہ اس کے چہرے پہ چھائی تکلیف بھی برداشت نہیں کر پارہا تھا۔

"میں چاہتی ہوں وہ محفلوں کی زینت بن کر نہ رہے' اسے عزت اور صرف وقار بھری زندگی ملے۔" وہ مصطفیٰ کے خوب صورت نقوش آج بھی نظر جما کر دیکھ نہیں پاتی تھیں۔ خصوصاً" اس کی آنکھیں۔ وہ بہت سال پہلے اس دھرتی پہ اترنے والی ایک شام سے آج بھی خوفزدہ ہو جاتا تھا۔

"وہ میری بیٹی ہے۔ وہ آئمہ مصطفیٰ ہے۔ اس کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہو سکتا۔" وہ چند ثانیے اس کا پر یقین چہرہ دیکھتا رہا۔۔۔ پھر اپنی ہی کسی سوچ کے ماتحت ہولے سے سر ہلا کر فیصلہ کن آواز میں بولا۔

"بہرحال!جو پروپوزل میں فائنل کیا تھا کل انہیں ڈنر پہ انوائیٹ کرو۔ انگیجمنٹ کی تقریب میں شادی کی ڈیٹ بھی رکھ لیں گے۔" اس نے کرسی پیچھے دھکیلی اور ڈھیلے سے قدم بڑھاتا اس کے پاس ٹھہر گیا۔

"وہ خاندانی اور کھرے لوگ ہیں۔ اس کے لیے یہ بھی بہت ہے۔" اس کا لہجہ بہت کچھ جتاتا ہوا تھا۔ اس نے دو انگلیوں سے امینہ کا گلابی رخسار نرمی سے چھوا اور اس پہ مسکراتی نظر ڈال کر لاؤنج کی جانب مڑ گیا۔

"حبیبہ کریم!جو مجھ سے ہو سکتا تھا۔ وہ میں نے کیا۔ مصطفیٰ کی زیادتی کا ازالہ میں نے تاعمر کیا'شاید میرا اللہ خوش ہو جائے۔"

امینہ کی آنکھ کے کونے پہ ایک آنسو ٹھہرا'محبت' ندامت یا تشکر کا آنسو'یہ امینہ ہی جانتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"سنا ہے سائنس دان ایسی ادویات تیار کر رہے ہیں جس سے انسان ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے۔"

حسن آرا نے اخبار تہ کر کے ایک طرف رکھا' اس خبر کے تاثرات دیکھنے کے لیے تائی اور ماں کے چہرے دیکھے جو اس خبر سے چمک رہے تھے۔

"توبہ استغفار!" سبزی کاٹتی نصیبو نے چھری رکھ کر کانوں کو چھوا۔

"تیرے کلیجے پہ کیوں ہاتھ پڑا ہے'جو یوں دہل کر استغفار کر رہی ہے۔" انیقہ بیگم نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"جب اس برحق کتاب میں لکھا ہے کہ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ پھر ایسی بے پر کی خبروں پہ تو توبہ کے دو نفل بھی بنتے ہیں۔"

نصیبو نے تو ان سائنسدانوں کی وفات کی منت بھی دل میں مان لی تھی۔ "بلھے شاہ کی درگاہ پہ دیگ چڑھاؤں گی اگر یہ مریں گی نہیں تو ساری زندگی ہمیں ہی خدمت کرنی پڑے گی اور وہ جو قیامت آنے تک..... چار دن قبر میں آرام کا سوچ رکھا ہے۔ وہ آسرا بھی جائے گا۔" یہ موئے سائنس دان کمزور ایمان والوں کا ایمان کچی تند (دھاگے) جتنا بھی نہیں رہنے دیں گے۔"

اس نے اپنی مالکنوں کے ایمان پہ براہ راست حملہ کیا تھا۔

"بس، بس چپ کر۔ ترکھانی ہی رہ، زیادہ مولویوں کی نو (بہو) بننے کی کوشش مت کر۔" نفیسہ بیگم انگارے چبا کر بولی تھیں۔ نصیبو نے آگ لگا کر اپنا سر سبزی کی ٹوکری میں گھسالیا۔

"عقل اللہ نے ہی انسان کو دی ہے کہ میری دنیا۔" یہاں وہ اٹک گئیں۔

"اے ثوبیہ بتا تو ذرا... وہ کیا کہتے ہیں۔" انیقہ بٹی کی طرح جھکیں۔

"تسخیر کہتے ہیں اماں!" وہ نصیبو کی بہو سے پاؤں کا مساج کروا رہی تھی۔

"ہاں، ہاں وہی۔" انہوں نے کسی شیخ الاسلام کی طرح گردن اکڑا کر کہا۔ مگر بات ان کی دیورانی اور نصیبو دونوں کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ انہوں نے ان کی نا سمجھی بھانپ لی۔

"مطلب دنیا کو گھٹنے کے نیچے رکھ۔" کچھ زیادہ ہی آسان لفظوں میں بتایا۔

"لو جی، دنیا نہ ہوئی شوہر ہو گیا۔" نصیبو کی بہو کے چھوڑے چٹکلے پہ حسن آرا اور ثوبیہ کی مسکراتی نظریں ماؤں کی طرف اٹھیں جو آنکھوں ہی آنکھوں میں نصیبو کی بہو کو جوتے مار رہی تھیں۔ ان سب سے کچھ فاصلے پہ بیٹھی جائی جو مددگار کے سر پہ تیل لگا رہی تھی، اس کے ہونٹوں پہ بھی شازیہ کی بات سن کر مسکراہٹ رینگی۔

"کائیں، کائیں۔" نفیسہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"اتنا موٹا تازہ پھر بھی مانگتا ہے۔" کنجوسی کی حد تھی۔

"کائیں کائیں" وہ پھر بھی باز نہ آیا چل نی شازیہ! اسے اڑا منحوس مارا یہاں کون سی دیگیں چڑھی ہیں۔"

انیقہ بیگم نے چاولوں کی پلیٹ (جو وہ کھا رہی تھیں) کے اوپر اخبار رکھ کر ڈھانپ دی۔

"باجی لو بے چارا کون سا دیگچا لے کر آیا ہے۔" شازیہ ہنستی ہوئی اٹھی۔ "چار دانے چاولوں کے ڈال دیں اڑ جائے گا۔" ثوبیہ کے پیروں پہ لگانے والے لوشن کی خوشبو اس کے ہاتھوں سے آ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ ناک کے قریب لے جا کر زور سے سونگھا۔

"لگتا ہے حاشر کے آنے کی خبر دے رہا ہے۔" نصیبو کو بے وجہ کوے سے ہمدردی جاگی سو اندھیرے میں تیر چلایا۔ انیقہ نے بیٹے کے آنے کی اطلاع دینے والے کوے کو کچھ نرمی سے دیکھا اور پلیٹ سے اخبار کھسکایا۔ حسن آرا کا بھی دل چاہا کوے کو دیسی گھی اور چینی کی چوری کھلائے، اس نے محبوب کے پیغام بر کو میٹھی نظروں سے دیکھا۔

"میری فون پہ بات ہوئی تھی۔ بھائی نے ابھی نہیں آنا۔" ثوبیہ نے تازہ تازہ لگائی جانے والی نیل پالش پہ پھونک مار کر کہا۔

"دفع دور۔" انیقہ نے کھسکے ہوئے اخبار کو درست کیا۔ جائی نے تعجب سے نہیں تاسف سے بھرجائی کو دیکھا۔ کیونکہ تعجب ان پہ ہوتا ہے جنہیں ہم جانتے نہ ہوں۔

"شازیہ! چل اسے کھینچ کے چپل مار۔" بیٹے کے نہ آنے کا ملال کہیں تو نکالنا تھا۔ حسن آرا نے بھی انتظار میں کھولے دل کے کواڑ بند کیے۔

"ناں باجی پھر جوتی اٹھانے کے لیے مددگار صاحب کو باہر کھیت میں جانا پڑے گا۔" جوتی کے نام پہ مددگار کے کان کھڑے ہوئے۔

"خوامخواہ میرا شوہر شک کرتا ہے۔" اس نے پٹی

پرانی چپل کو دیکھا پھر مددگار کو "ابھی پھینک دوں تو اس کو بھی سینے سے لگا کرلے آئے گا۔"

"کیسا شک اور تیرا شوہر پاگل تو نہیں ہو گیا' جو اللہ لوک پہ شک کرتا ہے۔" دونوں خواتین نے تنگ کر اسے بتایا۔

"لو جی' اسے اپنی خبر نہیں وہ تجھ پہ عاشق ہو گا۔" وہ دونوں ٹھٹھا لگا کر بولیں۔ گویا ان کے ہاتھ دلچسپ موضوع لگ چکا تھا۔ "وہ تو سارے پنڈ کی جوتیاں اٹھائے پھرتا ہے۔ بتاؤ یا شوہر کو۔"

"ویسے بیگم صاحبہ' باتیں اکثر اونچی کر جاتا ہے۔" نصیبو نے سبزی کی ٹوکری بہو کو پکڑائی۔ دونوں کی ہنسی تھمی اور سوالیہ نظروں سے نصیبو کو دیکھا۔

"کل سیما باجی نے اس کے ہاتھ سے میری جوتی چھڑائی تو مٹی پہ مار کے کہنے لگا۔ یہ اپنی اوقات نہیں جانتی شو مارتی ہے۔ جبکہ اس کے تلوے مٹی چاٹتے ہیں۔" نصیبو کی بات دونوں بیگموں کے سر سے گزر گئی تھی۔ "کوئی کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو اگر پاؤں میں جوتا اچھا نہ ہو تو لباس کی قدر بھی گھٹ جاتی ہے۔ جوتا پہن کر ہی اکڑا جا سکتا ہے۔ اسی لیے تو اللہ کے گھر' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر جوتے اتار کے جاتے ہیں یعنی 'میں' ختم کر کے' پھر جب پاؤں میں پہن لیں تو پھر غرور کا نشہ دماغ کو چڑھ جاتا ہے۔ مددگار کو پھٹے پرانے پیوند لگے جوتے پسند تھے۔ وہ خود ننگے پاؤں چلتا تھا اس جھلے کو نیا اور خوب صورت جوتا' غرور کی عظمت دکھتا۔"

"بندہ اس کی وجہ سے ایک پل کے لیے جوتا نہیں اتار سکتا۔" حسن آرا نے ناک چڑھا کر اسے دیکھا۔ آج پھوپھی خوب اس کے سر کی مالش کر رہی تھی۔

"جبین زہرہ نظر نہیں آ رہی۔" انیقہ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ "پہلے تو اس نے میٹھے چاول پکائے تھے' اب پتا نہیں کہاں ہے۔" نفیسہ کو دیورانی کے پوچھنے کا انداز کچھ عجیب سا لگا۔

"سارا دن پھوپی کے کمرے میں گھسی رہتی ہے۔ تو جانتی ہے نا۔ وہ سارا حصہ ہی آسیب زدہ ہے' متاثر ہوتا رہی تھی یا تو پرانا جوتا پہنتی ہے یا پھر پہنتی ہی نہیں۔ روز حلوے مانڈے بنا کر مددگار کو کھلاتی ہے۔" وہ موڑھا گھسیٹ کر نفیسہ کے کان میں گھسیں۔ جو سانس روکے ان کی باتیں سن رہی تھیں۔

"خدانخواستہ اگر کوئی آسیب وغیرہ چمٹ گیا تو۔"

"اے خدا نہ کرے۔" انہوں نے اپنی جٹھانی کو دزدیدہ نظروں سے دیکھا۔

اب زیادہ غصہ بھی نہیں دکھا سکتی تھیں' ان کی دونوں بیٹیوں میں سے ایک نے تو انیقہ بیگم کی بہو کا شرف حاصل کرنا تھا۔

ماؤں کی باتیں سن ثوبیہ اور حسن آرا نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا اگر ان دونوں کو علم ہو جائے کہ جبین زہرہ کے وجود سے کون سا آسیب چمٹا ہوا ہے تو جبین زہرہ کو بمعہ آسیب اور اس کی ماں کو بھی ایک پل کی تاخیر کے بغیر بھڑکتی آگ میں جھونک سکتی تھیں۔

جبین زہرہ' چاولوں کی پلیٹ پکڑے پرانی چپل پہنے پھوپی اور مددگار کی طرف جا رہی تھی۔

"یہ کب سے مددگار کی سیوا کرنے لگی ہے۔" ماں کا ماتھا ٹھنکا۔

مددگار نے چاولوں کی پلیٹ پکڑ کر ایک جھٹکے سے الٹ دی۔ "اب وہاں ایک کوے کے بجائے کتنے ہی کوے کائیں کائیں کر رہے تھے۔ سو وہ تمام خواتین ناک بھوں چڑھاتی وہاں سے اٹھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

"دنیا میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہو گا جو مجھے دیکھے اور پھر دیکھتا ہی نہ رہ جائے۔"

حاشر نے پلٹ کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ وہ اس وقت شہر کے مہنگے ترین ریسٹورنٹ میں اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ ڈنر کر رہا تھا۔ اپنے ساتھ بیٹھے ان مردوں کا اسے یوں دیکھنا حاشر کو ناگوار گزر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پوری دنیا میں اتنا حسین چہرہ صرف ایک ہی ہے۔ حاشر نے پہلی دفعہ اسے ایک شاپنگ مال میں

دیکھا تھا۔ وہ شاپنگ مال اس کے بیسٹ فرینڈ احد کا تھا۔ اور وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔

یہ ان دنوں کی بات تھی جب اس کی ہاؤس جاب نئی نئی شروع ہوئی تھی۔

"سنا ہے اس کی سیاہ چشمگی قیامت ہے اور سنا ہے سرمہ فروش اسے آہ بھر کے دیکھتے ہیں۔"

وہ سرمہ فروش نہیں تھا مگر وہ آہیں بھر بھر کے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس موسم میں وہ ہاسٹل کے کمرے میں ٹہل ٹہل کر احمد فراز کی غزل کا رٹا لگایا کرتا تھا۔ اس نے اپنی بے قراریوں کی داستان احد کو سنا کر اس کے ذمے لگایا تھا کہ آئندہ وہ اس کے شاپنگ مال پہ آئے تو احد نے کیسے اس کے بیگ سے موبائل چوری کرنا تھا۔

وہ کسی کالج بوائے کی طرح اس لڑکی کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ پتا نہیں کس طرح مگر احد نے اس کے بیگ سے موبائل اڑا لیا تھا کافی دن اسے تنگ کرنے کے بعد اور جواباً گالیاں سننے کے بعد ایک دن اس کی خاندانی عزت و حمیت جاگی اور وہ اس کا سیل فون واپس کرنے یونیورسٹی اس کے ڈیپارٹمنٹ پہنچ گیا تھا۔ وہ محبت جیسے جذبے پہ ہنستی تھی اس کا خیال تھا کہ خوب صورت چہروں سے محبت ہو ہی جاتی ہے۔ جب حاشر نے اپنی خواہش پہ ڈٹ کر عین اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تھا۔

"محبت چہروں سے نہیں اس سے ہوتی ہے جس کے لیے دل دھڑکتا ہے جسے اپنے اندر ہر طرف محسوس کرتا ہے۔ اور ہاؤس جاب کرنے کے باوجود کسی کالج بوائے کی طرح اس کی یونیورسٹی کے اطراف چکر لگاتا ہے۔"

ان سب باتوں کے باوجود اس کی سیاہ حسین آنکھوں میں اک تمسخر اڑاتا احساس تھا......

"تو پھر تمہیں آئمہ سے محبت کیوں نہیں ہوئی۔ وہ بھی تو ہمیشہ میرے ساتھ ہوتی تھی۔" اس کے ہونٹوں پہ زچ کر دینے والی مسکراہٹ تھی۔

"کیونکہ میرا دل تمہاری طرف کھنچا تھا۔ میری آنکھیں تمہیں دیکھ کر خیرہ ہوئی تھیں۔" حاشر نے اپنی محبت کی آخری دلیل دی تھی۔

"کیونکہ میرا چہرہ حسین تھا۔" وہ استہزائیہ ہنسی تھی اور پھر ہنستی چلی گئی تھی۔

"میں تمہارے حسین چہرے پہ تیزاب پھینک دوں گا اور پھر بھی کہوں گا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔" اس کی ہنسی پہ جیسے کسی نے پاؤں رکھ دیا تھا۔ پھر وہ تنفر بھرے لہجے میں اپنے حواس سمیٹ کر بولی تھی۔

"ہر ماہ میرے گھر ایک سے بڑھ کر ایک پرپوزل کی لائن لگی ہوتی ہے مگر تم اس لائن میں بھی نہیں لگ سکو گے۔" وہ پاؤں پٹختی... اس کی محبت پہ فاتحہ پڑھ کر چلی گئی تھی۔

آج دو سال بعد حاشر نے اس کا وہی پر غرور لہجہ سنا تھا۔ اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو رہا تھا۔ وہ صرف اس سے ایک بات کرنا چاہتا تھا۔" وہ وہاں سے اٹھ کر گھوم کر اس کی میز کی طرف آیا۔ اسے دیکھ کر اس کی گھنگھور سیاہ آنکھوں میں تحیر سا اترا۔ اس کے ساتھ آج بھی وہی لڑکی تھی، جسے اس نے آئمہ کہا تھا۔ حاشر اس کے مقابل بیٹھ چکا تھا۔

"پلیز آپ تھوڑی دیر کہیں اور بیٹھ سکتی ہیں؟"

آئمہ ان دونوں پہ خاموش نظر ڈالتی وہاں سے اٹھ گئی۔ وہ اسے کتنی ہی دیر تک دیکھتا رہا تھا۔

"اسٹاپ اٹ پلیز!" وہ میز پہ ہاتھ مار کر دبی آواز سے چیخی تھی۔ "میں کوئی منظر نہیں جسے تم گھور رہے ہو۔"

"ہم تو آپ کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔" وہ ہونٹوں کو ذرا سا گول کر کے انتہائی دلکشی سے مسکرایا۔ اس نے ابرو چڑھا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ابھی آپ فرما رہی تھیں کہ دنیا میں کوئی ایسا الو کا پٹھا نہیں جو مجھے دیکھے اور پھر دیکھتا ہی نہ رہ جائے۔" حاشر کی نگاہیں جیسے تمسخر اڑاتی ہوئی تھیں۔ وہ اس کے چہرے سے کچھ بھی اخذ نہیں کر پا رہا تھا۔ حیرت غصہ یا نفرت۔

"میں ایسا نہیں تھا میشان! لڑکیوں پہ مرمٹنے والا ہمن

کے پیچھے بھاگنے والا۔" اس کا گہرا' بھاری ہوتا لہجہ ماحول کو گمبھیر بنا رہا تھا۔ "میں صرف تمہارے پیچھے پہلی اور آخری بار خوار ہوا ہوں اور میں ابھی تک اپنی بات پہ قائم ہوں۔" وہ خاموش ہو گیا تھا۔

یشان نے اس پہ ایک تیز نظر ڈالی۔

"تم اپنا چہرہ بدل ڈالو۔ یا بگاڑ لو میں پھر بھی تم سے محبت کرتا رہوں گا۔" دھیمی آواز میں اس کا لہجہ قطعی تھا "محبت کے سامنے حسن بے معنی ہوتا ہے اگر یہ بات کبھی سمجھ میں آجائے یا وقت تمہیں سمجھا دے تو جاشر وقار سے ضرور شیئر کرنا۔" وہ اس پہ ایک بھرپور نظر ڈالتا کرسی پیچھے گھسیٹ کر پورے قد کے ساتھ ایک مغرور سی چال چلتا نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

کچھ لمحے' کچھ پل' کچھ موسم یا لوگ جب نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں' تب دل انہیں ڈھونڈتا ہے۔ یشان نہیں جانتی تھی کہ اس کا دل اسے کب ڈھونڈنے کی سعی کرنے لگا تھا۔ اس نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا اگر مڑ کر دیکھ لیتا تو یہ بھی دیکھ لیتا کہ جس کے شہر میں بقول احمد فراز لوگ ٹھہرنے کی تمنا کرتے ہیں۔ اس کی سیاہ آنکھیں اسے ٹھہر جانے کا حکم دے رہی تھیں۔

❋ ❋ ❋

بابا بلھے شاہ کے دربار سے کچھ فاصلے پر ریلوے روڈ کے دوسری جانب کئی مربعوں پہ پھیلی اراضی باغات اور کئی ایکڑ زمین پہ گلابوں کے وسط میں بلند و بالا رہائش گاہ "مختار کل" کی چوڑی پیشانی پہ لفظ "مختار کل" سونے سے کندہ تھا۔ یہ رہائش گاہ نہ صرف آس پڑوس کے علاقوں میں مشہور تھی بلکہ عین سامنے سے گزرتی ٹرین کے مسافروں کی آنکھیں بھی سونے سے کندہ مختار کل میں الجھ جاتی تھیں۔

ان میں سے جو دین دار قسم کے ہوتے وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر استغفار پڑھتے کہ مختار کل تو خدائے واحد ہے' تو شہرت اور دولت کے دلدادہ بڑھ کر اش اش کر اٹھتے' واہ کیا ڈبنگ نام ہے' نام والا خود کیسا ہو گا' یا ہے۔

نام والا حسب' نسب' ذات پات' اخلاق و کردار' نرم خو' نرم گفتار' مؤدب سب کچھ تھا ہاں البتہ یہ فیصلہ مشکل تھا کہ وہ امیر زیادہ تھا کہ حسین' زبان ایسی میٹھی کہ دنیا میں کوئی دشمن نہیں تھا زیرک نظر اور بلا کا کائیاں انسان کہ دنیا میں اس کا کوئی گہرا دوست بھی نہیں تھا۔ اس قدر خوبیوں کے مالک انسان کی کمزوری حسین سے حسین عورت بھی نہیں تھی۔ شراب اور شباب جیسی لت پہ وہ لعنت بھیجتا تھا۔ دنیا میں اس کے لیے زمین سے بڑھ کر کوئی چیز' اہمیت نہیں رکھتی تھی' اسے جاگیر بڑھانے سے عشق تھا۔

تہمینہ مراد اس کے تایا کی اکلوتی بیٹی جو عمر میں اس سے بیس سال بڑی تھی۔ وہ بمشکل اٹھارہ سال کا ہوا تو بہ راضی و رضا باپ کے فیصلے پہ سر جھکا دیا اور مزید چار مربعوں کا مالک بن گیا۔ کون کہتا ہے کہ صرف لسی ہی پانی ملانے سے بڑھتی ہے۔ زمین کے ساتھ زمین ملاتے جاؤ' بڑھتی جاتی ہے۔ بظاہر پرسکون مختار کل کی بے کلی جلال خان کی ہری بھری فصلوں کو دیکھ کر بڑھ جاتی کہ وہ اس کی زمین سے سر جوڑے ہوئے تھیں۔

خاں صاحب کا جواں سالہ بیٹا چند سال قبل قبیلے کی لڑائیوں میں قتل ہو گیا تو وہ بیوہ بیٹی کو لے کر پنجاب کے چھوٹے سے شہر قصور کے پہلو میں مستقل مقیم ہو گئے کافی جاگیر خرید کر اسی کے وسط میں جدید طرز تعمیر کی حویلی ان کی امارت کا منہ بولتا ثبوت تھی' ایک دن اتفاقاً" ہی گاڑی میں بنت خان کو دیکھ لیا۔ کمال ہے اس سے پہلے کیوں نہیں دیکھا۔ زندگی میں پہلی دفعہ دل کسی اور ہی طرح سے دھڑکا۔

جلال خان کو اپنی رہائش گاہ میں دعوت دی۔ اور بنت خان پہ اپنی محبت اور حسن کا ایسا جادو چلایا کہ چند ماہ بعد ہی بنت خان طرح دار سے چار جوان بچوں کے ابا کی زندگی میں آکر اس کے دل کی سونی سلطنت پہ پورا قبضہ

URDUSOFTBOOKS.COM
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

جمالیا۔

وہ اکیلی نہیں آئی تھی اس کے ساتھ اس کا دو سالہ بیٹا فہیم عاقل بھی آیا تھا۔ بنت خان اس قدر نفیس طرح دار پرکشش' پڑھی لکھی اور وضع دار تھی کہ مختار کل نے اپنی باقی ماندہ زندگی اس ساحرہ کے سحر میں ہی بتائی۔

تہمینہ مراد اس سے پہلے دنیا میں آئی تھی اور دنیا چھوڑنے میں بھی اس نے پہل کی۔ ایک سال اس نے سوکن کا دکھ جی کڑا کر کے سہا تھا اگلے تین چار برسوں میں طرح دار نے ان کی برادری میں ہی تینوں بچوں کو پوری شان و شوکت اور دھوم دھام کے ساتھ بیاہ دیا۔ سب سے چھوٹا مددگار (مجذوب) یعنی اللہ لوک قسم کا تھا۔ وہ بولتا بھی تھا۔ ہنستا روتا بھی تھا مگر یہ سارے کام اپنی مرضی سے کرتا تھا۔ اس دوران طرح دار دو بیٹیوں کی ماں بن چکی تھی۔ مختار کل کی حسرت تھی کہ وہ اس کے بیٹے کی ماں بنے "مگر اللہ کو یہ منظور نہیں تھا۔

شادی کے پانچ سال بعد اس کی بڑی بیٹی بیوہ ہو کر واپس آچکی تھی۔ تب اس کے بڑے بیٹے وقار کے دو بچے حاشر وقار اور ثوبیہ وقار اسکول جانے لگے تھے۔ اس سے چھوٹے اعتبار کی دو بیٹیاں جبین زہرہ اور حسن آرا کی عمریں ابھی اسکول جانے کی نہیں تھیں۔ جلال خان کی وفات کے بعد طرح دار' خان حویلی میں قیام پذیر تھی کیونکہ اس کا بیٹا فہیم عاقل مختار کل کے خاندان کے لیے نامحرم تھا۔

☆ ☆ ☆

مختار کل نے اپنے بیٹوں کو زیادہ تعلیم نہیں دلوائی تھی۔ پھر بھی وہ حساب کتاب میں ماہر تھے۔ اسے ڈر تھا کہ وہ افسر بن کر شہروں کی طرف نکل گئے تو اس کی جاگیر کون سنبھالے گا۔ ان دونوں بھائیوں کی بیویاں بھی بس پانچ جماعتوں تک پڑھی تھیں۔ طرح دار نے اپنے بیٹے کو قصور کے سب سے مہنگے پرائیوٹ اسکول میں ڈالا تو وقار اور اعتبار نے بھی اپنی بچیوں کا داخلہ اسی اسکول میں کروایا اس کا اکلوتا بیٹا فہیم لاہور میں ایچی سن کالج میں پڑھ رہا تھا وہ ہاسٹل میں رہتا تھا مگر طرح دار اپنے بیٹے کو نظروں سے دور نہیں کر سکتی تھی پتا نہیں کن خدشات کا شکار تھی۔ وہ ہمیشہ شوہر کو مختار ہی کہتی تھی کبھی آگے کل نہ لگایا۔ بیوی کی سنگت کا ہی اثر تھا کہ دنیا سے جاتے وقت اس کے لبوں پہ کلمہ جاری تھا۔ جاگیر و جائیداد سے عشق کرنے والا ساتھ کچھ بھی نہیں لے جا سکتا تھا۔ اسے قبر جتنی زمین درکار تھی' اتنی سی' تھوڑی سی حالانکہ جھلا مددگار اس کے سرہانے کھڑا ہو کر چلا رہا تھا لے جاؤ' لے جاؤ۔

آخری لمحے اسے یہ قلق بھی تھا کہ اس نے ورثا کو صرف جاگیر و دولت اور جاہ و حشمت سے محبت کی تعلیم دی تھی۔ اس نے یہ بھی جان لیا تھا کہ انسان جتنا بھی جمع کرے' اربوں کا مالک بھی بن جائے' اس کے ساتھ قبر میں کفن جاتا ہے' پھر جیتے ہوئے وہ کفن اور کلمے کے کاف کو کیوں بھول جاتا ہے اگر زندگی میں ایک غریب یا حکمران اللہ کی آخری کتاب کلمہ' کفن فراموش کردے تو صرف کاش کا کاف اس کے لبوں پر تڑپتا ہے آخری لمحوں میں۔

☆ ☆ ☆

کمرے میں آتے ہی یشان نے دوپٹہ گلے سے اتار کر بیڈ پہ پھینکا۔

"اف پتا نہیں گرمی ہے یا مجھے ہی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ آئمہ! پلیز ذرا اے سی کی اسپیڈ بڑھانا۔" اندر آتی آئمہ نے اسے گھور کے دیکھا۔

"دیکھ تو رہی ہو۔ میرے ہاتھ میں ٹرے ہے جس میں دو کپ ہیں کیونکہ یشان مصطفیٰ کو نیند نہیں آتی جب تک آئمہ کے ہاتھ کی بنی چائے نہ پی لے' ویسے بھی کمرے میں ٹھیک ٹھاک کولنگ ہے۔" آئمہ نے ٹرے میز پہ رکھی اور کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔

وہ جانتی تھی کہ اس کا موڈ خراب ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ کیوں ہے۔ ایک گھنٹہ قبل ممی نے انہیں

بتایا تھا کہ انہوں نے میشان کا رشتہ طے کر دیا ہے۔ کل یا پرسوں تک شادی کی ڈیٹ بھی فائنل ہو جائے گی۔ میشان کی نظریں کپ میں موجود ہلکی سنہری چائے پہ مرکوز تھیں اور وہ بھی جانتی تھی کہ کل رات ڈنر کے بعد جو کچھ ہوا۔ آئمہ اس کی تفصیل جاننے کے لیے بے تاب تھی۔

"میشان بتا دو یار!" وہ خالی کپ ٹرے میں رکھ کر دھپ سے اس کے سامنے بیٹھی۔

میشان نے چائے سے نظریں ہٹا کر اس کا معصوم چہرہ دیکھا۔۔۔ اس نے کہا۔

"محبت ایسے جنگلوں میں اگنے والا پیڑ ہے جس جنگل کے چہار اطراف برف کے نوکیلے پہاڑ ہیں اور آج تک اس پیڑ تک کوئی سیاح بھی نہیں جا سکا تو پھر میں اور تم کیسے جا سکتے ہیں۔" اس کی آنکھوں میں شریر سی چمک تھی۔

"شٹ اپ میشان!" اس نے خفا ہو کر اس کے منہ پہ کشن کھینچ کے مارا۔

"اس کو چھوڑو یار۔ اب مجھ سے میرے فیانسی کی باتیں کرو۔" مگر آئمہ نے اس کی آنکھوں کا گیلا پن محسوس کر لیا تھا۔

"وہ تم سے محبت کرتا تھا۔" آئمہ اداسی سے بولی۔

"سب کو مجھ سے محبت ہو جاتی ہے۔" وہ سر جھٹک کر مغرور سی ہو کر بولی۔ "اچھا جاؤ مجھے نیند آ رہی ہے۔" اتنا کہہ کر وہ اوندھی لیٹ گئی۔

"اوہو ایسے مت لیٹا کرو۔ بوا جی کہتی ہیں، اوندھا لیٹنے والوں کے نصیب سیدھے نہیں ہوتے۔" ہر شب کی طرح آئمہ اسے ٹوکے بنا نہیں رہ سکی۔

آئمہ دروازہ کھول چکی تھی جب اس نے عقب سے میشان کی آواز سنی۔

"ماما سے کہنا ڈرائیور کو صبح ہی بتا دیں، کل مجھے جہلم جانا ہے۔"

"کیوں؟" اس کے منہ سے بے ساختہ پھسلا۔ "وہاں میرے ہاتھ کی بنی چائے پیے بغیر تمہیں نیند کیسے آئے گی۔"

اس نے اے سی کا ریموٹ اس کی طرف اچھالا۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ وہاں گرمی ہو گی۔ پھر کچھ جھجک کر چپ ہو گئی اور کچھ بھی کہے بنا دروازہ آہستہ سے بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

آج وہ معمول سے ہٹ کر صبح ہی گھر چلا آیا، جہاں ابھی تک ناشتہ چل رہا تھا۔ اس کے آنے سے ایک ہلکی سی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ناشتے کی میز پہ ڈھیروں لوازمات اس کی طبیعت میں رغبت نہیں لا سکے تھے۔

"جائی اور چچا نے ناشتہ کر لیا ہے؟" اس نے اپنے سامنے چائے رکھتی شازیہ سے پوچھا۔

"بس جی میں ابھی لے کے جانے ہی والی تھی۔" شازیہ نے منمنا کر جواب دیا۔ وہ آتے ہی کسی بد مزگی کا متحمل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ بس لب بھینچ کر رہ گیا۔

وقار اور اعتبار کے پورشن ساتھ ساتھ تھے۔ بیچ میں ایک پتلی سی گلی تھی جس میں دونوں گھروں کے لاؤنج کے دروازے ایک دوسرے کی طرف آنے جانے کے لیے تھے۔ گھر کے پچھواڑے حصے الگ تھے، دونوں پورشنز کے سامنے برآمدوں کے آگے بہت بڑا باغ نما مشترکہ لان تھا۔ فرصت کے اوقات میں (جو انہیں میسر ہی رہتی) دونوں گھروں کی خواتین پیچھے بنے صحن میں ہی ڈیرے جمایا کرتیں۔

جائی اور مددگار کے مشترکہ کمرے کا دروازہ پچھلے صحن کے برآمدے میں بھی کھلتا تھا اس کمرے کا اندرونی دروازہ جو لاؤنج سے ملحقہ تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے انیقہ بیگم نے مددگار کی وجہ سے مقفل کر رکھا تھا۔ گھر کے پچھواڑے کا صحن بھی دو تین کنال پہ مشتمل تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ چائے کا کپ لیے جائی کے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ اس کی لاڈلی بہن ثوبیہ نے کالی بلی کی طرح اس کا راستہ کاٹا۔

"اب کدھر؟" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے

لاؤنج میں آئی۔ "کچھ دیر ہمارے پاس بھی بیٹھیے۔"

وہ ناشتے سے قبل چچا کے پورشن میں سب سے مل آیا تھا۔ سوائے حسن آرا کے وہ غالباً "اپنے کمرے میں تھی۔ جبین زہرہ باقی افراد کے ساتھ ناشتہ کر رہی تھی۔

ان کے لاؤنج میں حسن آرا۔۔۔ حسن کے تمام ہتھیاروں سے لیس براجمان تھی۔ حاشر کے سلام کا جواب دھیمی آواز میں شرما کر دیا گیا۔ حاشر اس کے دماغ میں بھرے خناس سے واقف تھا۔ سو حال احوال بھی سنبھل کر پوچھا۔

"بھائی! اب جلدی سے بتائیں' وہ کیسی لگ رہی ہے۔" حاشر نے لاؤنج کے کونے میں کھڑی نصیبو پہ ایک توصیفی نظر ڈالی۔ سرے سے بھری درمیانی سی آنکھیں' بالوں میں لگے چنبیلی کے تیل کی خوشبو یہاں تک آرہی تھی۔ کپڑے وہ ہمیشہ صاف ہی رکھتی' سفید بال بھی اس کے پوپلے چہرے پہ جچ رہے تھے۔

"اوں ہُں۔۔۔ اچھی لگ رہی ہے اگر بالوں میں کلر یا مہندی لگائے تو اور بھی اچھی لگ سکتی ہے۔"

"ہیں۔۔۔ اس۔" ثوبیہ کے سر پہ دھڑام سے چھت گری۔ اس نے گردن موڑ کر تعجب سے بھائی کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

"بھئی خود ہی تو پوچھا تھا۔" اب اس طرح صدمے کی حالت میں کیوں ہو؟ چلو میں کہہ دیتا ہوں کہ سفید بالوں کے ساتھ بھی غضب کی لگ رہی ہے اب خوش ہو جاؤ۔" وہ زیرلب مسکرا کر بولا۔

ثوبیہ کا دل اپنے بال نوچنے کو چاہ رہا تھا۔ جب سے حاشر آیا تھا تو کمرہ بند کر کے حسن آرا کے حسن کو لشکانے میں سو فیصد اس کا بھی ہاتھ تھا۔

"بھائی میں نے آپ کو اس طرف دیکھنے کو کہا تھا۔" اس نے انگلی سے لاؤنج کے مشرقی کونے کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں حسن آرا دنیا و مافیہا سے بے خبر بظاہر اخبار پڑھ رہی تھی۔ یہ اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ گہرا گلابی سوٹ' بالوں میں بڑے بڑے کرل ڈالے گلابی میک اپ کے ساتھ۔ بے ساختہ اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ رینگی۔

"اس نرسری کلاس کی بچی لگ رہی ہے جس کے اسکول میں آج پنک ڈے منایا جا رہا ہو۔" اس نے بہن کے کان میں سرگوشی کی اور ہنس کر اس کے سر پہ چپت رسید کی' پھر لمبے' لمبے ڈگ بھرتا لاؤنج عبور کر گیا۔

"آپ یوں فاصلوں سے گزرتے رہے۔
دل سے قدموں کی آواز آتی رہی۔

لاؤنج میں جھاڑ پونچھ کرتی شازیہ نے حسن آرا کے جذبات کی ترجمانی بہ آواز بلند کی۔

"ہوا او' او' ہوں' اوں' اوں۔" ثوبیہ نے بھڑک کر تو حسن آرا نے تڑپ کر شازیہ کی طرف دیکھا' جبکہ گیت کے بول سن کر جبین زہرہ کے لبوں پہ بڑی ہی خوب صورت مسکراہٹ نے ڈیرے لگائے ہوئے تھے کیونکہ اس کے دل سے ہمہ وقت قدموں کی چاپ آتی رہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

پھوپی نے اپنے سامنے پھیلے بیش قیمت لان کے سوٹوں پہ محبت سے ہاتھ پھیر کر ان کی نرماہٹ کو محسوس کیا۔ "بھئی ان کی کیا ضرورت تھی چند دن ان کے بغیر بھی گزارا ہو سکتا تھا۔"

اس نے تشکر سے بھرپور نرم سی نظر حاشر پہ ڈالی۔

"اس گھر میں پہلے ہی لفظ گزارا آپ تک محدود ہے۔ برائے مہربانی آپ اس لفظ سے پرہیز رکھا کریں۔" وہ ان کے پلنگ پہ نیم دراز ہوا۔ "ویسے بھی جب یہ سوٹ سل کر آئیں گے تو گزارے کے چند دن بھی گزر چکے ہوں گے۔" اس نے بازو موڑ کر آنکھوں پہ رکھا۔ اس کے پاؤں کی انگلیاں ہولے' ہولے حرکت کر رہی تھیں اور ایسا تب ہوتا جب وہ کسی اندرونی اضطراب کو چھپانا چاہتا تھا۔ وہ ان کے ہاتھوں پلا بڑھا تھا۔ وہ اسے اندر تک پڑھ لیتی تھیں' جانتی کوئی اندر کا معاملہ ہی لگ رہا تھا۔ انیقہ' حاشر کو جلانے کی غرض سے اندر آئی تھیں۔ سیما کے سامنے اتنے مہنگے دیدہ

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

زیب سوٹ دیکھ کر ان کا دل بدرنگ سا ہوا۔

"باہر سب تمہارا چائے پہ انتظار کر رہے ہیں۔"

اس گھر میں رکھ رکھاؤ جیسی زحمت کوئی بھی نہیں کرتا تھا۔ "جب سے آئے ہو پھوپی کے گھٹنے سے جڑ کے بیٹھے ہو۔" وہ اندرونی کھپٹ چھپائے بنا تنک کر بولیں۔

انی بھلاوج کے وزنی لہجے میں سیما نے ہمیشہ خود کو دبے محسوس کیا تھا۔۔۔ اور ہمیشہ خاموش ہی رہیں۔ وہ ماں کے ان ہی رویوں سے دل برداشتہ ہو کر جاتا تھا۔ اس کے بچپن میں پھوپی اس کی ماں کو بھرجائی کہتی تھیں لفظ بھرجائی دہراتے دہراتے۔

سمٹ کر جائی میں ڈھلا اور وہ پھوپی کو ہی جائی پکارنے لگا۔ پھر گھر کے چھوٹے بچے بھی حاشر کے منہ سے سن کر انہیں جائی ہی کہنے لگے۔

"آج چائے پہ تمہارے چچا کی فیملی کو بھی انوائیٹ کیا ہے مل بیٹھ کے سب گپ شپ لگالیں گے۔ آپ بھی آجایئے گا۔" انہوں نے لٹھ مار لہجے میں نند کو بھی دعوت دی۔ "بیٹے پہ ایک خشمگیں نظر ڈالتی دھپ دھپ کرتی باہر چلی گئیں۔

جائی نے کپڑے سمیٹتے ہوئے رخ پھیر کے انہیں دیکھا ان کی ستی' ستی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔

"اب آجاؤ۔" وہ مزید کچھ بھی کہے بنا صحن میں جا رہی تھیں۔ حاشر کے قدم بھی ان کی تقلید میں اٹھنے لگے۔

چائے کا اہتمام پچھلے صحن میں ہی تھا۔ دونوں گھرانوں کے تمام افراد وہاں جمع تھے۔ حاشر کا خیال تھا کہ اعتبار چچا' جائی کے استقبال کو اٹھ کے آگے آئیں گے۔ مگر یہ محض اس کا خیال ہی رہا۔ انہوں نے اپنی نشست چھوڑے بنا اپنے سے بڑی بیوہ بہن کا حال احوال دریافت کیا۔ نصیو کی دونوں بہوئیں تازہ تازہ کباب اور پکوڑے سب کو پیش کر رہی تھیں حسن آرا کے لیے ہر پل عید کی مانند تھا۔

"اب جبکہ سب اتفاقاً" جمع ہیں تو یہ صلاح مشورہ بھی کر لیتے ہیں کہ طرح دار کے بیٹے کی منگنی میں کس' کس کو شرکت کرنی ہے؟" الماس کی شاخوں پہ کچھ ڈھونڈتی جبین زہرہ کو یکلخت ہی شاخیں شعلوں کی لپک میں نظر آئی تھیں۔ وقار کی بات کو دونوں خواتین نے کوئی اہمیت ہی نہیں دی تھی۔

"ایسا کریں آپ اور سیما آپا چلے جائیں پھر جب ان کی حویلی میں رسم ہو گی تو خواتین بھی شرکت کر لیں گی۔" سب کے چہروں پہ نفی جیسے تاثرات اخذ کر کے اعتبار نے ایک معقول مشورہ دیا۔۔۔ جو سب کو پسند بھی آیا۔ (خصوصاً" خواتین کو)

"میرے خیال میں امی یا چچی میں سے بھی کسی ایک کو شرکت کرنی چاہیے۔" ان کا مشورہ رد کرتے ہوئے حاشر نے اپنی رائے دی۔

"اس لڑکے سے ہمارا کوئی رشتہ ہے نہ تعلق۔۔۔ جن سے ہمارا رشتہ تھا ان کی ہر رسم میں پوری دنیا نے دیکھا ہم سب نے بڑھ چڑھ کے شرکت کی تھی۔" انیقہ بیگم نے بیٹے کا احمقانہ مشورہ جو انہیں ناگوار بھی گزرا تھا۔ ایک لمحے میں رد کر دیا۔

"خدا جانے کیا قصہ تھا آج تک کوئی اگلا پچھلا آیا نہ گیا۔" نفیسہ بھی اس معاملے میں دیورانی کی حمایتی تھیں۔

لڑکیوں نے شکر کیا کہ ان کی ماؤں نے شاید مردوں کا لحاظ کر کے بات اتنے مختصر قصے پہ ختم کر دی تھی۔ ورنہ تو طرح دار کے وہ بخیے ادھیڑتے تھے کہ الاماں۔

"ہمارے سسر کی آنکھوں پہ ہی محبت کی چربی چڑھ گئی تھی۔ کبھی یہ نہ سوچا کہ خان نے بمعہ نواسا بیوہ بیٹی کے ساتھ چھپ کے عمر کیوں گزار دی اور خدا جانے یہ لڑکا بیٹی کے کن کرتوتوں کا پھل تھا اف!" ان کی ایسی باتیں سن کر جبین زہرہ کا دل یوں جلتا کہ آبلے پڑ جاتے

۔۔۔ اب بھی موجودہ لمحے میں درد اس کے تلووں تک آپہنچا تھا۔ حاشر کو پتا نہیں کیا ہوا' وہ ایک جھٹکے سے اٹھا' ان سب کو ششدر سا چھوڑ کر ایسے انداز کے ساتھ باہر گیا صاف لگ رہا تھا کہ رات گئے واپسی ممکن تھی۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

حسن آرا نے بے چینی سے پہلو بدلا۔
"اس کی کچھ خبر لو' جب سے آیا ہے مزاج ہی نہیں مل رہے۔" انیقہ بیگم نے کبابوں سے انصاف کرتے شوہر کو آڑے ہاتھوں لیا۔
"میں ایسا کچھ نہیں کرنے والا' اکلوتا وارث ہے۔" انہیں بیوی کی بے تکی بات پہ شدید غصہ آیا۔ "ویسے بھی ایک دو ماہ بعد اسپیشلائزیشن کرنے ملک سے باہر جانا چاہتا ہے اور تم بھی مزاج ٹھنڈا رکھ کے اس سے بات کیا کرو۔" شوہر نے اٹھتے ہوئے انہیں تنبیہہ کرتی نظروں سے گھورا۔
"میرے پاس وہ بیٹھتا کب ہے۔" انیقہ بیگم نے جنہیں سنایا تھا۔ وہ بخوبی سمجھ گئی تھیں... مگر انہوں نے کچھ ظاہر نہیں کیا۔ اس کی نظریں اس تکون کی طرف تھیں' جس کے سرے پہ مددگار چپ چاپ بیٹھا تھا۔ اس کے عین سر پہ جھولتی شاخ زرد پتوں کو اس کے قدموں میں ڈھیر کر رہی تھی۔
جبین زہرہ کو یقین تھا کہ اس پہ نثار ہوتے زرد پتے' اس کے پاؤں چھو کے ہرے ہو سکتے تھے۔ وہ بھی ان پتوں کی مانند اس کے پاؤں چھونے کو اٹھی۔ دنیا میں سب کچھ ہو سکتا تھا' سب کچھ ممکن تھا مگر وہ اس کا نہیں ہو سکتا تھا۔
ثوبیہ نے ننگے پاؤں چلتی جبین زہرہ کو گیلی آنکھوں سے دیکھا۔ سیما کو اس کی کیفیت میں بے دھیانی کا دوسرا کنارا نظر آیا تھا۔ جیسے کوئی سفر ختم ہی نہ کرنا چاہتا ہو۔ اس کے پیروں سے ایک سلگتی ہوئی خوشبو لپٹ رہی تھی۔
مددگار نے ہوا میں اس سلگتی خوشبو کی باس سونگھ لی تھی۔
"رہنے دو' رہنے دو۔" وہ اسے دیکھ کے کپکپایا۔ وہ اس کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئی۔ وہی خوشبو اس کی آنکھوں میں سلگنے لگی۔

ملھے شاہ اک جوگی آیا
دل ساڈے لونیں دھواں لایا

اس خوشبو کی لپیٹ میں آ کر ہر چیز جھوم رہی تھی' بس وہ وہاں نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

آج سے پہلے اس شہر میں آ کر اس کی کیفیت ایسی نہیں ہوتی تھی۔ آج سے پہلے وہ اپنے ساتھ لفظ کاش... لے کر بھی نہیں آتی تھی بلکہ اس کی زندگی میں لفظ کاش کا کہیں عمل دخل نہیں تھا۔ کاش وہ اسی دن آ جاتی' جس دن اس نے ملما سے کہا تھا۔ اس دن ملما نے اسے منگنی کا جواز پیش کر کے روک لیا تھا۔ کاش وہ رات کو پاپا کے کمرے میں رہ جانے والا اپنا سیل فون اٹھانے نہ جاتی۔
"بی بی جی گھر آ گیا ہے۔" ڈرائیور کی آواز پہ وہ اپنے خیالوں سے چونکی۔ گاڑی بس گلی کی نکڑ تک جا سکتی تھی۔ دو گھر چھوڑ کر تیسرا ان کا تھا۔ وہ ڈرائیور کو سامان نکالنے کا کہہ کر آگے بڑھ گئی۔
وہ اطلاع کیے بغیر آئی تھی۔ اطلاعی گھنٹی پہ انگلی رکھ کر اس نے گلی میں ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ ہر گھر میں کچھ نہ کچھ تبدیلی آ چکی تھی' سوائے اس گھر کے جس کے سامنے وہ کھڑی تھی۔
اس شہر اور اس گلی سے اسے کوئی خاص جذباتی لگاؤ نہیں تھا' وہ اگر اس گھر میں اپنے قیام کے تمام دن گنتی تو اس کی بائیس سالہ زندگی میں ساٹھ ستر سے زیادہ دن نہیں بنتے تھے۔ پھر بھی اکثر اس کے دھیان کے پرندے اس شہر اور گلی کی جانب پرواز کرتے تھے۔
ڈرائیور سامان اٹھائے اس کے عقب میں کھڑا تھا۔
"آ رہے ہیں بھئی صبر کرو۔" پہلے چپل گھسیٹنے کی آواز آئی پھر کسی نے دروازہ کھولا' اس کے مقابل دروازہ کھولنے والا' پتا نہیں اسے دیکھ کر حیران ہوا تھا یا پریشان وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ تین سال بعد آئی تھی یا چار یا دو اسے یاد نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

طرح دار کی حویلی کا ماحول اس کے سسرال والوں

سے بالکل میچ نہیں کرتا تھا۔ اس نے اپنی بچیوں کی تعلیم و تربیت بھی ان کے ماحول اور رواجوں کے مطابق نہیں کی تھی بلکہ اپنی سوچ کے مطابق کی تھی۔ اس کو ہمیشہ محسوس ہوا کہ فہیم کو وہ ایک بھائی کی محبت اور عزت نہیں دے پاتیں۔ وہ اس سے اک عجیب سا خار رکھتی تھیں۔ پتا نہیں ایسا وہ خود کرتی تھیں یا ان کے ددھیال والے انہیں اس بات پہ اکساتے تھے۔

طرح دار نے سمجھ داری سے کام لیتے ہوئے ان دونوں کی شادیاں فہیم سے پہلے کر دی تھیں، پھر اپنی اکلوتی بہو ڈھونڈھنے کے لیے شہر کے شہر چھان مارے اور محاورتاً "نہیں سچ مچ اس کی جوتیاں گھس گئی تھیں۔

وہ مختار کے خاندان کے ٹکر کی بہو چاہتی تھی جو خوش مزاج، تعلیم یافتہ اور حسین ہونے کے ساتھ ایک سلجھی ہوئی ویل آف فیملی سے ہو۔ فہیم عاقل زندگی کی بتیس بہاریں دیکھ چکا تھا، جب طرح دار کو وہ گوہر مقصود مل ہی گیا جس کی اسے تلاش تھی۔

صحیح معنوں میں اس نے لڑکی والوں کی دہلیز پکڑلی تھی اور بالآخر ہاں کروا کر ہی دم لیا۔ منگنی کی سادہ سی تقریب میں وہ شادی کی تاریخ بھی پکی کر آئی تھی۔

✡ ✡ ✡

رہائش گاہ کے پچھلے حصے میں آخری دیوار کے ساتھ "گھر کا کچھ کچا" حصہ تکون کی صورت تھا۔ دیوار کے دوسری طرف بوڑھ تو اس طرف پیپل کا پرانا درخت تھا۔ جن کی شاخیں ہمہ وقت آپس میں جڑی رہتی تھیں۔

خواتین کا خیال تھا کہ ان پرانے درختوں پہ پچھلے کئی برسوں سے جنات بسیرا کیے ہوئے ہیں، تب ہی اس کچی تکون میں آکر گرم دوپہروں میں بھی خنکی محسوس ہوتی تھی۔

"تمام موسموں میں مددگار کا ٹھکانہ بھی وہی تکون تھی۔ مددگار کی محبت جائی کو وہاں کتنے ہی پھیرے لگواتی تھی یا پھر ہر خوف سے آزاد جبین زہرہ ننگے پاؤں

چچا کے مسکن کے طواف کر کے کون سی دعاؤں کو قبول کروانا چاہتی تھی۔ اب تو کئی دنوں سے وہ طواف کرنا بھول چکی تھی۔ اس کی غیر حاضری پر مددگار کے ساتھ اس درختوں پہ بیٹھنے والے پرندے بھی اداس تھے۔

خان حویلی سے آنے والی مٹھائی نصیبو نے سیما اور حاشر کے سامنے رکھی تھی۔ مددگار بھی وہیں موجود تھا۔ وہ مٹھائی کو دیکھتا رہا۔ اس نے اٹھانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ حالانکہ اسے میٹھا پسند تھا۔ پھر اس نے ایک فلک شگاف چیخ ماری تھی کہ درختوں پہ بیٹھے تمام پرندے اڑ گئے تھے۔ وہ آسمان کی طرف منہ کر کے کرلاتا رہا۔

"تو ہی ہے تو ہی ہے۔"

مٹھائی، جائی اور حاشر نے بھی نہیں کھائی تھی کیونکہ مددگار نے اسے آنسو کہا تھا۔ پھر وہ کتنی دیر حاشر کی اداس آنکھوں گھورتا رہا تھا اور اس نے ہوا میں جبین زہرہ کے آنسوؤں کی خوشبو بھی سونگھی تھی۔

✡ ✡ ✡

"میں اس گھر میں دو دن بھی ایک فیملی ممبر کی طرح نہیں رہ سکتی کیا؟" کمی اس کی آنکھوں میں ہی نہیں لہجے میں بھی تھی۔

کھانے کی میز پہ مختلف ڈشز دیکھ کر وہ شرمندہ ہو رہی تھی۔ کل شام سے اس کے ساتھ ایک مہمان کی طرح کا برتاؤ کیا جا رہا تھا۔ اس سے پہلے جب وہ آتی تو ہزاروں نخرے اٹھواتی تھی۔ اس مرتبہ اس کی بدلی ہوئی کایا سب ہی محسوس کر رہے تھے۔

"آپی! شادی کا کارڈ لائی ہیں۔" اسنا کی بات پہ اس نے جھینپ کے ابا کی طرف دیکھا۔ اچانک ہی محمد باقر کی نگاہ بھی اس کی طرف اٹھی گو کہ وہ قصوروار نہیں تھا یا اس کا قصور باقیوں سے زیادہ نہیں تھا پھر وقت اور حالات نے اسے کڑی اور دہری سزا کیوں دی تھی۔ کسی کی ایک شام بے سکون ہوئی تھی اس ایک شام کے بدلے اس کا زندگی بھر کا سکون غارت ہوا تھا۔

اس تھپڑ سے آج بھی اس کا رخسار جلتا تھا۔ قریبی مسجد سے اذان کی صدا بلند ہوئی۔
یشان نے باپ کے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹائی تھی۔
ایسا کیا کیا تھا ابا نے کہ وہ مصطفیٰ کی بیٹی بن کر بھی اس کی شفقت سے محروم ہی رہی۔ وہ عشا کی نماز کے لیے اٹھا۔ اس نے پھٹی پرانی چپل پہنی ہوئی تھی وہ پہلے سے زیادہ کمزور ہو چکا تھا۔
"باقی سب کا کیا حال ہے؟" کچن سمیٹ کر اور عشا کی نماز پڑھ کر اسنا اور اس کی ماں یشان سے ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھیں جب اچانک حبیبہ نے پوچھا۔
"نہیں کیا ہونا ہے۔" اس نے اپنا سیل فون تکیے کے اوپر رکھا اور عجیب سے لہجے میں بولی۔ حبیبہ نے نوٹ کیا تھا کہ جب سے وہ آئی تھی۔ اس کی گفتگو میں گھر کے کسی فرد کا نام نہیں آیا تھا۔ اسنا نے بھی نا سمجھی کے عالم میں اسے دیکھا۔
"یہ کیا بات ہوئی کیا وہ انسان نہیں؟" اسنا دھیرے سے ہنسی تھی۔
"جہاں خواہشیں حسرت کا روپ نہیں دھارتیں وہاں کسی کو کچھ نہیں ہوتا۔"
اس کا لہجہ خشک مٹی سے اٹا ہوا تھا۔ اور آنکھیں اپنے کمزور مزدور باپ پہ ٹکیں جو عشا کی نماز پڑھ کے گھر آیا تھا اور صحن میں پڑی کھردری چارپائی پہ لیٹ گیا۔ وہ تینوں چھت پہ بیٹھی تھیں۔
"یہ غلط سوچ ہے یشان!" حبیبہ کا لہجہ از حد سنجیدہ تھا۔ "دولت تقدیر سے نہیں لڑ سکتی۔ کچھ مسائل پیسے سے بھی حل نہیں ہوتے، وقت کے ساتھ یہ بات سمجھ جاؤ گی۔"
اس نے تیزی سے جھکا سر اٹھایا اور ماں کی طرف دیکھا۔
"مسائل وہاں ہیں ہی نہیں۔" وہ ایک دم چپ ہوئی پھر اس کے ہونٹوں پہ خشک مٹی اڑی۔ "موت یا زندگی، ماں! درمیان میں سب ٹھیک ہے۔"
حبیبہ کو جیسے کسی نے کھنڈر میں دھکا دیا تھا۔ وہ ہمیشہ یشان سے بات کر کے نہیں پہنچتی تھی۔ اس کی گفتگو میں زندگی ہوتی تھی۔ بے فکری ہوتی۔ وہ بمشکل دو دن رہتی تھی اور سارا دن لاہور کی باتیں کرتی تھی۔ اس دفعہ ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ اتنی الجھی ہوئی گفتگو کر رہی تھی۔ اور اگر وہ گفتگو کسی اور ہی رخ سے ہے تو حبیبہ اندر تک کانپی تھی۔ اس نے خوف زدہ نظروں سے یشان کی طرف دیکھا۔ اس کے سیل پہ کال آ رہی تھی۔ اسکرین پہ لفظ آمنہ جگمگا رہا تھا۔
یشان نے کال کاٹ دی تھی۔ حبیبہ کا دل دھڑک کر رہ گیا، وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟

✡ ✡ ✡

یتیم کا مال کھانے والے خونی رشتوں کو حشر تک بھلا دیتے ہیں، وہ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ اس بچے کو بے شناخت کر کے وہ اس پہ زندگی کے خوشیوں کے دروازے بند کر رہے ہیں تم ایک لمبا سفر کرنے کے بعد آج پہلی بار اس نے پیچھے مڑ کے دیکھا تھا، پیچھے کوئی راستہ نہیں تھا۔ صرف تاریکی تھی۔ ماں کہتی تھی۔
"میں بھائی کے بعد باپ کو نہیں کھو سکتی تھی۔ میں تمہیں نہیں کھونا چاہتی تھی، سو میں تمہارے سر سے وار کر تمہاری وراثت ان کے قدموں میں پھینک آئی تھی۔"
"کاش ماں! آپ مجھے بھی وہیں پھینک آتیں یا میرے باپ کے ساتھ مجھے دفن کر دیتیں۔"
اس کے آنسوؤں سے تکیہ بھیگ گیا تھا۔ کبھی تایا، چچا میں سے کوئی سالوں بعد ہی مجھ سے ملنے چلا آتا۔ میری بھی پہچان ہوتی، میرا ایک خاندان ہوتا، تو یوں آج بے شناخت ہو کر میں ٹھکرایا نہ جاتا، مجھے یہ قلق نہ ہوتا کہ میں کوشش بھی نہیں کر سکا میں اپنی جنگ آخری لمحوں تک لڑتا، میں اب صرف فہیم عاقل ہوں ایک بیوہ طرح دار کا بیٹا۔ مجھ سے سب کچھ لے لیتے بدلے میں میرے باپ کا گھر میرا علاقہ بطور شناخت ہی مجھے دے دیتے۔ کیا انہیں میری یاد نہیں آتی ہوگی، وہ سوچتے نہیں ہوں گے کہ چھ ماہ کا بھتیجا زندہ بھی ہے یا

نہیں؟ وہ روز حشر اپنے بھائی کو کیا منہ دکھائیں گے؟ یہ حویلی یہ جاگیر میرے کام نہیں آسکی۔ تو میرے حصے کی حویلی اور جاگیر بھی ان کے لیے بھی بے معنی ضرور ہو گی۔"

اس نے انہیں بددعا دی تھی۔

یتیم کی بددعا ساتوں آسمان ہلا دیتی ہے۔

تین روز قبل ہونے والی منگنی رہائش گاہ میں ابھی تک زیر بحث تھی ۔ تمام خواتین اکٹھی ہوتے ہی کسی نہ کسی بات کا سرا خان حویلی سے جوڑ دیتیں۔

"فہیم صاحب کے تو ساس سسر بھی بڑے ہی خوب صورت ہیں۔" شازیہ نے لفظ بڑے پہ کچھ زیادہ ہی زور ڈالا۔

"باجی! آپ سب بھی دیکھتیں تو حیران رہ جاتیں۔" گھر کی تینوں لڑکیاں رسم میں شامل نہیں تھیں۔ اور اب شازیہ کی زبانی بصد شوق سن رہی تھیں۔ "اور تابندہ بتا رہی تھی (کام والی) کہ لڑکی کے حسن کا تو نہ ہی پوچھیں۔"

"چلو نہیں پوچھتے اب جا کر کام ختم کرو۔" انیقہ بیگم کی انٹری نے رنگ میں بھنگ ڈالا۔

شازیہ کا منہ لٹک کر گردن سے لگا۔ اس کا ارادہ ابھی گھنٹہ بھر اور منگنی نامہ جاری رکھنے کا تھا۔

"تم نے دیکھا نفیسہ! لڑکی کا ابا ذرا بھی خوش نہیں لگ رہا تھا تمام وقت منہ بنا کر ہی بیٹھا رہا۔" انیقہ نے دیورانی سے تائید چاہی۔

"لو آپ بھی ناں! ارے بھابھی کیسے خوش ہوتا۔ رسم کے موقع پر بھی نہ تایا' نہ چچا' نہ کوئی پھوپی وغیرہ سوچنے والی بات ہے طرح دار کے شوہر کے ساتھ کیا باقی سسرالی رشتے بھی ختم ہو گئے۔"

نفیسہ نے کن انکھیوں سے نند کی طرف دیکھا کیونکہ طرح دار کی سیما سے خوب بنتی تھی۔ "شوہر کے بعد ایک بیوہ تنکے جیسی ہلکی ہو جاتی ہے۔ اتنی کہ ہوا کی زد میں رہتی ہے۔" سیما کو چپ کا روزہ توڑنا پڑا۔

"بیوہ اور یتیم کا حق کھانے والے اژدھے کی طرح منہ کھولے ہوتے ہیں۔ یتیموں کا مال کھانے والے حشر تک خونی رشتوں کو بھلا دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں طرح دار شوہر کے بعد بیٹا نہیں کھونا چاہتی تھی اور جب اس کا دل راضی نہیں تھا تو وہ دیور یا جیٹھ سے کیوں نکاح کرتی۔ اسلام میں بیوہ کے جو درجات ہیں وہ لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں۔"

"جائی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" حاشر نے آتے ہی ماں اور چچی کے چہروں پہ ناگواری بھانپ لی تھی۔

"دنیا کی تمام عورتوں نے کسی بھی جوان بیوہ کا صبر اور شکر' پتا نہیں کون سے کھاتے میں ڈال دیا ہے۔ بس ان کے کردار پہ نظر رکھتی ہیں۔" حاشر کو جائی کا بات کرنا اچھا لگا تھا۔

"واہ.... جی واہ۔" چچی نے لٹو کی طرح ہاتھ گھمایا۔ "کہاں کا صبر اور شکر' دوسرا شوہر کر کے ہی طرح دار نے شکرانے کے نفل پڑھے ہوں گے۔" وہ منہ ٹیڑھا کر کے بولیں ان کے تنفر کا پارہ ہائی درجے پر تھا۔

ان کی بات پہ شازیہ کی کھی کھی سب سے اونچی تھی۔ حاشر کی ایک گھوری نے ہی ماحول ساکت کر دیا۔

"جائی نے تو دوسری شادی نہیں کی تھی پھر بھی ان کے دیور یا جیٹھ نے خیر خبر لی؟" حاشر کے سوال نے ان کی گردنوں پہ ہاتھ ڈالا تھا۔ "نہیں ناں صرف اس لیے کہ جو بوجھ گلے سے اتر گیا کہیں دوبارہ گلے نہ پڑ جائے۔ جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا ہے تو ہم سب اپنے تئیں یہ سوچ لیتے ہیں کہ اس کی تمام ضرورتیں بھی ساتھ ہی دفن ہو گئیں۔ بس اسے اب تین وقت کی روٹی' وہ بھی کسی فقیر کی طرح اور تین موسموں کے کچھ کپڑے چاہئیں۔ اس کو اتنا خرچا بھی نہیں دیا جاتا کہ وہ اپنا کوئی شوق پورا کر سکے۔ اس کی سسرال اس کے بھانجے بھتیجے یا دیگر عزیز و اقارب۔ وہ کسی کو تحفے تحائف دینے کا حق بھی کھو دیتی ہے۔ وہ بس اللہ اللہ کرے اور صبر شکر کا سارا ثواب بیوہ ہی لوٹے۔ اور اس کے حق پہ میکے اور سسرال والے عیش کریں۔"

وہ تلخی سے ہنسا۔

"کہا تھا تیرے دادا سے کہ حکیم عبدالباسط سے گھٹی نہ دلوانا۔" ایسی بے تکی بات پہ حاشر نے بھنویں

چڑھا کرماں کو دیکھا۔

"حکمت اس پہ ختم' سارے قصور میں سب سے بیبا اور سیانا بندہ۔ پرناں جی' ہماری ایک نہ سنی سسر صاحب نے اور اس سے گھٹی ڈلوائی اب بھگت تو ہم رہے ہیں۔"

ایک بار پھر سب کی کھی کھی شروع ہوئی۔ جائی بھی مسکراہٹ دباتی وہاں سے اٹھ گئیں۔ اس نے ماں کو دیکھ کر نفی میں سرہلایا کہ کچھ نہیں ہوسکتا۔

"اور ہاں!" وہ اٹھنے کو تھا کہ اسے کچھ یاد آیا۔ "جائی نے شادی پہ کچھ دنیا دلانا ہوگا ابا اور چچا سے کہیں کہ انہیں بھی حقیر رقم سے نوازدیں۔ مہربانی ہوگی ان کی۔"

اس نے عجب سے ملال میں گھر کر سر کو جھٹکا دیا۔

"ہائے' ہائے پتر! پیسے کبھی حقیر نہیں ہوتے' ایسا کہنا بھی وہ بھی رزق کو گناہ ہے۔ گناہ۔" چچی نے کانوں کو ہاتھ بھی لگا لیے "اوہو اماں۔"

"حقیر۔ مطلب تھوڑی سی۔"

حسن آرا ماں کی جہالت پہ۔ وہ بھی جاشر کے سامنے سخت شرمندہ ہوئی۔

وہ ایک گہری سانس بھر کر سست قدموں سے چلتا بیرونی گیٹ پار کر گیا۔ آج کل اس کا دل لاہور جانے کو بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ایک تھکی تھکی سی نظر مغرب کی طرف اڑتے پرندوں پہ ڈالی' وہ نارنجی تھے زرد یا سفید۔ مٹی مٹی سی دھوپ میں ان کا کوئی رنگ بھی واضح نہیں تھا۔ اس کے دھیان نے دھیرے دھیرے کسی چہرے کو چھوا' اس کے دل نے بے قرار سا ہو کر ان سیاہ پلکوں کو سدا خشک رہنے کی دعا دی بے خواہش ہی کسی کی یاد کا چاند اس کے بام و در پہ ٹھہر گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

حبیبہ تہجد کے لیے اٹھی تو بیٹی کو جاگتا دیکھ کر بے چین سی ہوئی۔ اس کی چارپائی بھی پنکھے کے سامنے تھی۔ مارچ کے دوسرے ہفتے میں راتیں بھی اتنی گرم نہیں ہوتی تھیں۔ وہ بے چینی کے عالم میں ہی اس کی طرف آئی۔

"نیند نہیں آرہی؟" وہ اس کے پہلو میں ٹک گئی۔

"تم اس طرح کھلے آسمان تلے سونے کی عادی نہیں ہوتا۔" اس نے جواز بھی خود ہی ڈھونڈا۔

بیشان نے بیٹھ کرماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے گیلے ہاتھ میں کچھ خشک سے بھید کیسا ہے۔

"امی!" وہ جیسے نیند میں بولی تھی۔ "پاپا کہتے ہیں میں اپنی پراپرٹی میں سے کچھ بھی بیشان کے نام نہیں کروں گا۔ میں اپنی بیٹی کا حق بدنیت کریم کی نواسی کے لیے نہیں مار سکتا۔" حبیبہ کو جیسے کسی نے کوڑا مارا تھا۔

جب ماما نے کہا "جو پراپرٹی میرے نام ہے۔ میں اس میں سے بیشان کو دے دوں گی تو آپ کو پتا ہے پاپا نے کیا جواب دیا؟"

اس نے زیرلب سے نظر ہٹا کرماں کا چہرہ دیکھا۔

حبیبہ تو جیسے وہاں تھی ہی نہیں۔ "پاپا نے کہا اگر تم نے ایسا کیا تو میں اس لڑکی کو امی! پاپا نے مجھے اس لڑکی کو کہا۔" اس کا لہجہ کانپا تھا "میں اس لڑکی کو دھکے دے کر گھر سے نکال دوں گا۔"

حبیبہ کو کسی نے دوسرا کوڑا مارا تھا۔

"پاپا نے کہا اگر میں بیشان کے ساتھ مصطفیٰ ہٹادوں تو میں دیکھوں گا کہ ایک فیکٹری مزدور محمد باقر کی بیٹی اتنے اعلا حسب' نسب کے خاندان میں کیسے شادی کر سکتی ہے۔"

حبیبہ کو اپنی بیٹی دکھ کی امر بیل میں جکڑی نظر آرہی تھی۔

"پاپا نے کہا۔"

"اف کیا ابھی اور بھی کچھ ہے۔" حبیبہ نے اپنی آنکھیں زور سے بھینچی تھیں۔ "انہوں نے کہا محمد باقر کی سات نسلوں میں اتنا جہیز کسی کو نہیں ملا ہوگا جتنا میں تمہارا صدقہ اتار کر اسے دوں گا۔"

بیٹی کے جسم سے لپٹی دکھ کی امر بیل حبیبہ کے گرد بھی حصار باندھ چکی تھی۔ "انہوں نے کہا۔ میں نے بائیس سال ایک شام کا صدقہ محمد باقر کی بیٹی کو کھلایا۔ پہنایا ہے۔" وہ اپنی ہچکیوں کو بمشکل روک رہی تھی۔

"مجھے بتائیں امی۔" محمد باقر کی بیٹی نے بائیس سال اس گھر میں کس شام کا صدقہ کھایا اور اوڑھا ہے۔"
یشان نے امر بیل کو بیدردی سے اپنے جسم سے نوچ کر ماں کے منہ پہ دے مارا تھا جو کسی کوڑے سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھی۔
"میں نے کب ان کا حکم نہیں مانا۔ کب ان کی نافرمانی کی۔"
"ہم نے ان کا حکم نہیں مانا تھا۔ ہم نے نافرمانی کی تھی یشان!" حبیبہ بے آواز چیخی تھی۔
"میں پڑھنا چاہتی تھی۔ انہوں نے میری شادی طے کردی۔ میں نے بنا کسی اعتراض کے سر جھکا دیا۔"
"کریم نے سر نہیں جھکایا تھا، کریم نے بددیانتی کی تھی۔" حبیبہ کی آواز اس کے حلق سے باہر نہیں آسکی۔
"محمد باقر کی بیٹی کو آئندہ زندگی بھی اور اچھا شوہر بھی تمام سکھ، تمام آسائشیں، امینہ مصطفیٰ کے صدقے میں مل رہی ہیں۔ یہ پاپا نے کیوں کہا کیوں امی؟" اس نے ماں کا بازو جھنجھوڑا۔
وہ مصطفیٰ کے الفاظ نہیں تھے۔ ایک زہریلا ناگ تھا جس نے تاحیات حبیبہ کو ڈسنا تھا۔ اس نے وقت تہجد کسی نادیدہ ہستی سے ذرا سا تریاق مانگا تھا اور اس کی یہ خواہش رد نہیں ہوئی تھی۔ اس نے گہرے گہرے سانس لیے اس نے روتی ہوئی بیٹی کو اپنے سینے میں بھر لیا۔ وہ اسے تسلی نہیں دے سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اس شرٹ کے ساتھ یہ ٹائی سوٹ کر رہی ہے۔" اس نے مڑ کر امینہ کے خفا خفا سے انداز کو دلچسپی سے دیکھا۔ اس کا مقصد صرف اس سے بات کرنا تھا۔
"ہاں!" اس نے اڑتی پڑتی سی نظر ڈالی اور رخ اس کی جانب سے پھیر کر تکیے درست کرنے لگی۔
"او ہو بھئی، اتنی دور سے تمہیں ٹھیک طرح سے دکھ نہیں رہی، میرے خیال سے ذرا سوٹ نہیں کر رہی۔" وہ نچلا لب دانتوں تلے دبا کر شرارت سے بولا۔
"میری دور کی نظر بھی ٹھیک ہے۔" وہ اس سے کنی کترا کے نکلنا چاہتی تھی۔
"مگر میری دور کی نظر کچھ ٹھیک نہیں۔" اس نے اپنے قریب سے کھسکتی ہوئی امینہ کی کلائی تھام کر اسے اپنی طرف کھینچا۔ "میں صرف تمہیں قریب تر دیکھنا پسند کرتا ہوں۔"
اس کی سوجی گلابی آنکھیں مصطفیٰ کے دل کی حالت ابتر کر گئیں۔
"سوٹ تو کر رہی ہے۔" امینہ خود پر گڑی اس کی آنکھوں سے نظر چرا کر بولی۔ "ویسے بھی آپ پہ سب سوٹ کرتا ہے، جو بھی پہن لیں جو بھی کہہ لیں۔" بالآخر شکوہ زبان سے پھسل ہی گیا۔ اس کی کلائی پہ مصطفیٰ کی گرفت ڈھیلی ہوئی۔
"مجھے صرف تم سوٹ کرتی ہو۔" وہ اس کی پلکوں کی نوک پہ دل رکھ کے بولا تھا۔ اس کے اظہار پہ ہمیشہ کی طرح امینہ کے سنہرے رخساروں پہ سرخی نہیں دوڑی تھی اس کا سفید رنگ سفید ترین ہوا۔
اس نے اسے کندھوں سے تھام کر نرمی سے بیڈ پہ بٹھایا پھر اس کے سامنے قالین پہ اکڑوں بیٹھ گیا۔ "کوئی دن میں سو بار قرآن پہ ہاتھ رکھ کر بھی محبت کا یقین دلائے تو پھر بھی وہ محبوب کے اتنے سفاک فیصلے پہ سر نہیں جھکا سکتا جس طرح میں نے جھکایا تھا، صرف تمہیں اندر تک خوش دیکھنے کی خاطر۔" اس نے امینہ کے ٹھنڈے ہوتے سنہری ہاتھ تھامے۔ "پھر تمہاری آنکھوں میں نمی کیوں؟" ان آنکھوں کی لو عروج پہ تھی۔
"اب اور نہیں۔" اس نے اپنے لب بیدردی سے کچلے۔ "مجھ پہ ذرا سا رحم کرو پلیز۔" مدھم سی التجا پہ امینہ کے دل پہ گہری ضرب پڑی۔
"اس ماہ کے آخر میں میں انگلینڈ میں اپنا آفس جوائن کر رہا ہوں۔" ان ہاتھوں کی حدت نے امینہ کی ہتھیلیاں نم کردی تھیں۔ ان دھواں دیتی آنکھوں کے مرغولوں میں وہ پھر گم ہو چکی تھی۔

دولہا دلہن کی گاڑی خان حویلی سے کچھ ہی دور تھی۔ رخصتی سے قبل میرج ہال سے ملحقہ ڈریسنگ روم میں ماما اس کے پاس آئی تھیں دلہن بنی یشفان کسی حور کے حسن کو بھی مات دے رہی تھی۔ ماما اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی رہی تھیں پھر ان کے لب کتنی ہی دیر بعد بولنے کی ہمت کر سکے تھے۔

"یشفان! زندگی کبھی بھی کسی بھی انسان کے لیے تمام دروازے بند نہیں کرتی۔ کوئی ناہموار سی پگڈنڈی بھی کسی بڑے راستے تک لے جاتی ہے اگر زندگی میں کبھی کوئی راہ سجھائی نہ دے تو پھر یہ ڈائری پڑھنا اس میں صرف محبت نہیں۔ اس میں صرف نفرت بھی نہیں اس میں روشنی بھی ہے اندھیرے کو جھٹکتی ہوئی روشنی اب یہ تمہارا کام ہے کہ کون سے لفظ روشنی بن کر تمہاری آنکھوں کو خیرہ کریں گے۔

امینہ ہمیشہ سے امینہ مصطفیٰ نہیں تھی کبھی حبیبہ سے ملو تو کہنا۔ امینہ ہاتھ جوڑ کر تم سے معافی کی خواستگار تھی اور رہے گی۔" آنسو ان کی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

"ماما پلیز۔ آپ جانتی ہیں ناں پاپا کو آپ کی روئی آنکھیں ہرٹ کرتی ہیں۔" یشفان نے اس کے جڑے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر چوما تھا۔ امینہ نے ڈائری اس کے شولڈر بیگ میں رکھ دی۔ ان کی گاڑی خان حویلی کا بلند و بالا گیٹ عبور کرتی گھر کے اندرونی حصے کی طرف آتی روش کے آخری سرے پہ رک گئی۔

طرح دار کو یقین تھا کہ وہ بہو ایسی لائی ہے جس کی خاموشی پہ ماحول اس کے کسی بھی حکم کا منتظر ہوگا اور جب بولے گی تو در و دیوار بھی حکم کی بجا آوری کے لیے اپنی جگہ چھوڑنے کو تیار ہوں گے۔

رات کو بدپرہیزی کی وجہ مددگار کی طبیعت کافی خراب ہو گئی تھی۔ اس لیے حاشر اور جانی بارات کے ساتھ نہیں جا سکے تھے مگر اب دلہن کے استقبال کے لیے وہ دونوں وہاں موجود تھے۔ سیما نے گاڑی کا دروازہ کھول کر دلہن کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"آئے ہائے پیچھے ہٹو ایک بیوہ عورت دلہن کا استقبال نہیں کرتی۔"

"یہ سنی سنائی باتیں ہیں جو ہندوانہ رسم و رواج کی حامل ہیں۔"

طرح دار سیما کے پھیکے پڑتے چہرے کو دیکھ کر آگے بڑھی۔۔۔ یشفان کسی کا بھی ہاتھ پکڑے بنا گاڑی سے اتر چکی تھی۔

"ارے کوئی دلہن کا گھونگھٹ تو اٹھاؤ۔"

پھولوں سے سجی رہ گزر پہ وہ فہیم عاقل جیسے شاندار مرد کے ہمراہ سہج سہج کر قدم اٹھاتی چلی آرہی تھی۔

طرح دار نے سامنے آکر گھونگھٹ الٹ دیا۔

"چاند نے خود ماشاءاللہ کہا تھا۔"

"یا روسب دعا کرو مل کے فریاد کرو"

میراثن گا رہی تھی۔

"دل جو چلا گیا ہے اسے آباد کرو"

اور بت بنے حاشر وقار کو ایک بار پھر اعتراف کرنا پڑا کہ اس نے سفید سیاہ اور سرخ رنگ کا اس قدر حسین امتزاج بھی زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔

"یا روسب دعا کرو۔" اس نے چہرہ موڑ کر اس گانے والی عورت کو دیکھا۔ اس وقت وہ اسے کوئی ولی اللہ لگ رہی تھی جو اس کے لیے دعائیں کروا رہی تھی، فریاد کر رہی تھی۔ وہ بھیڑ میں قدم بہ قدم پیچھے ہٹتا اس کے پاس پہنچ گیا۔

وہ بھول جانا چاہتا تھا کہ وہ حاشر وقار ہے وہ اس کی آواز میں آواز ملا کر روئے زمین پر اور آسمان تک اپنی آواز سنانا چاہتا تھا۔

"یا روسب دعا کرو..." اس نے لہرا کر ڈفلی پہ ہاتھ مارا۔ دل گیا... گیا لے گیا صنم۔"

وہ خود کو حرکت نہیں دے پا رہا تھا۔

وہ ساکت آنکھوں سے اس اللہ والی کو دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وقت ہاتھ میں مرہم لیے لمحہ لمحہ اسے دیکھتا تھا مگر وہ کانچ کی دلدل میں اندر تک دھنس چکا تھا۔ اسے

میثان سے دھواں دھار قسم کا عشق نہیں بھی تھا مگر اس نے محبت جیسی بے چینی کو اپنے دل کے ہر حصے میں محسوس کیا تھا۔

جس لاہور سے وہ بھاگ رہا تھا۔ اب وہی اس کے لیے گوشہ عافیت تھا اسے اپنے جذبوں کو خود سے بھی چھپانا تھا۔ وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سو اسپیشلائزیشن کے بہانے وہ وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ پاکستان چھوڑنے سے ایک دن قبل وہ خان حویلی گیا تھا۔ "یہ میرا بہت اچھا دوست اور ایک بہترین انسان ڈاکٹر حاشر وقار، جو مختار کل کا ولی عہد بھی ہے۔" فہیم عاقل نے یوں اس کا تعارف میثان سے کروایا تھا۔ دونوں نے ہی بمشکل نگاہ اٹھائی اور دونوں ہی کو نگاہوں کے تصادم پہ اجنبیت کی دیوار گرانا پڑی تھی۔ لاتعلقی کی حد کرتے کرتے بھی حاشر کی آنکھوں نے ایک بے قرار سا تعلق اوڑھ کے اسے دیکھا تھا۔

"یوں سمجھو کہ تم کسی امیر شہر سے مل رہی ہو۔" اور فہیم عاقل کے ساتھ ان دونوں کو بھی مسکرانا پڑا تھا۔ ہاں وہ امیر شہر تھا وہ حکم عشق پہ وطن بدر ہو رہا تھا۔ وہ اپنے شہر کی گلیوں کوچوں میں صدائیں لگا کر اسے اور خود کو رسوا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ لاتعلقی کی حد سے باہر آکر ان دربدر کرنے والی سیاہ آنکھوں کو اپنی بے چینیوں کے قصے نہیں سنانا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جس نگر کا بھی رخ کر لیتا کسی یارنامہ بر کا پیغام اس کے نام نہیں آنا تھا۔

✡ ✡ ✡

وقت کے ساتھ میثان کو بہت سی باتیں سمجھ میں آ رہی تھیں، جس دن وہ مددگار سے ملی، اس کی ماں کا ایک جملہ اس کے اردگرد گردش کرتا رہا تھا.... "کچھ مسائل پیسے سے بھی حل نہیں ہوتے۔" وہ کچی زمین پہ بیٹھا شاخوں پہ پرندوں کی بولیاں سن رہا تھا۔ کبھی ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کر انہیں چپ کرواتا، کبھی خود ہی ہنسنے لگتا۔

"یہ سب آپ نے اس کے لیے خود ارینج کیا ہوا ہے۔" اس نے اس درختوں سے ڈھکی تکون کی طرف اشارہ کر کے جائی سے پوچھا تھا۔ جائی کو اس کا من ہر بھید، ہر رمز سے خالی ایک پکے گھڑے کی طرح لگا تھا جس گھڑے کا پانی کسی فقیر یا درویش نے کبھی نہیں پیا ہو نا۔

"اللہ والے اپنا مسکن خود نہیں بناتے اور نہ ہی ان کے لیے کوئی بناتا ہے، ان کا ٹھکانا انہیں خود کو آباد رکھنے کے لیے بلاتا ہے۔" جائی کے ہونٹوں پہ نافہم سی مسکراہٹ ابھری۔

میثان نے چھدرے پتوں سے جبین زہرہ کو دیکھا جو تنوں سے بندھے کٹوروں میں پانی ڈال رہی تھی۔

"وہاں کوئی اور بھی جا سکتا ہے۔" اس نے پھر ایک بے تکا سوال کیا۔ فہیم عاقل کے دل نے مڑ کے دیکھنے کی شدت پکڑی۔

"بس جبین زہرہ۔" فہیم کا دل اور جائی کے لب ایک ساتھ بولے۔

"اسے اس آسیب زدہ تکون سے رات کو بھی ڈر نہیں لگتا؟" توبیہ کے انکشاف پہ میثان کا منہ حیرت سے کھلا۔

"اسے کیوں ڈر نہیں لگتا؟" حیرت کے ساتھ اس کا لہجہ خوف زدہ سا ہوا۔

"اس نے کسی جوگی کے ہاتھ سے پانی پی لیا تھا اور اب اسے فقیروں کے آستانوں سے ڈر نہیں لگتا۔" جائی نے کسی کی بے مراد آنکھوں کو دیکھا۔

اس نے مددگار اور جبین نے دل کو سمجھا لیا تھا، مان بھی لیا تھا پھر بھی سامنے بیٹھے شخص کو دیکھ کر ایک مدھم سی بے قراری وجود سے لپٹنے لگی تھی۔ اس کے علاوہ یہ بس خدا جانتا تھا کہ اس کا عشق یک طرفہ نہیں تھا۔ فہیم عاقل کی نگاہیں بھی اسی چہرے کو قبلہ جان کر طواف کرتی تھیں مگر فہیم عاقل نے کبھی محبت کا ہاتھ خوشبو کے سپرد نہیں کیا تھا۔ اس نے جبین کی محبت کو کسی اللہ والے کی عبادت کی طرح چھپا کر رکھا تھا۔

مددگار میثان کا چہرہ تکے جا رہا تھا۔ اس لیے فہیم عاقل کو ہوش و خرد سے بیگانہ ہونا کسی نعمت سے کم نہیں لگا تھا، اسے مددگار کی خوش قسمتی پہ رشک آ رہا

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تھا۔ اس نے میشان کے پہلو میں بیٹھی جبین زہرہ کو بس اک نظر دیکھا تھا۔ وہ جبین کی پلکوں سے لپٹی خزاں کی خوشبو کو پھونک مار کے اڑانا چاہتا تھا مگر ان کے درمیان صدیوں کا فاصلہ تھا مگر نگاہ نے ایک بار ہی مل کر ان دونوں کو فقیر سا کر دیا تھا۔ وقت سے ٹھہر جانے کی بھیک انہوں نے گڑگڑا کے مانگی تھی۔

☼ ☼ ☼

تیری چشم تر کے سوال نے میرا حال کیا سے کیا کر دیا
کوئی دوسرا بھی سوال کر کہ یہ روح تن سے جڑی رہے

آئرلینڈ کی سڑکیں ناپتے ہوئے اس عشق بدر مسافر کو ایک یخ بستہ سی شام جائی نے لوٹ آنے کی منت کی تھی اور ساتھ ہی حقیقت کا رخ دکھایا تھا۔

"کس سے بھاگ رہے ہو' بات زندگی بھر کی ہے؟ زندگی کے ان بچے کھچے دنوں میں ہر روز تمہیں دیکھنے کو دل کرتا ہے۔"

ماں کی موت کے بعد فہیم عاقل کی طبیعت خراب رہنے لگی ہے اور اسے اپنے علاج سے کوئی دلچسپی نہیں' آجاؤ حاشر کچھ ماہ کے لیے ہی سہی۔"

فہیم عاقل کی خراب طبیعت کا سن کر اس کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔ "مددگار بھی اب مہمان ہی لگتا ہے۔" جائی کی دھیمی پیاسی آواز میں بتائی جانے والی یہ خبر پہلی سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔

اسی رات اس نے رخت سفر باندھ لیا تھا۔

اس رات بار بار جائی کا ستارہ ٹوٹنے جیسا لہجہ اس کے کانوں میں سرگوشی کرتا رہا تھا۔

"کیا تم میشان کو پہلے سے جانتے تھے؟" جائی کی گود میں سر رکھ کر لیٹا ہوا حاشر تڑپ کر سیدھا ہوا تھا۔

"تو کیا اسے جاننے کا کوئی لمحہ میرے چہرے پہ ٹھہرا ہوا ہے۔" اس نے اپنا چہرہ چھوا جائی کے امکان سے کانپتا دل بے یقین کی منزل طے کر کے ٹھہرا تھا۔ انہوں نے حاشر کا بدحواس چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھر لیا۔

"سمندر میں جتنے رنگ بھر دو' نظر نہیں آتے سمندر بن جاؤ۔" ان کے خنک لہجے سے الفاظ بھی ٹھٹھرے ہوئے تھے۔ تین سال گزر گئے' ابھی کل کی بات لگ رہی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ اس کی آنکھیں شناسائی کے رنگ کھو کر وہ چہرہ دیکھیں گی۔ یہ صرف گمان تھا یا خواہش گھر کی دہلیز پار کرتے ہوئے بھی وہ خود کو سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کبھی بھی بہت باتونی نہیں تھا مگر وہ خوش مزاج اور کسی حد تک خوش گفتار ضرور تھا۔ اس کی واپسی کے بعد سب کا خیال تھا کہ اجنبی دیس کے موسم جھیل کر اس کی شخصیت میں ٹھہراؤ اور سنجیدگی جھلکتی تھی۔

صرف وہ جانتا تھا اسے اندر تک بدلنے والے سارے موسم اپنے تھے' شروع کے چند دنوں میں اس کے گریز کو تھکاوٹ سمجھا گیا جب ہفتہ بھر کے بعد بھی وہی لیا' دیا سا انداز برقرار رہا تو باقی گھر والوں کے ساتھ ماں کا ماتھا بھی ٹھنکا۔

"یا لاہور چلے جاتے ہو یا پھر گونگے کا گڑ کھا کے بیٹھے رہتے ہو۔ نہ کچھ پوچھا نہ کچھ بتایا۔" ماں کے صبر کا پیمانہ خوب چھلکا۔

"تو یہاں کون سے مزاحیہ مشاعرے ہو رہے ہیں کہ میں قہقہے لگاؤں۔ آپ نے مددگار چچا کی حالت دیکھی ہے۔" وہ رونکھا ہو کر بولا۔

"اور فہیم عاقل کا اس سے بھی برا حال ہے۔" وہی تلخ سابقہ لہجہ۔

"ان دونوں کی بیماری کے ذمہ دار ہم تو نہیں۔" اس کے باپ نے بھی اندر آتے ہوئے اس کی گفتگو سنی تھی۔

"فہیم کو تو چھوڑیں' مگر چچا کی اس حالت کے ذمہ دار آپ سب ہیں۔" اس نے بھی حاضر جوابی سے کام لیا۔ "میں جب یہاں تھا تو ان کا علاج ہوتا رہتا تھا۔ جائی کے ساتھ مل کر انہیں سنبھال بھی لیتا تھا۔ میرے بعد جائی اکیلی اس کی دیکھ بھال میں خود بھی کمزور ہو چکی ہیں۔" وہ کاٹ دار لہجے میں لب کاٹ کر بولا تھا۔

"آپ' چچی یا پھر لڑکیوں میں سے ہی کبھی کوئی ان

کے کمرے میں جا کر جھانکتا نہیں۔ کم از کم ایک کل وقتی ملازم کا تو انتظام آپ لوگ کر سکتے تھے۔ ہم سب ان دونوں کا بھی حصہ کھا رہے ہیں۔ اللہ کی حکمت کی کاملیت پہ میرا ایمان پختہ تر ہو چکا ہے اگر جائی اس گھر میں لوٹ کے نہ آتی تو چچا کا کیا بنتا۔"

اس کے صاف کھرے اور قطعی لہجے میں آنچ دیتی سچائی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس بیماری کی ابتدا اچانک پہنچنے والے صدمے اور اس کے نتیجے میں شدید ذہنی دباؤ کی وجہ سے ہوئی ہے اسے ایمنیزیا (amnezia) کہتے ہیں اس میں مریض کی یادداشت آتی جاتی رہتی ہے پھر آہستہ آہستہ بھوک ختم ہونے کی صورت میں مریض پہ کمزوری غلبہ پا جاتی ہے اگر خدانخواستہ جلد ہی دوبارہ کوئی صدمہ پہنچے تو برین اسٹروک ہونے کی وجہ سے فوری موت بھی ہو جاتی ہے۔"

گزشتہ ہفتے حاشر نے فہیم عاقل کے تمام ٹیسٹ کروائے تھے۔ وہ خود نیورو سرجن تھا اس وقت ڈاکٹرز کے پورے پینل کے ساتھ ان پہ گفتگو ہو رہی تھی۔

"ایسا کون سا ذہنی دباؤ تھا جس نے اس کے اعصاب توڑ ڈالے۔" وہ اپنے دائیں ہاتھ کی پہلی انگلی سے مسلسل کنپٹی کی رگ دبا رہا تھا۔

"ایمنیزیا کی چار پانچ قسمیں ہوتی ہیں۔" اس کا دھیان دوبارہ ڈاکٹر کی بات پہ اٹکا۔ "اس کی ایک سب سے خطرناک قسم یہ ہے کہ......"

ڈاکٹر نے اس کے کندھے پہ تسلی آمیز ہاتھ رکھا۔ ڈاکٹر کا دھماکہ خیز انکشاف سن کر اس کی تسلی و تشفی کی دھجیاں اڑی تھیں۔

☆ ☆ ☆

وہ تین چار چکر حویلی کے لگا چکا تھا، مگر وہ دانستہ ادھر ادھر ہو جاتی تھی حاشر اسے دیکھ نہیں پا رہا تھا مگر معاملہ ایسا تھا کہ فہیم کی بہنوں اور ریشان کو تمام تفصیلات سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ اب وہ بالکل سپاٹ چہرہ لیے اس کے مقابل بیٹھی تھی۔ وہ جب کمرے میں آئی تھی تو حاشر نے بے تحاشہ دھڑکتے دل کے ساتھ بے اختیار سا ہو کے اسے دیکھا اور ریشان اس کی آنکھوں میں پل بھر کو بھی نہیں دیکھ پائی تھی۔ وہ مناسب الفاظ کا چناؤ کر کے دھیرے دھیرے انہیں سب بتا تا جا رہا تھا۔

فہیم کی بہنوں نے ایک دوسرے کی طرف کچھ جتاتی نظروں سے دیکھا تھا۔

"اس کی خطرناک قسم یہ ہے کہ..... اس میں مریض کی یادداشت کسی ایک شخص کے لیے مکمل طور پر غائب ہو جاتی ہے۔"

اس نے وہاں موجود تینوں خواتین کے حواسوں پہ بجلی گرائی تھی۔ وہ آنکھوں میں ہراس لیے اسے تک رہی تھیں۔

"کوئی ایک چہرہ اس کی میموری سے مٹ جاتا ہے۔"

حاشر کو اپنے الفاظ کی سنگینی کا احساس تھا۔ اس نے ریشان کے تاریک ہوتے چہرے کو دکھ کی انتہا سے دیکھا۔ وہ تینوں نہیں جانتی تھیں کہ فہیم عاقل کسی چہرے کی طرف اجنبیت بھری نظریں اٹھائے گا۔

سنو تم اے محبت
انہیں کہنا کہ ان سے
فاصلوں کے پتھروں پہ
کندہ کر دیا ہے
کہ وہ آنکھیں جنہیں میں
رات میں بھی صبح سمجھتا تھا
میری تاریکیوں میں
سورجوں کو مات دیتی تھیں
انہیں دیکھے ہوئے
جب سے زمانہ ہو گیا ہے
تو سن لو اے محبت
اسی کندہ پتھر کو
کبھی اس راہ پہ رکھنا
جہاں اس کا بسیرا ہو
جہاں سے صبح گزرتی ہو

کہ میری روشنی کے سارے موسم
کسی خواب سیاہ کا ساتھ دیتے ہیں

☼ ☼ ☼

مددگار اپنا خنک مسکن اداس پرندوں کو سونپ کر اپنے حصے کی زندگی جی کر دنیا جیسا عارضی ٹھکانہ چھوڑ کر چلا گیا تھا وہ ہمیشہ دینے کی بات کرتا تھا کیونکہ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ تھا۔ اللہ لوک تھا لفظ میرا کبھی اس کی زبان پر نہیں آتا تھا۔

"رہنے دو، چھوڑ دو اور لے لو۔" یہ تین لفظ اس کا تکیہ کلام تھے۔وہ بے خبری میں بھی پتے کی باتیں کرتا تھا اس کے بے طلب وجود اور بے غرض دل میں چنبیے دی بوٹی مہکتی تھی یا پھر جبین زہرہ تھی، جو طویل دو پہروں میں اس کے سامنے کچی مٹی پہ دوزانوں بیٹھ کر التجا کرتی تھی۔

"میرے لیے دعا کرو۔" اس کے ننگے پاؤں سے لپٹی گرم مسافت مددگار کی انگلیوں سے مٹتے اور بنتے دعا کے دائروں میں نہیں ہوتی تھی۔وہ خشک آنکھوں سے اس کے لبوں پہ دھرا اپنا مٹی بھرا ہاتھ تکتا رہتا تھا۔

"رہنے دو۔ رہنے دو۔" مددگار کی انگلیاں کافور جیسی خنکی کھونے لگتیں۔

"ناقص کانچ میں اتھری لو جلا کر اسے اتنا بھڑکائے گی تو سب ترخ جائے گا۔ تو بھی۔ وہ بھی۔ سب ٹوٹ جائے گا چھوڑ دو۔ آندھی آنے والی ہے۔"

وہ اس کی گرفت سے ہاتھ چھڑا لیتا وہ، جبین کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو دیکھ کر ہنستا ہی جاتا۔

"سب زوال۔ سب زوال۔ بس وہی عروج۔" مگر پیپل اور بوڑھ کے درختوں نے اسے روتے ہوئے دیکھا تھا۔

جس دن اس گھر سے جبین کی ڈولی اٹھی تھی۔ اس نے اس واحد شادی کے میٹھے چاول نہیں کھائے تھے۔ وہ وقت رخصت اس کے پاس آئی تھی، مگر اس نے اس کو دعا کے لیے نہیں کہا تھا۔ وہ اپنے اندر کی ساری بے خودی، مستی اور بے حالی اس تکون کے مالک کے قدموں میں رکھ کر چلی گئی تھی۔

وہ اتھری ——— لو کو ناقص کانچ سے نکال کر بوڑھ اور پیپل کے تنوں پہ جلتا چھوڑ گئی تھی۔

مددگار نے اس دن سر شام ہی ایک اگر بتی بوڑھ کے موٹے تنے سے اٹکا کر جلائی تھی۔ اس مہک کو بھی ہوا نے اپنے اندر سینچا تھا، مگر اس کا رخ آج بلھے شاہ کی درگاہ کی طرف نہیں ایک حویلی کی طرف تھا۔

تمام رات جائی نے سوچا تھا کہ مددگار نے اگر بتی کیسے جلائی تھی۔ اس رات چنبیے دی بوٹی اور اگر بتی کی مہک جائی کو ایک جیسی محسوس ہوئی تھی اور ان کے ہاتھ میں رواں تسبیح کے دانوں سے بھی وہی مہک پھوٹتی رہی تھی تمام شب ایک بھید جائی کی چوکھٹ کے پاس بے آواز سرگوشیاں کرتا رہا کہ ان پرانے درختوں کے تنوں پہ دھری اتھری لو نے اگر بتی کو آنچ دی تھی۔

☼ ☼ ☼

مددگار کے نام دھن دولت نہیں تھی۔ اس کے حصے کی جاگیر بھی کبھی اس کا نام نہیں سن سکی تھی۔ اس کی زندگی کے آخری دنوں اور آخری لحات میں اس کے ہلتے لبوں کی طرف دیکھنے والے صرف دو افراد تھے، مگر فہیم عاقل، جلال خان کی جاگیر کے آدھے حصے کا مالک تھا۔ وہ اس شاندار حویلی کا وارث تھا۔ اس کے گرد ہمہ وقت تمام رشتے یا حصے دار منڈلاتے تھے۔ اس کے ہلتے لبوں کو غور سے دیکھتے تھے کہ وہ لب کوئی وصیت تو نہیں کر رہے۔وہ ہوش مندی کے لمحوں میں سب کو پہچانتا تھا۔ ناموں سے بھی پکار لیتا تھا، مگر لفظ میشان اور اس کا خوب صورت چہرہ اس کے دماغ کے ہر خانے سے مٹ چکا تھا۔ باقی آدھے حصے کی مالک اس کی بہنیں اس خوشی میں پاگل ہوئی جا رہی تھیں کہ وہ اب پوری حویلی کی وارث بننے والی تھیں۔ زندگی انسان کو شیطان کے ساتھ مل کر یوں الجھاتی ہے کہ خود کو مالک و مختار سمجھنے والا انسان آخری سانس تک سمجھ نہیں پاتا کہ وہ تو محض ایک قبر کا مالک ہے۔

☆ ☆ ☆

مختار کل کے خاندان کے لیے ہمیشہ نامحرم رہنے والے فہیم عاقل کے تابوت کے ورثا اب وہی تھے اور انہیں کے کندھوں پہ سوار ہو کر وہ اپنی زندگی کا آخری سفر طے کر رہا تھا۔

وہ جب تابوت اٹھانے آیا تھا تو روتی بلکتی تڑپتی یشان جو کسی سے سنبھل ہی نہیں رہی تھی۔ حاشر نے ہی اس کے ہاتھوں کی گرفت سے تابوت چھڑوایا تھا۔ یشان نے اسے ایسی زخمی نظروں سے دیکھا کہ وہ خود زخم، زخم ہو گیا۔ یشان کی حالت دیکھ کر اس کا دل کٹ، کٹ کر تڑپا تھا۔ برسوں پہلے کی گئی مرہم پٹی اس کے زخموں سے کھل گئی تھی۔ اس بار وہ ننگے زخموں کے ساتھ کانچ کی دلدل میں اترا تھا اور اس نے سی تک نہیں کی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ جانتی تھی کہ اس کی وجہ سے بہنے والے ماما کے آنسوؤں پہ مصطفیٰ ایک طوفان کھڑا کر دیتا تھا۔ وہ جب آخری بار جہلم گئی تھی تو تمام باتوں کے باوجود امی کی زبان بند رہی تھی۔ اس کا ان سب سے بھی کوئی خاص رابطہ نہیں تھا۔ ایک سال پہلے اسے اسنا نے بتایا تھا کہ میں امی اور ابا کو اپنے ساتھ دبئی لے کر جا رہی ہوں۔ وہ شادی کے بعد شوہر کے ساتھ جا رہی تھی۔ وہاں جانے کے بعد بھی کبھی کبھار اسنا ہی اس سے رابطہ کرتی تھی اور یشان ہر بار ماں سے بات کرنے سے انکار کر دیتی۔ اگر اسے کوئی کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا تو اس کا دل بھی کوئی کہانی سننے کا اصرار ترک کر چکا تھا اگر اتنے سال زندگی میں ہلچل نہیں تھی تو بے سکونی بھی کسی ہلکی سی درز تو کبھی رہ گزر پہ مڑ کر جھانک لیتی تھی۔

اس کے لیے اس کی زندگی ایک معمہ تھی۔ شادی سے پہلے بھی اور بعد میں بھی فہیم عاقل سمیت معمہ ہی رہی۔

مسائل تو اب شروع ہوئے تھے، جب عدت کے بعد اس کی دونوں نندوں نے اسے خان حویلی چھوڑنے کے لیے کہا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھے جا رہی تھی۔

"تمہاری عدت پوری ہو چکی ہے اب تم واپس جا سکتی ہو۔"

"مگر کیوں؟" وہ دبا دبا سا چیخی۔ "یہ میرے شوہر کا گھر ہے اور میں فہیم کی بیوہ ہوں۔"

"بیوہ ہو۔ اس لیے ہی کہا ہے۔ جوان ہو۔ خوب صورت ہو اور ہمارے شوہر تمہارے لیے نامحرم ہیں۔ کل کلاں کو کوئی بات ہو گئی تو۔" چھوٹی نند نے کسی سیانی کی طرح اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"آپ اور آپ کے شوہر یہاں کیوں رہیں گے جب کہ یہ حویلی میرے شوہر کے نام ہے۔" وہ اتنی جلدی پسپائی اختیار کرنے والوں میں سے نہیں تھی۔

"ہنہ شوہر۔ وہ شوہر جو زندہ ہی تمہیں چھوڑ چکا تھا۔ بھول چکا تھا۔" ان کی نظریں اس کا تمسخر اڑا رہی تھیں۔ "دیکھو۔ یشان اگر تمہارے بچے ہوتے تو آدھی حویلی ہم تمہیں دے سکتے تھے۔ اب تم خود سوچو اتنی بڑی حویلی میں تم اکیلی کیسے رہ سکتی ہو۔"

"مگر میں کہاں جاؤں گی میرے ماما، پاپا بھی انگلینڈ شفٹ ہو چکے ہیں۔" اب کے وہ پسپا سے لہجے میں بولی۔

"ان سے کہو، وہ تمہیں بھی انگلینڈ بلوا لیں گے۔" بڑی نند نے ہاتھ جھاڑ کر اس کا مسئلہ فوراً "حل کیا۔

"آپ پلیز، مجھے حویلی کا کچھ حصہ رہنے کے لیے دے دیں۔" پسپا ہوتے لہجے نے مزید التجا کی تھی۔

"ایسے کیسے دے سکتے ہیں۔ تم ہماری بات کو سمجھ کیوں نہیں رہیں۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ کیا زندگی حویلی کے کچھ حصے کے ساتھ گزارو گی۔" ان دونوں بہنوں کو اب اس کی دماغی حالت پہ بھی شبہ ہو رہا تھا۔

"ہاں گزار لوں گی۔" وہ مضبوط اور فیصلہ کن لب و لہجے میں بولی۔

"مگر لوگ نہیں گزارنے دیں گے بی بی! بہتر یہی ہے اپنا سامان سمیٹو، جو کچھ لے جانا چاہتی ہو لے جاؤ۔" وہ

بھی دوٹوک ہو کر بولیں۔

"ہم کسی پھڈے ــــــ میں نہیں پڑیں گے۔ تمہارے حصے کی فصل کے پیسے ہر چھ ماہ بعد تمہارے اکاؤنٹ میں آجایا کریں گے۔" اندر آتے ہی بڑی نند کا شوہر ان کے معاملے میں زبردستی گھسا تھا۔

"کون سا حصہ؟ کیسی فصل؟" فہیم تو کسی یشان کو جانتا ہی نہیں تھا۔ ایک دن وکیل کو بلوایا اور اپنا حصہ بھی میرے اور زیبا کے نام لکھ دیا۔"

پوری حویلی اس کے سر پہ گری تھی۔ اس نے بدحواس ہو کر نندوں کو دیکھا۔

"دیبا! جاؤ اسے جائیداد کے کاغذات دکھاؤ۔" زیبا نے چھوٹی کو حکم دیا، مگر وہ اپنے حواسوں میں کہاں تھی، بس آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان کے چہرے دیکھ رہی تھی۔ جب پہچان مٹ جاتی ہے تو حصے بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ رشتے بھی گم ہو جاتے ہیں جیسا فہیم کے ساتھ ہوا تھا۔ اسے بے شناخت اور پہچان سے عاری کرنے والے اس کے سگے چچا تایا تھے۔ پھر میں کون ہوں ان کی نظروں میں ــــ سوتیلی ــــ بیوہ بھاوج مرنے سے قبل جس کا شوہر بھی پہچان کے رشتے ختم کر چکا تھا۔

"موت اور زندگی کے درمیان بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔" اب اس کے قدموں کے نیچے سے زمین کھسک رہی تھی تو اسے ماں کی بات من و عن کے ساتھ یاد آئی، جب زمین کھسک رہی ہو تو پاؤں جمانے کے لیے آسمان کو نہیں پکڑا جا سکتا۔ وہ پہنچ سے دور ہوتا ہے۔

"جو تم نے میرے ساتھ زندگی میں کیا۔ تمہاری موت کے بعد زندگی میرے ساتھ اس سے بھی برا کرنے والی ہے۔" وہ مرے ہوئے شخص سے شکوہ کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس کی گفتگو ختم ہونے کے بعد بھی جائی کے چہرے پہ ویسا ہی سکون تھا جیسے ہر فکر سے آزاد کوئی شخص آپ کو ایک دلچسپ قصہ سنا رہا ہو۔ وہ خود پہ اٹھی یشان کی نظروں سے بھانپ گئی تھی کہ اسے کیا چیز چونکا رہی ہے۔ جائی کے سامنے بیٹھی یشان۔

"اب میں کیا کروں؟" کی تصویر نظر آ رہی تھی۔

"اللہ نے دو باتوں کے لیے، بہت جلدی کی تاکید کی ہے۔ ایک میت دفنانے میں اور دوسرا ایک بیوہ کا عدت کے بعد فوری نکاح کرنے میں۔"

جائی نے بات کے اختتام پر اس کے چہرے پہ ناگواری کے تاثرات ابھرتے دیکھے۔

"مگر ــــ" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔

"میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔" جائی نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کی تاکید کی۔

"جب عورت بیوہ ہوتی ہے تو اس کا ٹھکانا اس کا میکا ہی ہوتا ہے۔ وہ اکیلی ہو یا بال بچوں والی۔ وہ ساس سسر کے حیات ہوتے بھی سسرال چھوڑ دیتی ہے کیونکہ اس کا وجود اس کی دیورانی یا جٹھانی کو سب سے پہلے کھٹکتا ہے۔ ایک جوان اور خوب صورت بیوہ عورت انہیں بچھو کی طرح ڈستی ہے، یہ بوجھ بہت بھاری ہوتا ہے یشان! کھاتے پیتے گھرانوں میں لوٹ کر آنے والی بیٹی بھی بس اچھا کھانا ہی کھا سکتی ہے اور جہاں غربت ہوتی ہے وہاں تین وقت کے کھانے کا فساد بھی کھڑا ہوتا ہے۔ اس کا شوہر مرجاتا ہے۔ اس کا دکھ تازہ ہوتا ہے ایک دم اپنی اور بال بچوں کی ذمہ داری اس کے ناتواں کندھوں پہ آجاتی ہے تو سوچو وہ کیا کرتی ہوگی۔ تم تو اکیلی ہو۔"

وہ جائی کی گفتگو سے امید کی کوئی کرن بھی ڈھونڈ نہیں پا رہی تھی۔

"بجائے میکے آکر بیٹھنے کے سسرال کو اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے کیونکہ ان کے مکان اور جائیداد میں اس عورت کا حصہ بھی ہوتا ہے، اس کی بچیاں تایا یا چچا کے لیے محرم ہوتی ہیں۔ اس گھر میں ان کی عزتیں محفوظ ہوتی ہیں اور گھر کی خواتین اس بیوہ دیورانی یا جٹھانی کو خوف کی علامت نہ سمجھیں تو بہت سے مسائل پیدا ہی نہیں ہوں گے۔ جب وہ وہاں سے نکل جاتی ہے تو اس کے اور بچوں کے حقوق گھٹتے گھٹتے

ختم ہو جاتے ہیں۔"
جائی خاموش ہو چکی تھیں۔
"اور جو گھر سے زبردستی نکال دی جاتی ہیں۔ وہ کیا کریں۔" اس کا زہر خند لہجہ تلخی کی حد کو چھو رہا تھا۔
"اتنی بے صبری نہ بنو' خود کو کچھ وقت دو.... پھر خود تمہارے ذہن کی گرہیں کھلیں گی کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے۔" ایک بار پھر وہی سکون ان کے چہرے پہ تھا۔
یشان ان کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا پائی۔
"جب کسی کا شوہر مرتا ہے تو اللہ کے خاص فرشتے اسے اپنی پناہ میں لیتے ہیں۔ اسے سائبان فراہم کرتے ہیں۔ اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور جب کسی کا شوہر مر جاتا ہے تو اللہ کے ناپسندیدہ بندے اسے بے سائبان کر دیتے ہیں پھر وہ زمانے کی ٹھوکروں پہ آجاتی ہے اگر اکیلی عورت ہو تو اسے اللہ کا حکم مانتے ہوئے جلد نکاح کر لینا چاہیے۔" جائی کی بات نے اس کا دماغ بھک سے اڑایا تھا۔
"اگر بال بچوں والی ہو' ان کی کفالت کر سکتی ہو تو پھر اپنے نفس کو قابو کر کے حیا اور ایمان کو عروج دے کر ان عورتوں میں شامل ہو جائے جو جنت میں جائیں گی۔"
جب بچوں والی عورت دوسری شادی کرتی ہے تو وہ دو کشتیوں کی سوار ہو کر ڈوب جاتی ہے اور اس کے بچوں کا حال فہیم عاقل جیسا ہوتا ہے اور اس کے سوتیلے بہن بھائی زیبا اور دیبا کی طرح ہوتے ہیں۔"
جائی نے تسبیح اٹھائی تھی۔ گویا ان کی بات ختم ہو چکی تھی۔ یشان کے چہرے پہ ٹپکتی مایوسی کو انہوں نے مسکرا کر دیکھا تھا۔ کیونکہ انہوں نے آج حاشر کو فون کر کے آنے کے لیے کہا تھا اور وہ جانتی تھیں کہ کل شام تک وہ اس کے سامنے ہوگا اور اس کے بعد جو ہوگا وہ اللہ جانتا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فہیم کی بہنیں اس قدر ظالمانہ فیصلہ کریں گی۔ وہ اپنی اسپیشلائزیشن مکمل ہونے تک یشان کو وقت دینا چاہتا تھا مگر اب جلدی میں ہی اسے چھ ماہ بعد پاکستان آنا پڑا۔ اس دفعہ بھی وہ بنا بتائے آیا تھا۔ اسے دیکھ کر سب چونکے تھے۔ ایک دھواں دھار بحث کے بعد وہ ماں باپ کو حسن آرا کے ساتھ شادی کے لیے انکار کر چکا تھا اور اس نے ماں سے کہا تھا۔
"چچا لوگوں کی امید ختم کریں تاکہ وہ بیٹی کا رشتہ کہیں اور کر سکیں۔"
ماں اس کے بدلے تیور دیکھ تو رہی تھی' مگر سمجھ نہیں پا رہی تھی' باپ اس کی جدائی سے ڈرتا تھا سو چپ تھا۔
الجھا حلیہ' بے حال سی یشان۔ وہ کہیں سے بھی یشان مصطفیٰ نہیں لگ رہی تھی۔ وہ سخت پریشان ہوا تھا۔ اس کے سفید چہرے پہ زردیاں کھنڈی ہوئی تھیں۔ نظر ملنے پہ وہ بے چین سی ہوئی تھی اور حاشر نظر ہٹا ہی نہیں سکا تھا۔
صرف فہیم کے گھر سے بے دخل ہونے کا دکھ نہیں تھا' اس کے چہرے پہ کشتیاں جلا کر ساحل تک آنے جیسی کیفیت تھی' وہ اسے ٹوٹی ہوئی ہاری ہوئی اور بے حد مضمحل لگی تھی۔ وہ اس سے بات کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا اور وہ جان بوجھ کر اسے فراہم نہیں کر رہی تھی۔ وہ ایک ہفتے کی چھٹی پہ آیا تھا۔ اب اس کے جانے میں تین دن رہ گئے تھے۔ اس رات وہ جائی کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا جب اس نے کچی تکون کی طرف اسے جاتے دیکھا اور وہ دبے پاؤں اس کے پیچھے ہی چلا گیا۔
"میں کیسے چاروں شانے چت گری تھی اور پھر کس ہمت کے ساتھ اس شکست فاش کا سامنا کیا تھا یہ میں ہی جانتی تھی۔ میں اب وہ رنگ ہوں جس پہ کوئی دوسرا رنگ نہیں چڑھتا۔" فہیم میری طرف دیکھے بغیر بولا تھا۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اس یشان کی طرف جو سمجھتی تھی کہ وہ آنکھیں دنیا میں ہیں ہی نہیں جو مجھے ایک بار دیکھیں اور پھر دیکھتی ہی نہ رہ جائیں۔ میں ان آنکھوں کو حیرت سے دیکھ رہی تھی اور وہ پتا

نہیں کس کو دیکھ رہا تھا۔
"تم شاید خوب صورت ہو۔"
اور لفظ شاید نے مجھے زہریلا ڈنک مارا تھا۔ "مجھے کچھ وقت دو بیشان! ہو سکتا ہے میں تمہاری طرف مائل ہو جاؤں۔ تمہیں دیکھنے لگوں۔"
ان جملوں میں خواہش یا چاہت نہیں تھی۔ حیرت اور غصے سے میرا دل مر جانے کو چاہ رہا تھا وہ بیڈ کے قریبی صوفے پہ بیٹھا تھا۔
"اگر ہمت ہے تو یہاں میرے پاس بیٹھے، مگر یہ تو میرے حسن کی آنچ سے موم بن جانے کی وجہ سے ڈرتا ہے۔" میں نے مغرور ہو کر سوچا۔
اور میری سوچ کو اس لمحے کرنٹ لگا جب وہ بیڈ کے دوسری جانب کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔
وہ انسان نہیں فرشتہ تھا۔۔۔ اور صبح تک مجھے یقین ہو گیا کہ میری شادی ایک فرشتے سے ہوئی ہے' اس نے اپنی کہی بات کا مان رکھا تھا' وہ میری طرف مائل بھی ہوا تھا۔ اور مجھے دیکھنے بھی لگا تھا۔ اور بے طلب ہی سہی۔۔۔ وہ فرشتے کا روپ چھوڑ کر انسان بھی بن جاتا تھا وہ میرے قریب آنے کے لیے کبھی دل سے خود کو راضی نہیں کر پاتا تھا۔ وہ خود کو کہیں رکھ کر مجھے چھوتا تھا۔۔۔ اور وقت نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ محبت چہروں سے نہیں ہوتی' وجود سے بھی نہیں ہوتی یہ روح اور دل کے کواڑ کھولتی ہے۔"
اس نے مجرموں کی طرح سر جھکا کر اعتراف کیا تھا، اتنا آہستہ کہ رات کے ساکن ماحول میں بھی وہ بمشکل سن سکا" زندگی کسی ڈگر پہ چل نکلی تھی۔ پر پتا نہیں وہ کیسا دن سورج کے ساتھ زبردستی دھرتی پہ اترا تھا۔
جیسے سورج نے اسے اپنی آغوش میں لیکن زمین پہ پٹخا تھا۔۔۔ وہ زرد چہرے کے ساتھ تمام دن بخار میں پھنکتا رہا اور میں اس کی پیشانی پہ ٹھنڈی پٹیاں رکھتی رہی، شام تک وہ کچھ سنبھل گیا تھا۔۔۔ اور وہ گہری شام میں کبھی بھول نہیں سکتی۔ اگربتیوں کی خوشبو سے حویلی بھر گئی تھی۔ فہیم بستر سے اٹھ کر ننگے پاؤں باہر کو لپکا۔۔۔ میں اس خوشبو کو کھڑکیاں دروازے کھول کر باہر بھگانے کی کوشش کرتی تھی اور فہیم اسے اپنے وجود سے لپٹانے کی۔۔۔ پھر میں زبردستی اسے بستر تک لائی۔
"میں یہ جنگ نہیں لڑ سکا۔ میں نے کوشش بھی نہیں کی۔ میں ایک کوشش تو کر سکتا تھا پھر مجھے کوئی ملال نہ ہوتا مگر تم جانتی ہو میں نے ایسا کیوں نہیں کیا۔" وہ جیسے اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھا تھا۔
کیونکہ لوگ کہتے تھے میری ماں نے گھر سے بھاگ کر شادی کی تھی۔ فہیم عاقل کا کوئی اگلا پچھلا نہیں تھا۔ یہ بے شناخت ہے' اس کی کوئی پہچان نہیں۔ وہ دیوانوں کی طرح اپنی ہی کہے جا رہا تھا۔ "مگر میں جانتا ہوں میری ماں کی بارات آئی تھی۔۔۔ وہ رخصت ہوئی تھی۔ میرے بابا نے مجھے گود میں اٹھایا ہوا تھا۔۔۔ ساتھ میرا' چچا اور تائے بھی تھے میں نے تصویریں سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں۔ میرے بابا کا گھر بھی تھا پھر انہوں نے مجھے اور امی کو بے دخل کر دیا تھا۔ انہوں نے ہمیں چھوڑ دیا۔ یہ دولت' یہ حویلی میرے کسی کام نہیں آسکی۔ میں تنہا رہ گیا۔ میں خالی ہاتھ رہ گیا۔۔۔ مجھے پہچان دے دیتے' یہ باقی کی دولت بھی لے جاتے۔"
میں کچھ سمجھ نہیں رہی تھی اس دیوانے کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ تنہا تھا۔ میں تو اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ خالی ہاتھ تھا۔ میں اس کے ہاتھ پکڑ کے بیٹھی تھی۔ وہ کون سا کام کرنا چاہتا تھا جو اس کی ساری دولت بے معنی تھی۔ اور وہ اپنی باقی دولت صرف پہچان کی عوض کیوں دینا چاہتا تھا۔
اس نے کہا تھا۔
"ایک بار۔۔۔ صرف ایک کوشش تو کرو۔۔۔ تو کیا میں ساتھ تصویریں لے جاتا۔"
میرے ذہن میں کئی بم پھوٹے' وہ کس کی بات کر رہا تھا میں نے اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔۔۔ میرے اس طرح دیکھنے پہ وہ چپ ہو گیا تھا۔ جیسے اس نے کچھ غلط بول دیا ہو۔
وہ خوشبو معدوم ہو گئی تھی فہیم کو بھی صبر سا آگیا۔۔۔ پتا نہیں وہ کیسی خوشبو تھی کہ اس کے بعد وہ مدہوش ہی رہا۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

وہ آہستہ آہستہ مجھ سے، ہر چیز سے غافل ہوتا گیا۔ کاش وہ سب جان سکتے کہ انہوں نے اس بچے سے کیا چھینا تھا۔ کیا ایسے لوگ یقین رکھتے ہیں کہ وہ تمام عمر جی سکیں گے؟" وہ دکھ سے بولی۔

وہ دونوں بوڑھ کے چوڑے تنے کے ساتھ جڑ کر بیٹھے تھے اور ان کے درمیان کچھ انچ کا فاصلہ برقرار تھا۔ یہ وہی تکون تھی جس سے اسے دن میں بھی ڈر لگتا تھا۔

"تو کیا اس نے بھی کسی جوگی کے ہاتھ کا پانی پی لیا تھا۔" جائی ٹھیک کہتی ہیں۔ بچوں والی عورت کو دوسری شادی ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔" اس کے لب سرسرائے تھے۔

"اور جس کے اولاد نہ ہو اس کو۔" حاشر نے رخ پھیر کر ملگجی سی چاندنی میں اس کا پژمردہ سا چہرہ دیکھا۔ وہ ابھی کوئی بھی جواب دینے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ حاشر نے ایک طویل سانس لے کر سر جھکا لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں یشان سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" امیر شہر نے پختہ لہجے اور اٹھے سر کے ساتھ حکم صادر کر دیا تھا۔ اب گردن کٹتی یا جان جاتی اس کا فیصلہ میدان جنگ میں اتر کر ہونا تھا۔ وہاں موجود تمام افراد انتہائی سکتے کے عالم میں تھے۔ کتنی ہی دیر بعد ماں کچھ بولنے کے قابل ہوئی تو ایک زخمی ناگن کی طرح پھنکاری تھیں۔

"تم۔۔۔ طرح دار کی بیوہ بہو سے شادی کرو گے مختار کل کے مالک حاشر وقار۔" دکھ کے مارے ان کی آواز پھٹ رہی تھی۔

"بیوہ سے شادی کرنا کوئی گناہ نہیں۔" اس کا اونچا لہجہ مزید پختہ ہوا۔ "ہمارے نبی کریم نے بھی پہلی شادی اور پھر بعد میں بھی پانچ شادیاں بیوہ عورتوں سے کی تھیں۔"

"مگر تم نبی نہیں ہو۔" وہ چیخ کر بولیں۔ "اور یہ سب کیا دھرا تیری پھوپی کا ہے۔ جس نے ہفتہ بھر سے اسے مہمان بنایا ہوا ہے۔ جب نندوں نے جوتے مار کے گھر سے نکال دیا تو یہاں پناہ دینے کی کیا ضرورت تھی۔" اس کی چچی نفیسہ نے بدلحاظی کی انتہا کرتے ہوئے چاروں طرف سے نند کو گھیرا۔

"چچی! آپ پلیز چپ کیجئے۔ میں نے سب کو فیصلہ سنانا تھا سنا دیا۔ اب آپ گھر تشریف لے جا سکتی ہیں۔" اس نے شائستگی سے مناسب لہجہ اختیار کیا۔

"ہمیں بھی کوئی شوق نہیں تمہارے گھر بیٹھنے کا۔ چلو آؤ۔" انہوں نے شوہر کی طرف دیکھا۔ کہ ابھی اور بے عزتی ہونا ہے۔ مگر وہ حواسوں میں کہاں تھے۔۔۔۔ پھر بھتیجے پہ ایک زخمی سی نظر ڈال کر بیوی کے ساتھ چل دیے۔

اب حاشر پورے کا پورا ماں کی طرف گھوما۔

"میں کہے دیتی ہوں اگر تم نے طرح دار کی بیوہ بہو سے شادی کی تو فوراً" زہر کھا کر جان دے دوں گی۔" وہ اپنی طرف سے بات ختم کر کے اٹھنے لگیں۔

"تو پھر ٹھیک ہے میں کبھی کسی اور سے شادی کروں گا۔ یہ بات آپ بھی بھول جائیے۔" وہ پتھریلی آواز میں کہہ کر بردباری سے اٹھا تھا۔

اس نے خاموش بیٹھے باپ کو مڑ کر دیکھا۔

"تو کیا چھپ کر شادی کرو گے؟" ماں کرنٹ کھا کر پلٹیں۔

"نہیں۔" ایک چٹان سی چٹخی تھی۔ "آپ یشان کو نہیں جانتیں، وہ نفرت بھی چھپ کر نہیں کرتی، شادی تو بہت دور کی بات ہے۔" وہ بڑا باوقار ہو کر بولا اور اسے بھی عزت و وقار کے دائرے میں لے آیا۔

"چھ ماہ ہو گئے کسی نے اس کے میکے سے جھانکا تک نہیں۔ تو اس کی شادی کون کرے گا۔" ماں استہزا ابھری ہنسی "اس لیے تجھے پھانس لیا۔ بڑی آئی عزت دار۔"

"امی پلیز، اور کچھ نہیں کہیں گی آپ۔" وہ ضبط سے لب کاٹتا ہوا بولا۔

"اتنے غیرت مند ہوتے تو بیٹی کو سسرال کی ٹھوکروں پہ نہیں رہنے دیتے۔ ساتھ لے جاتے، اور

URDU SOFT BOOKS DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کیا جھوٹی انا سچی محبت کو تباہ کر سکتی ہے؟

پاکستان کے خوبصورت شمالی علاقے میں فلم بند کی گئی میگا ڈرامہ سیریل "دستارانا" کی کہانی اور کردار آپ مدتوں فراموش نہیں کر سکیں گے۔ ڈرامے کی اہم کردار زیب انساء ایک سخت گیر جاگیردارن ہے۔ دولت طاقت اور رعب نے اس کی شخصیت کو ناقابل شکست بنا دیا ہے اس کی اجازت کے بغیر اس کی حویلی اور اسکی زمینوں میں پرندہ پر بھی نہیں مار سکتا۔ زیب انساء نے اپنی حسین وجمیل چہیتی پوتی ماہ نور کو سونے کے پنجرے میں قید کر رکھا ہے ماہ نور کو زندگی کی ہر آسائش حاصل ہے مگر اُسے اپنی مرضی سے گھر کے باہر قدم رکھنے کی بھی اجازت نہیں۔ زیب انساء کا سازشی بھتیجا ولید بیگ اپنے بیٹے عابد کی شادی ماہ نور سے کروا کے زیب انساء کی دولت اور اس کا منصب ہتھیا لینا چاہتا ہے۔ زیب انساء پہلے ایک خوشگوار شخصیت کی مالک تھی اپنی نوجوانی میں ایک بہت معصوم، خوبصورت اور نہایت سادہ لڑکی مگر جاگیردار سے شادی کے بعد اس کی زندگی اور شخصیت بھی بدل کر رہ گئی اور پھر ایک دن زیب انساء کو اپنے شوہر کا ایسا گھناؤنا راز پتہ چل گیا جس نے شبنم جیسی ٹھنڈی اور تر و تازہ زیب انساء کو ایک بھڑکتی آگ میں تبدیل کر دیا۔

زیب انساء کو دوسرا دھچکا اس وقت لگا جب اس کے اکلوتے بیٹے نے اس کی مرضی کے خلاف ایک معمولی گھرانے کی لڑکی سے شادی کر لی جو کسی بھی لحاظ سے زیب انساء کے لیے قابل قبول نہیں تھی۔ بہو اور بیٹے کو سبق سکھانے کے لیے زیب انساء نے ایک خوفناک سازش تیار کی جس کا نتیجہ بہت ہولناک نکلا۔

زیب انساء کے پر اسرار، مضبوط اور بلند و بالا محل کے در و دیوار اس وقت لرز اٹھے جب اس کے قلعے میں ایک نوجوان نے اچانک داخل ہو کر دراڑ ڈال دی اور زیب انساء کی سب سے قیمتی دولت یعنی اسکی لاڈلی پوتی ماہ نور کا دل ہی نہیں اُسے بھی لے اُڑا۔ زیب انساء کے غصے اور نفرت کا لاوا بھڑک اُٹھا۔

زیب انساء سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک لڑکا یوں اُسے چیلنج کر سکتا ہے اور ماہ نور اس سے بغاوت کر سکتی ہے اب شکاریوں اور وحشت زدہ فراریوں کے درمیان فنا اور بقاء کی زبردست جنگ شروع ہو جاتی ہے۔

زیب انساء کے پاس دولت ہے، طاقت ہے، وفادار اور خطرناک غلام ہیں جبکہ ماہ نور اور عدیل کے پاس صرف اور صرف ایک دوسرے کی محبت۔ اس لڑائی کا انجام کیا ہوگا؟

کیا ماہ نور اور عدیل زیب انساء کے جال میں پھنس جائینگے؟

کیا ولید اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جائے گا؟

کیا زیب انساء کے غرور اور طاقت کو شکست دی جا سکے گی؟

#TvOnePK

Friday **8:00**pm

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تمہاری پھوپی۔"

"آنٹی! آپ سیما آپا کو کچھ مت کہیے گا' میں آج شام جا رہی ہوں اور آپ کے بیٹے نے جو کچھ کہا ہے' ایسا کچھ نہیں ہونے والا' آپ بے فکر ہو جائیں۔"

اس نے حاشر کو شکوہ کناں نظروں سے دیکھا۔

وہ انیقہ بیگم کی دبی دبی آواز سے اندازہ لگا چکی تھی کہ موضوع گفتگو وہی ہے۔ وہ کسی کی زندگی میں بے عزت ہو کر داخل نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس نے زندگی پروٹوکول کے ساتھ گزاری تھی بلکہ ایں نے اب تک زندگی دیکھی تھی گزارنی تو اب تھی۔ حاشر نے مٹھیاں اور لب بھینچ کر بمشکل خود کو کچھ بھی کہنے سے روک رکھا تھا۔

✡ ✡ ✡

جو اللہ کے قریب ہوتے ہیں ان کے جانے کے بعد بھی ان کے ٹھکانے خنک اور پرسکون ہوتے ہیں بجھ سے فہیم کا گھر چھن گیا۔ یدد گار کے مسکن پہ تو کسی نے قبضہ نہیں کیا۔ وہ جانتی تھی کہ اب وہاں بھی لوٹ کر نہیں آنا' وہ جائی سے لپٹ کر بے تحاشا روئی تھی۔ ان کا دکھ مشترکہ تھا۔

میشان کی آنکھوں میں لالچ اترا..... اور ہونٹوں پہ اک پیاس نے چھب دکھائی' اس نے غور سے جائی کا چہرہ دیکھا جہاں حیا اور ایمان عروج کے بلند ترین درجے پہ تھے۔ اسے تسبیح کی مہک دیوانہ سا کرنے لگی۔ جنت اس کی رحمت سے مل سکتی تھی یا پھر نیک اعمال..... ذرا سی بھول چوک ذرا سی لغزش سے بھی اعمال تباہ۔

حیا کو اوڑھ کر نفس کو غلام کا درجہ دے کر خواہشات کو لگام دے کر اگر ایک بیوہ کو جنت مل سکتی تھی تو سودا اتنا مہنگا نہیں تھا۔ بیچاری بیوہ۔ آہ بے آسرا عورت' ہائے بیچاری بے سہارا۔ اور اتنی بڑی خوش خبری کہ تن کو مار دے من کو دیکھے۔

✡ ✡ ✡

بے رنگ سی شام اداس تھی۔ گاڑی لاہور کے راستوں پہ دوڑ رہی تھی۔

"تمہاری اپنی زندگی پہ تمہارا حق ہے۔ جو چاہو فیصلہ کرنا۔ میری آخری بات مان کر اکیلی مت جاؤ۔ تم جہاں جانا چاہو گی حاشر تمہیں چھوڑ آئے گا۔"

اور وہ ان کی آخری بات نہیں ٹال سکی تھی۔ سانس بھی اس قدر بے آواز تھی کہ محسوس کرنا پڑ رہا تھا۔ خاموشی نے بھی اپنے ہونٹوں پہ سختی سے ہاتھ جمایا ہوا تھا۔ حاشر کے کلون کی مدہم سی خوشبو خاموشی کی سانسوں میں بھی بسنے لگی تھی۔

"میشان!" وہ اس کا نام لے کر کچھ لمحوں کو خاموش ہوا۔

"اگر کبھی محبت کو ڈھونڈنے نکلو تو ہر موڑ پہ مجھے پاؤ گی۔" گاڑی میں اس کی افسردگی کے رنگ سمیٹے گمبھیر آواز گونجی تھی اور اس نے رخ پھیر کر میشان کا خاموش چہرہ دھیان اور تسلی سے دیکھا۔

"بس اتنا بتا دو کہ جب میں سال ڈیڑھ بعد واپس آؤں گا تو مجھے کہاں ملو گی۔" اس نے ایک دم گاڑی روک دی تھی۔

"میرے پیچھے خوار مت ہونا۔ حاشر وقار! میں وہ میشان نہیں ہوں جس کے لیے امیر شہر لاہور کی سڑکیں ناپتا تھا۔" اس کا لہجہ بڑا اجنبی سا تھا کسی ہارے ہوئے کی طرح۔ "میں اب ایک بیوہ عورت ہوں۔"

حاشر نے تڑپ کے اسے دیکھا تھا۔ "میں بس اتنا جانتا ہوں کہ تم میشان ہو' مجھے اجازت دو کہ میں تم سے رابطہ رکھ سکوں۔" وہ التجائیہ سا ہو کر بولا۔

"پلیز۔ میں تو ابھی خود سے بھی رابطہ نہیں کر پا رہی حاشر! جب خود سے ملوں گی تو بات بڑھے گی۔" وہ عجب سی بے خودی میں بولی۔

اب گاڑی میشان کے بتائے ہوئے راستوں پہ سفر کر رہی تھی۔ اور پھر اس کے اشارے پہ اک گھر کے سامنے رک گئی۔ حاشر نے اس گھر کو حیرت استعجاب سے دیکھا تھا۔ پرانے درختوں میں گھرا ایک بوسیدہ سا گھر تھا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف بھرپور الوداعی نظروں سے دیکھا میشان کے دستک دینے پہ ایک عمر رسیدہ شخص نے دروازہ کھولا تھا۔ وہ نظروں

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سے اوجھل ہوئی تو حاشر نے گاڑی آگے بڑھادی۔

☆ ☆ ☆

"یہ جملہ میں تمہارے منہ سے پانچ بار سن چکی ہوں کہ میرے صاحب کی بیٹی ہے' مگر ہمارے گھر کیوں آئی ہے۔" ڈرائیور کی بیوی نے بھی کوئی پانچویں بار شوہر سے پوچھا تھا۔

"صرف آج کی رات رہنا ہے اس نے۔ کل چلی جائے گی۔" اس نے بیوی کو غصے سے گھورا۔

"مگر اس پہ ایسی کیا آفت پڑی ہے' جو ہم غریبوں کے گھر رہنے آگئی۔"

معاملہ اس عورت سے ہضم نہیں ہو رہا تھا' ییشان جو واش روم جانے کی غرض سے باہر آئی تھی ان کی باتیں سن کر حق دق کھڑی تھی۔

یوں بھی ہوتا ہے۔ یوں بھی ہو سکتا تھا۔ وہ بھی میرے ساتھ۔ وہ آنسو صاف کرتی واش روم کی طرف بڑھی۔ اس نے منہ پہ پانی کے ٹھنڈے چھینٹے مارے۔ ابھی رات بھر اسے سوچنا تھا پھر کوئی فیصلہ کر کے سفر کرنا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کی تیسری دستک پہ دروازہ کھل گیا تھا۔

"کون ہے منی؟" ییشان نے وہ آواز پہچان لی تھی۔

"بے بے کوئی باجی آئی ہے۔" بچی بڑے اشتیاق سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تو پھر اسے آگے آنے دے۔ راستے میں کھڑی ہے۔" بے بے نے گھر کا۔ بچی فوراً" ایک طرف ہوئی۔

"میں صدقے' میں قربان۔" صدیقہ اسے پہچان کر بمشکل کمر پر ہاتھ رکھ کر اٹھیں۔

"ارے... ارے خالہ! بیٹھی رہیے۔" ییشان تیزی سے ان کی طرف آئی۔ چائے پینے کے دوران وہ اس سے چیدہ' چیدہ باتیں پوچھ چکی تھیں اور ییشان بھی جتنا بتانا تھا بتا چکی تھی۔

"خالہ! مجھے اس مدرسے میں رہنے کے لیے کمرہ دے دو۔ میں ہر ماہ کرایہ دوں گی اور باقی خرچا بھی۔"

صدیقہ نے اس کا روشن' پریشان چہرہ دکھ سے دیکھا۔

"ضیا... باجی کا سامان سب سے بڑے والے کمرے میں رکھ دو۔"

"میں جلد ہی کوئی کام ڈھونڈ لوں گی۔" ییشان نے آنکھوں میں آئے تشکر کے آنسو سر جھکا کر صاف کیے۔

خالہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر چپ ہو گئیں۔

"اچھا ٹھیک ہے' ابھی جا کر آرام کر۔" خالہ پھر سے بچیوں کو سبق یاد کروانے لگیں۔ تو ییشان منی کی معیت میں اپنے ٹھکانے کی طرف بڑھی۔

وہ کشادہ اور پرسکون کمرہ تھا۔ پلنگ پہ چادر بھی صاف ستھری تھی' لیٹتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔ وہ تمام رات کی جاگی ہوئی تھی۔

تین چار روز تک صدیقہ خاموشی سے اس کا جائزہ لیتی رہیں۔ ییشان اور آئمہ نے صدیقہ سے ہی قرآن پاک پڑھا تھا۔ وہ بہت نیک اور بامروت خاتون تھیں۔ کبھی ییشان کو ان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔

اس دن اس نے نہا کر ہلکا پیازی کلر کا سوٹ پہنا' اس کا گورا رنگ دمک رہا تھا۔

صدیقہ نے دہل کر اسے دیکھا پھر فارغ وقت میں موقع دیکھ کر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میری بچی تو خوب صورت ہے' جوان ہے' زندگی ایسے نہیں گزرے گی' میری مان کسی کا ہاتھ تھام لے۔ اپنا گھر دوبارہ آباد کر۔"

ییشان کی حیرت دیدنی تھی۔ سیما کی بھی گزر گئی۔ آپ کی بھی گزر گئی۔ میں کیوں نہیں گزار سکتی۔" وہ روہانسی سی ہو کر بولی۔

"بیٹا! ہمارے پاس اماں باوا کا ٹھکانہ تھا۔ سو گزر گئی۔" خالہ نے دکھ سے سر ہلایا۔

"تو میرے پاس بھی آپ کا ٹھکانہ ہے۔" وہ رسانیت

Monthly Shuaa May 2017
URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سے بولی۔"
"بیٹا برا مت ماننا مگر۔" وہ کچھ جھجکیں۔ "گلی محلے والے خصوصاً" مرد حضرات مجھ سے کئی دفعہ تمہارا پوچھ چکے ہیں میں نے جھڑک کے انہیں خاموش کروادیا۔ یہ دنیا بڑی ظالم ہے بیٹا! تیرا اپنا گھر ہے جب تک دل کرتا ہے۔ رہ مگر میری بات پہ سوچنا ضرور۔"

خالہ وضو کے لیے اٹھ گئیں تو وہ بھی اپنے کمرے میں آگئی' کروٹیں بدل' بدل کر اس کے پہلو تھک گئے تھے مگر کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔

اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ وہ سرعت سے اٹھی۔ زندگی کبھی بھی کسی کے لیے تمام دروازے بند نہیں کرتی۔ وہ تیزی سے اپنے اٹیچی کیس کی طرف آئی۔ اس نے تمام چیزوں کو الٹ پلٹ کر باہر پھینکا۔ اور سب سے نیچے پڑی ڈائری کو کسی قیمتی خزانے کی طرف دیکھا۔ اس نے ڈائری تکیے کے پاس رکھی اور تمام چیزیں دوبارہ اٹیچی میں بھر کر اٹیچی کو پلنگ کے نیچے کھسکا دیا۔ ڈائری ہاتھوں میں لینے کے بعد وہ کتنی دیر اسے گھورتی رہی۔ پہلا صفحہ کھولنے پر ڈائری سے ایک خوشبو سی اڑی تھی جو اس کے حواسوں پر چھانے لگی۔

☆ ☆ ☆

ایک مہینے کے اندر انہوں نے چار گھر چھوڑے تھے۔ اب یہ پانچواں گھر تھا جس کے دروازے پہ اس کی ماں دستک دے رہی تھی۔ سخت گرمی کے دن تھے دور نزدیک عصر کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ امامہ نے سوٹ کیس دائیں ہاتھ میں منتقل کیا۔ اس کا بایاں ہاتھ سن ہو چکا تھا۔ اس کے ہمراہ ایک پانچ برس کی بچی بھی تھی۔ جو اپنے منہ اور گردن سے بار' بار پسینہ پونچھ رہی تھی۔

"آ رہی ہوں۔ آ رہی ہوں۔"

کوئی عورت بولی تھی' دوسرے لمحے دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والی عورت نے حیرت و خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھا۔ پھر ایک طرف ہو کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

"آجاؤ' آجاؤ۔" کہتی وہ ان سے آگے' آگے تھی۔

امامہ اس عورت کے ساتھ برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھ گئی۔ چھت والا پنکھا چلا ہوا تھا' بچی کو تھوڑا سکون محسوس ہوا۔

"ماشاء اللہ بڑی ہو گئی ہے کیا نام ہے اس کا۔" اس عورت کی آنکھوں میں بچی کے لیے ہمدردی اور رحم کے جذبات تھے۔ "امہنہ' امہنہ ابرار۔" امامہ نے پورا نام بتایا۔ "شہزادی ہے شہزادی' ایسی کیا ضرورت تھی خدا کو ابرار کی۔ بچی بیچاری تو رل گئی۔ آہ" خالہ نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

"ایسا نہیں کہتے خالہ۔ رب عظیم کے ہر کام میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔" امامہ کو ان کی بات سن کر خوف محسوس ہوا تھا۔

خالہ اس کے لیے پانی وغیرہ لینے گئیں تو اس نے نگاہ چاروں طرف دوڑا کر گھر کا جائزہ لیا۔ تین یا چار مرلے کا گھر خاصا کشادہ لگ رہا تھا شاید سامان یا پھر افراد کی کمی کی وجہ سے۔

"اپنے دل پہ مت لینا امامہ! ویسے ایک بات پوچھ رہی ہوں۔ تم جوان ہو خوب صورت بھی ہو۔ تمہاری اولین ترجیح تمہارا میکا ہونا چاہیے تھا۔" خالہ نے اس کے خاصے بھاری اٹیچی کیس کو دیکھا۔ اور گلاس میں شربت ڈال کر اس کی طرف بڑھایا۔ وہ کتنی ہی دیر سر جھکائے بیٹھی رہی۔ امہنہ نے شربت ختم کر کے گلاس ٹرے میں رکھ دیا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ دل پہ مت لینا۔" خالہ نے اس کے ہاتھ میں گرم ہوتا شربت دیکھا۔

"حسنہ بھابی نے اپنے رنڈوے بھائی سے میرا نکاح کرنے میں ایک دن کی تاخیر بھی نہیں کرنی تھی۔ جس کے دو جوان ہوتے بیٹے بھی ہیں۔ اور پیچھے میکے میں بھی بھائیوں کے بیٹے ہی ہیں۔ خالہ' میری بیٹی نے رل جانا تھا۔ ایسی بہت سی کہانیاں دیکھیں اور پڑھی بھی ہیں۔ جہاں بچیاں سوتیلے باپ سے بھی محفوظ نہیں رہ پاتیں۔ میں نے اب زندگی اس کے لیے گزارنی

URDUSOFTBOOKS.COM

ہے۔"

اس نے گھونٹ گھونٹ گرم شربت حلق میں انڈیلتے ہوئے اپنے خدشات کا اظہار تفصیل سے کیا۔

"بچی تو صرف محرم رشتوں میں ہی محفوظ تھی۔" خالہ نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

"خالہ! میں نے بہت کوشش کی کہ امہنہ کو وہاں سے لے کر نہ نکلوں مگر انہوں نے حالات ہی ایسے پیدا کر دیے۔ ابرار کے چالیسویں پر بھری برادری میں دونوں بھائیوں نے اعلان کر دیا کہ ابرار کاروبار اور مکان سے اپنا حصہ وصول کر چکا تھا۔ وہ دبئی جا کر بزنس کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے تمام کاغذات پہ ابرار کے دستخط سب کو دکھا دیے تھے اور مجھ اکیلی کی بات پہ کسی نے بھی یقین نہیں کیا۔ میری جٹھانیوں نے بعد میں مجھ پہ الزام لگا دیا کہ تم اپنے حسن کے چنگل میں ہمارے شوہروں کو پھانسنا چاہتی ہو۔ میں تو اپنی بچی کی وجہ سے ان لوگوں کے برتن مانجھ کر بھی گزارا کر لیتی مگر وہ ٹھکانا نہ چھوڑتی۔ مگر خالہ۔"

وہ ایک دم چپ ہو گئی۔ پھر توقف سے بولی۔

"میرے جیٹھ بھی مجھے مفت کا مال سمجھنے لگے تھے۔" اس کے ٹوٹے لہجے میں آنسوؤں کی نمی گھل گئی تھی۔ خالہ نے بے ساختہ اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"چپ کرو امامہ۔ اللہ بھلا کرے گا۔"

"میں کوئی نہ کوئی کام ڈھونڈوں گی یا ٹیوشن سینٹر کھول لوں گی۔ بس مجھے محفوظ ٹھکانہ چاہیے۔"

خدیجہ نے اثبات میں سر ہلا تو دیا تھا مگر ان کے چہرے پہ سوچ کی لکیریں مٹ اور بن رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اور وہی ہوا جو اندیشہ خدیجہ کو ستا رہا تھا۔ سارا قصہ سنتے ہی کریم ہتھے سے اکھڑ گیا۔ "ہم نے ایدھی سینٹر نہیں کھول رکھا۔"

"کیا ہو گیا ہے آہستہ بولو۔" خدیجہ نے چارپائی پہ لیٹی ایک سالہ حبیبہ پہ ہاتھ رکھا۔ جو باپ کی آواز سن کر نیند میں بدکی تھی۔ "چند ماہ کی بات ہے پھر اس کا بھائی اپنے پاس دبئی بلا لے گا۔" فی الحال وہ اسے سچائی بتانے کی مرتکب نہیں ہو سکتی تھی۔ کریم اس کے میکے کی برادری کو زیادہ نہیں جانتا تھا۔ سو خدیجہ نے اسے یہی بتایا تھا کہ رشتے میں وہ اس کی بھانجی لگتی ہے۔ اکلوتا بھائی دبئی رہتا ہے۔ سسرال والوں نے گھر سے نکال دیا تو یہاں چند ماہ پناہ کی خاطر آئی ہے۔

کریم رات کو گھر آیا تھا۔ ایک اجنبی بچی صحن میں حبیبہ کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

"گھر میں کوئی مہمان آئے ہیں۔" کھانے میں گوشت کا سالن اور فیرنی دیکھ کر اس نے بیوی سے پوچھا۔

اس کے استفسار پر ہی خدیجہ نے جتنا مناسب سمجھا اتنی ہی آگاہی فراہم کی۔ اس نے ابھی بچی کی ماں کو نہیں دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے، یہ قیام چند ماہ سے زیادہ طویل نہیں ہونا چاہیے۔" اس کی نیم رضامندی پہ خدیجہ نے سکھ کا سانس لیتے ہوئے برتن اٹھائے تھے۔

اگر کریم رضامند نہ بھی ہوتا تو پھر بھی اپنی پناہ میں آئی امامہ ابرار کو خدیجہ کریم نے گھر سے نہیں نکالنا تھا۔ وہ خوف خدا رکھنے والی ایک خدا ترس عورت تھی۔

☆ ☆ ☆

رات کو صحن میں جلتے زرد بلب کی روشنی میں بچی کی شکل واضح نہیں دیکھ سکا تھا۔ پہلے تو اس نے کوئی گلی کی بچی سمجھی تھی۔ وہ حبیبہ کے سامنے بیٹھ کر اس کے منہ میں روٹی کے چھوٹے چھوٹے نوالے ڈال رہی تھی۔ کریم غسل خانے سے نہا کر نکلا تھا۔ اس نے ٹھٹک کر بچی کی شکل دیکھی۔ اللہ نے دودھ سے میدہ گوندھ کر اسے بنایا تھا۔ کریم آہستہ قدم اٹھاتا اس کے پاس آ کر رک گیا۔

بچی نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

اور اسے اپنی طرف گھورتے پا کر تھوڑا جز بز ہوگئی۔
"بیٹا آپ کا کیا نام ہے؟" اس کی گھبراہٹ محسوس کرکے کریم نے جلدی سے پوچھا۔
"امینہ۔" کچھ پل اسے دیکھتے رہنے کے بعد بچی نے نام بتانے کا فیصلہ جیسے مشکل سے کیا تھا۔ وہ پہلے جتنے گھروں میں گئی تھی وہاں سارے انکل اسے ایسے ہی دیکھتے تھے۔ بعد میں نام پوچھتے تھے پھر دوسرے یا تیسرے دن انہیں وہ گھر چھوڑنا پڑے تھے۔ نام بتا کر وہ بچی اپنے سابقہ مشغلے میں مصروف ہوگئی۔ وہ بھی تولیے سے بال رگڑ تا کچن کی طرف چلا آیا۔
"حبیبہ کی ماں! آج ناشتے کا ارادہ نہیں۔" دہلیز نے اس کے پیر پکڑ لیے تھے یا سامنے نظر آتے چہرے نے اس کی نگاہیں جکڑ لی تھیں۔ صبح کی تازگی کے تمام رنگ اس کے سپاٹ پتھریلے چہرے پہ موجود تھے۔
"خالو جی السلام علیکم!" امامہ نے اس کی پھٹی آنکھوں میں دیکھ کر اپنا اور اس کا رشتہ اسے جتا دیا تھا۔ وعلیکم السلام کہتے ہوئے اس نے حلق سے بمشکل کچھ نیچے اتارا تھا پھر بیوی کے ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے دیکھ کر الٹے قدموں مڑا۔
خدیجہ جانتی تھی کریم بدفطرت نہیں تھا اگر ایسا ہوتا تو وہ امامہ کو کبھی اپنے گھر رکھنے پہ آمادہ نہ ہوتی مگر پھر بھی احتیاطاً" برآمدے کے کونے والا چھوٹا کمرہ جس سے ملحقہ سیڑھیوں کے نیچے باتھ روم کا دروازہ اس کمرے میں کھلتا تھا اس میں پڑا کاٹھ کباڑ نکال کر اوپر والے اسٹور میں شفٹ کردیا اور وہ کمرا امامہ کے سپرد کردیا۔ باتھ روم کا صحن میں کھلنے والا دروازہ منتقل کردیا گیا۔ اور اندر سے مضبوط کنڈی لگا کر بھی چھوٹا سا تالا ڈال دیا۔
یہ سب کام کریم کی غیر موجودگی میں کیے گئے۔
"چھت والا اسٹور ان کے لیے ٹھیک تھا۔" "میں نہیں چاہتا کہ ہماری پرائیویٹ زندگی میں کوئی مداخلت کرے۔"
کریم نے محتاط لہجے میں اس کے کارنامے کی مخالفت کی۔
"اوپر سردی اور گرمی دونوں زیادہ ہوتی ہیں۔ دونوں ماں بیٹی اکیلی کیسے رہ پائیں گی۔" کریم کا دماغ بھک سے اڑا۔
"تمہارے لہجے سے تو لگ رہا ہے کہ وہ اب یہیں رہیں گی۔" کریم نے ماتھے پہ بل ڈال کر پوچھا۔
مگر خدیجہ کوئی بھی جواب دیے بنا کروٹ بدل گئی جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ اچھا ہو گا یا برا وقت گزر ہی جائے گا۔

☼ ☼ ☼

امینہ کو اس نے قریبی گورنمنٹ اسکول میں داخل کروادیا تھا۔ شام کو وہ محلے کے کچھ بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی تھی۔ گھر کے کام کاج میں خدیجہ کا ہاتھ بھی بٹاتی تھی اور ننھی حبیبہ کی تمام ذمہ داری امینہ اور امامہ نے اپنے سر لے رکھی تھی۔ امینہ اب مطمئن تھی کہ نہ تو رات کو ان کے دروازے پہ دستک ہوتی تھی۔ جس کے سبب وہ اپنی ماں کی گود میں دبکی اس کا زرد چہرہ خوف کے عالم میں دیکھتی تھی جب بھی اس کی آنکھ کھلتی ماں جائے نماز پہ بیٹھی ہوتی۔
وقت گزرنے لگا۔ سردیاں بھی آئیں اور پھر گرمیوں نے اپنے الگ ڈھنگ دکھلانے شروع کیے۔ کریم کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ دونوں اب کہیں نہیں جانے والی۔
"امامہ! تم سارا مہینہ کھپتی ہو اور مشکل سے ہزار ڈیڑھ کما پاتی ہو۔ فیکٹری میں کام کرنے کا سوچو تم پڑھی لکھی ہو۔ اچھا کما سکتی ہو۔"
کریم نے اپنی بات کہہ کر کن اکھیوں سے اس کے تاثرات جانچے۔ صاف دکھ رہا تھا کہ اسے کریم کا مشورہ پسند نہیں آیا۔
"گرمیوں کی چھٹیاں ہوں گی تو کافی بچے جمع ہو جائیں گے۔" وہ سبھاؤ سے جواب دے کر کمرے میں گھس گئی۔ اس کا اس قدر اطمینان دیکھ کر کریم بھڑک اٹھا۔
"کسی ٹھکانے کا کرایہ دینا پڑے تو دماغ ٹھکانے آجائے گا اس کا۔" وہ بیوی پہ چڑھ دوڑا۔ "ہر وقت

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ایک پنکھا چلتا ہے۔ بجلی کا بل بڑھ گیا ہے' پانی بھی زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ ہم نے مفت خوروں کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔ بس اب انہیں چلتا کرو۔"

وہ بت بنی خدیجہ پہ گرج برس رہا تھا۔ اور پھر جو وہ کرنا چاہتا تھا اس نے دوسرے دن ہی دھماکا کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"ٹھیکے دار نے امامہ کو اسکول آتے جاتے شاید دیکھا ہے شادی کرنا چاہتا ہے وہ۔"

خدیجہ کے سر پہ پہاڑ گرا تھا۔ کتنی ہی دیر تک وہ کچھ بول ہی نہیں سکی۔ کریم' ٹھیکیدار کا منشی تھا۔ حساب کتاب کر کے بھٹہ مزدوروں کو تنخواہ بھی دیتا تھا اور ٹھیکیدار کے الٹے سیدھے کام کر کے بھی خوب کماتا تھا۔

"اس اوباش ٹھیکے دار کا منہ کیوں نہیں توڑا تم نے۔" خدیجہ کے تو سر پہ لگی اور تلووں تک آ پہنچی تھی۔

"تو اس میں برائی کیا ہے؟" وہ اکڑ کر بولا۔

"تو اس میں اچھائی بھی نہیں ہے۔" خدیجہ بھی اس کے انداز میں گویا ہوئی۔ جانتی تھی کہ ٹھیکے دار کچھ ماہ اپنے پاس رکھے گا پھر طلاق دے کر آگے کہیں بیچ دے گا۔

"نکڑ والی بڑی کوٹھی میں اسے کام مل گیا ہے۔ ایک بوڑھی عورت کی تیمارداری کرنے کے علاوہ گھر کا دیگر کام بھی کرنا ہو گا۔ تنخواہ بھی اچھی ہو گی۔ دو وقت کی روٹی بھی ماں بیٹی عزت سے کھا سکیں گی۔"

خدیجہ شوہر کو بتا کر وہاں رکی نہیں تھی وہ جانتی تھی کہ کریم انہیں گھر سے نہیں نکال سکتا۔ کیوں یہ خدیجہ کے باپ نے بنوا کر دیا تھا اور خدیجہ کے ہی نام تھا مگر وہ کریم کی طرف سے ہوشیار ہو چکی تھی کیونکہ وہ پیسے کمانے کی لت سے مجبور تھا۔

☼ ☼ ☼

جہاں سے وہ نئی اسکیم کی کالونی شروع ہو رہی تھی۔ اس کے پہلے سرے پہ وہ ایک جدید طرز تعمیر کی کوٹھی تھی۔ اسکول سے امامہ کو لے کر وہ سیدھی ادھر آتی تھی۔ جتنی وہ کوٹھی باہر سے خوب صورت تھی اندر سے کہیں زیادہ آرائش و زیبائش سے مزین تھی۔

وہ بوڑھی عورت ایک نرم مزاج اور نرم خو عورت تھی۔

"اماں جی' کل کے بعد میں سویرے ہی آ جایا کروں گی۔ کیونکہ کل سے امامہ کی گرمیوں کی چھٹیاں ہو جائیں گی۔"

وہ بوڑھی اماں' جس نے اپنا نام جاشیہ بتایا تھا۔ امامہ کو دیکھ کر محبت اور نرمی سے مسکرائی۔

"بھئی امامہ! تمہاری بیٹی تو تم سے کہیں زیادہ خوب صورت ہے۔" اس نے امامہ کو اپنے ساتھ بیڈ پہ بٹھا لیا۔

چھٹیوں کے بعد وہ سویرے ہی امامہ کو اپنے ساتھ لے کر آ جاتی۔ اور مغرب سے کچھ دیر قبل ان دونوں کی واپسی ہوتی۔ امامہ چادر سے اپنا چہرہ ڈھک کر آتی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے مدرسے کے کافی کام اپنے ذمے لے لیے تھے۔ وہ بچیوں کو اردو بھی پڑھاتی تھی اور کچن کے کاموں میں بھی منی کی مدد کرتی تھی۔ یہاں آئے ہوئے اسے چھ ماہ سے زائد ہو گئے تھے۔ صدیقہ کا حکم تھا کہ اس مدرسے میں قرآن پاک اور اسلامی کتب کے علاوہ اور کچھ نہیں پڑھایا جاتا۔ سو اس کی ڈائری ایک بار پھر اٹیچی کے نچلے خانے میں بند ہو چکی تھی۔ دو تین دنوں سے صدیقہ خالہ کسی الجھن کا شکار تھیں گویا کوئی بات ان کے لب پہ آ کے ٹھہر جاتی۔

اس دن دروازے پہ وقفے وقفے سے دستک ہو رہی تھی۔ دروازہ کھولنا صرف منی کے ذمہ تھا۔

"ارے کوئی مانگنے والی ہے تو دے' دلا کر اسے بھگاؤ۔" خالہ نے منی کو گھورا۔

"ارے نہیں خالہ۔ پہلے دودھ دہی والا۔ پھر دکان والا۔ اور اب بجلی والا آیا تھا۔" منی کنڈی چڑھا کر ان

کے پاس آبیٹھی۔

خالہ کے ماتھے پہ تیوریاں چڑھیں 'پہلے تو یہ سب کبھی دروازے پر نہیں آتے تھے۔ میں ہی جا کر تمام حساب کتاب دے آتی تھی پھر اب۔" انہوں نے چونک کر ییشان کی طرف دیکھا۔ پھر دوسرے دن جب وہ وہاں سے رخصت ہو رہی تھی تو خالہ نے نظریں جھکا کر کہا تھا۔

"مجھے معاف کرنا بیٹی۔ میں بیوہ عورت اتنے سالوں سے مدرسہ چلا رہی ہوں۔ دور دراز کی بچیاں بھی یہاں حفظ کرتی ہیں۔ مگر اس درازے پہ کبھی مردوں نے دستک نہیں دی تھی۔"

اس نے ان کا شکریہ ادا کیا اور رکشے میں اپنا سامان رکھا۔ وہ اب اپنی سب سے اچھی دوست حمنیٰ کے پاس جا رہی تھی جو شہر کے پوش علاقے میں ایک پرائیویٹ اسکول چلا رہی تھی۔ وہ اسکول ٹائم میں گئی تھی جلد ہی وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"مگر یار تمہاری شادی تو کسی لینڈ لارڈ سے ہوئی تھی۔" حمنیٰ نے اپنے تراشیدہ بالوں کو ایک نزاکت سے جھٹکا دیا۔

"میرا کیس چل رہا ہے' جلد ہی میرا حصہ مجھے مل جائے گا فی الحال مجھے جاب اور رہائش کی ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے جاب تم میرے اسکول میں ہی کر سکتی ہو۔ اور رہائش کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد حمنیٰ نے اسے جیسے بہت بڑی خوش خبری سنائی تھی۔ اس کے پاس کچھ کیش تھا۔ زیورات بھی تھے اس کا کوئی اکاؤنٹ نہیں تھا۔ وہ اپنی دوست کو اپنے مالی حالات بتا کر خود کو ہلکا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"اور تم نے یہ چادر کب سے لینی شروع کر دی؟" اس نے اپنے حلیے پہ نظر ڈالی۔ لباس چونکہ صاف تھا مگر دھل' دھل کر اپنا اصلی رنگ کھو چکا تھا۔ حمنیٰ کی آنکھوں میں اس کے لیے استہزا تھا۔

"میری کسی بزرگ نے کہا تھا کہ بیوہ عورت کو بناؤ سنگھار نہیں کرنا چاہیے اور اپنا وجود ڈھانپ کر رکھنا چاہیے۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "اب میں وہ ییشان نہیں ہوں۔"

حمنیٰ پتا نہیں کیوں کوئی بھی بات کیے بنا چپ کر گئی۔

"اور تمہاری گاڑی؟" اس کو جیسے کچھ یاد آیا۔

"وہ میں نے بیچ دی۔" اف جھوٹ پہ جھوٹ۔ آخر میں اور کتنے جھوٹ بولوں گی وہ جیسے خود سے شرمندہ ہوئی۔

☆ ☆ ☆

ایک دو ہفتے حمنیٰ کے گھر رہنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے کرائے کے گھر میں شفٹ ہو گئی' جہاں سے اسکول بھی قریب تھا۔ زندگی میں جیسے ایک ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ اس نے اپنے لیے کچھ نئے سوٹ خریدے تھے اور پرانے کپڑوں میں سے جو بہتر تھے۔ وہ انہیں بھی استری کر کے رکھنا چاہتی تھی تب ہی اس کی نظر اٹیچی میں رکھی ڈائری پہ پڑی۔ کل اتوار تھا اس نے سوچا آج میں اسے ختم کر لوں گی۔

امہنہ کی زندگی میں بابا جیسا شاندار مرد آخر کیسے آیا تھا۔ اس تمام کہانی میں اسے یہ جاننے کا تجسس سب سے زیادہ تھا۔ اس نے کمرے کا لاک چیک کیا۔ بابا کے گھر وہ کبھی لاک لگا کر نہیں سوتی تھی۔ اس کے دل پہ کوئی بوجھ سا گرا۔ بابا آپ نے مجھے زندگی میں آنے کیوں دیا تھا۔ اگر مجھے اپنی زندگی سے بے دخل کرنا تھا۔ صوفہ کم بیڈ پہ لیٹ کر اس نے ڈائری اپنے زانو پر رکھی۔

☆ ☆ ☆

"اتنی مشکل زندگی کیوں گزار رہی ہو۔ امامہ۔" وہ ان کے پیروں کی مالش کر رہی تھی جب حاجیہ نے دوبارہ سوال کیا۔ تین ماہ پہلے بھی انہوں نے یہ سوال کیا تھا۔

"مشکل میں ہی آسانی ہوتی ہے جی!" وہ آہستہ سے بولی۔ وہ نماز کی پابند تھی۔ اور بہت کم گو تھی۔

"جس کا ہاتھ میں تھامتی وہ امہنہ کا ہاتھ نہیں تھام سکتا تھا اور اب میں نے جس کو سہارا بنایا ہے وہ امہنہ کا

URDUSOFTBOOKS.COM

سہارا ضرور بنے گا۔"

اس کے چمکتے' دمکتے پریقین لہجے پر جافیہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔ انہوں نے امامہ کو اندر تک پڑھ لیا تھا جس نے اپنے لیے مشکل راستہ چنا تھا۔

"پرسوں میرا نواسا آرہا ہے' اوپر والا کمرہ اچھی طرح صاف کرنا۔" جافیہ خاتون اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر پرجوش سی ہو کر بولیں۔

"اور آپ کی بیٹی؟" امامہ بھی خوش ہوئی۔

"میری بیٹی اب اس دنیا میں نہیں۔ مگر ہر سال جب برطانیہ میں سردیوں کی چھٹیاں ہوتی ہیں تو وہ مجھ سے ملنے آجاتا ہے۔" ان کا افسردہ لہجہ سن کر امامہ بھی دکھی سی ہو گئی۔

"امینہ کو بھی کمپنی مل جائے گی۔" جافیہ نے قالین پہ کھیلتی امینہ کو محبت پاش نظروں سے دیکھا۔ جو ٹوٹی پھوٹی چیزوں سے بطور کھلونے کھیل رہی تھی۔

امامہ اپنے تئیں سوچ بیٹھی تھی کہ جافیہ کا نواسا ایک مغرور بدتمیز اور نک چڑھا سا نوجوان ہو گا۔

مگر اس کی سوچوں کے برعکس وہ انتہائی تمیزدار سلجھا ہوا آٹھ سال کا بچہ تھا۔ اسے امامہ پسند آئی تھی۔ جس کا اس نے فوراً" اظہار بھی کیا۔ "آپ ہر بار بور ہوتے تھے تو دیکھ لو اس دفعہ میں نے تمہاری بوریت دور کرنے کے تمام انتظام کر رکھے ہیں۔" جافیہ نے امینہ کو پاس بلا کر اس کا تعارف مصطفیٰ سے کروایا۔ کیونکہ وہ دو دن ماں کے ساتھ نہیں آئی تھی' حبیبہ بیمار تھی جسے اب زیادہ تر امینہ ہی سنبھالتی تھی۔ مصطفیٰ نے اپنے سے چھوٹی' سہمی' سہمی سی بچی کو دلچسپی سے دیکھا۔ جو امید و بیم کی کیفیت میں کھڑی تھی کہ اتنے خوب صورت کپڑوں میں ملبوس صاف ستھرا بچہ اس سے دوستی کرے گا یا نہیں۔

مصطفیٰ نے مسکرا کر اس سے ہاتھ ملایا تو امینہ کے چہرے پہ بھی کھلی' کھلی سی مسکراہٹ ابھری۔

"نانو آپ نے اس کے لیے وہ تمام ڈولز منگوائی ہیں ناں۔" وہ پلٹ کر پوچھنے لگا تو نانو نے اثبات میں سرہلایا۔

مصطفیٰ کو واقعی ایک اچھی کمپنی مل گئی تھی۔ اس دفعہ اس کو اس کے پسندیدہ کھانے بھی مل رہے تھے اور کھیلنے کے لیے ساتھ بھی مل گیا تھا' اب وہ نانو کے کمرے میں صرف ان کے بلانے پر ہی آتا تھا۔

☆ ☆ ☆

"مجھے تو لگتا ہے تم نے اپنی بھانجی اس امیر بڑھیا کو سیل کر دی ہے۔" کریم سامنے شیشہ رکھ کر مونچھوں کو درست کر رہا تھا۔

"بلی کو چھیچھڑوں کے خواب ہی آئیں گے۔" خدیجہ بڑبڑائی۔ "اپنا کما کر کھا رہی ہے مفت کی روٹیاں نہیں توڑتی۔"

امینہ بظاہر حبیبہ سے کھیل رہی تھی مگر اس کا دھیان ان دونوں کی باتوں پہ لگا تھا۔

"بڑا اچھا ٹھسے کا رشتہ ہے ایک۔ اس سے کچھ ہمت دکھا کے بات کرتا۔" وہ قینچی رکھ کر خدیجہ کے پاس آیا۔ جو مشین پر جھکی حبیبہ اور امینہ کے کپڑے سی رہی تھی۔

"میری بات کو سمجھنے کی کوشش تو کر۔ ہماری اور ہماری بیٹی کے فائدے کی کرتا ہوں۔ پانچ لاکھ پر بھی وہ راضی ہے۔ بس تو امامہ کو کسی نہ کسی طرح راضی کرلے۔" وہ حد درجہ خوشامدی لہجے میں بولا۔ خدیجہ نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے زخمی شیرنی کی طرح دیکھا۔

"خدا کے قہر سے ڈر کریم۔ یتیم بچی کے سر سے ماں کا سہارا چھینے گا۔ ایک بیوہ کے دام کھرے کرے گا تو خدا کے سامنے کیا منہ لے کر جائے گا۔"

امینہ اب آٹھ سال کی تھی' وہ لوگوں کے رویے اور باتیں سمجھنے کی کوشش کرتی تھی۔ اسے اتنا علم تھا کہ گفتگو اس کی ماں کے بارے میں ہو رہی ہے۔

"تو صاف' صاف کہہ کہ تو میرا ساتھ نہیں دے گی۔" وہ غصے سے تلملا کر بولا۔

"ہاں نہیں دوں گی۔" وہ بھی اسی کے انداز میں گویا ہوئی۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"تو پھر ٹھیک ہے، جو مجھے۔ کرنا ہوگا کرلوں گا۔" یہ بات اس نے دل میں کہی تھی خدیجہ کے انکار نے دل میں آگ سی لگادی تھی۔

"بڑی پارسا بنی پھرتی ہے' جب یہ غرور ٹوٹے گا تو خود ہی سیدھی لائن پہ آجائے گی۔"

اس لمحے امینہ کو کریم کے چہرے سے خوف محسوس ہوا تھا۔ جتنا وہ سمجھ پائی تھی وہ ماں سے تنہائی میں ملتے ہی حرف بہ حرف بتاتی گئی۔ بیٹی کی باتیں سن کر امامہ کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس کے بعد وہ اس قدر محتاط ہوگئی تھی کہ خدیجہ کے ساتھ ہی گھر سے نکلتی' واپسی پہ جافیہ کا مالی اسے چھوڑنے آتا۔

اسے مسلسل کھانسی کی شکایت رہنے لگی۔ وہ احتیاط کرتی تھی مگر خوف زدہ نہیں تھی اس کا توکل مضبوط تھا۔ کریم کی ہر کوشش رائیگاں گئی' وقت گزرتا گیا۔ اب مصطفی کو پاکستان آنے کے لیے بانو کے علاوہ امامہ اور امینہ سے ملنے کی طلب بھی رہتی تھی۔

ایک دن امامہ' جافیہ کے گھر بے ہوش ہوگئی۔ جافیہ ڈرائیور کے ساتھ اسے اسپتال لے آئیں' امینہ بھی ساتھ تھی۔ امامہ کے پھیپھڑے ناکارہ ہوچکے تھے۔

"امینہ کو میں نے اللہ اور اس کے پیارے حبیب کی پناہ میں دیا۔" اس نے کلمہ پڑھنے سے پہلے یہ واحد اور آخری بات کی تھی۔ اس کی تدفین کا سارا انتظام بھی جافیہ نے ہی کیا تھا۔

امامہ کی موت کی صورت کریم منہ کے بل گرا تھا۔ اس کے تمام منصوبے چکنا چور ہوگئے تھے۔ کتنے ہی دن وہ باؤلوں کی طرح مارا مارا پھرا تھا۔ اسے اپنے ناکام ہونے کا دکھ تھا یا کوئی اور۔ دلوں کے بھید بس اللہ جانتا ہے۔" ڈائری نیچے گری تھی' ییشان نے نیند کے غلبے میں یہ آخری الفاظ بمشکل پڑھے تھے۔ امینہ' امامہ اور کریم وہ تمام رات انہیں خواب میں دیکھتی رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

"حمنیٰ! تمہارا شوہر ہر سال میں کتنے چکر لگاتا ہے۔" ایک دن یوں ہی اس نے باتوں میں تذکرہ کیا۔

"وہ جہاں رہتا ہے وہاں' بہت خوش ہے۔" حمنیٰ نے آزردگی سے کہا۔ "کیونکہ اسے وہ ماحول سوٹ کرتا ہے۔ خیر چھوڑو۔ تم بتاؤ اب آگے کیا ارادے ہیں۔" اس نے ییشان کے دلکش چہرے کو نظر بھر کے دیکھا۔

"یار میں لڑکی ہوکے تم پہ فدا ہونے لگتی ہوں۔ تو پھر سوچو مردوں کا کیا حال ہوتا ہوگا۔" حمنیٰ کا شرارتی لہجہ از حد شوخ تھا۔

"کبھی تھا یہ غرور۔ پھر یوں ٹوٹا کہ آئینہ ہی دیکھنا چھوڑ دیا۔" ییشان جیسے ماضی میں جھانک کر بولی تھی۔

"ایسا کون نظر کا اندھا تھا۔" حمنیٰ ذرا سا ہنسی۔

"ہاں نظر کا اندھا تھا' اسے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ وہ دل کی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ اور پتا نہیں کسے دیکھتا تھا۔" حمنیٰ اس کے بے خود سے انداز کو محویت سے تک رہی تھی۔ وہ ایک دم چونکی۔

"چھوڑو اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔"

"ان باتوں میں بہت کچھ ہے۔ میری مانو ییشان! کسی اچھے مخلص سے شخص سے شادی کرلو۔" اس کے دھیان کے پرندے کسی جانب اڑے تھے' کوئی چہرہ بھی یاد آیا۔ اب تک تو وہ پاکستان آچکا ہوگا تو پھر اس نے مجھے ڈھونڈنے کی کوشش بھی کی ہوگی۔

دل خوش گماں' ذرا ٹھہر جا
یہاں پل کا ساتھ بھی ہے کٹھن
جو ہے عشق تو
وہ زوال ہے
یہاں فاصلوں کو عروج ہے
دل خوش گماں ذرا ٹھہر جا
تیرا عشق وقت غرور ہے

وہ اب امیر شہر نہیں تھا۔ وہ غریب دل' غریب جاں اور غریب نظر تھا' دل بے حال۔ جاں۔ جاں گسل اور نظر جسے تلاشتی تھی۔ وہ چہرہ وقت شاخسار نے اپنی اوٹ میں لے رکھا تھا۔ اس نے اسے پاگلوں کی طرح ڈھونڈا تھا۔ اور ڈھونڈھ' ڈھونڈ کر پاگل ہوا تھا۔ وہ ہر اس ٹھکانے پر گیا' جہاں اس کا ملنا ممکن تھا۔ وہ ان

راستوں پہ گھنٹوں کا حساب کیے بنا ٹھہرا رہا۔ جہاں سے کبھی اس کا گزر ہوتا تھا۔

ڈرائیور جس کے گھر پہ جاشر نے ڈراپ کیا تھا۔

اس کے اس انکشاف پہ کہ بی بی۔

میرے ساتھ جہلم اپنے رشتے داروں کے ہاں جاتی تھی وہ اس شہر محبوب میں بھی دو ہفتے گزار آیا تھا۔ وہاں اب جو لوگ مقیم تھے انہوں نے بتایا تھا کہ وہ لوگ چند سال قبل یہ گھر بیچ کر دبئی شفٹ ہو چکے ہیں مگر یہ فہیم عاقل کی موت سے پہلے کی بات تھی۔

مگر وہ دبئی بھی نہیں گئی تھی تو پھر وہ کہاں تھی۔ دو سال کچھ زیادہ عرصہ تو نہیں ہوتا۔ وہ تھک ہار کر گھر واپس آیا تھا۔ نصیو کہتی تھی جبین زہرہ کے بعد یہاں سب کچھ بے آباد ہو گیا۔

"وہ کوئی ولی اللہ نہیں تھی۔"

اس کی بات سن کر انیقہ بیگم کا دل بھانبڑ کی طرح جل اٹھتا۔

"ولی اللہ سے کم نہیں تھی اپنے جھلے اللہ لوک چچا کی مریدنی تو تھی نہ کبھی وہ حسن آرا کی طرح ہار سنگھار کرتی تھی نہ ثوبیہ بی بی کی طرح خوشبو میں لگاتی تھی۔ چچا کو خوش کرنے کے لیے ننگے پاؤں چلتی تھی۔" اب کے انیقہ بیگم پتا نہیں کیا سوچ کر خاموش رہیں۔

ثوبیہ بھائی سے ملنے آئی ہوئی تھی۔ نصیو بھی اس کے سامنے ماضی کے قصے لے کے بیٹھ گئی۔ ثوبیہ کو جبین کا تذکرہ اچھا لگ رہا تھا اس نے شہر نامراد سے اڑنے والے پرندوں کی طرح ہجرت کی تھی۔ جو واپسی کا راستہ بھول جاتے ہیں "خواہش آباد کو اجاڑ کر دیوار دل پہ نئی بیلیں چڑھانا اتنا آسان نہیں ہوتا اب میں اس شہر کی ہوا کا سامنا کیسے کروں گی جس میں اس کی سانس کی خوشبو تک نہیں ہوگی گلاب کے کھیتوں سے وہ آہٹیں مفقود ہو چکی ہیں جن کی آواز میرے دل سے آتی تھی مجھے کبھی دوبارہ یہاں آنے کے لیے مت کہنا۔" جاجی کی موت پہ جب ثوبیہ نے اصرار کیا تھا تو مسقط میں مقیم جبین زہرہ نے ثوبیہ کو مزید بولنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

"اب پاکستان میری میت ہی آئے گی۔" ثوبیہ پر لرزا ساطاری ہوا۔

تب ہی شازیہ حسن آرا کا ایک سالہ بیٹا اٹھائے چلی آئی۔ انیقہ کے دل سے ہوک سی اٹھی تھی۔ جاشر کے جانے کے بعد نفیسہ بیگم نے ایک ماہ کے اندر بیٹی کی شادی کردی تھی۔ شازیہ نے اسے ہوا میں اچھالا۔

"ارے کم بخت گر جائے گا۔" نصیو نے ہول کر دیکھا۔ "جان بوجھ کر حسن آرا اپنا بیٹا ادھر بھیجتی ہے کہ دیکھ' میں تو شاد و آباد ہوں تیرا بیٹا ہی پتا نہیں کس کا سیاپا ڈال کے بیٹھا ہے۔" انیقہ بیگم کے دل میں جمع غبار زبان کی چمنی سے خوب نکلتا تھا۔

"اپنے جاشر میاں ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہتے۔۔۔۔ اس کا دل خوش کردیں۔ ایک دو سالوں میں وہ بھی بال بچوں والا ہو جائے گا۔" نصیو نے ہمت دکھا کر دل کی بات کہہ ڈالی تھی۔

"دنیا کو کیا منہ دکھاؤں گی نصیو! اکلوتے بیٹے نے طرح دار کی بہو سے شادی کرلی۔" وہ لٹی پٹی سی آواز میں بولیں۔

"وہ طرح دار کا پوتا یا پوتی ساتھ لے کر نہیں آئے گی۔" نصیو آج مالکن سے "دو' دو ہاتھ کرلینے کے موڈ میں تھی۔

"میں کہے دیتی ہوں نصیو! چپ کر جا۔ مجھے چاروں طرف سے گھیرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بیٹی بھی بھائی کی حمایت میں بولتی ہے اور شوہر تو پہلے ہی کہہ چکا ہے بیٹے کی ضد کے آگے ہار مان لو میں اسے بے وارث نہیں رہنے دوں گا۔" اور وہ شوہر کو سوچ کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

ماں کے بعد امینہ کے لیے دنیا جیسے خالی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس موقع پر خدیجہ نے اسے جذباتی سہارا دیا تھا۔ وہ پہلے سے بڑھ کر اس کا دھیان رکھتی تھی۔ جاخیہ کے کہنے پر خدیجہ نے اس کا کام بھی نہیں چھڑوایا تھا۔ سال بعد مصطفیٰ آیا تو مضمحل اور اداس امینہ اسے بے حد کمزور لگی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ انتہائی

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہی ہے۔ سولہ سالا نواسے کا امینہ کے آگے پیچھے پھرنا' کام میں اس کا ہاتھ بٹانا۔ اس کی دلجوئی کرنا اس کی نانو کو کوئی انوکھی کہانی نہیں لگ رہی تھی بلکہ ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر ان کی آنکھیں چمک اٹھتی تھیں۔

وہ امینہ کو پچھلے آٹھ سال سے کسی پرائیویٹ سکول کا کورس پڑھاتا آرہا تھا۔ امینہ کا لب و لہجہ' بے حد خوب صورت تھا اور مصطفیٰ اسے بولنے پہ اکساتا رہتا تھا۔ اس کی چھٹیوں کے دو ماہ پر لگا کر اڑتے تھے اس کے جانے کے بعد امینہ اداس رہتی تھی۔

جافیہ بہت کمزور ہوگئی تھیں امینہ اب رات کو بھی وہیں رکتی۔ ہر ماہ جافیہ کریم کو خاصی بھاری رقم دیتی تھیں اس سال پتا نہیں کیا ہوا مصطفیٰ چھٹیوں میں نہیں آیا تھا۔ اس کے پاپا کی طبیعت خراب تھی' وہ جب نانی کو فون کرتا تو امینہ سے بھی بات ہو جاتی تھی۔ اس سے اگلے سال مصطفیٰ کو ٹائیفائیڈ ہو گیا تھا۔ اس کے پاپا نے اسے پاکستان نہیں آنے دیا تھا۔ امینہ کی زندگی میں مصطفیٰ کی دوستی خوشیوں کی طرف کھلنے والا جھروکا تھی۔ جو اسے لگتا تھا کہ اب بند ہو چکا ہے مگر نانو اب بھی دن گن گن کے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔
چھٹیوں سے قبل ہی تمام گھر نئے سرے سے پینٹ کروایا گیا۔ فرنیچر سے لے کر ہر چیز کی ترتیب بدل دی گئی۔ چھٹیاں ہوئے بھی تین دن ہو گئے مگر وہ نہیں آیا تھا۔

وہ نانو کے کمرے میں سو رہی تھی۔ لاؤنج کے بھاری دروازے پہ ہلکے ہاتھ سے دستک ہوئی تھی۔ اس وقت امینہ بغیر دوپٹے کے ننگے پاؤں باہر آئی جو بھی ہے۔ چوکیدار نے دیکھ بھال کر بھیجا ہو گا پھر بھی احتیاطاً "کون؟" کہہ دیا۔ دروازے کے پار صرف ہاتھ نہیں دھڑکنیں بھی رکی تھیں۔

"میں!" جواب بھی یک لفظی تھا' دوسرے ہی پل دروازہ کھل گیا تھا۔ سوئی جاگی۔ امینہ کے لمبے شہد رنگ بال پشت پر اور سامنے بکھرے ہوئے تھے۔ مصطفیٰ اس پر سے نظر ہٹانا بھول چکا تھا۔ اس کی نگاہوں کے بدلے' بدلے رنگ محسوس کر کے وہ اندر کی جانب بھاگنے کو تھی کہ مصطفیٰ نے اس کا ارادہ بھانپ کر اس کی کلائی تھام لی۔

"کہاں تو میرے نہ آنے پہ ناراضی کا یہ عالم تھا کہ فون پہ بات بھی نہیں کرتی تھیں اب سامنے آگیا ہوں تو بھی بھاگنے کی تیاری۔" وہ شریر سا ہو کر بولا۔

"وہ میں۔ میرا دوپٹہ پتا نہیں۔" اس بار وہ اس کی آنکھوں سے **کنفیوز** ہو رہی تھی۔ اس نے فوراً کلائی چھوڑ دی مگر اس کے پیچھے ہی چلا آیا۔

"اب میرے لیے اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔"

"اتنی رات کو۔" وہ اس کی فرمائش پہ حیران ہوئی۔

"آرام سے نانو کے جاگنے تک باتیں کریں گے۔ صبح تو باقی لوگ بھی ہوں گے۔"

"تو ہماری کون سی خفیہ باتیں ہیں جو سب کے سامنے نہیں ہو سکتیں۔" وہ دوپٹہ درست کرتے ہوئے کچن کی طرف آئی۔

"خفیہ ہوں نہ ہوں' مگر۔" وہ ہنسا تھا پھر چند لمحوں کا وقفہ دے کر بولا "سب کے سامنے نہیں ہو سکتیں۔" اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وہ پلٹ کر دیکھ نہیں پائی۔

"مثلاً۔" اس نے کچھ نہ کچھ تو کہنا تھا۔

"میں نے تمہیں بہت یاد کیا۔" وہ ذرا سا رخ موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"میں یہ بھی جانتی ہوں۔" وہ ذرا سا پرے سرکی اور کپ اٹھا کر چولہے کے پاس رکھا۔

"اور مجھے لگا کہ اب دوستی اور نہیں چل سکے گی۔"

امینہ نے سرعت سے چہرہ گھما کر اسے دیکھا' اس کی ہرنی جیسی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئی تھیں' وہ چائے چھاننا بھول کر اس کے خوب صورت ترین نقوش دیکھنے لگی۔

"مجھے لگتا ہے۔" اس نے اس کا رخ اپنی طرف کیا "میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" ان الفاظ نے اسے فرش سے اٹھا کر اس دنیا کے سب سے شاندار سب سے قیمتی' بلند و بالا محل کی سب سے اونچی بالکونی میں

کھڑا کیا تھا۔ نمکین پانی آنکھوں کے کناروں تک پھیل گیا تھا۔

وہ بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی اور خود کو کمرے میں بند کرلیا۔ وہ سب سے نچلی سیڑھی پہ سر تھام کے بیٹھ گیا۔

اس کے دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ سردیوں کی گہری تاریک راتیں ابھی تو وہ پاپا کا اظہار محبت انجوائے کر رہی تھی۔ مگر اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ اگرچہ وہ اندر سے ڈر گئی تھی مگر مضبوط لہجے میں پوچھا۔

"کون ہے؟"

"میں آپ کا ہمسایہ ارقم زیدی.... گھر میں پانی ختم ہوگیا ہے تھوڑا سا دے دیں تو۔" اس کی سانس سینے میں اٹکی، ایک ہی گھر کو بیچ میں دیوار ڈال کر دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا تھا۔ صحن کی باڑھ بہ آسانی پھلانگی جا سکتی تھی وہ دروازہ کھول کر اسے پانی دے ہی دیتی اگر اس نے رات کو اس کی بیوی کو کہیں جاتے نہ دیکھا ہوتا۔

"پانی تو ہمارے گھر میں بھی ختم ہو چکا ہے۔" وہ ہونٹوں پہ زبان پھیر کر بولی۔ باہر سے آواز نہیں آئی۔ وہ ساکن سی کھڑی تھی، پانچ منٹ بعد پھر لاک گھمایا گیا۔ یہ اس کی نیت تھی جو میشان پہ عیاں ہوئی تھی۔ وہ دبے قدموں بیڈ روم کی طرف آئی۔ پھر پتا نہیں اسے کیا ہوا، وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ امامہ کو جنت مل گئی، جانی کو جنت مل گئی، مجھے کیوں نہیں مل سکتی، کیوں؟ وہ خود سے سوال کر رہی تھی، وہ اس معاشرے سے سوال کر رہی تھی۔ اس کے سوال کا کسی کے پاس جواب نہیں تھا۔

✡ ✡ ✡

"حاشر! یاد کرو آج سے ڈھائی سال پہلے جب تم واپس جا رہے تھے اور تم نے میشان سے شادی کی فرمائش کی تھی تو تم نے کہا تھا آپ میشان کو نہیں جانتیں وہ نفرت بھی چھپ کے نہیں کر سکتی۔ تم تو اس کی شادی کے فوراً بعد باہر چلے گئے تھے پھر تم اسے کیسے جانتے ہو؟"

آج انیقہ بیگم نے ماں بن کر اس سے سوال کیا تھا۔ ان سے اب بیٹے کی اداس حالت نہیں دیکھی جا رہی تھی۔ حاشر کبھی جانی کی گود میں اسی طرح سر رکھ کر لیٹا کرتا تھا اور جب جانی نے میشان کے بارے میں پوچھا تو اس نے ایسے ہی تڑپ کر سر اٹھایا تھا۔ تب وہ اسے کھو چکا تھا اور اب وہ اسے ڈھونڈ رہا تھا "میں اسے بہت پہلے سے جانتا تھا۔" ماں کے سامنے اعتراف کرتے ہوئے اس کا لہجہ ہی نہیں، آنکھیں بھی بھیگی تھیں۔

"ٹھیک ہے اسے بتا دو کہ ہم اسی ماہ میں شادی کرنا چاہتے ہیں۔" اس کے رضامند ہونے پر بھی حاشر کے چہرے پہ خوشی کے رنگ نہ اترتے دیکھ کر وہ چونکیں۔

"پتا نہیں وہ کہاں ہے، کس حال میں ہے، اس نے کبھی مجھ سے کوئی رابطہ نہیں رکھا۔" وہ اپنے ٹوٹے لہجے کو جوڑنے کی کوششوں میں ناکام ہو رہا تھا اور انیقہ اپنے خوبرو جوان بیٹے کا چہرہ دل گرفتی سے دیکھنے لگیں۔

✡ ✡ ✡

دوسرے دن اس نے حمنیٰ کے سامنے تمام باتیں کھول کے رکھ دیں۔

"جب تک اس کی بیوی واپس گھر نہیں آجاتی، پلیز تب تک مجھے یہیں رہنے دو۔" اس کی حالت کے پیش نظر حمنیٰ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"لیکن صرف چند روز کیونکہ پھر میرا شوہر آجائے گا۔ مگر میشان ایسا کب تک چلے گا۔ اس لیے کہتی ہوں میری بات مان لو.... ایک دو رشتے میری نظر میں ہیں۔"

"نہیں حمنیٰ! ایسا نہیں ہو سکتا.... اگر قدرت نے میری قسمت میں مرد کا ساتھ ایک بار نہیں رکھا تو دوسری بار بھی نہیں۔" حمنیٰ اس پہ ایک سپاٹ نظر ڈال کر وہاں سے اٹھ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی سہیلی ناراض ہو کر اٹھی ہے مگر اب اس کا دل یہ بندھن کسی سے بھی باندھنے کو نہیں کرتا تھا۔ وہ صبح اٹھی تو گھر میں

معمول سے ہٹ کر چہل پہل تھی۔ حمنیٰ کے بچے بھی خوب چہک رہے تھے۔ ایک مرد کو بے تکلفی سے کچن ٹیبل پہ ناشتہ کرتے دیکھ کر وہ سمجھ گئی تھی کہ حمنیٰ کا شوہر واپس آچکا ہے اُسے کچن کے دروازے پہ ایستادہ دیکھ کر حمنیٰ نے اس کا تعارف کروایا۔

"آذر! یہ میری بہترین دوست ہے یشان۔" وہ مبہوت سا اُسے تک رہا تھا ایک دم کھل کر ہنسا۔

"ارے بھئی حمنیٰ! رک کیوں گئیں، سارا مضمون سناؤ، میری بیسٹ فرینڈ اور آگے شروع ہو جاؤ۔"

اس کی بات پہ وہ دونوں بھی جھینپ کر ہنس دیں۔ یشان کو آذر کچھ اچھا نہیں لگا تھا، جتنی دیر یشان وہاں رکی، وہ بس اسے ہی بہانے بہانے سے دیکھتا رہا، وہ اسکول سے سیدھی اپنے گھر چلی گئی، جب تنہا زندگی گزارنے کی ہمت کرلی ہے تو ہمت کا مظاہرہ دکھانا پڑے گا۔ وہ جلد از جلد ڈائری پڑھنا چاہتی تھی۔ گھر کے باقی کاموں سے فارغ ہو کر وہ چھت پہ چلی آئی۔ شکر ہے ارقم زیدی کی بیوی واپس آچکی تھی۔ سردیوں کا مختصر دن اختتام پذیر ہوا۔ وہ عشا کی نماز پڑھ کر بستر میں دبکی اور سائیڈ ٹیبل سے ڈائری اٹھائی۔

صبح جاثیہ کی آنکھ کھلی تو وہ مصطفیٰ کو اپنے پہلو میں لیٹا دیکھ کر فرط مسرت سے کانپ اٹھیں وہ بے سدھ سو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد امینہ نے ان کے کمرے میں جھانک کر دیکھا پھر دبے پاؤں چلتی ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں لاؤنج میں لے آئی۔ کافی لیٹ آیا تھا ان کے پوچھے بنا ہی امینہ نے بتا دیا۔ وہ دونوں ناشتہ کر چکی تھیں اور دوپہر کے کھانے کے پکانے کا سوچ رہی تھیں جب وہ آنکھیں ملتا نانی کے ساتھ بیٹھ گیا پھر ان کے نحیف سے وجود کو اپنی باہوں میں بھر لیا۔

"ہٹو پرے، مجھ سے بات مت کرو۔" وہ مصنوعی خفگی جتا کر بولیں۔

"سامان تو ابھی باہر ہی پڑا ہوگا، مجھے واپس جانا چاہیے یہاں تو ہر کوئی مجھ سے ناراض ہے۔" وہ ان کے پہلو سے اٹھا۔ نانی نے فوراً "ہاتھ پکڑ کے اپنے ساتھ لگالیا۔

"امینہ! کیوں بھئی آتے ہی میرے لاڈلے کو ناراض کردیا۔"

"نہیں نانو! میں تو۔" وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"نانی! یہ کتنی لمبی ہوگئی ہے اور یہ تمام مینرز بھی بھول چکی ہے کہ مہمانوں کو کس طرح ڈیل کیا جاتا ہے۔ بس ذرا سی چائے کی فرمائش کیا کردی ناراض ہو کر کمرے میں بند ہوگئی۔"

امینہ نے اس کے صاف جھوٹ پہ تیزی سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"نہیں نانو اس نے چائے کی فرمائش نہیں کی تھی یہ۔" مصطفیٰ کے متبسم چہرے کے ساتھ آنکھیں بھی شرارت کے رنگ بھر کر اسے دیکھ رہی تھیں وہ پلکیں جھکا کر رہ گئی۔

"ہاں، ہاں بتاؤ۔"

"صاحب جی آپ کا سامان برآمدے میں ہی پڑا تھا۔" چوکیدار کی مداخلت سے امینہ کی جان میں جان آئی۔ یونہی لڑتے جھگڑتے ہنستے مسکراتے اس کی چھٹیاں ختم ہوگئی تھیں، ایک بار وہ پھر انہیں اداس کر کے جا چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

سردیاں عروج پر تھیں۔ جاثیہ کا بخار کبھی اتر جاتا کبھی دوبارہ ہو جاتا۔ امینہ رات کو ان کے پاؤں دبا رہی تھی اور جاثیہ اس کا چمکتا چہرہ غور سے دیکھ رہی تھیں۔

"امینہ! تمہیں پتا ہے تم امامہ سے زیادہ پرکشش اور خوب صورت ہو، تمہاری آواز جادوئی اثر رکھتی ہے۔ تمہیں اس بات کی خبر ہونی چاہیے۔ تمہاری ماں نے اچھا کیا دوسری شادی نہیں کی۔" وہ رکیں پھر قدرے توقف کے بعد بولیں۔

"امینہ اب تم اٹھارہ سال کی ہو چکی ہو۔ میری باتیں تمہاری سمجھ میں آسکتی ہیں۔

میری بات توجہ سے سنو۔ خدا نہ کرے کہ تمہارا نصیب ماں جیسا ہو، خدا کرے ماں کی تمام دعائیں تمہارا مقدر سنوار دیں۔ مگر ایک بات یاد رکھنا۔

اگر تم پر ماں جیسا وقت آئے تو زندگی تنہا مت گزارنا، کسی کو اپنی زندگی میں شامل کرلینا۔ میکہ یا سسرال مضبوط ہو تو عورت شوہر کے بعد بھی عزت سے زندگی گزار سکتی ہے۔"

امینہ بت بنی گنگ سی بیٹھی ان کی گفتگو دھیان سے سن رہی تھی۔

"میں تمہیں بتاؤں وہ راستہ کیا ہے۔" اس پل جاثیہ کی آنکھیں چمکی تھیں۔ "وہ ہمارے نبی کریم کی شریعت کا راستہ ہے۔" یہ کہتے ہوئے ان کا لہجہ دھیما ہوا تھا "جس میں بیوہ کے جلد نکاح کا حکم ہے۔ اور میں تمہیں بتاؤں امینہ یہ راستہ میں نے چنا تھا میرے دیور نے بھی مجھے گھر سے نکال دیا تھا۔ میری تو اولاد بھی نہیں تھی، پھر میں نے ماموں کے گھر پناہ لی اور میرے ماموں نے ہی میرے لیے رشتہ تلاش کیا۔ میں نے اپنے اللہ کے حکم پہ سر جھکا دیا اور میرا بھروسا ٹوٹا نہیں تھا، یہ سب دولت، جائیداد، کوٹھی عیش و آرام مجھے دوسرا نکاح کرنے کے بعد ملا، اللہ نے بیٹی بھی دی اور نواسے کی نعمت سے بھی نوازا۔ اللہ کی شریعت پہ چلنے والے کبھی گھاٹے میں نہیں رہتے۔ جہاں تک کریم کی شہرت میں نے سنی ہے، وہ اتنا اچھا آدمی نہیں ہے، پتا نہیں میری زندگی کتنی ہے مگر اس پہ کبھی بھروسا مت کرنا۔ اب تم سو جاؤ نیند تمہاری آنکھوں میں بھری ہوئی ہے۔" انہوں نے گفتگو سمیٹ کر اپنے پیچھے سے تکیہ کھسکا دیا۔ امینہ نے لحاف ان کی گردن تک پھیلایا کمرے میں ہیٹر بھی چل رہا تھا۔ تمام رات وہ نانو کی باتوں کو ٹوٹتی نیند میں بھی سوچتی رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

ٹھیک ایک ماہ بعد انہیں نمونیہ ہوا جو ——— جان لیوا ثابت ہوا۔ اسی شام مصطفیٰ آگیا اور وہ ٹھیک طرح سے اس کا غم بھی نہیں بانٹ سکی تھی۔ دو دن بعد وہ چلا بھی گیا۔ وہ امینہ سے شکوہ بھی نہیں کرسکتا تھا، وہ اکیلے گھر میں اب اس کے ساتھ ایک دن بھی نہیں گزار سکتی تھی۔ وہ ساڑھے اٹھارہ سال کی عمر میں

خدیجہ کریم کے گھر واپس آگئی۔ اسے دیکھ کر کریم کی آنکھیں خیرہ ہوئی تھیں۔ امینہ کالج میں پڑھتی تھی، اس کا ماہانہ خرچ مصطفیٰ بھیجتا تھا۔ اسی عمر میں اس کے رشتے دور و نزدیک سے آنے شروع ہوچکے تھے مگر کریم ان میں کوئی نہ کوئی عیب نکال کر رد کردیتا۔ امینہ کو وہ کسی سیٹھ کے ہاتھ بیچنا چاہتا تھا اور اس کے لائے ہوئے رشتے خدیجہ رد کردیتی تھی۔ اسے خدشات ستاتے تھے کہ امینہ کی اچھی شکل و صورت کو لوگ کمائی کا ذریعہ نہ بنالیں۔

ان گرمیوں کی چھٹیوں میں مصطفیٰ نہیں آیا تھا وہ اگلے سال پاکستان میں بھی اپنا کاروبار شروع کرنا چاہتا تھا حبیبہ اور امینہ کی آپس میں خوب بنتی تھی۔ آج کل گھر میں کریم اور خدیجہ کی لڑائیاں آئے دن امینہ کی وجہ سے ہی ہوتی تھیں۔ ایک دن وہ کالج سے نکلی تو اس پہ شادیٔ مرگ جیسی کیفیت طاری تھی۔ سامنے مصطفیٰ گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

"میں تو ڈر گئی تھی کہ پتا نہیں تم آؤ گے بھی یا مجھے انتظار ہی کرواتے رہو گے۔" وہ اس کی نظروں میں لحظہ بھر کو بھی نہیں دیکھ سکی۔

اس دن امینہ کو احساس ہوا تھا کہ اس کی آنکھیں دھواں دیتی تھیں، کم از کم وہ اب ان میں نہیں جھانک سکتی تھی۔

"شکر ہے تم نے کہا انتظار کرواتے رہو گے۔" وہ ایک طویل سانس لے کر بولا "اگر کہہ دیتیں۔ چھوڑ دو گے تو میں نے تمہاری بے اعتباری پہ گاڑی کسی دیوار پہ دے مارنی تھی۔"

اور وہ بس مسکراتی رہی۔

"میں تمہارے لیے کافی کچھ لایا ہوں۔ کل آنا۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں کس طرح آسکتی ہوں، خالو باقاعدہ میری نگرانی کرتے ہیں۔" مصطفیٰ کی کشادہ پیشانی پہ کئی بل پڑے۔

"وہ کون سا سارا دن گھر ہوتا ہے حبیبہ کے ساتھ آجانا۔"

"اور خالہ کو کیا کہوں گی؟" اس نے یکدم بریک لگائے تھے پھر اس کی طرف گھوما۔ وہ اسے ہمیشہ استحقاق بھری نظروں سے دیکھتا تھا۔

"کبھی میری غیر موجودگی میں یہ بھی سوچا ہے کہ مصطفیٰ کو کیا کہوں گی۔" چبھتا ہوا ٹھہرا مگر دھیما لہجہ۔ وہ ہونقوں کی طرح اسے دیکھنے لگی۔

"اگر تم کل نہ آئیں تو دو سال بعد آؤں گا۔" مغرور ہو کر کہا گیا۔

"مت آنا۔ مجھے پتا ہے وہاں لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔"

مصطفیٰ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"خوب صورت لڑکیاں دیکھتا ہوں۔ اچھی بھی لگتی ہیں مگر محبت کسی سے نہیں کرتا۔" وہ اسے نظروں کی زد میں لے کر بولا۔

"اچھا بابا... مت آنا' ناراض مت ہوا کرو۔ میں کاروبار پاکستان میں بھی شفٹ کر رہا ہوں' مطلب ایک آفس یہاں بھی ہو گا۔ آتا جاتا رہوں گا تب تک تمہاری ایجوکیشن بھی مکمل ہو جائے گی پھر میں تمہاری پسند سے گھر بنواؤں گا۔" بے گھر بے ٹھکانہ امامہ کی بیٹی کسی کے لیے اتنی خاص ہو سکتی تھی۔ کوئی اسے اس قدر خاص سمجھتا تھا تو گویا اللہ امامہ پہ مہربان تھا۔

وہ گھر آئی تو کریم جیسے اس کا منتظر تھا۔

✡ ✡ ✡

"پوچھو اس سے کہ یہ اس بڑھیا کے نواسے کے ساتھ گاڑی میں کیوں گھوم رہی تھی۔" امینہ کے پیروں تلے زمین کھسکی تھی۔

"امینہ! تم اندر جاؤ۔" خدیجہ نے کریم کی بات ان سنی کر کے کہا۔

"اب اس کی شادی کر دو۔ اور اپنی بیٹی کا بھی سوچو' کبھی حساب کتاب رکھا ہے کہ مہینے میں اس کے کتنے رشتے آتے ہیں۔ اور حبیبہ کے۔"

"ابھی وہ بچی ہے۔" خدیجہ نے نظر چرائی تھی۔

"اس کے ہوتے ہوئے کوئی تیری بیٹی کی طرف نہیں دیکھے گا۔" وہ آج جیسے پھٹ پڑا تھا۔ اور امینہ اپنے کپکپاتے ہاتھوں کو دیکھے جا رہی تھی۔ "اپنی بیٹی کے کپڑوں جوتوں پہ بھی دھیان دیا کرو اور اپنی چہیتی سے پوچھنا' یہ اتنے اچھے کپڑے جوتے کہاں سے لیتی ہے۔ بس میں نے کہہ دیا ہے اب جو رشتہ میں لے کر آؤں گا وہیں اس کی شادی ہو گی' مجھے تو سارے ہی چور اچکے' ڈاکو لگتے ہیں جو اسے بیچ کھائیں گے۔ ایسا کر اسے دیوار میں چنوا دے۔ اور ہاں اسے اچھی طرح سمجھا دینا۔ آئندہ میں اسے اس لڑکے کے ساتھ نہ دیکھوں۔"

وہ پیر پٹختا باہر چلا گیا۔ امینہ نے اپنے سینے میں کب کی رکی سانس بحال کی تھی۔

✡ ✡ ✡

چھ ماہ بعد پھر مصطفیٰ اس کے کالج کے سامنے کھڑا تھا اور وہ خود کو اس کی گاڑی میں بیٹھنے سے روک نہیں سکی تھی' وہ بیٹھ تو گئی تھی مگر بے حد پریشان تھی۔ مصطفیٰ نے اس کی یہ حالت بھانپ لی تھی۔

"امینہ! تمہارا رنگ اتنا زرد کیوں ہو رہا ہے۔" وہ ازحد پریشان ہوا۔

"کک... کچھ نہیں بس خالو نے منع کیا تھا۔"

"اس نے کیوں منع کیا ہے؟" مصطفیٰ نے اسٹیئرنگ پہ زور سے مکا مارا۔

"کیا مطلب کیوں۔" وہ تپ کر بولی۔ "اس کے گھر میں رہتی ہوں۔ اس کی ذمہ داری ہوں۔"

"اب زیادہ عرصہ تمہیں وہاں نہیں رہنا پڑے گا۔"

"اسی سال کے اندر میرا آفس سیٹ ہو جائے گا پھر ہم شادی کر لیں گے۔"

امینہ کے رخساروں پہ سرخی دوڑ گئی' مصطفیٰ کو یہ منظر ہمیشہ بھاتا تھا جیسے سفید کاغذ پہ کسی نے رنگ گرا دیا ہو۔

"کتنے دن رہو گے؟" وہ اس کے دیکھنے کے انداز سے جز بز ہو کر بولی۔

URDUSOFTBOOKS.COM DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

"جب تک تم کہو گی۔" وہ بھی برجستگی سے بولا۔
"پھر مت جاؤ۔" اس نے حکم دے دیا۔
"نہیں جاؤں گا۔" اس نے سر جھکا دیا پھر ایک دم ہی وہ دونوں ہنسنے لگے۔
اور دوسرے پل ہی ان کی ہنسی کو بریک لگے تھے ان کی گاڑی کے عین سامنے کریم کھڑا تھا وہ اسے چوک پہ اتارنے آیا تھا۔ مصطفیٰ نے دیکھا امینہ کا سفید چہرہ بالکل پھیکا پڑ رہا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر آیا۔
"کیوں صاحب، کیا ارادے ہیں؟" کریم کا انداز عجیب لوفرانہ تھا۔
"کیا مطلب؟" مصطفیٰ کا دماغ گھوما۔
"مطلب مفت کا مال ہاتھ لگ گیا ہے۔" اس نے ایک الٹے ہاتھ کا جھانپڑ رسید کیا۔ کریم سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اسے مار سکتا ہے۔ "تم امینہ کے لیے اتنی گندی زبان کیسے بول سکتے ہو۔ تم اس کے باپ برابر ہو۔" وہ آواز نیچی رکھ کے دھاڑا تھا۔
"اس لیے کہہ رہا ہوں لڑکی سے دور رہو۔ میرے گھر میں رہتی ہے۔ میری ذمہ داری ہے یوں اسے کوئی سڑکوں پہ لیے گھومتا رہے، یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔"
"کوئی اور کیوں، صرف میں۔" وہ کریم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بول رہا تھا۔ "امینہ مصطفیٰ کے سوا ایک پل کو بھی کسی کی ہم سفر نہیں بن سکتی۔" اس کے پتھریلے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ کریم کو ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈک دوڑتی محسوس ہوئی۔
"تم کون ہوتے ہو یہ فیصلہ کرنے والے۔" دل میں کریم نے اسے ایک بڑی سی گالی سے نوازا۔ پھر وہ گھوم کے اگلی نشست کی طرف آیا۔ امینہ برف کے تودے میں ڈھل چکی تھی کاٹو تو بدن میں لہو نہیں کے مترادف۔ اس نے دروازہ کھولا۔
"پریشان مت ہونا۔ میں شام کو آکر تمہاری خالہ سے بات کروں گا۔" مصطفیٰ نے اس کے یخ ٹھنڈے ہاتھ کو ذرا سا چھوا۔ امینہ چھوٹے، چھوٹے قدم اٹھاتی گھر کی طرف چل دی۔

☆ ☆ ☆

وعدے کے مطابق وہ شام کو آیا تھا اور اس نے دونوں میاں بیوی سے امینہ کا ہاتھ مانگا۔ خدیجہ تو چہرے سے ہی نیم رضامند لگ رہی تھی۔
"ہم کل تک سوچ کر بتائیں گے۔" کریم نے جھٹ سے جواب دیا۔
"آپ جتنا مرضی سوچ لیں انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔" اس کے چہرے پہ ناگواری کی لکیریں ابھریں۔ اس نے صحن میں چہار سو نظر دوڑائی کمرہ نہیں تھی۔ وہ ست مگر مضبوط قدموں سے چلتا گھر سے باہر جا چکا تھا۔
"یہ لڑکا اس طرح بات کرتا ہے جیسے لڑکی اس کے باپ کی جاگیر ہے۔" کریم نے اسٹیل کے جگ کو زور دار ٹھوکر سے اڑایا۔ خدیجہ اس کے اس شدید ردعمل کو سمجھ نہیں سکی۔
دوسرے دن کریم ان کے گھر پہنچ گیا مصطفیٰ نے اسے باعزت طریقے سے بٹھایا۔ اس کی خاطرمدارات میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔
"مجھے یہ رشتہ منظور ہے مگر۔ میں جہاں اس کا رشتہ پہلے کرنا چاہتا تھا وہ لوگ مجھے جہیز اور دیگر اخراجات کے لیے پچیس لاکھ دے رہے تھے۔ اب بچی خالی ہاتھ تو نہیں بیاہی جا سکتی۔" وہ کان کھجا کر بولا۔ مصطفیٰ نے اس کی بات تحمل سے سنی۔
"چیک یا کیش؟" بس تین لفظ بولنے۔
"کیش صاحب، میں ان پڑھ بندہ چیک کہاں لیے پھروں گا۔"
"ٹھیک ہے، دو تین ماہ کے اندر رقم تمہیں مل جائے گی۔" اتنا کہہ کر وہ بنا اسے دیکھے کمرے میں چلا گیا تھا۔
کریم کی سچ مچ لاٹری نکل آئی تھی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک بے سہارا بچی اسے لکھ پتی بنا سکتی ہے۔

☆ ☆ ☆

"مصطفیٰ! قریبی فیکٹری میں کام کرنے والا ایک لڑکا روز میرا پیچھا کرتا ہے۔ اسے ذرا باعزت طریقے سے سمجھا دینا۔" امینہ آج حبیبہ کے ساتھ گھر آئی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ کل واپس جا رہا تھا۔ "میں اس کی جان نکال لوں گا اور تم کہہ رہی ہو باعزت طریقے سے بات کرنا۔" اسے امینہ پہ بھی شدید غصہ آیا۔

"زیادہ عزرائیل بننے کی ضرورت نہیں۔" امینہ ہلکے پھلکے لہجے میں کہہ کر ہنسنے لگی۔ "ذرا فاصلہ رکھ کر میرے پیچھے رہنا۔"

"یہ بیچ سے ذرا فاصلہ کبھی کم نہ کرنا۔" اس نے امینہ کی جانب جھک کر سرگوشی کی۔ وہ محض سرہلا کر رہ گئی۔

مصطفیٰ نے اسے دیکھ لیا اور پھر پتا نہیں کون سی زبان میں سمجھایا کہ اس کے بعد امینہ نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔

ایک سکون نے ان کے گھر بھی آنا جانا شروع کر دیا تھا کہ ایک سرد دوپہر کو خدیجہ ایکسیڈنٹ میں موقع پر ہلاک ہو گئی۔ اس دن امینہ کو لگا تھا کہ وہ آج یتیم ہوئی ہے، حبیبہ کو سہارا دینے کی خاطر اس نے اپنا دکھ چھپا لیا تھا۔ کچھ دن گم صم رہنے کے بعد کریم پہلے کی طرح بھلا چنگا ہو گیا تھا اسے ان ہی دنوں تمام رقم کیش کی صورت مل گئی تھی اور اس کے شاطر ذہن نے کئی منصوبے بنانے شروع کر دیے۔ اب اس کے راستے کا کانٹا خدیجہ بھی نہیں تھی اب وہ کھل کے کھیل سکتا تھا۔ اس نے ایک نوجوان کے ساتھ مل کر کھیل رچانے کا فیصلہ کیا۔

☆ ☆ ☆

وہ سردیوں کی ایک پرہول شام تھی، چرند، پرند انسان اپنے اپنے گھروں میں گرم لحافوں میں دبکے ہوئے تھے۔ اس ایک ماہ کے اندر اس نے سارا انتظام کر لیا تھا۔ دو دن بعد اس کی دبئی کی فلائٹ تھی۔ اسے مصطفیٰ کا تھپڑ یاد تھا۔ اسے مصطفیٰ کا لہجہ بھی نہیں بھولا تھا۔

"سالی فقیر کی بیٹی محلوں میں رہے گی۔" اس نے امینہ کو غلیظ گالیاں دیں۔ "اسے امامہ کی اکڑ بھی نہیں بھولتی تھی وہ حسد میں مبتلا ہو چکا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ امینہ اس قدر عیش و آرام کی زندگی گزارے۔ اس نے اسے تباہ کرنے کا پورا منصوبہ بنا لیا۔ اس کی چھوٹی سی بیٹھک میں تین گواہ ایک قاضی اور ایک دولہا پھولوں کے ہاروں سے لدا پھندا تھا۔

"امینہ میرے علاوہ کسی کی ہم سفر نہیں ہو سکتی۔"

ایک بیتی دوپہر کا جملہ اس کے کانوں میں گونجا، پیسے بھی گئے اور لڑکی بھی گئی "خدا کی شان دیکھو برتن مانجھنے والی، محلوں کی رانی بننے کے خواب دیکھ رہی ہے۔" آج مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے چپکی ہوئی تھی۔

"حبیبہ، امینہ آجاؤ۔"

ان دونوں کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے، علم تو کریم کو بھی نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ وہ دونوں اندر کا منظر دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ نوجوان پہ نظر پڑتے ہی امینہ کا رنگ فق ہوا۔

"بچی آ گئی ہے قاضی صاحب! نکاح شروع کیجیے۔" اس نے امینہ کا بازو دبوچ کر اسے گھسیٹا پھر مولوی کے پہلو میں بٹھایا، وہ لب بھینچ کر نفی میں سرہلانے لگی۔

"اگر ابھی نہیں مانے گی تو پھر اس کے بجائے تیرا نکاح مجھ سے ہو گا۔ بہتر یہی ہے کہ مان جا۔" وہ حلق پھاڑ کے چیخا۔

دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی۔

"شہباز! دروازہ کھولنا مٹھائی والا ہو گا۔" اس نے گواہان میں سے ایک کو مخاطب کر کے کہا۔

دروازہ کھلنے پر جو شخص اندر آیا اسے دیکھ کر کریم کا چہرہ تاریک ہوا۔ اور اسے دیکھ کر امینہ کی سانس بحال ہوئی ایک منٹ لگا تھا اسے تمام صورت حال سمجھنے میں۔ مولوی اور کریم کے چنگل میں بیٹھی امینہ کو دیکھ کر ایک درد اس کے سینے میں اٹھا تھا۔ وہ خوں آشام آنکھوں سے کریم کو دیکھنے لگا۔ دوسرے پل وہ ہار پہنے لڑکے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس سے اگلے پل اس نے اس کے چہرے پہ پوری قوت سے تھپڑ مارا تھا۔

"کہا تھا امینہ کا پیچھا مت کرنا۔ اور تم یہ کیا کرنے جا رہے تھے۔" دکھ سے اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اس نے اچانک اپنی بھاری جیکٹ سے پسٹل نکالا۔
"نن... نہیں مصطفیٰ! تم مجھے معاف کردو۔"
"میرے پاس ریٹرن ٹکٹ بھی ہے میں ایک گھنٹے بعد واپس چلا جاؤں گا۔" مجھ پہ کوئی بھی شک نہیں کر سکتا۔ اگر زندگی چاہتے ہو تو جیسا میں کہوں کرتے جاؤ۔" اس نے پسٹل کریم کی کنپٹی پہ رکھا۔
"مولوی سے کہو حبیبہ کا نکاح اس لڑکے سے پڑھائے۔"
بند کمرے میں اس کا سرد سفاک لہجہ گونج کی مانند ابھرا۔ امینہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس کے لب پھڑپھڑا کر رہ گئے۔
"میں ایسا نہیں کر سکتا۔" کریم منمنایا۔
"میں صرف تین تک گنوں گا، اگر یہ امینہ کے قابل تھا تو تمہاری بیٹی کے کیوں نہیں۔" پسٹل کا کونا اس کی کنپٹی پہ پڑا۔
"ایک۔ دو کے بعد میں وقفہ نہیں دوں گا۔" اس کے چہرے پہ پتھریلی فیصلہ کن کیفیت تھی۔ "مولوی! نکاح پڑھاؤ۔"
اگلے پانچ منٹ کے بعد حبیبہ زوجہ محمد باقر بن چکی تھی۔
"اب ہمارا نکاح پڑھائیے۔" وہ امینہ کے پہلو سے جڑ کے بیٹھا۔ امینہ نے چہرہ موڑ کر ایک خواب کے عالم میں اسے دیکھا، اتنی مشکل صورت حال میں بھی وہ ذرا سا مسکرایا۔
پھر ان دونوں کا نکاح بھی ہو گیا۔ اس نے میز پہ ہزار، ہزار کے کئی نوٹ رکھے۔
"کل سارے محلے میں مٹھائی بانٹنا کہ رات میں دونوں بچیوں کے فرض سے سبکدوش ہو چکا ہوں۔"
وہ امینہ کا سرد ہاتھ مضبوطی سے تھام کر بنا پیچھے دیکھے باہر نکل آیا تھا۔ امینہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ مڑ کر حبیبہ کا چہرہ دیکھتی۔ وہ اسے لاہور لے آیا تھا۔ امینہ اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہوتی رہی، وہ وقفے وقفے سے کہتا۔
"میرا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ میں آنے کے بعد سیدھا کریم کے گھر گیا۔ میں تمہارے ہاتھ کی بنی چائے پینا چاہتا تھا۔" وہ اس کے ہاتھ چوم کر کہتا۔ "اگر میں نہ پہنچ پاتا تو... اس اگر میں پھنس کر وہ تمام رات آنسو بہاتا رہا۔ میں کریم کی فطرت سے واقف تھا، اس لیے بھاری رقم دے کر میں نے ایک بندہ اس کے پیچھے لگا رکھا تھا، مجھے ڈر تھا کہ وہ تمہیں لے کر کہیں روپوش نہ ہو جائے۔" جو رقم امینہ کے عوض کریم نے وصول کی تھی۔ وہ اس کا ذکر گول کر گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے محل نما گھر پہ اور شوہر کے دل پہ حکومت کرتی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے شہزادیوں سے بڑھ کر آسائشات دے رکھی تھیں مگر اس کی نگاہوں سے اٹھارہ سالہ حبیبہ کا چہرہ نہیں ہٹتا تھا جس کی آنکھوں نے ابھی ایک خواب بھی نہیں بنا تھا کہ وہ حقیقت کی تلخ بھٹی میں جھونک دی گئی۔ وہ اس کے خواب میں آکر روتی تھی۔ اس کی نیند ٹوٹنے پر مصطفیٰ بھی تمام رات جاگتا تھا۔
ڈیڑھ سال بعد اس نے اپنی ایک دوست سے، جو اسی گلی میں رہتی تھی حبیبہ کا حال احوال پوچھا تھا۔ اس کی دوست نے دوسرے دن پیغام دیا تھا کہ حبیبہ اس سے ایک بار ملنے کی منت ہاتھ جوڑ کر کر رہی ہے۔ اس کا پیغام سن کر امینہ تڑپ اٹھی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے گلی کے نکڑ پہ اتارا اور خود گاڑی میں بیٹھا رہا۔ حبیبہ کی حالت دیکھ کر اس کا دل خون روتا رہا۔ وہ اب دو جڑواں بچیوں کی ماں تھی اور کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہی تھی۔ ان کے گھر بمشکل تین وقت کی روٹی پکتی تھی۔ اس کا شوہر اپنی کمائی یار دوستوں پہ لٹا دیتا مگر بیوی کے ہاتھ پہ پھوٹی کوڑی نہیں رکھتا۔
"ان بچیوں کو کہاں سے دودھ پلاؤں، تمام دن بھوک سے بلکتی ہیں۔ میں صرف ایک کو ہی دودھ پلا سکتی ہوں۔ امینہ میری ایک بیٹی تم لے جاؤ ورنہ وہ

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بھوک سے مرجائے گی۔" وہ اچانک ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"ایک کا پیٹ بھرتی ہوں دوسری کو بھوکا رہنا پڑتا ہے۔ اگر ابا یہ گھر مجھے نہ دیتے تو میرا کیا بنتا۔" یہ بے چاری بے قصور ماری گئی۔ امینہ کی آنکھیں بھل بھل بہہ رہی تھیں۔ اس کے پاس جتنے پیسے تھے ہم اس نے حبیبہ کو تھمائے۔

وہ خدیجہ خالہ جیسی تھی شاید ان سے بھی خوب صورت۔ امینہ نے بچی کو اٹھالیا۔

"اور تمہارا شوہر؟" اس نے رک کر حبیبہ سے پوچھا۔ "اس کا ردعمل کیا ہوگا۔"

"میں تو ایک حادثے کی صورت اس پہ مسلط کردی گئی تھی اسے مجھ سے اور اپنی بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں۔" اسے گرمیوں کا وہ طویل دن یاد آیا جب امامہ ابرار اپنی بے سہارا یتیم بچی کو لے کر اس گھر میں آئی تھی۔ اور خدا ترس خدیجہ ان کے لیے ایک گھنی چھاؤں ثابت ہوئی۔ "حبیبہ! میں راشدہ سے پوچھتی رہوں گی کسی چیز کی جب بھی ضرورت ہو بلا جھجک مانگ لینا۔" بچھڑتے لمحے وہ دونوں ٹوٹ کر روئی تھیں۔ جیسے ان کی رخصتی آج ہوئی ہو۔

✲ ✲ ✲

انہیں گھر واپس آئے پانچ گھنٹے ہو چکے تھے۔ وہ خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا۔ تمام راستے امینہ وقفے وقفے سے بچی کو دیکھ دیکھ کر روتی رہی۔ اور وہ لب سختی سے بھینچ کر گاڑی چلاتا رہا وہ اسے گھر اتار کر کہیں چلا گیا تھا۔ وہ بھی قریبی مارکیٹ سے بچی کی کچھ ضروری چیزیں لے آئی۔ اس کی واپسی خاصی تاخیر سے ہوئی اور وہ لاؤنج میں رکے بنا سیدھا بیڈ روم میں چلا گیا۔ جب سے وہ اس کی زندگی میں آیا تھا۔ وہ پہلی مرتبہ اسے یوں نظر انداز کر رہا تھا۔ اس نے بچی کو مالی کی بیوی کے سپرد کیا اور کمرے میں چلی آئی۔ وہ چت لیٹا تھا اور اس نے بازو آنکھوں پہ دھرا ہوا تھا۔ اس کے پاؤں کا انگوٹھا اضطراری کیفیت میں ہل رہا تھا۔ وہ دوسری طرف سے آکر بیڈ پہ نیم دراز ہوئی۔۔۔ چند لمحے وہ اسے دیکھتی رہی

پھر اس نے بات کرنے کے لیے ہمت مجتمع کی۔۔۔ کیونکہ اس کا خفا سا انداز اسے اندر سے ڈرا بھی رہا تھا۔

"مصطفیٰ!" اس نے اس کے بازو پہ اپنا ہاتھ رکھا۔ کمرے میں امینہ کی مترنم آواز نے سکوت کو توڑا۔

"آپ پہلے میری بات تو سنیں پھر جتنی چاہے مجھے سنا لیجئے گا۔" ادھر ہنوز خاموشی کا عالم تھا۔ "میں نے بچی نہیں مانگی تھی۔ بلکہ حبیبہ نے مجھ سے منت کی تھی کہ یہ بھوک سے مرجائے گی میں انکار نہیں کر سکی۔" اس نے بات کو آگے بڑھایا۔ "مجھے اپنا وقت یاد آگیا ہم خدیجہ خالہ کے احسان نہیں اتار سکتے۔" میں انکار کرکے اپنی ماں کی روح کو شرمندہ نہیں کر سکتی تھی۔ امامہ کی یتیم بے سہارا بیٹی کو مصطفیٰ جیسا سہارا مل گیا تو خدیجہ کی نواسی کو امینہ جیسا سہارا کیوں نہیں مل سکتا۔"

اس شخص کے ساکن وجود نے بے چین سی حرکت کی۔

"امامہ اور اس کی بیٹی چار گھروں سے نکالی گئی تھیں۔" اس نے ایک جھٹکے سے بازو آنکھوں سے ہٹایا۔ "پانچواں گھر خدیجہ کا تھا جس کا چہرہ ہم آس بھری آنکھوں سے تک رہے تھے۔" مصطفیٰ کو کسی نے ابلتے پانی میں دھکا دیا۔ "اس نے ہماری آس کو زندہ رکھا تھا تو بتاؤ مجھے میں اس عورت کی بیٹی کو انکار کیسے کر سکتی تھی۔"

وہ گھٹنے موڑ کر اس کے پہلو میں بیٹھی تھی اس کا گھٹنا مصطفیٰ کی دائیں پسلی میں چبھ رہا تھا۔

"میں ہمیشہ دعا مانگوں گی کہ حبیبہ کی بیٹی کا نصیب بھی امامہ ابرار کی بیٹی جیسا ہو۔"

اتنا مان اتنا یقین بھرا لہجہ پسلی سے پھسل کر چبھن دل میں گڑی تھی وہ امینہ کا کرب اس کے وجود سے نکال کر کہیں پھینک دینے کے لیے اٹھا۔۔۔ اس نے وارفتگی سے امینہ کے دونوں ہاتھوں کو چوما پھر ان پہ اپنی پیشانی ٹکا دی۔ عشق در محبوب پہ سر بسجود تھا وہ اس لمحے دنیا کے سب سے بلند و بالا خوب صورت محل کی سب

سے اوپر والی بالکونی پہ سر اٹھا کر کھڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

ڈائری کے آخری صفحات بھیگے ہوئے تھے۔

"ماما! آپ تو خدیجہ کو بھی مات دے گئیں۔" اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر بتر تھا۔ "میں یشان مصطفیٰ جب سے آنکھ کھولی زندگی کو اپنے ارد گرد پورے قد کے ساتھ دیکھا، کبھی کمی بیشی دیکھی ہی نہیں تھی۔ میں زمین پر اترا کر پاؤں رکھتی تھی' اپنا خوب صورت چہرہ اور دلکش سراپا' مجھے مجھ سے محبت مانگنے والوں کے خالی کشکول بھی مڑ کر نہیں دیکھنے دیتا تھا' جب دل کسی کے کشکول میں سکے ڈالنے پہ آمادہ ہوا تو وقت میرا ہاتھ پکڑ کر اس کے پاس لے آیا۔ جس کی آنکھوں نے مجھے ہمیشہ بے کشش ہونے کے پیغام بھیجے۔ مقدر نے مجھے لمیمنہ بنا دیا تھا' جہاں ہر شے میرے حکم کی غلام تھی۔ میرا غرور دو کوڑی کا بھی نہیں تھا۔ پھر بھی میں یشان ہی تھی امیمنہ نہیں۔ میں امیمنہ کیسے بن سکتی تھی کیونکہ وہ مصطفیٰ نہیں تھا جس کا وجود امیمنہ کے گرد طواف کرتا تھا' ہاں وقت نے مجھے لمیمنہ بنا دیا' یہ بھی میری بھول تھی۔ لمیمنہ جس امتحان میں بیٹھی تھی وہ پاس ہو گئی تھی اور میں ہر پرچے میں فیل ہو رہی تھی۔ مجھے وہ پگڈنڈی نہیں مل رہی تھی جو مجھے بڑے راستے کی لے جاتی۔ ماما نے کیوں کہا تھا۔ اس میں صرف محبت اور نفرت نہیں روشنی بھی ہے۔"

اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا' ایک گھنٹی زور سے بجی' میرا پورا وجود چندھیا گیا۔ بیوہ عورت کے پاس ایک اور بھی روشن راستہ ہے' وہ کسی روشنی کے ہالے میں اتری اور وہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ بے خبری میں اس یشان کے پاؤں زمین پر نہیں لگتے تھے جسے ایک مجبور ماں نے بھوک سے ڈر کر اپنی چھاتی سے ہٹا کر کسی کے سپرد کر دیا تھا جو مہنگے جوتے کی ٹک ٹک سے زمین پہ غرور سے چلتی تھی۔ اسے مددگار یاد آیا جسے پھٹے پرانے جوتے پسند تھے اتنے تکبر پہ میرے پیروں سے زمین سرکی نہیں نکل گئی تھی۔ میں خالی ہاتھ خالی دامن رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"سر! ایک بیوہ خود کو ستر پردوں میں چھپا کر رکھتی ہے پھر بھی اس کے جذبات کے بارے میں لوگ مشکوک کیوں رہتے ہیں۔"

اس کی سماعت میں زوردار چھناکا ہوا جیسے بہت قریب کئی من کا کانچ ایک ہی جھٹکے سے ٹوٹا ہو' وہ اپنی کرسی دھکیل کر سرعت سے اٹھا اس نے کھڑکی کے ادھ کھلے پٹ سے جھانکا بلاشبہ وہ یشان تھی۔

وہ آج ایک مشہور دینی اسکالر سے کچھ نکتے پوچھنے آئی تھی وہ قطرہ نہیں تھی جو پھسل کر رخسار تک آ جاتا وہ لمحہ بھی نہیں تھی جو گزر جاتا مگر وہ اسے ایسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے اس عالم دوست سے ملنے آیا تھا۔

"اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ بیوہ کے نکاح میں جلدی کرو' بال بچوں والی کا گزارا ہو جاتا ہے' وہ اس کا سہارا ہوتے ہیں مگر اکیلی عورت۔" سر عبداللہ خاموش ہوئے۔

"مگر لوگ انہیں اپنانے سے ہچکچاتے ہیں" آئی مین عورتیں اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے لیے ایک کنواری لڑکی کا ہی انتخاب کرتی ہیں اس لیے وہ اسے مشکل مرحلہ تصور کر کے میدان چھوڑ دیتی ہے۔"

"مگر اس دفعہ ایسا نہیں ہوگا یشان!" وہ زیر لب یقین کامل کے ساتھ بولا تھا۔

☆ ☆ ☆

ابھی گھر پہنچ کر اس نے چادر اتاری ہی تھی کہ دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی' اس کے دوپٹہ لینے تک گھنٹی چیخی۔ آنے والا انگلی اٹھانا بھول گیا غصے میں اس نے پوچھے بنا ہی دروازہ کھول دیا۔

جے میں ساون بھادو ہوندی تے اوناں اکھیاں وچ میں ہو سدی بن برساتاں۔

(اگر میں ساون بھادوں ہوتی تو ان آنکھوں میں بنا برسات برستی۔)

مقابل کھڑے شخص کی آنکھوں میں ساون بھادوں

برس جانے کے بعد ایک ایسی روشنی تھی، جس پہ پروانے دیوانہ وار لپک رہے تھے۔ وہ اسے چار سال بعد دیکھ رہی تھی۔ وہ ادھ کھلے دروازے سے یوں اندر آیا کہ یشان کے کندھے کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔ اس چھوٹے سے برآمدے کے سفید ستون سے ایک بل کھاتی ہری بیل لپٹی ہوئی تھی۔ وہ اندر نہیں گیا تھا وہ اس ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ دروازہ بھیڑ کر پلٹی اور برآمدے کی سب سے اوپر والی سیڑھی پہ بیٹھ گئی۔ اس کے پاس کرنے کے لیے کوئی بات نہیں تھی جو بھی کہنا تھا اسے کہنا تھا جو بنا راستہ مانگے اندر آیا تھا۔ حاشر کی نگاہ دروازے کی طرف گئی جسے اندر سے کنڈی نہیں لگائی گئی تھی۔ وہ آہستہ سے اس سے کچھ فاصلے پہ بیٹھ گیا۔ صحن میں لگے واحد درخت پہ ٹہنیوں میں چھپی چڑیا نے چھدری شاخوں سے انہیں دیکھا، ہلکی ہوا سے سرسراتی سی ریت اڑی۔ چھپنے سے قبل سورج نے شام کے کان میں سرگوشی کی شام کے اداس چہرے پہ ایک لالی نے چھب دکھلا کر سورج کی آخری کرنوں کو مبہوت سا کر دیا۔

"یہ ہے عشق کا انجام۔" یشان نے جتاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"شاید ایسا ہو۔" حاشر کے لبوں سے بھی ریت سی سرسراہٹ پیدا ہوئی۔

"جدوں شام تے سجن دی سازش رل گئی۔"

"اودوں عابد اسی غروب ہو گئے۔"

(جب شام اور میرے محبوب نے مل کر سازش کی اسی لمحہ میرا عشق غروب ہوا...) "شام کے پہلو میں کھڑی ہو کر وقت غروب کا ساتھ دو گی تو میں اور میرا عشق الزام کی زد میں ہو گا اور اگر میرے پہلو میں کھڑی ہو کر صبح عروج کی طرف دیکھو گی تو شام اکیلا سورج غروب ہوتے دیکھے گی، پھر کبھی کوئی عشق وقت غروب سا نہیں ہو گا۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے، بے وفائی بھی دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ صبح کے انتظار میں تمام رات جاگنا ہی عشق ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں سورج اپنے وقت پہ طلوع ہو گا اور مجھے یقین ہے کہ یشان مصطفیٰ تمام رات کی جاگی ہوئی ہے۔

۔ سورج تو وقت پہ ہی طلوع ہوا ہے، اس کے ہونٹوں پہ دنیا فتح کر لینے جیسی مسکراہٹ تھی اور یشان کی آنکھوں نے ہارنے والوں کی طرح اپنی پلکیں زمین کے سینے میں گاڑ دیں۔ حاشر نے سفید ستون کے ساتھ لپٹی ہری بیل کو چہرہ موڑ کے دیکھا۔

☆ ☆ ☆

شازیہ نے بچے کو ہوا میں اچھالا "ائے ہئے گر جائے گا۔" انیقہ بیگم نے بے ساختہ سینے پہ ہاتھ رکھا نصیبو نے نظر اٹھا کر اپنی مالکن کا چہرہ دیکھا۔ جس پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں شازیہ نے بچہ ان کی گود میں ڈالا۔

"میں قربان میں صدقے۔" انیقہ بیگم نے چٹاچٹ پوتے کا منہ چوما۔

ہٹ دھرمی کا راستہ چھوڑ کر زرخیزی کی طرف چلنے سے ہی پھل پھول آتے ہیں۔ وقت اب سلجھ گیا تھا تنگ سوچ اور فکر ذہنوں کو کشادہ کر کے تمام معرکے سر کر سکتی تھی.... وہ ڈرتی تھیں کہ ان کا بیٹا بیوہ بیاہ کر لائے گا تو لوگ جینا حرام کر دیں گے، سو طرح کے طعنوں سے اس کا جگر چھلنی کریں گے مگر جس شان اور غرور کے ساتھ حاشر نے تمام برادری کو بلا کر شادی کی کوئی کنواری لڑکی سے بھی کیا کرتا ہو گا اور وہ اس وقت حیران رہ گئیں جب تمام لوگوں نے ان کے اس فیصلے کو سراہا، سنت نبوی پہ عمل کر کے تمہارے بیٹے نے باپ دادا کا نام اونچا کر دیا۔

"شازیہ! مددگار کا دلیہ لے کر آ... اس کو بھوک لگ رہی ہے۔" یشان نے بیٹے کا نام مددگار رکھا تھا۔ اس کی خواہش پہ کس کو اعتراض نہیں ہوا۔

☆ ☆ ☆

"باجی! آپ کو پتا ہے زیبا باجی کا میاں عجیب و غریب بیماری میں مبتلا ہے۔" وہ سب شام کی چائے پچھلے صحن میں پی رہے تھے۔ سب کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھیں۔ "وہ بس دروازوں کے پاس بیٹھتا ہے۔ نہ کسی گھر کے اندر جاتا ہے نہ باہر، پہلے پہل تو

لوگ روٹی، شوٹی دے دیتے تھے مگر اب ناں، جھڑک کر اٹھا دیتے ہیں۔"

ییشان کے ہاتھ کانپے، چائے چھلک کر پرچ میں گری "تو وہ خود کون سا ٹھیک ہیں۔ دونوں بہنوں کو ہر وقت وہم ستاتے ہیں کہ گھر کی چھت ان کے سر پہ گرنے والی ہے۔" نصیو نے کانوں کو ہاتھ لگائے "گرمیاں ہوں یا سردیاں درختوں کے سائے تلے زندگی گزار رہی ہیں۔۔۔"

"تیری زبان کے آگے خندق ہے شازیہ! ہر وقت الٹا سیدھا بولنا۔ خبروں پہ خبریں دیے جاتی ہے۔"

انیقہ نے بھانپ لیا تھا کہ ییشان کا چہرہ دکھ کی کہانی سنا رہا تھا۔

"باجی! مجھے مرنے سے پہلے ایک دفعہ وہ خندق ضرور دیکھنی ہے، جو میری زبان کے آگے ہے۔" شازیہ جھنجلا کر اٹھی۔ سب کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی۔

"خدا معاف کرے سیما اور مددگار کے ساتھ اتنا اچھا ہم نے بھی نہیں کیا تھا۔ سیما کو حج کرنے کی کتنی خواہش تھی۔۔۔ مگر میکے اور سسرال والوں کو اتنی توفیق بھی نہ ہوئی بھائیوں نے بھی ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ پیسے تو بن ہی جاتے مگر محرم کے معاملوں میں ہی پھنسی رہی۔"

انیقہ نے گیلی آنکھوں سے اس کے کمرے کا دروازہ دیکھا دل ایسے ہی موم نہیں ہوا تھا۔ دو سال پہلے ثوبیہ کا شوہر مرتے مرتے بچا تھا۔

بیٹی بیوہ ہوتے ہوتے پھر سے بس گئی۔ انیقہ نے تب اس درد کو محسوس کیا، توبہ کے کتنے ہی نوافل ادا کیے۔ احساس ہو جانا بھی بڑی بات ہوتی ہے، حاشر نے ماں کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

☆ ☆ ☆

برف سے ڈھکی روش پہ وہ دونوں چلتے چلے جا رہے تھے "اگر یہ راستہ کہیں ختم نہ ہوا تو۔" عورت نے اپنے ساتھ قدم اٹھاتے مرد سے رک کر پوچھا۔

"یہ اتنا خوب صورت راستہ جتنا بھی طویل ہوا۔ اس کا اختتام پتا ہے کہاں ہوگا؟"

مرد نے رک کر عورت کے شہد رنگ بالوں سے برف جھاڑی۔

"جن راستوں پہ بھی تمہارے قدم اٹھتے ہیں ان کا آخری سرا میرے دل تک ہوتا ہے۔" اتنے یخ بستہ موسم میں اس کی دھواں دیتی آنکھیں اسے پرحدت سا کر رہی تھیں۔ اس عورت کے سیل فون پہ میسج ٹون بجی۔ اتنے عرصے بعد وہ نمبر دیکھ کر وہ ٹھٹکی پھر بے صبری سے اس کی آنکھوں نے میسج پڑھا۔

"ماما! میری آنکھوں نے وہ روشنی ڈھونڈ لی تھی، آپ کی دعا قبول ہوئی۔ ییشان کو بھی مصطفیٰ مل گیا ہے۔ اب وقت نے مجھے بھی دنیا کے سب سے خوب صورت بلند و بالا محل کی سب سے اوپر والی بالکونی پہ کھڑا کر دیا ہے۔ پاپا سے کہیے گا، زیادہ اترائیں نہیں، اب دنیا میں ایک نہیں، دو مصطفیٰ ہیں۔"

امینہ کے گداز لب خوب صورتی کی انتہا کو چھو کے مسکرائے۔

امینہ نے میسج ان کی آنکھوں کے سامنے کیا پڑھنے کے بعد ان کی آنکھوں میں چمک بڑھی تھی۔

"اسے جوابی میسج سینڈ کرو۔" اس کا لہجہ بھی چمکا۔

☆

ثمرہ مختاری
قیمت -/300 روپے

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

عفت سحر طاہر

خوشبو کا سفر

میں بتاؤں کیا مجھے کیا ملے
مجھے صبر ہی کا صلہ ملے
کسی یاد ہی کی ردا ملے
کسی درد ہی کا صلہ ملے
کسی غم کی دل میں جگہ ملے
جو میرا ہے وہ مجھے آملے
رہے شاد یونہی میرا جہاں
کہ یقین میں بدلے میرا گماں
میری ذات ذرۂ بے نشاں

چودہویں قسط

۞ ۞ ۞

شدید غصے اور ٹینشن نے اس کے ذہن کی طنابیں گویا کھینچ دی تھیں۔ آس پاس جمع ہوتے لوگ اور چہ میگوئیاں۔

مہاہ نے پرطیش انداز میں ضبط کھو کر نمیر کے منہ پر تھپڑ مار دیا تو وہ مہاہ کے اس قدر غیر یقینی اقدام پر ششدر رہ گیا۔ پھر اس نے ایک جھٹکے سے مہاہ کے ہاتھ سے اپنی قمیص چھڑائی۔

"دماغ ٹھیک ہے آپ کا محترمہ؟" وہ دھیمے لہجے میں غرایا۔

ملاحہ جو یوں ہی کسی وہم میں گھری پیچھے اسے دیکھنے کے لیے دکان کے دروازے تک آئی تھی۔ مہاہ کے ہاتھ سے سارے شاپرز گرتے دیکھ کر بھاگی مگر اس کے قریب پہنچنے تک معاملہ ہی تبدیل ہو چکا تھا۔

"یا اللہ۔۔۔" اس نے کسی شخص سے الجھتی مہاہ کو اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ غصے سے سرخ چہرہ لیے غم و غصے سے کپکپاتی مہاہ اپنے حواس میں نہیں لگ رہی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے بہے چلے جا رہے تھے۔

"کیا ہوا ہے آپی؟" اس نے بے اختیار مہاہ کو ساتھ لگا لیا۔

"وہ۔۔۔ نمیر۔۔۔" اس نے سسک کر سرگوشی کی تو ملاحہ تڑپ کر پیچھے پلٹی مگر وہاں اب کوئی نہ تھا۔ وہ چھلاوے کی طرح وہاں سے غائب ہو گیا تھا۔ مہاہ نے بھی آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ مگر ان کی توجہ ہٹتے ہی وہ اڑن چھو ہو چکا تھا۔ لوگ جو تجسس کے مارے وہاں جمگھٹا لگائے کھڑے تھے۔ چند لمحے معاملے کی سنگینی کا اندازہ لگانے کے بعد اپنی راہ چل دیے۔

"وہ ابھی یہیں تھا۔" مہاہ نے پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دیکھا۔ ملاحہ شاپنگ بیگ سمیٹنے لگی۔ پھر مہاہ کا ہاتھ تھاما۔

"آپی! چلو گاڑی میں چل کر بیٹھو پھر بات کرتے ہیں۔"

مہاہ بہ مشکل آنسو روکتی گاڑی تک آئی۔ اور گاڑی میں بیٹھتے ہی رونا شروع ہو گئی۔

"وہ نمیر ہی تھا ملاحہ۔"

"وہ ہو تا تو بھاگتا کیوں آپی؟" ملاحہ بے بسی سے بولی۔ اس نے مہاہ کو اس آدمی کو تھپڑ مارتے ہوئے دیکھا تھا۔

"اُفف۔۔۔ کچھ غلط ہو جاتا تو۔۔۔"

"کیا ہوا۔۔۔؟" کبیر پریشان ہوا۔

"کچھ نہیں ہوا۔۔۔ بس ذرا آپی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔۔۔ تم گاڑی چلاؤ خان۔" ملاحہ نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ مگر مہاہ کا رویا رویا چہرہ اسے کوئی اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔

گھر آ کر بھی مہاہ کی آنکھیں خشک نہیں ہو رہی تھیں۔ تائی جان کے تو کلیجے میں ہاتھ پڑا۔

"ارے وہ موا پورے شہر میں دندناتا پھر رہا ہے۔ کوئی نہیں ہے اسے انجام تک پہنچانے والا۔" وہ دہائیاں دے رہی تھیں۔ سائرہ چچی نے اکتاہٹ بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اللہ ہی جانے۔۔۔ یہ تو جب وہ سامنے آئے گا تب پتا چلے گا کہ کوئی نمیر وقار بھی ہے اس دنیا میں۔" وہ انہیں سنانے والے انداز میں بولیں۔

"میں نے خود دیکھا ہے اسے۔ میں اس کا چہرہ بھلا کیسے بھول سکتی ہوں۔" مہاہ نے رندھے لہجے میں کہا۔

"ارے تو لوگوں کو اکٹھا کرتیں۔ اسے پکڑوا دیتیں کسی طرح۔" تائی جان کا اپنا ہی فلسفہ اور اپنی ہی جمع تفریق تھی۔

"لوگ تو جمع تھے وہاں مگر بے حس زمانہ ہے امی۔ کوئی کسی کے معاملے میں نہیں پڑتا اب۔" ملاحہ نے آزردگی سے کہا۔ پھر وہ بات بھی بتادی جواب تک نہ بتائی تھی۔

"آپی نے تو اسے تھپڑ بھی لگادیا۔ میں تو ڈر ہی گئی تھی۔" یہ سن کر وہاں ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔

"تم نے بھی آفندیز کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے وہی کیا جو تم سے پہلے سب کرتے آئے ہیں۔" شمو سب سے پہلے بولیں۔

"میری زندگی برباد کرنے والا ایک تھپڑ بھی ڈیزرو نہیں کرتا تھا چچی جان؟" مہماہ نے دکھی ہوتے ہوئے احتجاج بھرے لہجے میں پوچھا۔ تو ان کی نظروں میں سرد مہری اتر آئی۔

"روایتیں بدلنے کے لیے پہلے خود کو بدلنا پڑتا ہے مہر۔"

"ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں مہو۔ یہ تو اس طوائف کی بھی حمایت پر اتر آئی تھیں۔ اس کے بیٹے کو بھی جا کر گلے لگایا۔ رکھتا نا وہ لاج اس ہمدردی کی مگر وہ تو سنپولیا ہی رہا۔ موقع ملتے ہی زہر گھول دیا ہماری زندگی میں۔"

تائی جان نے غصیلی نظروں سے شمو چچی کو دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں جتایا تو انہوں نے گہری سانس بھری اور وہاں سے اٹھ گئیں۔ مگر جاتے جاتے بھی وہ مہو کو تادیب کرنے سے رہ نہ سکیں۔

"جو جھکتے نہیں وہ ٹوٹ جایا کرتے ہیں مہماہ۔ بھلائی ہمیشہ جھک جانے اور نرم پڑنے میں ہی ہوتی ہے۔"

"اللہ اسے بیٹی دیتا۔۔۔ اور اس کی بیٹی کے ساتھ یہ واقعہ ہوتا تو پھر میں پوچھتی کہ کتنا جھکنا چاہیے۔" شمو کے جاتے ہی تائی جان نے بددعا کے انداز میں کہتے اوپر دیکھا۔ اور وہ بھول گئیں کہ ہم تو کبھی کبھار ہی اوپر دیکھتے ہیں مگر اوپر والا تو ہمیشہ ہی ہمیں دیکھ رہا ہوتا ہے۔

مہماہ کا سر درد سے پھٹنے لگا تو وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ نمیر کو سامنے پا کر کھو دینا اس کی ہر امید توڑ رہا تھا۔ اس کا یہی خیال تھا کہ نمیر سے سامنا ہوتے ہی وہ اس سے طلاق کا مطالبہ کرے گی۔ مگر۔۔۔

اس نے اپنے دائیں ہاتھ کو پھیلا کر دیکھا۔ اسے جھرجھری سی آئی۔ (اگر وہ جوابی تھپڑ مار دیتا تو کیا عزت رہ جاتی) تو کیا شمو چچی صحیح کہہ رہی ہیں۔ مجھے برداشت سے کام لینا چاہیے تھا؟ نمیر آفندی تو اب جو کرے وہ کم ہو گا۔ طیش بھری بہادری کا وہ لمحہ گزر جانے کے بعد اب اسے مستقبل کے خدشات ستانے لگے۔ تو وہ سر تھام کر بستر پر گر سی گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ مٹھیاں بھینچے طیش کے عالم میں ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ سامنے بینچ پر بیٹھی سومیہ سینے پر بازو لپیٹے اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی پریڈ سے تنگ آ کر بولی۔

"اب بس بھی کر دو نمیر۔ تم نے کیا مئی کے مہینے میں "مارچ پاسٹ" شروع کر رکھی ہے۔" وہ اس کی بات سن کر عین اس کے سامنے رک گیا۔ اور خشونت بھری نظروں سے اسے گھورا۔

"اس نے میرے منہ پر تھپڑ مارا ہے۔۔۔ نمیر آفندی کے منہ پر۔" وہ اپنی بات پر زور دے کر بولا۔

"یو ڈیزرو اِٹ۔" سومیہ نے اس قدر رسان سے کہا کہ وہ دانتوں پر دانت جما کر رہ گیا۔ پھر اس کے پاس ہی ماربل کے بینچ پر ٹک گیا۔ پارک میں شام ہوتے ہی لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ وہ یونہی بلا ارادہ سامنے نظریں جمائے دیکھے گیا۔

"ہر عمل کا کوئی نہ کوئی ردعمل ہوا کرتا ہے نمیر۔" سومیہ کا انداز تندہی تھا۔

"یہ بات اس کو بھی تو پتا ہوگی نا۔" وہ لحہ بھر کے توقف کے بعد سوچتے میں بولا تو سومیہ کو بے طرح غصہ آیا۔

"اب اور کیا برا کرنا رہ گیا ہے اس کے ساتھ؟ تم چاہتے ہو انتقام کے اس کھیل میں اسے بنا قصور کے کچل ڈالو اور وہ اف بھی نہ کرے۔"

"بھرے بازار میں کسی مرد کے چہرے پر تھپڑ مارنے کا مطلب جانتی ہو؟" وہ اسی سرد لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ جس کی تہہ میں شعلے چھپے تھے۔ "اس کا مطلب ہوتا ہے ہر جوابی ردعمل کے لیے تیار ہونا۔ نمیر آفندی کے منہ پر تھپڑ مارنے سے پہلے اس نے نتیجہ کیوں نہیں سوچا اس حرکت کا؟"

"فار گاڈ سیک نمیر!" وہ کراہی۔

"چھوڑ دو یہ بدلے اور انتقام کا راستہ۔ نکاح کر لیا ہے تم نے مہاہ سے چاہے جیسے بھی سہی۔ جا کر آغا جان کے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ اب کیا کر لیں گے وہ تمہارا۔"

"میرا کیا کر سکتے ہیں وہ بھلا۔۔۔ بس اپنی پوتی کو بیوہ کر دیں شاید۔" وہ شدید طنزیہ انداز میں گویا ہوا تو سومیہ دہل کر رہ گئی۔

"کیا فضول باتیں کر رہے ہو۔۔۔"

"تم دیکھنا "اب" میں ان سب کے ساتھ کرتا کیا ہوں۔" وہ انتقام کی آگ میں بھڑ بھڑ جلتا دکھائی دے رہا تھا۔ سومیہ نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔ وجیہہ چہرہ اور آنکھوں سے جھلکتی سرد مہری۔۔۔ مگر ایک اضطراب تھا جس نے مہاہ کی اس غیر متوقع حرکت کے بعد اس کے وجود کو لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مہاہ اسے بیچ بازار میں۔۔۔ تھپڑ مارنے کی جرات بھی کر سکتی ہے۔ مگر اس نے کر دکھایا تھا۔

"جو انہوں نے کیا "اس سے الگ" کچھ کرتے تو میں داد بھی دیتی۔" سومیہ نے تکان بھرے انداز میں کہا۔ "بدلہ لینا بہادری نہیں ہوتی نمیر۔ دل پر پتھر رکھ کر کسی کو معاف کرنا بہادری ہے۔"

"ظلم کیا ہے انہوں نے ہم پر۔"

"ظالموں کو ہی تو معاف کیا جاتا ہے۔" سومیہ برجستہ بولی تو نمیر نے اسے گھور کر دیکھا اور سلگ کر بولا۔

"میں ہی پاگل ہوں جو تمہارے اس قدر "دشمنانہ" رویے کے بعد بھی ہر بات تم ہی سے شیئر کرنے آجاتا ہوں۔" سومیہ کے ہونٹوں پر ہلکی مگر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"شام ہو رہی ہے۔ چلو ہاسٹل چھوڑ دوں۔" گہری سانس بھر کر وہ اپنا شولڈر بیگ لیے اٹھی تو اس کے ساتھ پارک کے گیٹ کی طرف چلتے ہوئے نصیحتیں کرنا بھی گویا فرض خیال کیا۔

"ایسے ہی تھپڑ کھاتے رہو گے تو دشمنی کا یہ کھاتہ بڑھتا ہی چلا جائے گا نمیر!"

"تم فکر مت کرو، یہ دشمنی پایہ تکمیل تک میں پہنچاؤں گا اور مہاہ آفندی سے تو میں بہت اچھی طرح سے نمٹوں گا۔"

"ہونہہ۔۔۔ موحد آفندی اس کا دوست ہے نمیر صاحب۔۔۔ اور مجھے تو لگتا ہے کہ وہ سافٹ کارنر بھی رکھتا ہے مہاہ کے لیے اپنے دل میں۔" سومیہ نے تنبیہی انداز میں کہا تو وہ ناگواری سے بولا۔

"شٹ اپ۔۔۔ میرے خیال میں میں یہیں سے تمہیں ٹیکسی کروا دوں۔ ہاسٹل تک جاتے جاتے تو تم میرا دماغ خراب کر دو گی۔" سومیہ ہنسی۔

"اتنا ہی دل جلتا ہے اور دماغ خراب ہوتا ہے اس کی موحد کے ساتھ دوستی سے تو جاؤ اس کے پاس اور پورے
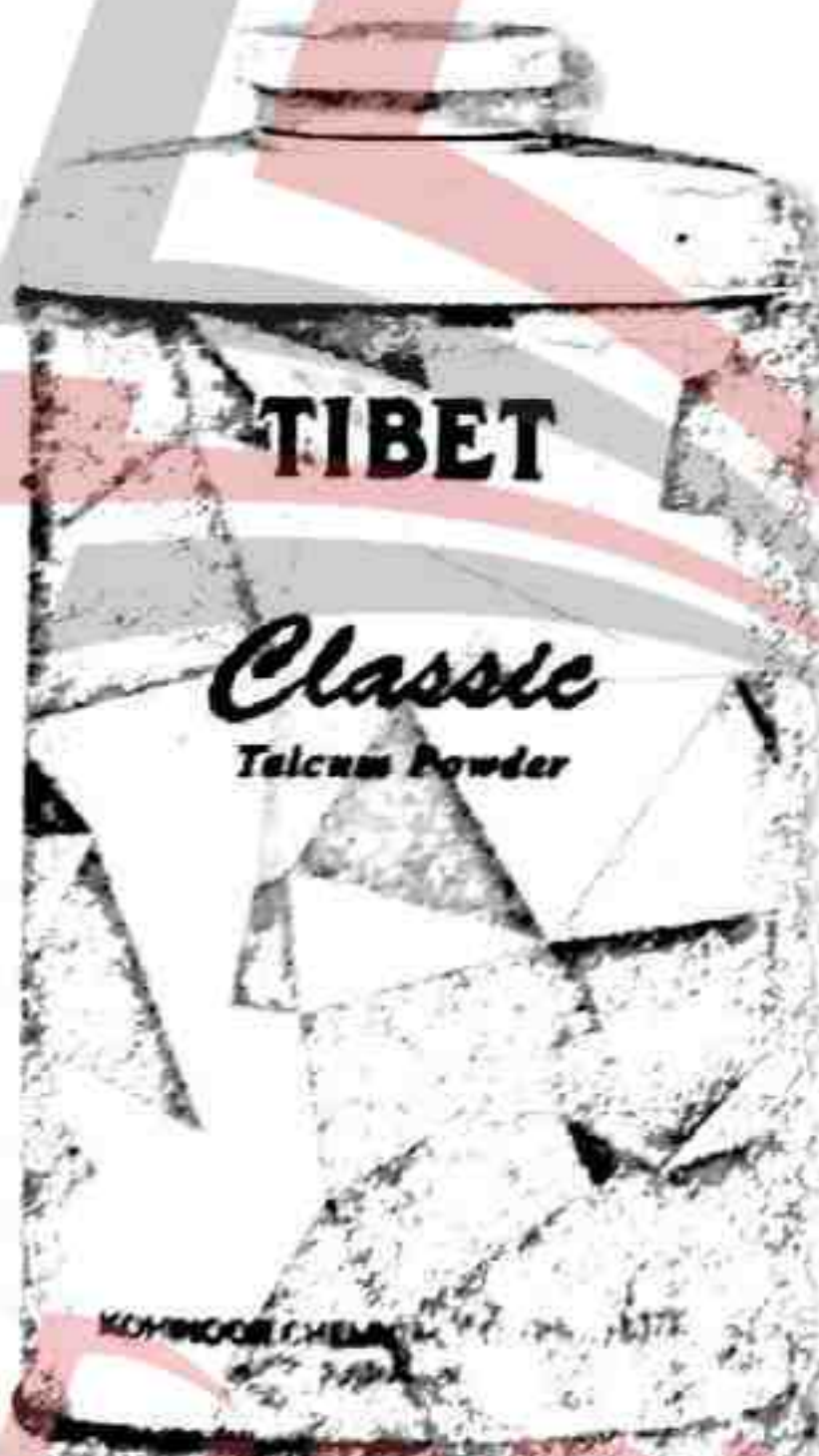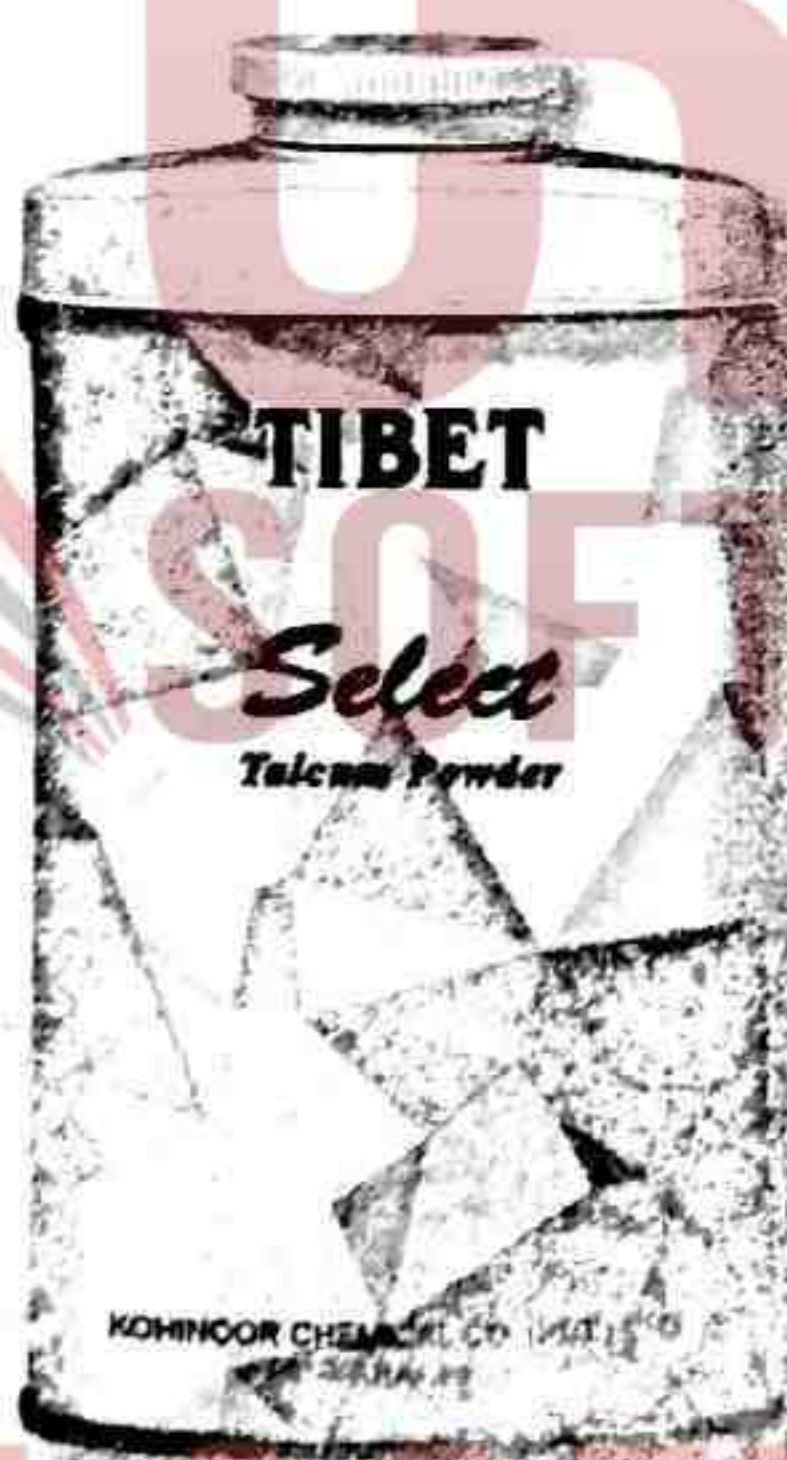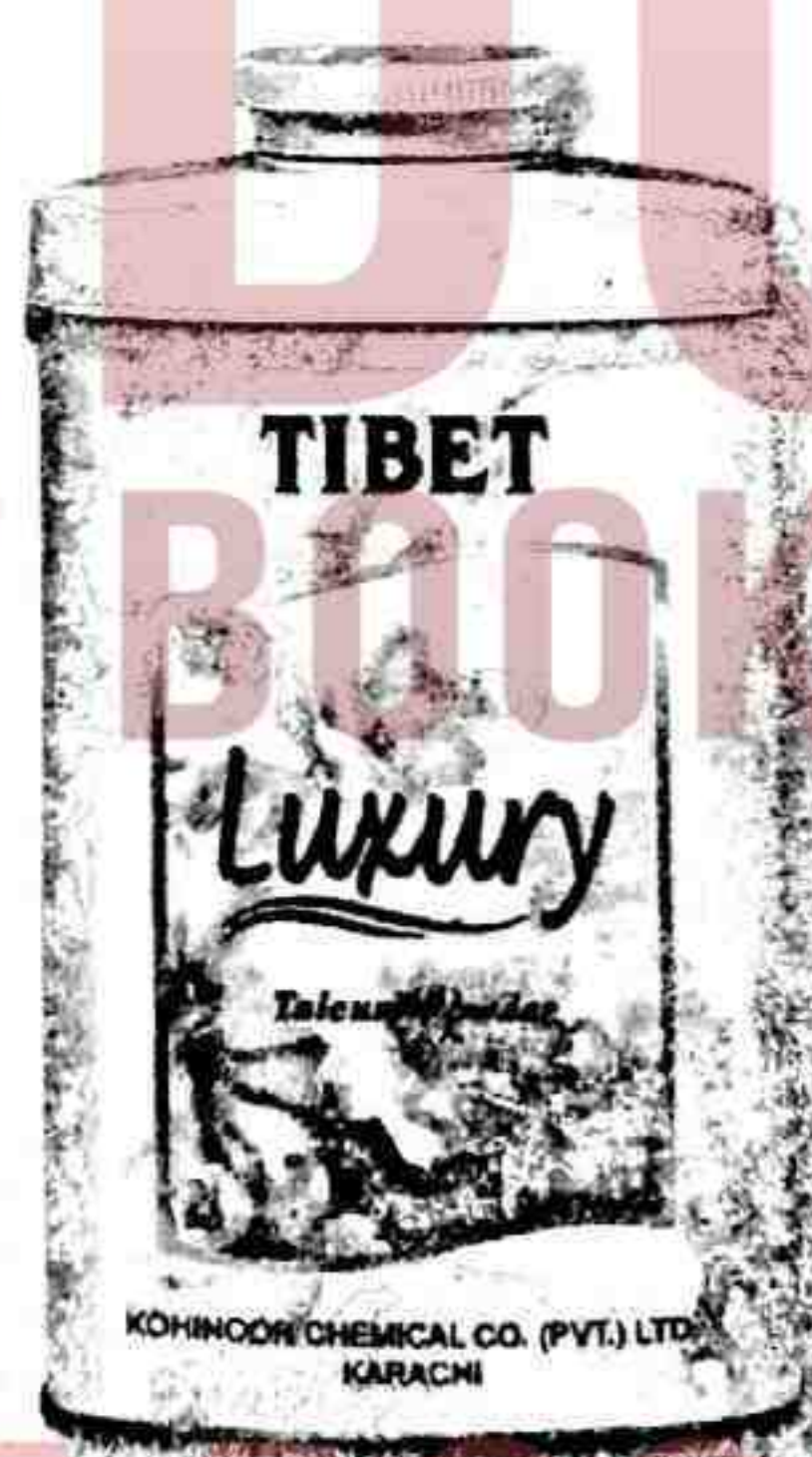
استحقاق سے تعارف کراؤ اپنا۔" وہ اب بھی باز نہ آئی تھی۔ مگر نمیر نے بھی قسم ہی کھالی کہ اس کی کسی بھی بات کا جواب نہ دے گا۔ اسے ہاسٹل کے گیٹ کے سامنے اتار کر وہ گاڑی پیچھے موڑ رہا تھا جب وہ کھلی کھڑکی میں آکر جھکی۔

"موحد تم سے بہت الگ ہے نمیر! وہ واقعی مہاہ کا خیال رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے سینے میں نمیر وقار آفندی کا دل نہیں ہے۔"

نمیر نے دانت بھینچتے ہوئے گاڑی تیزی سے بڑھا دی۔ سومیہ تاسف سے سرہلاتی چند لمحے گاڑی کی اُڑتی دھول کو دیکھنے کے بعد گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

موبائل کی مسلسل ہونے والی وائبریشن نے مہاہ کو گہری نیند سے بیدار کیا۔ چند لمحوں تک تو اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کون سی بات اس کی نیند کے ٹوٹنے کی وجہ بنی ہے۔ مگر تکیے کے پاس تھرتھراتے موبائل کو دیکھ کر اس نے بلا ارادہ ہی موبائل اٹھالیا۔ اوپر جگمگاتا نمیر آفندی کا نام۔۔۔ مہاہ کا حلق کڑوا ہوگیا۔ مگر ساتھ ہی یاد آیا کہ وہ کل اس کے ساتھ کیا سلوک کر چکی تھی تو دل گہرائی میں ڈوب کر ابھرا۔ وہ سوئی ہوئی ملاحہ پر ایک نظر ڈالتی فوراً بستر سے اُتری اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ رات کے دو بجے پورا گھر سکوت میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ہیلو۔۔۔" اس نے آہستہ آواز میں کہا۔

"بڑی دیر کی مہاں آتے آتے۔" وہ جیسے گنگنایا تھا۔ مہاہ متحیر رہ گئی۔ اس کا یہی خیال تھا کہ وہ کال اٹینڈ ہوتے ہی اس پر برسنا اور اسے دھمکانا شروع کردے گا مگر یہاں تو سین ہی کچھ اور تھا۔

"ایک تھپڑ کھا کر شاید دماغ سیٹ نہیں ہوا نمیر آپ کا۔" وہ سلگی۔

جواباً وہ آہستہ سے ہنسا۔ "ہم گالیاں کھا کر بے مزا نہ ہونے والوں میں سے ہیں مسز نمیر آفندی۔"

مہاہ کے تو تلووں لگی سر پر جا بجھی۔ دل تو چاہا جتنی گالیاں یاد ہیں' وہ اسے دے تاکہ اس کا دعوا جھوٹا پڑ سکے۔۔۔ مگر اگلے ہی پل اسے احساس ہوگیا کہ وہ اس تھپڑ کے بدلے مہاہ کو اس طرح کی باتوں سے زچ کر کے بدلہ لے رہا ہے۔

"تو آؤ نا آفندی ہاؤس۔۔۔ پھر پتا چلے تمہیں کتنا مزا آتا ہے گالیوں کا۔" اس نے تلخی سے کہا۔

"ہاہاہا۔۔۔" وہ گویا اس دعوت سے محظوظ ہوا۔ "وہ کیا کہتے ہیں' چشم ما روشن دل ماشاد۔۔۔ آپ بلائیں اور ہم نہ آئیں ایسے تو حالات نہیں۔" وہ جس ذومعنی انداز میں بات کر رہا تھا وہ مہاہ کا خون جلانے کے لیے کافی تھا۔

"بکواس بند کرو اور ختم کرو اس کھیل کو نمیر۔ تمہیں اپنا اور اپنی ماں کا بدلہ آغا جان سے لینا ہے نا۔۔۔ گو آن۔ میرے پاس ڈائیورس پیپرز بھجوا دو۔۔۔ بلکہ نکاح نامہ بھیجو۔ میں نکاح کا مقدمہ کروں گی تم پر۔" وہ جو منہ میں آیا کہے گئی۔ دوسری طرف وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"اوہو۔۔۔ اتنا غصہ۔۔۔ اسی لیے تو نکاح نامے کی کاپی تک نہیں تمہارے حوالے کی مسز۔۔۔ اتنی مشکلوں اور پلاننگ سے کیے جانے والے نکاح کو توڑ کر کتنا گناہ ملتا تمہیں۔" اس کا لہجہ مسکراتا ہوا تھا۔ مہاہ کو رونا آنے لگا۔ کس طرح وہ اس شخص سے اپنی جان چھڑائے۔

"خدا کے لیے نمیر۔۔۔ تمہیں تمہاری ماں کا واسطہ۔۔۔ جن کے اپنے دل دکھے ہوں۔ وہ دوسروں کا دل نہیں دکھایا کرتے۔ تمہیں ذرا سا بھی احساس نہیں کہ آج۔۔۔ تم بھی اسی جگہ پر آن کھڑے ہوئے ہو جس جگہ کل آفندی ہاؤس والے کھڑے تھے؟" وہ جذباتیت سے پُر لہجے میں بولی تو اپنی بے بسی کے خیال سے آنکھیں نم ہونے

لگیں۔
"یو نو مہماہ۔۔۔ مجھے اس طرح کی باتیں قطعاً "جذباتی نہیں کر سکتیں بلکہ مجھے تسکین ملتی ہے۔۔۔ میرے زخموں پر جیسے کوئی پھاہے رکھتا ہے۔" وہ سفاکی سے کہہ رہا تھا۔ اب ایسے بندے کے آگے وہ اور کیا فریاد کرتی۔ ایک دم سے رو دی۔
"اللہ تو دیکھ رہا ہے نا۔ جو تم میرے ساتھ کر رہے ہو۔ میں نے تو تمہارے ساتھ کچھ برا نہیں کیا تھا۔"
"میں نے بھی کسی کے ساتھ برا نہیں کیا تھا۔" تحمل سے بولا۔
"تم یہاں آؤ نمیر۔ میں خود تمہیں تمہارا حق دلواؤں گی۔ آغا جان سے بات کروں گی۔" اس کی آفر پر وہ بے اختیار ہنسا۔
"ہاہاہا۔۔۔ پوتی ہی اتنی ہلا کو خان ہے تو آغا جان تو مجھے الٹا لٹکا دیں تو بھی ان کا دل نہیں بھرے گا۔"
"نمیر پلیز۔ زندگی مذاق نہیں ہوتی اور کسی دوسرے کی ہو تو پھر بالکل بھی نہیں۔" وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔ تو اس نے پرسکون انداز میں جواب دیا۔
"جتنی منتیں کرو گی اتنا ہی میرے دل کو سکون ملے گا مہماہ۔۔۔ کیری آن۔"
"افف۔۔۔ اس قدر سفاکی!" مہماہ کے آنسو ٹھٹھر گئے۔
"جسٹ گو ٹو ہیل۔" مہماہ نے موبائل بند کر دیا اور صوفے پر گر کر رونے لگی۔

☆ ☆ ☆

"محمود اینڈ سنز نے جو پے منٹ کی تھی وہ تو اس کھاتے میں کہیں نظر نہیں آ رہی۔"
سہیل آفندی نے کمپیوٹر اسکرین پر سے نظر ہٹا کر مبین آفندی اور موحد پر نظر ڈالی۔
سہیل آفندی کے اعتراض کے بعد آغا جان نے موحد کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ نفع و نقصان کا سارا حساب چچا اور تایا کے ساتھ بھی شیئر کیا کرے تاکہ بزنس کے اپس اینڈ ڈاؤن (نفع و نقصان) کا ان کو بھی اندازہ رہے۔ تو اب اس ماہ کے کھاتے نے انہیں پیشانی پر بل ڈالنے پر مجبور کر دیا۔
"پورا حساب موجود ہے بس وہی دس لاکھ مسنگ ہیں۔" وہ مطمئن تھا۔ کوئی گھبراہٹ اس کے چہرے سے نہیں جھلکتی تھی۔
"دس لاکھ کا حساب غائب ہے کھاتے میں سے اور تمہیں یہ "بس" لگ رہا ہے۔" مبین آفندی کو بھی موحد پر غصہ آیا۔
"وہ میں نے چیریٹی (خیرات) میں دے دیے ہیں۔" وہ کرسی میں دھنسا اسی پرسکون انداز میں بولا تو ان دونوں بھائیوں کو لگا۔ کمرے کی پوری چھت ان کے سر پر آگری ہے۔ مبین صاحب کرسی کی پشت چھوڑ کر ایک دم سیدھے ہوئے۔
"دماغ ٹھیک ہے تمہارا' دس روپے نہیں دس لاکھ تھے وہ۔ ایسے کیسے چیریٹی میں دے دیے؟" انہوں نے صدمے بھری ناگواری سے کہا۔
"الحمدللہ۔ اللہ نے اس معاملے میں بہت وسیع دل عطا کر رکھا ہے مجھے۔" وہ مطمئن تھا۔
"پرائی دمڑی پہ ساہو کار مت بنو موحد!" سہیل آفندی کا لب و لہجہ سخت تھا۔ وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔
"پرائی دمڑی نہیں ہے صاحب۔۔۔ اپنے باپ کا کھا رہا ہوں۔ کسی کا دیا ہوا نہیں۔"
"پیسہ بہت مشکل سے کمایا جاتا ہے۔ اسے خرچ کرنے کے بھی کچھ آداب ہوا کرتے ہیں موحد میاں!" مبین

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

صاحب ابتدائی جھٹکے سے نکلتے ہوئے تاؤ بھری انداز میں بولے تو وہ مسکرا دیا۔

"جی چچا جی۔ آئندہ خیال رکھوں گا۔" پھر کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"امید ہے ماہانہ حساب دیکھ کر آپ لوگوں کی تسلی ہو گئی ہو گی۔ باقی اگلے ماہ سہی۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا اور پیچھے تپنے سلگنے کو رہ گئے دونوں بھائی۔

"میں تو آغا جان سے کہتا ہوں کہ میرا کاروبار الگ کر دیں۔ اس نے تو اجارہ ڈال دینا ہے بھائی صاحب!" سہیل خوب گرم ہو رہے تھے۔ مبین صاحب نے انہیں ٹوکا۔

"آرام سے سوچ سمجھ کر سہیل۔ یہ نہ ہو کہ جو کچھ پاس ہے اس سے بھی جاتے رہیں۔ اچھی طرح سوچ کر اس مسئلے کا حل نکالنا پڑے گا۔" وہ ان کی بات کا مطلب سمجھ کر ٹھنڈے ہو کر بیٹھ گئے۔

✡ ✡ ✡

وہ بالکونی میں کھڑا اندھیرے میں جانے کیا کھوج رہا تھا۔ تزئین نے مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے جا کر نرمی سے اس کے گرد بازو لپیٹے اور سر اس کی پشت سے ٹکا دیا۔ وہ جانے کتنی گہری سوچ میں تھا، چونک کر پلٹا تو آنکھوں اور چہرے سے سخت بے یقینی جھلکتی تھی۔ اس کے پلٹنے سے تزئین اب اس کے سامنے آ گئی تھی۔ اس نے اپنا سر طلال کے سینے پر رکھ دیا۔ بے یقین سے طلال کا ہاتھ اٹھا اور نرمی سے اس کے مشک بو بالوں پر آٹھہرا۔

"مہو۔" مدھم مگر جذبات سے پُر سرگوشی سے ذرا اونچی بے یقینی کے لبادے میں لپٹی پکار نے نرم گرم جذبات میں ڈوبی تزئین کی روح کو گویا چابک رسید کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی طلال کا اس کے گرد بانہیں لپیٹ لینا۔ غیظ و غضب کی تند و تیز لہر نے اسے اپنی لپیٹ میں کچھ اس طرح لیا کہ سارے نرم گرم جذبات ہوا میں تحلیل ہو گئے۔ اس نے ایک جھٹکے سے طلال کے بازوؤں کا حصار توڑا اور پیچھے ہٹی۔ ملگجے اندھیرے میں طلال حواس میں لوٹا تو تزئین کو جیسے ابھی پہچانا ہو۔ اس کی آنکھوں میں ناگواری سی اتر آئی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔۔۔ میں بھاگ تو نہیں رہا تھا بالکونی کے راستے۔" وہ بدلحاظ ہوا۔

"معافی چاہتی ہوں۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ یہاں تم اپنی سابقہ منگیتر کی یادوں میں ڈوبے کھڑے ہو۔" بمشکل اگر سلگتا ہوا وار تھا۔ طلال کے دل پر آبلے پڑے۔

"جسٹ گو ٹو ہیل۔" وہ تپا۔

"طلال نوید! آج تو تم نے سنگدلی کی حد ہی کر دی ہے۔" وہ ضبط کھو کر چلا اٹھی۔ "میں مہپاہ آفندی نہیں ہوں طلال۔ میرے وجود میں اسے تلاش مت کیا کرو۔"

"خدا کے لیے جاؤ یہاں سے۔ دماغ خراب مت کرو میرا۔" بس ہاتھ جوڑنے کی کسر باقی رہ گئی تھی، طلال اس قدر عاجزی سے گویا ہوا تھا۔

"وہ کسی اور ہی چکر میں ہے طلال۔ تم یہ بات سمجھتے کیوں نہیں۔" وہ زچ ہوئی۔

"میں سمجھ بھی جاؤں تو بھی تم سے محبت نہیں کر سکتا تزئین!" وہ پھٹ پڑا۔

بعض حقیقتوں پر پردہ پڑا رہنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ آگہی ہمیشہ رحمت نہیں بلکہ کئی بار تو عذاب بن جاتی ہے۔ تزئین نے بے اختیار سوچا۔ مگر اس نے یہ ایک بار بھی نہیں سوچا تھا کہ جو دوسروں کے پیروں تلے سے زمین کھینچتے ہیں، بعض اوقات خود ان کو کہیں پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں ملا کرتی۔

تزئین کی رگ رگ میں شرارے دوڑ اٹھے۔

"ہاں۔ تم بس ناکام عاشقوں کی طرح اپنی اس محبوبہ کی محبت کا دم بھرتے رہنا۔ جو کسی اور پر والہ و شیدا ہے ان دنوں۔" پھنکار کر کہتی زہر اگلنے سے وہ ابھی بھی باز نہ آئی تھی۔ دروازہ کھول کر دھاڑ سے بند کرتی وہ کمرے میں چلی گئی۔

"اُف۔۔۔" سر میں شدید قسم کی ٹیس اٹھتی محسوس کرتا طلال نوید اپنی اس جلد بازی پر شدت سے پچھتایا جو اس نے تزئین سے شادی کرکے کی تھی۔

بعض پچھتاوے انسان خود اپنی من مرضی سے مول۔۔۔ بلکہ مفت لیا کرتا ہے۔ تزئین آفندی بھی اس کے لیے ایک ایسا ہی پچھتاوا تھی۔

"خیر معاف تو میں تمہیں کسی بھی صورت نہیں کروں گا مہاہ آفندی۔ تم نے میری محبت کا ہی روپ دیکھا ہے آج تک۔ دیکھنا کیسے ذلیل کروں گا تمہیں بھی۔ جیسے تم نے مجھے کیا میری فیملی کے سامنے۔" اس نے روز کی طرح خود سے ایک اور عہد باندھا۔

☆ ☆ ☆

مہاہ نے وہ موبائل آغا جان کو دے دیا جس سے نمیرا سے دو تین بار کال کر چکا تھا۔ انہوں نے فوراً موحد کو بلوایا تو وہ کراہ کر رہ گئی۔

"آغا جان! اس طرح کے کام تو پہلے کبیر کیا کرتا تھا۔" وہ موحد کے آنے سے پہلے قدرے بے آرامی سے کہتی انہیں یاد دلا رہی تھی۔

"ہاں۔۔۔ مگر تب موحد نہیں تھا یہاں مہو۔۔۔ تمہیں کیا مسئلہ ہے؟"

وہ ابھی ابھی تائی جان کی زبانی موحد کی بزنس کے حوالے سے ابو اور چچا جان کے ساتھ چپقلش سن کر آئی تو جی ہی نہ چاہا کہ یہ مسئلہ لے کر موحد کے پاس جائے۔

مگر جب موحد خود ہی مسئلے کے پاس آجائے تو وہ کیا کر سکتی تھی ماسوائے گہری سانس بھرنے کے۔

"مجھے کیا مسئلہ ہونا ہے آغا جان۔ آپ جو مناسب سمجھیں۔" اس نے دل ہی دل میں ان سے خفا ہوتے ہوئے سینے پر بازو لپیٹ لیے۔ منہ بھی پھلایا مگر آغا جان پوتیوں کے تاثرات کو اہمیت دینے کے قائل نہ تھے۔

موحد اسٹڈی میں داخل ہوا تو آغا جان کو سلام کرتے ہوئے مہاہ کو وہاں پا کر بھنویں اچکا کر رہ گیا۔

"یہ نمبر ہے اس خبیث انسان کا موحد! جو ہمارے گھر کی تباہی کا باعث بن رہا ہے۔ پتا لگاؤ کہ یہ سم کس کے نام پر ہے۔" انہوں نے چٹ موحد کے ہاتھ میں دی۔ جس پر مہاہ نے ایک موبائل نمبر کے ساتھ نمیر آفندی کا نام لکھ دیا تھا۔

"ہوں۔" اس نے سر ہلایا۔ "میں پتا کرتا ہوں۔"

"بہت سخت سزا دوں گا میں اسے۔ اس نے آفندی ہاؤس میں نقب لگانے کی جرأت کی ہے۔" آغا جان نے نفرت سے پُر لہجے میں کہا۔ تو وہ بے ساختہ بولا۔

"ہر کوئی اپنی جگہ یہی سوچ کر بدلہ لیتا ہے کہ فلاں نے اتنا برا کیا تو میں اس کے ساتھ اس سے بھی برا کروں گا۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

موحد اٹھ کھڑا ہوا۔ "کچھ نہیں۔ یوں ہی کہہ رہا تھا۔۔۔ میں کل پتا کرتا ہوں اس نمبر کی ڈیٹیل۔" اس نے بات بدل دی تھی۔ آغا جان مطمئن سے ہو گئے۔

مہپاہ عجلت میں اس کے پیچھے ہی اسٹڈی سے باہر نکلی۔
"سنو۔۔۔ سنو موحد!"
وہ رکا اور اس کی طرف مڑ گیا۔
"تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"
"وہ بھی "تھرڈ پارٹی" چینل ہی کرلیتیں۔" ہاتھ میں تھامی چٹ لہرا کر وہ طنزیہ بولا۔ تو وہ تپی۔
"لڑکیوں والے طعنے نہ دیا کرو۔۔۔ بات سننی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ۔۔۔" وہ رک گئی کہ ورنہ سے آگے کوئی دھمکی ذہن میں ہی نہ آئی تھی۔
"بولو۔۔۔ اور نیند آرہی ہے مجھے ذرا جلدی بات ختم کرنا۔" وہ عجیب چڑچڑا سا ہو رہا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو مہپاہ اس پر دو حروف بھیجتی مگر ابھی تو گدھے کو باپ بنانے والا معاملہ تھا۔
"کل مجھے نمیرہ دکھائی دیا تھا مارکیٹ میں۔ میں نے اسے روکنے اور بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ بات کرنے کو تیار ہی نہیں تھا۔ مجبوراً مجھے اس کو تھپڑ مارنا پڑا۔" وہ خائف سی تھی۔
"جی ہاں۔۔۔ کل گھر آتے ہی اس واقعے کی خبر مل گئی تھی مجھے۔" وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"ثمو چچی کہہ رہی تھیں کہ میں نے غلط کیا ہے۔" وہ اس کی سنجیدگی سے خائف ہو کر بولی۔
"بھرے بازار میں اس طرح کی حرکت کرنے سے پہلے تمہیں دس بار سوچنا چاہیے تھا۔ اگر وہ جوابی تھپڑ رسید کر دیتا تو کیا عزت رہ جاتی۔"
"تم صحیح کہہ رہے ہو۔ میں نے بھی بعد میں یہی سوچا تھا۔۔۔ لیکن اس وقت مجھے غصہ ہی اس قدر شدید آرہا تھا کہ خود بخود ہی ہو گیا یہ سب۔" وہ مضطرب تھی۔
"تو اب کیا مجھے اس تھپڑ کی اس سے معذرت کرنی ہے؟" موحد نے تحمل سے پوچھا تو وہ برا مان کر بولی۔
"تمہیں تو ویسے ہی بتا رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے اس نمبر پر اس سے تمہارا رابطہ ہو جائے تو تمہیں مکمل حالات کا پتا ہونا چاہیے نا۔"
"او کے۔" وہ ایڑیوں پر گھوم گیا تھا۔
"ہونہہ۔۔۔ روڈ۔" اپنے پیچھے ابھرتی بڑبڑاہٹ اس نے بہت اچھی طرح سنی تھی مگر نظر انداز کرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔
اگلے ہی روز کھانے کی میز پر اس نے ساری تفصیلات آغا جان کے سامنے رکھ دیں۔
"یہ سم اس نام پر نکلوائی گئی تھی۔ بعد میں اس کا نمبر تبدیل کروا لیا اس نے جو کہ اب بند ہو چکا ہے۔" اس نے ایک چٹ آغا جان کے سامنے رکھی تو انہوں نے تحیّر سے پہلے اس چٹ پر لکھے نام کو اور پھر مہپاہ کو دیکھا۔ وہ ان ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان کے اس طرح دیکھنے پر نروس سی ہو گئی۔
"یہ سم تمہارے نام پر ہے؟" آغا جان نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا تو مہپاہ کے دماغ میں بجلی سی کوندی۔ یقیناً "یہ وہی سم تھی جو اس کے چھینے گئے موبائل میں موجود تھی۔ اسے فوری طور پر یاد آیا کہ موبائل چھن جانے والی واردات کو گھر والوں سے اس نے چھپایا تھا تاکہ کوئی اسے دوست کی شادی میں شریک ہونے سے روک نہ دے۔ اس نے مدد طلب نظروں سے موحد کو دیکھا۔ مگر وہ اپنا فرض پورا کرنے کے بعد کھانے کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔
"ہاں "ایک سم کھو گئی تھی مجھ سے۔ موحد کو بتایا تھا میں نے پھر اسی نے دوسری نکلوا کر دی تھی۔ شاید یہ وہی ہو۔"

اس نے اپنی صفائی پیش کی۔
"مسئلہ تو یہ ہے کہ اس بے غیرت شخص کو کسی نے بھی دیکھ نہیں رکھا۔ ورنہ ڈھونڈنے میں آسانی ہو جاتی۔ اب تک تو میں اسے الٹا لٹکوا چکا ہوتا۔"
"ظاہر ہے اب محض نام سے تو ہم کسی کو گرفتار نہیں کروا سکتے۔" مبین صاحب بھی آزردہ نظر آئے۔ مہماہ کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ یہ موضوع اس کے دل کو یوں ہی بھینچنے لگتا تھا۔ موحد اطمینان سے اپنا کھانا ختم کر رہا تھا جیسے اس وقت اس سے بڑی اور کوئی مصروفیت نہ ہو۔
"وہ عورت ایک بچے کی تربیت بھی ٹھیک سے نہیں کر سکی.... پھر شکوہ ہے کہ ہم نے اسے گلے سے نہیں لگایا۔ بچے کو بھی اپنے جیسا ہی بنا دیا۔"
تائی جان ثمرہ کو ٹیڑھی نظروں سے دیکھتے ہوئے طنزیہ بولیں مگر وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ خاموشی سے کھانا کھاتی رہیں۔ ان کا یقیناً "بولنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ ماحول ایک دم سے بوجھل سا ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

آج فرزین نے کالج سے چھٹی کی تھی۔ ملاحہ بیگ چیک کرتی گاڑی میں آ بیٹھی۔ کبیر نے ایک اچٹتی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ وہاں پہلے والے اشتیاق کا کوئی رنگ نہ تھا۔ محض لاپروائی اور اجنبیت تھی جو اس کے پچھلی سیٹ پر کھڑکی سے لگ کر بیٹھے وجود سے ٹپک رہی تھی۔
"تم نے کہا تھا کہ آپ مجھے معاف کرنے کا سوچیں گی۔" بہت غیر متوقع بات نے ملاحہ کو بری طرح چونکایا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کبیر خان اس بات کو یاد رکھے گا۔ بلکہ موقع پا کر وضاحت بھی طلب کرے گا۔
"وقت نہیں ملا کبیر خان.... اور ویسے بھی تمہیں کیا فرق پڑتا ہے میرے کسی عمل سے۔ میرے ہونے یا نہ ہونے سے۔" وہ ٹھنڈے لہجے میں بولی تو اتنے عرصے کی اس کی بے اعتنائی کا بدلہ اس ایک ہی جملے میں لے لیا۔ کبیر نے سختی سے لب بھینچے تو پیشانی کی رگ نمایاں ہونے لگی۔
"میں خائن نہیں کہلانا چاہتا ملاحہ بی بی!" وہ بالآخر مدھم لہجے میں بولا تو ملاحہ نے سلگتی نگاہ اس کے چاکلیٹ براؤن بالوں سے بھرے سر پر ڈالی۔
"کسی کا دل توڑنا کتنا بڑا گناہ ہے' یہ جانتے ہو تم؟"
"کسی کا اعتماد توڑنا بھی۔" وہ برجستہ بولا۔ ملاحہ نے کٹیلی نظروں سے اسے دیکھا۔
"تو ٹھیک ہے کبیر خان۔ تم بس اپنے اعتبار کی عمارت کو بلند کرتے رہو۔ جو کسی کے دل کے ملبے پر کھڑی ہے۔" وہ بہت سُلگ کر بولی تھی۔
"میں اسی کے لیے تو معافی طلب کر رہا ہوں۔" وہ مدھم لہجے میں بولا۔ قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی شرمسار.... ملاحہ کے دل کو کچھ ہوا۔
"تم سب جانتے ہو کبیر۔" وہ بے اختیار بولی اور یہی وہ لمحہ تھا جب کبیر خان نے نظر اٹھا کر بیک ویو مرر میں دیکھا تو دو سیاہ پلکوں سے سجی جذبوں سے اٹی نگاہوں سے اس کی نگاہ ٹکرا گئی۔ نم آنکھوں میں کیا اسرار بولتا تھا۔ کبیر نے کترا کر فوراً سڑک پر نظر جما دی۔
مگر وہ ایک پل ان دونوں کے درمیان ٹھہر سا گیا۔ کبیر نے لب بھینچ کر گہری سانس بھری۔
"میرے کندھوں پر بہت بھاری بوجھ ہے ملاحہ بی بی.... اس گھر کے احسانات اور اعتبار کی۔" اس کا لہجہ بوجھل تھا۔

"اور میرا کیا کبیر۔۔؟" ملاحہ کی آواز بھرا گئی۔ اس نے خود کو بے بس و لاچار پایا تھا اس طلسم کے آگے جسے سب محبت کہتے ہیں۔

"آپ ہی کا تو خیال ہے۔۔۔ تب ہی تو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔" وہ یکلخت ہار گیا تھا۔ ملاحہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ ایک بے نام سی خاموشی نے تیزی سے ان کا گھیراؤ کیا۔

"مت کیا کرو یہ جبر خود پر کبیر خان۔۔ لازم نہیں ہو تم ہمارے۔" ملاحہ کی آواز بھیگنے لگی۔

"آپ بس میری خطا معاف کر دیں۔ میں آپ کا دل دکھانے کا باعث بنا۔ جو خوشی نہ دے سکے اسے چاہیے کہ وہ غم بھی نہ دے۔" وہ آزردہ تھا۔

ملاحہ خاموشی سے گاڑی سے باہر کی بھاگتی دوڑتی زندگی کو دیکھنے لگی۔ کبیر خان اندر ہی اندر خود سے الجھتا ونڈ اسکرین کے پار دیکھتا جانے کیا سوچ رہا تھا۔ کتاب زندگی کے جس باب کو وہ کبھی کھولنا نہیں چاہتا تھا' ملاحہ کی بدذخی کی ایک نگاہ نے اس کے تمام اوراق بڑے اہتمام کے ساتھ اس کے سامنے کھول کر رکھ دیے تھے۔ تو کیا پڑھے بنا کوئی اور چارہ تھا؟

☆ ☆ ☆

سہیل آفندی کا اپنے بال نوچنے کو دل چاہ رہا تھا۔

"غضب خدا کا' آغا جان نے تو خود کو اس کل کے لونڈے کے آسرے پر چھوڑ دیا ہے بالکل۔ بھائی صاحب! میں تو کیا اس کی شکایت لگاتا۔۔۔ آغا جان کو وہ خود بتا چکا ہے کہ اس گھر پر جو آفات آرہی ہیں اس کا صدقہ خیرات نکالا ہے دس لاکھ چیریٹی کی مد میں۔ اور میں تو حیران رہ گیا کہ آغا جان بالکل مطمئن ہیں۔" وہ مبین صاحب کے آفس میں موجود بہت برہم موڈ میں تھے۔

"اگر آغا جان کو اعتراض نہیں تو پھر ہمارا اعتراض کرنا نہیں بنتا۔" مبین صاحب تو مہاہ والے واقعے کے بعد سے بہت زود رنج ہو چکے تھے۔ ورنہ شاید وہ بھی اس معاملے کو اٹھاتے۔ اب تو ایک عجیب سی مردنی طبیعت کا گھیراؤ کیے رہتی تھی۔ سہیل آفندی بھی ٹھنڈے ہو کر بیٹھ گئے۔

"مگر اس کی خود اعتمادی بڑھتی ہی چلی جارہی ہے بھائی صاحب۔ یہ تو اب اللہ ہی جانتا ہے کہ خیرات نکالی یا اپنی جیب میں ڈالے۔" وہ سخت متنفر تھے۔ تھوڑی دیر بعد پھر مضطربانہ لہجے میں بولے۔

"اس کا کوئی حل تو خیر سوچنا ہی پڑے گا۔ مگر ابھی تو اٹھو' دیر ہو رہی ہے۔" مبین صاحب نے انہیں احساس دلایا۔ آج کبیر ناسازی طبع کی وجہ سے ان کو پک اینڈ ڈراپ نہیں کر سکتا تھا۔ تو گاڑی سہیل آفندی ہی چلانی تھی۔ ان کا آفس گراؤنڈ فلور پر تھا۔ جبکہ فرسٹ فلور پر باقی ورکرز کے کیبنز کے ساتھ موحد کا آفس تھا۔ وہاں بھی وقار آفندی اور فاران آفندی بیٹھا کرتے تھے۔

وہ آفس کی بتیاں بند کرتا باہر نکلا اور دروازہ مقفل کر کے تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھا۔ جس وقت لفٹ کا دروازہ بند ہوا اسی وقت کوئی سیڑھیوں کی اوٹ سے باہر نکل آیا۔ اس وقت بلڈنگ بالکل خالی تھی اور آنے والا جانتا تھا کہ موحد آفندی بلڈنگ سے نکلنے والا آخری فرد ہے۔ اس نے چوکنا نظروں سے ادھر ادھر دیکھ کر چہرے کو ہاتھ کی اوٹ سے چھپاتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چابی نکالی اور موحد کے آفس کے دروازے کے کی ہول میں ڈال دی۔ یہ ماسٹر کی تھی۔ کلک کی خفیف سی آواز کے ساتھ تالا کھل گیا تو اس نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک سیکنڈ ضائع کیے بغیر اندر داخل ہو گیا۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
Monthly Shuaa May 2017 URDUSOFTBOOKS.COM

☆ ☆ ☆

پارکنگ میں جا کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو گاڑی کی چابی ندارد۔ موحد نے سر پر ہاتھ مارا۔ چوکیدار مستعدی سے بھاگتا اس کے پاس آیا۔

"کیا ہوا صاحب؟"

"گاڑی کی چابی آفس ہی میں رہ گئی یار۔"

موحد اپنی جلد بازی کو کوس کر رہ گیا۔ مگر اب دوبارہ اوپر جانا ناگزیر تھا۔ چوکیدار سے تو یہ کام کروا نہیں سکتا تھا کہ اسے آفس کی چابی تھما دیتا۔ وہ خود کو ملامت کرتا لفٹ کی طرف بڑھا۔ آج طبیعت کی سستی کی وجہ سے وہ گھر جلدی جانا چاہ رہا تھا۔

اپنے آفس کے دروازے تک پہنچ کر اس نے ہاتھ میں پکڑی چابی کی ہول میں ڈالی تو گھمانے پر ہی اندازہ ہو گیا کہ دروازہ غیر مقفل تھا۔ اس کے اعصاب چوکنا ہو گئے۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ دروازہ مقفل کر کے اس نے حسب عادت ناب کو گھما کر تالے کو چیک کیا تھا۔ وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

اندر موجود شخص کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ موحد آفندی دوبارہ واپس آسکتا ہے۔ دروازے کے ہلکے سے کھٹکے پر وہ چونک کر پلٹا تو بتی جلاتے ہی اس کو دیکھ کر موحد کی آنکھوں کے سامنے زمین و آسمان گھوم گئے۔

"تم؟" انتہائی مضبوط اعصاب کا مالک ہونے کے باوجود ایک پل کو موحد آفندی کا دماغ جھنجھنا کر رہ گیا۔ وہ آخری شخص ہوتا جس کے بارے موحد کو خیال آسکتا تھا کہ وہ ایسے رنگے ہاتھوں اس کے آفس سے پکڑا جائے گا۔ وہ ہاتھوں میں تھامی فائل چھوڑتا سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"اپنا حق لینے آیا ہوں موحد آفندی! چوری کرنے نہیں۔" وہ بہت پُر اعتماد انداز میں بولا تو موحد نے لمحہ بھر کو لب بھینچے پھر تلخی سے بولا۔

"حق چوروں کی طرح نقب لگا کر حاصل نہیں کیے جاتے۔ اگر تم اتنے ہی مظلوم ہو تو تم نے آغا جان کے سامنے آکر منہ کیوں نہیں کھولا؟"

"انہیں عادت نہیں ہے حق داروں کو ان کا حق دینے کی موحد! تم اچھی طرح واقف ہو ان سے۔ اور تم بھی تو یہی کر رہے ہو۔ ان کی لاعلمی میں بزنس پر ہاتھ صاف۔"

وہ اب پہلے پہل لگنے والے جھٹکے سے سنبھل چکا تھا۔ اس نے اس قدر آرام سے موحد کو بیچ میں گھسیٹا کہ لمحہ

شائع ہو گئے ہیں

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 250 روپے

☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 600 روپے

☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

بھر کو وہ ششدر رہ گیا۔ اس نے غرا کر اسے بات پوری کرنے سے ٹوک دیا۔
"شٹ اپ یو..." وہ بہ مشکل ہونٹوں تک آئی گالی کو واپس دھکیل پایا۔ موحد کو طیش میں آتے دیکھ کر وہ شانے اچکا کر بولا۔ "ٹھیک ہے اگر میرے چپ ہونے سے تم سچے ثابت ہو جاتے ہو تو وائے ناٹ؟"
موحد نے گہری سانس بھر کر خود کو جیسے ٹھنڈا کیا۔ پھر اپنی کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے اسے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
"میں کوئی بھی انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے تمہاری بات سننا چاہوں گا۔ وہ مجھے امید ہے کہ تمہیں بھی جیل جانے کا کوئی خاص شوق نہیں ہو گا۔ تو ہر بات سچ ہونی چاہیے۔ بالکل سچ۔" موحد انتہائی سنجیدگی سے بولا۔ تو اس نے گہری سانس بھرتے خود کو کرسی پر گرا لیا۔

یہ وہ گھڑی تھی جس کا اس نے کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کافی دیر سے گھر پہنچا۔ اس نے نکلنے سے پہلے ثمو کو کال کر کے کھانے پر انتظار نہ کرنے کا کہہ دیا تھا۔ مگر لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے مہپاہ کو براجمان پا کر وہ ٹھٹک گیا۔ اس وقت تک آغا جان کے آرڈر کے مطابق سب اپنے کمروں میں ہوتے تھے۔ جس نے رات گئے ٹی وی دیکھنا ہوتا' وہ اپنے کمرے میں ہی دیکھ لیتا۔ مگر مہپاہ کا یہاں پایا جانا کسی خاص مقصد کی نشان دہی کر رہا تھا۔ اوپر سے موحد کو دیکھتے ہی ٹی وی بند کر دینا موحد کے خیال کی تصدیق کرنے لگا۔ وہ سلام کرتا سیدھا نکلنے لگا تھا۔ جب وہ بہ عجلت ٹی وی بند کر کے اٹھ گئی۔
"ایکسکیوز می مسٹر... جب کوئی غیر متوقع طور پر آپ کو انتظار کرتا ملے تو اس سے وجہ پوچھ لینی چاہیے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ موحد اس کی طرف گھوم گیا۔ بالوں کو کیچر میں جکڑ کر' باقی کھلے بالوں کو شانے پر آگے کی طرف ڈالے' دونوں بازو سینے پر لپیٹے' وہ یقیناً "طنز" ہی کر رہی تھی۔
"ایکچوئلی میں نے اپنے آپ کو کبھی اتنے خوش نصیبوں میں شمار نہیں کیا کہ ایسی "غیر متوقع" عزت افزائی کے بارے میں سوچ سکوں۔" وہ بڑے سکون سے اس کے طنز کا جواب دے رہا تھا۔ اسے گھور کر مہپاہ سیدھے سبھاؤ اپنے مطلب پر آئی۔
"تمہیں کل رات شرم نہیں آئی آغا جان کے سامنے میرا نام لیتے... کہ نمیر کے پاس جو سم ہے' وہ میرے نام کی ہے۔"
"ایکسکیوز می..." وہ زور دے کر بولا۔
"اس بات پر شرمانا تمہارا فرض بنتا تھا یا میرا؟" وہ تیوری پر بل ڈال کر پوچھنے لگا تو مہپاہ کا دل چاہا نمیر کی طرح ایک تھپڑ اسے بھی جڑ دے۔ مگر بے بسی سے صرف تلملا کر رہ گئی۔
"تمہیں اس بات کی اگر بھنک پڑ ہی گئی تھی تو بیچ کھاتے کے راز فاش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارے کہنے پر ہی میں نے گھر والوں سے موبائل چھن جانے والی واردات چھپائی تھی اب اگر آغا جان کو پتا چلتا تو... اُفف۔" مہپاہ نے جھرجھری لی۔ پھر بہت یاسیت بھرے لہجے میں بولی۔
"بہت بڑی غلطی کی میں نے وہ واقعہ گھر والوں سے چھپا کر موحد! وہ نمیر تھا جو اس سارے معاملے کے پیچھے تھا اور نجانے کب سے میری حرکات و سکنات پر نظر رکھے ہوئے تھا۔"
"ہوں... مگر اب لکیر پیٹنے سے کیا حاصل... وہ وقت تو گزر چکا۔" موحد نے شانے اچکائے۔

"وہ وقت تو گزر چکا مگر تم اب مزید اس قصے کو کھول کر آغا جان تک مت پہنچانا۔ اب میں کہہ چکی ہوں ان سے کہ میری وہ سم کھو گئی تھی۔" وہ گویا اسے یہ بات سمجھانے کے لیے یہاں بیٹھی تھی۔ موحد نے سرہلایا۔

"بہت شکریہ مہاہ آفندی۔۔۔ اگر آپ" اتنی عقل میرے دماغ میں نہ ڈالتیں تو میں اسی وقت بول دیتا آغا جان سے۔" وہ ممنون ہوا تو اس کے انداز میں موجود طنز کو پا کر وہ خفیف سی ہوئی۔

"میں آئندہ کی بات کر رہی ہوں۔"

"جی بالکل سمجھ گیا ہوں میں۔۔۔ اب اجازت ہو تو میں جا سکتا ہوں؟" وہ تحمل سے پوچھ رہا تھا۔ مہاہ نے بدقت اثبات میں سرہلایا۔ تو وہ احتراماً" سر کو ہلکا سا جھکا کر آگے نکل گیا۔

"الو کا۔۔۔" وہ زیر لب بڑبڑا کر رہ گئی۔ جس بات نے کل سے اس کی نیند اڑا رکھی تھی۔ وہ موحد کے لیے مذاق تھی۔۔۔ ہونہہ۔ (ایسے ہی نیند خراب کی اپنی) وہ بتی بند کرتی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

☆ ☆ ☆

اس نے گاڑی ایک بلند عمارت کے سامنے روکی تو ہر بار کی طرح اس کا دل ایک شدت آمیز دکھ کی کیفیت میں گھرنے لگا۔ وہ اپنا آئی ڈی کارڈ گیٹ پر کھڑے چوکیدار کو دکھاتا اندر داخل ہوا تو آس پاس کا ماحول بہت خاموش اور اداس تھا۔ اس اولڈ ہاؤس میں خوشیوں کی منتظر زندگی جیسے ٹھہری گئی تھی۔ دو رویہ لان کے درمیان میں پتھر پلافٹ پاتھ تھا جو برآمدے تک جاتا تھا۔ آفس میں جا کر وہ اس اولڈ ہاؤس کے مالک مسٹر بھٹی سے ملا۔ وہ اب اسے بہت اچھی طرح سے جان گئے تھے۔ انہوں نے ایک چٹ پر اس کے نام کے ساتھ ایک خاتون کا نام لکھا۔ جن سے وہ ملنے آیا تھا۔ مسٹر بھٹی نے گھنٹی بجائی تو ہمیشہ کی طرح کچھ دیر کے وقفے سے ایک نرس اندر آئی۔ انہوں نے نرس کو وہ چٹ تھمائی۔ نرس مسکراتے ہوئے چلی گئی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ جانتا تھا اب اسے ملاقات کے لیے مخصوص کمرے میں جانا تھا۔

نرس کمرے میں داخل ہوئی جہاں ایک دوسری نرس ایک خاتون کو احتیاط کے ساتھ وہیل چیئر پر بٹھا رہی تھی۔ وہ ایک ادھیڑ عمر خاتون تھیں۔ کھنڈر بتاتے تھے کہ عمارت بہت شاندار ہوا کرتی تھی۔ مگر لگتا تھا گردش دوراں نے ان پر بہت ظلم روا رکھے اور اب وہ ایک شکستہ کھنڈر کی صورت نظر آتی تھی۔ وہ نرس جا کر ان کے پاس جھکی اور اپنے مخصوص شگفتہ انداز میں بولی۔

"آنٹی جی! آپ کی ملاقات آئی ہے۔" خاتون نے ہمیشہ کی طرح بے تاثر انداز میں نرس کو دیکھا۔

"آپ کا بیٹا ہے نمیر آفندی!" وہ مسکرا کر ہاتھ میں پکڑی چٹ پر سے نام پڑھ کر بولی مگر زرنگار کی آنکھوں میں شناسائی کی کوئی رمق نہ جاگی۔

"اچھا۔۔۔ ہو سکتا ہے۔ میں تو نہیں جانتی۔" وہ ہر بار کی طرح سادگی سے بولیں تو نرس ان کی وہیل چیئر پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیلنے لگی۔

"آپ اسے دیکھ کر تو پہچان ہی لیں گی نا!" وہ ان سے یونہی ہر بار بولنے والا مکالمہ دہرا رہی تھی۔ اور باہر ایک بیٹا مضطرب دل لیے بیٹھا اپنی ماں کے انتظار میں تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اسما فاروق

میرے آنگن سے

جینے لگا ہوں، پہلے سے زیادہ
پہلے سے زیادہ....
تم پہ مرنے لگا ہوں

ٹی وی کی آواز تیز تھی اور گانے کی آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی۔ میز پر پاپ کارن کا پیالہ دھرے، صوفے پر بڑے آرام سے لیٹی وہ مکمل طور پر ٹی وی میں گم تھی۔ وقفے وقفے سے پاپ کارن بھی منہ میں ڈالتی جارہی تھی۔ ارد گرد کیا ہو رہا ہے؟ اسے کچھ خبر نہ تھی۔

عفت بیگم نے لاؤنج میں قدم رکھا تو سامنے کا منظر دیکھ کر ان کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لیں یا پھر اس لڑکی کا سر توڑ ڈالیں۔

ان کو اپنی اکلوتی بیٹی پہ بے پناہ غصہ آرہا تھا۔ اسی غصے میں وہ آگے بڑھیں جبکہ وہ ۔۔۔ ان کی آمد سے بے خبر گانے میں گم تھی۔

"عمارہ! شرم نام کی کسی چیز سے تم واقف ہو یا نہیں؟" وہ غصے سے بولیں جبکہ عمارہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھی اور ڈرتے ڈرتے مما کو دیکھنے لگی۔

"صبح تمہارا پیپر ہے اور تم مزے سے بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی ہو، تم اتنی لائق کب سے ہو گئی ہو کہ بنا پڑھے ہی پیپر دے آؤ۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ عمارہ کی پٹائی کر دیں۔

"مما! میں نے تیاری کرلی ہے۔" وہ منمنائی۔

"چپ، مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی، جاکر پڑھو۔" وہ سختی سے بولیں تو عمارہ کو وہاں سے بھاگتے ہی بنی۔ جبکہ وہ گرنے کے سے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئیں۔ "یہ لڑکی کبھی نہیں سدھرے گی۔" وہ بڑبڑائیں۔ ان کی اتنی سختی کے باوجود بھی اس پر ذرا اثر نہیں ہوتا تھا۔ شاید وہ کسی خاص ڈھیٹ مٹی سے بنی تھی اپنی ہی طرز کا واحد پیس۔

عمارہ اندر آ کر دھپ سے بیڈ پہ گری۔ بیڈ پہ عبیرہ بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ عمارہ کی اس بدتمیزی پہ اسے گھور کر دیکھا۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ عمارہ؟ خود نہیں پڑھنا تو کیا کسی اور کو بھی پڑھنے نہیں دو گی؟" عبیرہ سخت چڑچڑی ہو رہی تھی۔

"عبیرہ تم تھکتی نہیں ہو پڑھ پڑھ کے۔" عمارہ نے تشویش سے پوچھا تو عبیرہ ہنس پڑی۔

"نہیں اور تم بھی پڑھو پلیز، ورنہ چھوٹی مما کا پتا ہے نا، تمہیں چھوڑیں گی نہیں۔" عبیرہ نے ڈرایا۔

"اُف، مجھے نیند آرہی ہے، میں تو سو رہی ہوں۔" وہ مزے سے منہ پہ تکیہ رکھ کر لیٹ گئی۔

عبیرہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

عمارہ شروع سے ہی ایسی تھی لاپروا۔۔۔ جبکہ عبیرہ امتحانوں سے پہلے ہی ٹینشن لے رہی ہوتی تھی۔ ہر وہ سوال جو وہ بھول جاتی تھی۔ اسے لگتا پیپر میں وہی سوال آنے والا ہے۔ اسے کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں رہتا تھا۔ دن اور رات کا فرق بھلائے وہ پڑھنے میں مشغول

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

رہتی، جبکہ عمارہ چھوٹی مما کی ڈانٹ ڈپٹ پہ ہی پڑھتی۔ وہ دونوں ایک ہی کلاس میں تھیں۔ عمارہ لاپروا ہونے کے باوجود کبھی فیل نہیں ہوئی تھی مگر اب بی ایس سی کے پیپروں میں اس کا پاس ہونا کافی مشکل لگ رہا تھا۔
عبیرہ نے مزے سے سوئی عمارہ کو رشک سے دیکھا۔ کاش کہ وہ بھی اس کی طرح ٹینشن فری رہ سکتی۔ عبیرہ نے حسرت سے سوچا اور پھر سے کتاب پر نظریں جمادیں۔

☆ ☆ ☆

صبح کے سات بج رہے تھے اور عبیرہ کی ٹینشن میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا، وہ ٹھنڈی پڑتی جا رہی تھی۔ دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ وہ جلدی جلدی سب لازمی سوالوں پہ نظر ڈال رہی تھی۔ دفعتاً اس کی نگاہ پاس سوئی عمارہ پر پڑی۔
"عمارہ کی بچی! اٹھ جاؤ یا پیپر دینے بھی نہیں جاؤ گی۔" عبیرہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔
"کاش کہ میں ایسا کر سکتی اور اٹھ رہی ہوں، بھٹکی ہوئی روح۔ خود تو تمہیں چین نہیں، مجھے بھی چین سے سونے نہیں دیتیں۔" عمارہ برے برے منہ بناتی اٹھی اور پھر کینہ توز نظروں سے عبیرہ کے ہاتھ میں موجود کیمسٹری کی کتاب کو دیکھا۔ جس کی وجہ سے اس کی نیند حرام ہوئی تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ دنیا کی ساری کتابوں کو آگ لگا دیتی۔
جبکہ عبیرہ جلدی جلدی رٹا لگانے میں مصروف تھی۔ عمارہ اٹھ کر واش روم گھس گئی۔ اور پھر باہر آکر ڈٹ کے ناشتا کرنے لگی۔ عفت بیگم کڑی نگاہوں سے اپنی صاحب زادی کے کارنامے دیکھ رہی تھیں۔
"عمارہ کم کھاؤ اور دو چار سوال ہی دیکھ لو۔" عفت بیگم غصے سے بولیں۔
"مما! آپ کو پتا ہے نا مجھ سے خالی پیٹ کچھ نہیں ہوتا، پہلے پیٹ پوجا پھر کام دوجا۔" وہ ڈھٹائی سے بولی۔
"اف کیا کروں میں اس لڑکی کا۔" انہوں نے سر تھام لیا۔

"عمارہ! عبیرہ نہیں آئی باہر؟ ناشتا نہیں کرے گی؟" ناصرہ بیگم نے عمارہ سے پوچھا۔
"بڑی مما وہ رٹا لگانے میں مصروف ہے۔ آپ کو پتا ہے اسے پیپر سے پہلے بھوک کہاں لگتی ہے۔" عمارہ ہنسی۔
"ہاں تم جو ہو دنیا جہاں کی بھوکی لڑکی۔" عفت بیگم عمارہ سے سخت تنگ تھیں۔
"کیا مما! اب میں کھاؤں بھی نہ۔" عمارہ نے احتجاج کیا۔
"عفت! آپ ہماری بیٹی کو کیوں ڈانٹ رہی ہیں؟ کھانے دیں نا۔" بڑے پاپا نے آکر عمارہ کی طرف داری کی۔
"بھائی صاحب! آپ کی لاڈلی کا پیپر ہے اور پوچھیں اس سے کتنا پڑھا ہے۔" عفت بیگم نے عمارہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔
"بڑے پاپا میں تیار ہوتی ہوں۔" عمارہ مسکراتی ہوئی اٹھ کے اندر آگئی، جہاں عبیرہ ہنوز پڑھنے میں مصروف تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر عمارہ کو ہمیشہ کی طرح ہنسی بھی آئی اور ترس بھی آیا۔
"عبیرہ! بس کرو، تمہیں سب کچھ آتا ہے، پھر کیوں خود کو ہلکان کر رہی ہو۔" عمارہ نے اس سے کتاب چھینی۔
"عمارہ کی بچی، پڑھنے دو نا مجھے، پہلے ہی اتنے سوال باقی ہیں۔" عبیرہ نے کتاب جھپٹ لی۔
"مرو تم، میں تو تیار ہو۔ رہی ہوں۔" عمارہ بے زاری سے الماری کی طرف بڑھ گئی۔
اسے پتا تھا کہ عبیرہ کو تب تک چین نہیں آئے گا جب تک وہ پیپر دے کر باہر نہیں آجائے گی۔
کالج پہنچتے ہی عمارہ تو دوستوں سے ملنے لگ گئی۔ جبکہ عبیرہ جلدی جلدی اہم سوالات دیکھ رہی تھی۔ اسے حیرت ہوتی تھی کہ یہ لڑکیاں جو اتنی بے فکری سے ادھر ادھر پھر رہی ہیں اور ہنسی مذاق میں مشغول ہیں، ان کو فکر کیوں نہیں ہوتی؟ جبکہ ان میں سے اکثر

لڑکیوں کے پیپر کے دوران پسینے چھوٹتے' وہ خود دیکھ چکی تھی۔ مگر کسی اور کو کیا کہتی' اس کی اپنی کزن بھی ایسی تھی۔ وہ اپنی سوچوں پہ خود ہی ہنس دی۔

٭ ٭ ٭

امتحانی ہال میں موت کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اگر سوئی بھی گرتی تو اس کی بھی آواز سنائی دیتی۔ سب کو سوالنامہ مل چکا تھا۔ سوالات دیکھ کر کچھ چہرے تو خوشی سے کھل اٹھے تھے۔ جبکہ کچھ چہرے مرجھا چکے تھے۔

عبیرہ نے سوالنامہ دیکھا تو اطمینان بھری سانس خارج کی۔ اس کو سارا پیپر اچھی طرح سے یاد تھا۔ جبکہ وہی لڑکیاں جو باہر بے فکری سے گھوم رہی تھیں۔ اب ان کے ماتھے پہ پسینے کے قطرے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

اپنے پیچھے بیٹھی عمارہ کا حال 'بنا دیکھے ہی وہ جانتی تھی۔ اسی وجہ سے پیپر تھوڑا سا ایک طرف ہو کے لکھنا شروع کیا۔

"عبیرہ کی بچی' تھوڑا آہستہ لکھو۔" عمارہ اپنی طرف سے تو بہت آہستہ بولی تھی' مگر ہال میں چھائی خاموشی کی وجہ سے اس کی آواز خوب گونجی۔

عبیرہ کا تو مانو دل ہی حلق میں آگیا تھا۔

اتنے میں سپرنٹنڈنٹ — کی آواز گونجی۔ "کون لڑکی بولی ہے ادھر؟" وہ ہر ایک کو مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"اب اگر کسی لڑکی کی آواز آئی تو میں اس سے شیٹ لے کر سینٹر سے باہر نکال دوں گی۔" میم غصے سے بولیں۔

عمارہ نے چور نظروں سے اردگرد دیکھنے کی کوشش کی مگر یہ پنجاب یونی ورسٹی کا سینٹر تھا' جہاں گردن ٹیڑھی کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ ابھی عمارہ نے آدھا پیپر ہی کیا تھا کہ نگران نے عبیرہ کو پیپر بار بار ایک طرف کرنے کی وجہ سے زبردست قسم کی جھاڑ پلائی۔

عمارہ نے دل ہی دل میں اس نگران کو کوسا' جس کی وجہ وہ اب عبیرہ کا پیپر دیکھنے سے محروم تھی۔ خیر آدھا پیپر وہ کر چکی تھی' کچھ اسے خود آتا تھا۔

بی ایس سی کے بعد آگے نہ پڑھنے کا وہ پورا ارادہ کر چکی تھی۔ وہ تو سیدھا سادا بی اے کرنے کے چکر میں تھی' یہ تو ممانے ڈانٹ ڈپٹ کرا سے پھنسا دیا اور عبیرہ کی مہربانی تھی کہ وہ آج کے پیپر میں آسانی سے پاس ہونے والی تھی ورنہ یہ کیمسٹری تو نرا جان کا عذاب تھا۔

"چلو گھر چلیں۔" عبیرہ کو گھر جانے کی بہت جلدی تھی۔ ان کا گھر تھوڑے ہی فاصلے پر تھا' اس لیے وہ آرام سے آجاتی تھیں۔

"عمارہ! تم نے کتنا پیپر کیا آج؟" عبیرہ کو اس کا پیپر یاد آگیا۔

"یار آدھا تو مجھے تم نے کروا دیا تھا' کچھ میں نے خود کرلیا اور ایک سوال چھوڑ دیا۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"تم نے جتنا ٹائم وہ منحوس فلم دیکھنے میں اور صبح سونے میں ضائع کیا' اتنا ٹائم پڑھ لیتیں تو سارا پیپر حل ہو جاتا۔" عبیرہ نے افسوس سے سر ہلایا۔

"چھوڑو یار! مجھ سے نہیں ہوتی اتنی پڑھائی۔" سامنے ڈھیٹوں کی سردار عمارہ تھی۔

عبیرہ اس کی ڈھٹائی پہ ہنس دی۔

٭ ٭ ٭

"ارے واہ! محاذ جنگ سے واپس آگئے لوگ' غازی رہے یا عنقریب شہیدوں کی لسٹ میں نام آنے والا ہے۔" عمارہ اور عبیرہ کو آتے دیکھ کر معاذ شوخی سے بولا۔

معاذ' عبیرہ کا بھائی اور عمارہ کا کزن تھا اور عمارہ سے اکثر و بیشتر چونچیں لڑاتا پایا جاتا تھا۔ اب بھی حسب توقع عمارہ کا منہ پھول چکا تھا۔ جبکہ عبیرہ تاسف سے معاذ کو دیکھ رہی تھی۔ اب یقیناً" ادھر تیسری عالمی جنگ شروع ہونے والی تھی۔

"معاذ کے بچے! تمہیں کیا تکلیف ہے' میں غازی بنوں یا شہید۔" عمارہ تنک کر بولی۔

"ہاں تو مجھے ہی تو تکلیف ہے' تم اگر شہیدوں میں آگئیں تو آئندہ بچانے کے لیے میری بہن بھی موجود نہیں ہوگی۔" معاذ نے قہقہہ لگایا۔

"معاذ کے بچے' میں تمہارا سر توڑ دوں گی' اگر تم نے مزید ایک بھی لفظ کہا تو۔۔۔" غصے سے عمارہ کا منہ لال ٹماٹر ہو رہا تھا۔

"معاذ تو ابھی خود بچہ ہے۔ تم معاذ کے کون سے بچوں کی بات کر رہی ہو۔" وہ مصنوعی حیرت سے بولا۔

"تم۔۔۔ تم۔۔۔" غصے سے اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ تب ہی اس نے ہاتھ میں پکڑی عبیرہ کی کتاب اٹھا کر اس کو دے ماری اور خود اندر آگئی۔

"اف! مار ڈالا ظالم لڑکی۔" معاذ کی دہائی نے اس کا پیچھا کیا۔

"عمارہ' پیپر کیسا ہوا؟" وہ اندر داخل ہوئی ہی تھی کہ مما نے اپنا پسندیدہ سوال پوچھا۔

"بہت اچھا ہوا مما! فکر نہ کریں فیل نہیں ہوں گی۔" وہ لاپروائی سے بولی۔ جبکہ عفت بیگم نے تاسف سے اپنی اولاد کو دیکھا۔ جو اب مزے سے ٹی وی کھول رہی تھی۔

"عمارہ! ابھی ایک پیپر رہتا ہے تمہارا' اس منحوس کو بند کرو اور کتاب پکڑو۔" عفت بیگم نے اسے جھاڑا۔

"مما پہلے کھانا دیں' بھوک لگی ہے' خالی پیٹ نہیں پڑھا جاتا مجھ سے۔" وہ بھی عمارہ تھی' پڑھائی سے بچنے کے ایک سو ایک طریقے اس کے پاس موجود رہتے تھے۔

"خالی پیٹ نہیں پڑھا جاتا' بھرے پیٹ تو تم جیسے ساری کتابیں حفظ کر لیتی ہو' ابھی کھانا کھا کر تمہیں نیند آجائے گی۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھیں۔

کبھی کبھی عمارہ انہیں بالکل ناقابل علاج لگتی تھی اور ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ جادو کی چھڑی گھمائیں اور اس کا دماغ ٹھیک کر دیں۔ مگر وہ اپنی اکلوتی اولاد کے سامنے بے بس تھیں۔ اولاد بھی وہ جو ان کی واحد پونجی تھی۔

افتخار علوی کے انتقال کے بعد ان کے پاس عمارہ کے سوا اور بچا بھی کیا تھا۔ ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ماضی کی کتاب کا ورق ورق جیسے ان کے سامنے کھلا پڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

احمد علوی اور افتخار علوی دو ہی بھائی تھے۔ احمد علوی کے دو بچے عبیرہ اور معاذ تھے۔ معاذ ایم بی اے کر کے احمد صاحب کے ساتھ بزنس میں تھا۔ جبکہ عبیرہ بی ایس سی کر رہی تھی۔ افتخار علوی احمد صاحب کے بہت لاڈلے بھائی تھے اور انہوں نے افتخار کی شادی بہت دھوم دھام سے کی تھی۔ عفت بیگم اپنے والدین کی ایک ہی بیٹی تھیں اور بہت نفیس طبیعت کی مالک تھیں۔ ناصرہ بیگم اور عفت بیگم میں خاصی دوستی تھی۔ جس کی وجہ ان کا گھر روایتی جھگڑوں سے محفوظ تھا۔

عمارہ اور عبیرہ کی پیدائش آگے پیچھے ہی ہوئی تھی اور اسی وقت عمارہ کو معاذ سے منسوب کر دیا گیا تھا۔ مگر ان کی اتنی خوشیوں کو نہ جانے کس کی نظر کھا گئی تھی۔ افتخار علوی جو ایک دن آفس گئے تو اپنے قدموں پر واپس نہ آسکے۔ عفت بیگم کا سب سے برا حال تھا۔ ماں' باپ تو پہلے ہی چھوڑ کر جا چکے تھے۔ اب شوہر بھی نہ رہا اور اوپر سے چھوٹی سی بچی کا ساتھ۔ وہ عمارہ کے مستقبل کے حوالے سے اندیشوں کا شکار تھیں۔ اس گھر کے سوا ان کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

لیکن ان کا ہر اندیشہ بے بنیاد ثابت ہوا اور احمد علوی نے نہ صرف ان کے سر پر ہاتھ رکھا بلکہ عمارہ کو عبیرہ سے بڑھ کر پیار دیا۔ ناصرہ بیگم نے بھی کبھی فرق نہیں کیا تھا لیکن جیسے جیسے عمارہ بڑی ہو رہی تھی ان کی ٹینشن میں اضافہ کر رہی تھی۔ پڑھائی میں اس کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی اور ان کی اتنی کوششوں کے باوجود بھی وہ بس رو دھو کر عبیرہ کی وجہ سے ہی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بی ایس سی تک پہنچی تھی۔ بات اگر یہاں تک ہی رہتی تو ٹھیک تھا مگر اسے کچن کے کاموں سے بھی سخت الرجی تھی۔

ہر وقت اوٹ پٹانگ سی حرکتیں کرتی رہتی اور فلموں، گانوں کی شیدائی تھی۔ اگر وہ اس کا ٹی وی بند کرتی تھیں تو بلوتوتھ لگا کر بیٹھ جاتی رہتی تھی۔ اب تو انہیں یہ ڈر ہونے لگا تھا کہ کہیں اس کی حرکتیں دیکھ دیکھ کر ناصرہ بھابھی رشتے سے ہی انکار نہ کردیں۔ وہ سخت پریشان تھیں اور یہ پریشانی تب تک رہنی تھی جب تک عمارہ کی شادی نہ ہوجاتی یا وہ سدھر نہ جاتی اور اس کے سدھرنے کے چانسز بہت کم تھے۔ عفت بیگم کے ماتھے پہ تفکرات کا ایک جال بکھرا پڑا تھا۔

ماضی سے حال تک کا یہ سفر تھکا دینے والا تھا۔ ہر سو یادیں بکھری تھیں۔

☼ ☼ ☼

عبیرہ اور عمارہ کا آج آخری پیپر تھا اور خلاف معمول آج عبیرہ خاصی مطمئن تھی اور عمارہ تو تھی ہی من موجی اور لاپروا۔ بے شک مطالعہ پاکستان کا پیپر تھا مگر پھر بھی آسان ہرگز نہ تھا۔ "یار عبیرہ کہنے کو تو مطالعہ کے بس دو سوال آتے ہیں مگر یہ دو سوال ہی لکھتے وقت وبال جان ثابت ہوتے ہیں، ہے نا۔" عمارہ نے اس کی رائے طلب کی۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ٹائم مینیج کرنا خاصا مشکل ہوتا ہے۔" اور پھر وہ ایک دم سے ہنس پڑی۔ آج کلاس اسٹوڈنٹس کا آخری پیپر تھا اور لڑکیاں گھر جانے پر تیار نہیں لگ رہی تھیں۔ عبیرہ بھی ادھر ادھر دیکھ کر انجوائے کر رہی تھی۔

"تم ہنسی کیوں ہو میری بات پر؟" عمارہ نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"یار! میں میم کی بات پر ہنس رہی ہوں۔" عبیرہ پھر سے ہنسی۔

"کون سی بات؟" عمارہ نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"یار وہی، جو پیپر شروع ہوتے وقت کہہ رہی تھیں کہ بہت سی لڑکیاں مارننگ گروپ میں ایک ہی سوال کر کے گئی ہیں، انہیں یہ ہی نہیں پتا تھا کہ آج پیپر کا ٹائم کم تھا۔" عبیرہ نے پوری بات بتائی تو عمارہ کھلکھلا اٹھی۔

"یار! اچھی بات ہے، اسٹوڈنٹس کا دھیان پڑھائی کے علاوہ ہر چیز میں ہوتا ہے اور یقیناً" وہ اسی بات پر خوش ہوں گی کہ آج بس دو سوال ہیں۔" عمارہ ہنسی۔

"اور ان میں تم بھی شامل ہو۔" عبیرہ کھلکھلائی۔

"ہاں بالکل۔۔۔ شکر ہے جان بچی سو لاکھوں پائے، اب میں جی بھر کے سوؤں گی اور موویز دیکھوں گی، ناولز پڑھوں گی۔" عمارہ نے اپنے پلان بتائے۔

"بیٹا تم خواب دیکھو، ابھی پریکٹیکلز باقی ہیں اور چھوٹی مما تمہیں کچن میں گھسانے کا پروگرام بنائے بیٹھی ہیں۔" عبیرہ نے اس کے خوابوں پر پانی پھینکا تو عمارہ کا منہ پھول گیا۔

"یہ غلط ہے۔ اب مما زیادتی کر رہی ہیں، ایک تو اتنی مشکل پڑھائی کرو اور پھر کچن میں کام کرو۔ عجیب زبردستی ہے۔" عمارہ نے خفگی سے منہ بنایا۔ جبکہ عبیرہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"چلو گھر چلتے ہیں یار۔" عمارہ بولی۔ اور پھر وہ کالج سے نکل آئیں۔

"یار عبیرہ، تمہیں ایسا نہیں لگ رہا کہ کوئی ہمیں فالو کر رہا ہے۔" عمارہ نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں، کیوں تمہیں ایسا لگ رہا ہے کیا؟" عبیرہ نے اپنی لاپروا سی کزن کو بغور دیکھا، جس کی حسیات خاص تیز تھیں۔

"عبیرہ میں ہر پیپر کے بعد مسلسل ایک لڑکے کو دیکھ رہی ہوں کہ وہ ہمیں گھورتا ہے۔۔۔ اور آج مجھے لگ رہا ہے کہ وہ ہمیں فالو کر رہا ہے۔" عمارہ نے پوری بات بتائی۔

"یار دفع کرو، ہمیں کیا، ہم تو ویسے بھی گھر پہنچ گئے

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہیں۔" عبیرہ نے لاپروائی سے کہا۔

عمارہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی اور پھر وہ دونوں گھر میں داخل ہو گئیں۔ جبکہ کوئی گھر کا نمبر اچھی طرح نوٹ کرنے کے بعد اطمینان سے واپس مڑ گیا۔

عبیرہ اور عمارہ مزے سے گنگناتی ہوئی اندر آئیں تو پہلا ٹاکرا ہی معاذ سے ہوا۔

"اوہو! دنیا کے لائق فائق لوگ پیپر دے کر آ گئے ہیں' لگتا اس دفعہ ٹاپ تو عمارہ ہی کرے گی۔" اس نے چھیڑا۔

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔" خلاف توقع عمارہ چڑنے کے بجائے شوخی سے بولی تو معاذ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"معاذ منہ بند کر لو' مکھی چلی جائے گی۔" عبیرہ کھلکھلائی۔

"عبیرہ! یہ سورج آج مشرق سے ہی نکلا تھا نا یا میں خواب تو نہیں دیکھ رہا' مس عمارہ علوی صاحبہ نے آج لڑنے کی بجائے مجھ سے ہنس کر بات کی ہے۔ او' او یہ تو اس صدی کا سب سے حیرت انگیز واقعہ ہے۔" معاذ کا مسخرہ پن عروج پر تھا۔ اس کی اتنی ایکٹنگ دیکھ کر وہ ہنسنے لگیں۔

"ہاں ہم بھی کیا یاد کرو گے۔ آج پیپر ختم ہونے کی خوشی میں تمہیں معاف کیا۔" عمارہ شان بے نیازی سے بولی۔

"زیادہ خوش نہ ہو' ابھی تو عشق کے امتحان باقی ہیں' پھر کچن بھی تو تمہیں ہی دیکھنا ہے۔" وہ سراسر عمارہ کو چڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"انسان کا منہ اچھا نہ ہو تو کم از کم بات ہی اچھی کر لے۔" عمارہ نے اسے زبان چڑائی۔ جبکہ عبیرہ ان کی نوک جھونک سے لطف اٹھاتی مسلسل ہنس رہی تھی۔

معاذ نے اسے گھورا اور چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

"آپی۔۔۔ آپی! مجھے ایڈریس پتا چل گیا ہے' اب تو آپ چلیں گی نا؟" وہ بڑی آس سے پوچھ رہا تھا۔

"دھیرج رکھو سکندر' اتنی جلد بازی اچھی نہیں ہوتی' کسی کے گھر جانے کا بھی کوئی طریقہ ہوتا ہے۔" رومیصہ آپی مبہم سا مسکرائیں۔

"تو آپی آپ کے خیال سے ہمیں کوئی باقاعدہ دعوت نامہ آنے والا ہے؟" سکندر نے حیرت سے پوچھا۔

"کوئی طریقہ سوچتے ہیں' ہم انہیں جا کر کیا کہیں گے کہ ہمیں ان کا کیسے پتا چلا ہے۔" آپی پریشانی سے بولیں۔

"یار آپی' پہلے ایسے ہی ملنے چلتے ہیں نا' یہ تھوڑی کہیں گے کہ رشتہ لینے آئے ہیں۔" وہ مزے سے بولا۔

"سکندر! مجھے پہلے سوچنے دو' پھر ہی کچھ کروں گی نا۔" وہ تنگ آ کر بولیں۔

"ویسے تو آپ خواتین اتنی باتونی ہوتی ہیں اور اب آپ کو کوئی بہانا نہیں مل رہا۔" وہ ناراضی سے بولا۔

"اگر وہ لڑکی پہلے سے ہی منگنی شدہ ہوئی تو؟" انہوں نے اپنا خدشہ بیان کیا۔

"پلیز۔۔۔ ایسا تو مت کہیں۔" وہ تڑپ اٹھا۔

"اللہ پر بھروسا رکھو' ان شاء اللہ سب بہتر ہو گا۔" آپی نے تسلی دی۔

"اسی لیے تو میں چاہتا ہوں کہ آپ جلدی جائیں۔" وہ مسکرایا۔

"ٹھیک ہے بابا' شام میں چلیں گے۔ اب میرے کان نہ کھاؤ۔" آپی نے جان چھڑائی۔

"تھینکس میری پیاری آپی جان' یہ ہوئی نا بات۔" سکندر اپنی منوا کے خوش ہو گیا۔

براؤن شرٹ' بلیک جینز' ماتھے پر گرتے بال جنہیں وہ اسٹائل سے پیچھے ہٹا رہا تھا۔ تیکھی ناک' بھوری آنکھیں اور ان میں اتری جگنوؤں کی برسات جو اس کی بے پناہ خوشی کو ظاہر کر رہی تھی۔ بلاشبہ وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔

"تیار ہو گئے تم؟" رومیصہ آپی دروازے پر کھڑی

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تھیں۔

"جی آپی! آپ تیار ہیں تو چلتے ہیں۔" وہ مسکرایا۔

"ماشاء اللہ میرا بھائی تو شہزادہ لگ رہا ہے۔" رومیصہ آپی بے اختیار بولیں۔

"آپی دعا کریں کہ ان کو بھی میں پسند آجاؤں۔" وہ بے چینی سے بولا۔

"کیوں نہیں آؤ گے پسند‘ کس چیز کی کمی ہے میرے بھائی میں۔" وہ پیار سے بولیں۔

"آپ تو بہن ہیں نا‘ پیارا تو لگوں گا ہی۔" وہ منہ بسور کر بولا۔

"سکندر! اتنے بڑے ہو کر بچوں جیسی حرکتیں کرتے ہو‘ چلو اب۔" وہ باہر نکل گئیں۔

سکندر ڈارک گلاسز لگا کر فوراً ان کے پیچھے لپکا۔

کچھ ہی دیر میں وہ اپنے مطلوبہ گھر کے سامنے کھڑے تھے۔

گرمی اپنے جوبن پر تھی‘ شام کا وقت ہونے کی وجہ سے ماحول کچھ پُرسکون تھا۔ سکندر نے گھنٹی بجائی‘ لیکن کوئی دروازے پر نہ آیا۔ تو پھر اس نے جو گھنٹی پر ہاتھ رکھا تو گویا اٹھانا ہی بھول گیا۔ کچھ ہی دیر بعد قدموں کی چاپ سنائی دی تو پیچھے ہٹ گیا۔ پنک ٹراؤزر شرٹ اور بکھرے بکھرے بالوں کے ساتھ اکتائی اکتائی سی وہ دشمن جاں اس کے سامنے تھی۔

ان کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی پتلیاں حیرت سے سکڑیں اور پھر وہ بولی تو بس اتنا کہ "آپ کون؟"

"آپ کی مما سے ملنے آئے ہیں۔" آپی پیار سے بولیں۔

"میری مما گھر نہیں ہیں‘ آپ پھر کبھی آیئے گا۔" اور کھٹ سے دروازہ بند کر دیا۔

سکندر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور آپی تو بس حیرت زدہ تھیں۔

☆ ☆ ☆

ڈراما سیریل ـــــ چل رہا تھا۔ مدھم روشنی‘ ہاتھ میں ریموٹ تھامے بکھرے بکھرے بالوں کے ساتھ صوفے پر نیم دراز وجود مکمل طور پر ٹی وی میں گم تھا۔ ڈراما بڑے زبردست موڑ پر آچکا تھا۔ لاؤنج میں مکمل طور پر خاموشی چھائی تھی‘ صرف ٹی وی کی آواز ہی پھر کے اس سناٹے ـــــ میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔

"عمارہ‘ عمارہ!" تب ہی ایک اور آواز بھی ساتھ شامل ہو گئی‘ مگر عمارہ تو پوری طرح ڈرامے میں مگن تھی‘ دھیان ہوتا تو سنتی نا۔

"عمارہ! بہری ہو گئی ہو کیا؟ کچھ ارد گرد کی بھی خبر رکھا کرو۔" عفت بیگم نے آکر اس کا کندھا ہلایا تو وہ ہوش میں آئی۔ وہ کب اس کے سر پر پہنچ گئی تھیں‘ عمارہ کو پتا ہی نہیں چل سکا اور اب وہ برے برے منہ بنا تی ان کو دیکھ رہی تھی۔

"مما! آپ نے کب آواز دی؟ ادھر تو آواز آئی ہی نہیں۔" عمارہ نے منہ بنایا۔

"ہاں تو ٹی وی سے سر باہر نکالو تو آواز آئے نا۔" عفت بیگم کا دل چاہ رہا تھا کہ دو تھپڑ لگائیں اس کو۔

"کوئی کام تھا آپ کو؟" عمارہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ کہیں سچ مچ کوئی کام نہ کہہ دیں۔

"ہاں میں اور تمہاری بڑی مما بازار جا رہے ہیں۔ عبیرہ گھر پہ نہیں ہے ہم ہمارے آنے تک آلو قیمہ بنا لینا۔" عفت بیگم نے سختی سے کہا۔

"مما! میں آلو قیمہ بناؤں گی؟ میں؟" وہ بے یقینی سے بولی۔

"ہاں تو کیا تمہارے فرشتے بنائیں گے؟" انہوں نے گھورا۔

"میں نہیں بنا رہی‘ آپ بازار سے کچھ لیتی آئیں۔" اس نے صفا چٹ انکار کیا۔

"میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا‘ مجھے آکر کھانا تیار چاہیے‘ زیادہ بولیں تو پھر روٹیاں بھی تم ہی پکاؤ گی۔" وہ قطعیت سے بولیں۔

"آپ اتنی دوپہر میں کیوں جا رہی ہیں؟" وہ بات بدل کر بولی۔

دل ماچس ہے نہ تم اس کو سلگاؤ
بھیگا رہنے دو نہ تم اس کو بھڑکاؤ

"پہلے کہیں اور جانا ہے' پھر بازار جائیں گے۔" وہ بتا کر چلی گئیں۔

عمارہ دوہرے صدمے میں تھی۔ ایک تو ڈراما بھی خراب ہو گیا' اوپر سے کھانا بنانے کا پہاڑ بھی ٹوٹ پڑا تھا۔ اسے شدید غصہ آرہا تھا۔

"کاش کہ پیاز زندہ ہوتے' پھر میں دیکھتی کہ مما اس طرح کیسے کرتی ہیں۔" ہمیشہ کی طرح اس کی تان پیاز پہ ہی آکر ٹوٹی تھی۔

مرے مرے ہاتھوں سے قیمہ نکال کر پانی میں رکھا۔ آلوؤں کے لیے شیشے کا بڑا پیالہ نکالنے لگی تو نکالتے نکالتے اسے پتا ہی نہ چلا اور دو پیالے نیچے گرے اور ٹوٹ گئے۔ عمارہ کا رنگ فق ہو گیا اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ اسی طرح روتے روتے فرش صاف کیا اور جا کر سو گئی۔ ڈٹ کے تین گھنٹے نیند پوری کرنے کے بعد اس نے کچن کا رخ کیا۔ اسے پھر سے پیالے یاد آگئے۔ وہ اتنی پھوہڑ ہو گی اسے خود اندازہ نہیں تھا۔ پھر اس نے پیاز کاٹنا شروع کی تو آنکھیں پانی سے بھر گئی تھیں۔

"شاید پیاز کاشت کرنے والوں نے غلطی سے اندر مرچوں کے بیج بھی شامل کر دیے ہیں۔" وہ آنکھیں صاف کرنے کی کوشش کرتی تو مزید پانی نکل آتا۔

خدا خدا کر کے پیاز کا معرکہ سر ہوا تو اسے پکانے کی فکر ستائی۔ اسے تو سرے سے کوئی طریقہ پتا ہی نہیں تھا۔

"اف مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ پہلے آلو ڈالتے ہیں یا قیمہ؟" وہ سوچنے لگی۔

"چلو میں دونوں ایک ساتھ ڈال دیتی ہوں' کچھ تو بنے گا ہی۔" وہ اپنی سوچ پہ خود ہی ہنس پڑی۔ عمارہ نے قیمہ اور آلو بھوننا شروع کیا' مگر یہ کیا آلو تو گل رہے تھے' لیکن قیمہ سخت ہو رہا تھا۔ اس نے پانی ڈال کر رکھا اور خود ٹی وی لگا کر بیٹھ گئی۔ اسے بیٹھے پندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ عمارہ کو محسوس ہوا جیسے کچھ جل رہا ہو۔ وہ بھاگم بھاگ کچن گئی تو قیمہ ہلکا ہلکا جلنا شروع ہو چکا تھا۔

"اف ٹی وی دیکھتے وقت سالن کو تو میں بھول ہی گئی' کیا بنے گا آج تیرا عمارہ!" وہ خود پہ ہنسی۔ سالن میں بہت سارا پانی ڈال کر آنچ دھیمی کر کے وہ باہر آ گئی۔

آدھے گھنٹے بعد اس نے سالن دیکھا تو پک چکا تھا مگر یہ کیا؟ وہ قیمہ کم اور حلوہ زیادہ لگ رہا تھا۔ قیمہ گلانے کے چکر میں آلو بھی حلوہ کی طرح گل گئے تھے۔

"یا اللہ! میں اب کیا کروں؟ مما تو آج میرا حشر نشر کر دیں گی۔" وہ پریشانی سے بولی۔

اتنے میں باہر سے گھنٹی کی آواز آئی۔ عمارہ کا رنگ اڑ گیا۔ کتنی دیر تو وہ ایسے ہی کھڑی رہی۔ اپنی متوقع درگت کے خیال سے ہی اسے رونا آ رہا تھا۔ پھر وہ مرے مرے قدموں سے گیٹ کی طرف آئی اور جل تو جلال تو کا ورد کرتے دروازہ کھولا۔ مگر دروازے پر مما کے بجائے دو اجنبی افراد کھڑے تھے۔

"آپ کون؟" وہ ان کو حیرت سے دیکھتی بولی۔

"ہم آپ کی مما سے ملنے آئے ہیں۔" وہ خاتون شائستگی سے گویا ہوئیں۔

"مما گھر پہ نہیں ہیں۔ آپ پھر کسی وقت آ جائیے گا۔" اتنا کہتے ہی عمارہ نے جھٹ سے دروازہ بند کر دیا۔ وہ ابھی آکر بیٹھی ہی تھی کہ پانچ منٹ بعد پھر سے گھنٹی بج اٹھی۔

"اف خاصے ڈھیٹ لوگ ہیں' بتایا بھی ہے کہ مما گھر پہ نہیں' پھر بھی اب تک اِدھر کھڑے ہیں۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی دروازے کی طرف آئی اور غصے سے دروازہ کھولا۔ مگر سامنے عفت بیگم کو دیکھ کر اس کی سٹی گم ہو گئی۔

"عمارہ! سو رہی تھیں کیا؟ ذرا جو ماں کا خیال ہو۔" عفت بیگم نے اسے غصے سے دیکھا۔ عمارہ ان کی بات سنی ان سنی کر کے شاپنگ دیکھنے لگی۔ جبکہ وہ کچن کی طرف چلی گئیں۔

"عمارہ! یہ قیمہ بنایا ہے تم نے؟" مما کی غصے سے بھری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"جی مما! قیمہ بنایا ہے؟" وہ مزے سے بولی۔

"یہ قیمہ کم اور حلوہ زیادہ ہے۔" انہوں نے گھورا۔

"مما! مجھے جیسا آتا تھا بنا دیا۔" وہ اٹھلائی۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"کتنی دفعہ کہا ہے تمہیں کچن کے کاموں میں دلچسپی لیا کرو، ساتھ کھڑی ہو کر کم از کم طریقہ ہی دیکھ لیا کرو، مجال ہے جو تم پر کچھ اثر ہو۔" وہ اس کی کلاس لینے کے موڈ میں تھیں۔

"مجھے نہیں پسند کچن میں کام کرنا۔" عمارہ نے منہ بسورا۔

"تو نواب زادی صاحبہ! آپ کو جو پسند ہے وہ بتا دیں، تاکہ میں وہ کام ہی کروالوں۔" عفت بیگم طنز سے بولیں۔ وہ بھی اسی کی ماں تھیں۔

"مما جانے بھی دیں نا۔ ذائقہ تو اچھا ہے۔" وہ ڈھٹائی سے بولی۔

"بیٹا جی، پہلے کھانے کی شکل دیکھی جاتی ہے، ذائقہ تو بعد میں آتا ہے۔ اگر بھائی صاحب کو کھانا پسند نہ آیا تو دوبارہ تم ہی بناؤ گی۔" وہ اسے جھاڑ کر چلی گئیں۔ جبکہ عمارہ نے اتنی جلدی جان چھوٹ جانے پہ اللہ کا شکر ادا کیا۔

☼ ☼ ☼

"یہ وہی لڑکی تھی نا!" آپی اب تک حیرت زدہ تھیں۔

"جی وہی تھی۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"واہ کیا نمونہ پسند کیا ہے تم نے۔" وہ ہنسیں۔

"ویسے اتنی پیاری تو تھی اور وہ ہمیں جانتی ہی کب ہے۔" سکندر نے اس کا دفاع کیا۔

"بیٹا جی! شکل و صورت ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی، اخلاقیات بھی کسی چڑیا کا نام ہے، ویسے ابھی سے ہی کافی خوش اخلاق ہیں آپ کی ہونے والی بیگم صاحبہ۔" انہوں نے چھیڑا۔

"آپی، پتا بھی ہے کیا حالات چل رہے ہیں۔ پھر وہ ہمیں کیسے اندر لے جاتی۔" سکندر مضبوطی سے بولا۔

"اتنی اچھی لگتی ہے وہ تمہیں؟" وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں نا، پہلی دفعہ تو کوئی لڑکی پسند آئی ہے۔" وہ نروٹھے پن سے بولا۔

"اتنی طرح دار لڑکیاں تمہاری نظروں میں نہیں سماتی تھیں اور اب اپنی مجنوں جیسی حرکتیں دیکھو۔" وہ کھلکھلا اٹھیں۔

"اڑالیں آپ بھی میرا مذاق۔" وہ ناراض ہوا۔

"دیکھو سکندر! پسندیدگی اچھی بات ہے، مگر محبت میں اتنا بھی اندھے نہ ہو جاؤ کہ تمہیں اس کی برائی بھی بھلائی نظر آنے لگے۔" انہوں نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

"آپی! ابھی تو وہ میری ہوئی بھی نہیں اور آپ اتنا کچھ کہہ رہی ہیں۔" وہ منہ پھلا کر بولا۔

"یہی بات میں تمہیں سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ بے شک تمہاری محبت، تمہاری سوچ پاکیزہ ہے، مگر جب تک وہ تمہارے نام نہیں ہو جاتی خود پہ قابو رکھو۔" وہ دھیرے سے بولیں۔

وہ بس سرہلا کر رہ گیا۔

"محبت میں اگر ہجر مقدر بن جائے تو وہ روگ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ میرے بھائی کو محبت نامی بلا کا روگ لگ جائے۔" وہ مزید سمجھانے لگیں۔

"جی میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں۔" وہ اداسی سے بولا۔

"تم اداس نہ ہو، ہم ایک دو دن میں پھر جائیں گے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولیں تو سکندر کی آنکھیں پھر سے چمک اٹھیں۔

☼ ☼ ☼

سفید فراک میں ملبوس وہ کامنی سی لڑکی جوتے پہن کر دیکھ رہی تھی۔ اس کے شاداب چہرے پہ چھائی بے زاری صاف بتا رہی تھی کہ کوئی بھی جوتا اس کے معیار پر پورا نہیں اتر سکا۔ اچانک اس کی کالی جھیل سی گہری آنکھوں میں شرارت کے جگنو چمکے اور وہ سیلز مین سے نظر بچا کر پاؤں میں پہنے جوتوں کی تصویر لینے لگی۔ کافی دیر تک وہ یہی کرتی رہی اور پھر سیلز مین کو دیکھ کر فوراً اپنا موبائل چھپالیا۔

URDUSOFTBOOKS.COM

"وہ وائٹ شوز دکھائیں ذرا۔" وہ سیلز مین کو اچھا خاصا زچ کررہی تھی۔

نازک سا سفید جوتا اس کے نرم و نازک پیر کی زینت بن کر پہلے سے کئی گنا قیمتی ہوگیا تھا۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ جوتا زیادہ اچھا لگ رہا ہے یا پاؤں۔

"سکندر' سکندر' کدھر کھوئے ہوئے ہو تم؟" وہ اس دلنشین سی پری چہرہ لڑکی میں کھو کر ساتھ آئی آپی کو بھی بھول چکا تھا۔

جبکہ آپی اس کی نظروں کے تعاقب میں اس لڑکی کو دیکھ چکی تھیں۔ جو شکل سے معصوم اور اندر سے پٹاخہ تھی اور اب تاسف سے سکندر کو دیکھ رہی تھیں۔

"بہت بری بات ہے' اس کے گھر والے بھی ساتھ ہوں گے' کسی کی بہن بیٹی کو اس طرح نہیں دیکھتے۔" آپی نے دبی آواز میں ڈانٹا تو وہ سنبھل گیا۔

اسی اثناء میں وہ جاچکی تھی اور ساری رونقیں بھی اس پری وش کے ساتھ ہی چلی گئی تھیں۔

"مما! پوچھیں اپنی لاڈلی سے' جب کوئی جوتا لینا نہیں تھا تو میرا اتنا وقت برباد کیوں کروایا دونوں نے۔" معاذ گھر آتے ہی شروع ہوگیا تھا۔ وہ عمارہ اور عبیرہ کو لے کر مارکیٹ گیا تھا' مگر دونوں کو ایک بھی جوتا پسند نہیں آیا اور اب اس کا غصہ سوا نیزے پر تھا۔

"مما ادھر کوئی جوتا ڈھنگ کا ہوتا تو میں لیتی نا' ہر ڈیزائن تو پرانا تھا۔" عبیرہ نے منہ بنایا۔

"جی بڑی مما کوئی جوتا ڈھنگ کا نہیں تھا۔" عمارہ نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ "دیکھیں نا مما! میں نے تصویریں بھی لی تھیں۔ آپ خود ہی بتائیں یہ جوتے لینے کے قابل تھے۔" عمارہ نے موبائل نکال کر عفت بیگم کی طرف بڑھایا۔

"اف لڑکی! کوئی ڈھنگ کا کام ہے تمہارے پاس؟ کیا کہتے ہوں گے لوگ کہ اس لڑکی نے کبھی جوتے نہیں دیکھے۔" عفت بیگم نے اسے گھورا تو وہ کھلکھلا اٹھی۔

"اگر تصویریں نہ ہوتیں چھوٹی مما تو آپ نے اور مما نے ہماری ہی غلطی نکالنی تھی۔" عبیرہ نے شکایت کی۔

"توبہ ہے تم لوگوں سے تو' جاؤ' جان چھوڑو ہماری۔" ناصرہ بیگم نے دونوں کو جانے کا اشارہ کیا۔ تو عمارہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگی۔

✡ ✡ ✡

"ناصرہ بیگم کیا سوچا آپ نے معاذ کی شادی کا؟" احمد صاحب نے اپنی بیگم سے پوچھا۔

"سوچنا کیا ہے؟ میرا خیال ہے رابی بالکل ٹھیک رہے گی۔" وہ مسکرائیں۔

"بیگم آپ ایسی بات کیسے کہہ سکتی ہیں' آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ ہم معاذ کی شادی عمارہ سے کریں گے۔" وہ حیرت زدہ رہ گئے تھے۔ جبکہ عمارہ جو بڑے پاپا کے پاس آرہی تھی' اپنا نام سن کر وہیں رک گئی۔

"احمد! معاذ میرا بھی بیٹا ہے۔ کیا میرا اس پر کوئی حق نہیں؟" وہ شکایتی لہجے میں بولیں۔

"حق کی بات نہیں بیگم' بات اصول کی ہے۔ ہم بچپن میں ہی عمارہ کو معاذ کے نام کرچکے ہیں۔" وہ اٹل لہجے میں بولے۔

"احمد' بچپن کی باتیں کون یاد رکھتا ہے' مانا کہ آپ کو اپنی بھتیجی بہت پیاری ہے' مگر یہ میرے بیٹے کی زندگی کا سوال ہے۔" وہ ہنوز اپنی بات پر قائم تھیں۔

"مطلب کیا ہے آپ کا؟" وہ تیوری چڑھا کر بولے۔

"ساری زندگی آپ نے اپنی بیوہ بھاوج اور بھتیجی کو سپورٹ کیا' عمارہ کو سب سے زیادہ اہمیت دی' میں نے اعتراض نہیں کیا' مگر اب معاذ کی شادی میں اپنی مرضی سے ہی کروں گی۔" وہ ضدی لہجے میں بولیں۔

"ناصرہ! معاذ کی شادی عمارہ سے ہی ہوگی۔ جان لیجئے آپ بھی اور اپنے صاحب زادے کو بھی سمجھا دیں۔" وہ چبا چبا کر بولے۔

"احمد! معاذ اور عمارہ کے مزاج میں زمین آسمان کا

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

فرق ہے۔ ہر وقت دونوں جھگڑتے رہتے ہیں۔"
انہوں نے سمجھانے کی ایک اور کوشش کی۔

"بہت سے لوگ شادی سے پہلے ایسے ہی ہوتے ہیں مگر بعد میں وہ آئیڈیل کپل ثابت ہوتے ہیں۔" احمد صاحب ٹھنڈے لہجے میں بولے۔

"ہوتے ہوں گے' مگر مجھے عمارہ جیسی نکمی لڑکی کو بہو نہیں بنانا۔ اس قدر بگاڑ رکھا ہے آپ نے اسے۔"

وہ منہ بناتی واش روم میں گھس گئیں۔

باہر کھڑی عمارہ بالکل ساکت رہ گئی۔ بڑی مما کا یہ روپ اس کے لیے بالکل نیا اور انوکھا تھا۔ ان کا اتنا تکلیف دہ رویہ اسے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں۔ وہ جلدی سے جانے کو مڑی تو پیچھے کھڑی عفت بیگم سے ٹکرا گئی جو نہ جانے کب سے ادھر کھڑی تھیں۔ ان کی حالت بھی عمارہ سے مختلف نہیں تھی۔ عمارہ نے ایک شکایتی نظر ان پہ ڈالی اور وہاں سے بھاگ گئی۔

وہ آنسو ضبط کرتی سیدھی گھر کے پاس بنے پارک میں چلی آئی اور ایک نسبتاً تاریک گوشے میں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

بڑے بابا اگر اس سے زیادہ پیار کرتے تھے تو اس میں اس کا کیا قصور تھا۔ اس نے تو کبھی عبیرہ یا معاذ کی جگہ لینے کی کوشش نہیں کی اور معاذ سے شادی کا تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

"بابا! آپ کیوں مجھے چھوڑ کر چلے گئے بابا! اس ظالم دنیا میں کس کے سہارے چھوڑ گئے مجھے۔" وہ شکوہ کناں تھی۔

"بابا! بڑی مما نے مجھے اتنی باتیں سنائیں' مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے' درد سے میرا دل کٹ رہا ہے۔" وہ جیسے بابا کے تصور سے باتیں کر رہی تھی اور بے تحاشا رو رہی تھی۔ بابا بھی وہ جن کو وہ دیکھ بھی نہ پائی تھی۔ غم کا ایک جھٹکا اس کی ساری بے فکری اور بچپنا کہیں اڑا لے گیا تھا۔ بھورے ریشمی بال کھل کر بکھر چکے تھے اور آنکھیں اشکوں سے لبریز تھیں۔ اسے پہلی دفعہ ایسی شدید چوٹ لگی تھی۔ وہ ابھی گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔

"مجھے سب سے پہلے جاب تلاش کرنی ہو گی' اب کسی کا محتاج نہیں رہنا۔" اس نے نئے عزم سے فیصلہ کیا۔ دفعتاً "ایک نرم آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو اس نے حیرت سے سامنے کھڑے اجنبی کو دیکھا۔

✿ ✿ ✿

شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ سورج اپنا سفر مکمل کر کے منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شام کی نٹ کھٹ ہوا کانوں میں لطیف سی سرگوشیاں کرنے میں مگن تھی۔ ارد گرد فضا میں بکھری گلاب و موتیا کی سحر انگیز مہک شام کا لطف دوبالا کر رہی تھی۔ ان خوش گوار لمحوں میں اس کا دھیان خود بخود اس دشمن جاں کی طرف چلا گیا۔ نہ جانے وہ کون سا پل ہو گا جب ایسی ہی کسی سہانی شام میں وہ اس کے سنگ ہو گی۔ سکندر نے یاسیت سے آنکھیں کھولیں تو نیم تاریک میں بیٹھی لڑکی اسے اپنی نظروں کا دھوکا محسوس ہوئی۔

سیاہ لباس' شانوں پہ بکھرے الجھے الجھے سے بھورے بال' اشکوں سے لبریز سیاہ آنکھیں اور بھیگا چہرہ اس کے رونے کی چغلی کھا رہا تھا۔ وہ خزاں کی اداس اور بکھری بکھری شام کی مانند لگ رہی تھی۔ سکندر نے ہمیشہ اسے بہار کی ترو تازہ مہکتی صبح کی مانند دیکھا تھا۔ آج نہ جانے کس ستم گر نے اس گلابوں سی ترو تازہ اور کومل سی پری کو بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ سکندر کا دل چاہا وہ اس کا ہر دکھ درد لے کر دنیا کی ہر خوشی اس کے قدموں میں ڈھیر کر دے' مگر ابھی وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا' لیکن اس کی مدد تو کر سکتا تھا۔

"ایکسکیوزمی مس! کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں۔" سکندر نے نرمی سے پوچھا۔ اس کے سیاہ نینوں میں حیرت کے چراغ جل اٹھے۔

"آپ میری کیا مدد کریں گے؟" وہ بھیگے لہجے میں روکھا سا بولی۔

"آپ بتائیں تو سہی' پھر ہی میں کچھ کروں گا نا۔" وہ ہولے سے مسکرایا۔

"مجھے جاب چاہیے' دے سکتے ہیں آپ جاب؟" وہ طنز سے بولی۔
"بالکل دے سکتا ہوں' آپ اپنی ــــ تعلیمی قابلیت بتائیے۔" وہ پُریقین لہجے میں بولا تو عمارہ حیرت زدہ رہ گئی۔
"میں نے بی ایس سی کے پیپر دیے ہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔
"میری آپی کا اسکول ہے۔ آپ ادھر آجایئے گا۔ جاب مل جائے گی۔" وہ کارڈ اس کی سمت بڑھاتے ہوئے بولا۔
عمارہ کی آنکھوں میں خوشیوں کے ستارے چمک اٹھے۔ وہ ایک دم کھل اٹھی تھی۔
"بہت بہت شکریہ!" وہ تہہ دل سے شکر گزار تھی۔
"آپ کا نام جان سکتا ہوں؟" وہ متبسم تھا۔
"عمارہ افتخار علوی اور آپ کا؟" اس نے پہلی دفعہ براؤن پینٹ اور سفید ٹی شرٹ میں ملبوس خوش شکل نوجوان کو دلچسپی سے دیکھا۔
"سکندر علی خان۔" وہ مسکرایا تو اس کی آنکھوں میں انوکھی سی چمک تھی۔
"اوکے! اب مجھے چلنا چاہیے۔" عمارہ اٹھتے ہوئے بولی۔
"خدا حافظ' مگر پلیز آئندہ روئیے گا نہیں' آپ مسکراتی اچھی لگتی ہیں۔" اتنا کہہ کر وہ چلا گیا۔ جبکہ عمارہ سوچنے لگی کہ اس نے بھلا کب مجھے مسکراتے دیکھا۔
"خیر مما پریشان ہو رہی ہوں گی۔ گھر چلنا چاہیے۔" وہ تیزی سے قدم اٹھاتی گھر کی سمت ہولی۔

☼ ☼ ☼

"آپی ایک گڈ نیوز ہے۔" وہ ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔ خوشی اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔
"اچھا' وہ کیا؟" آپی نے اشتیاق سے پوچھا۔
"آپی! عمارہ سے تعلق جوڑنے کے لیے میں نے پہلے زینے پر قدم رکھ لیا ہے۔" وہ مزے سے بولا۔
"کیا مطلب ــــ؟ کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو؟" وہ الجھ گئیں۔
جواب میں سکندر نے پارک والا سارا قصہ دہرا دیا۔
"تو سکندر! تم مجھ سے پوچھے بنا جاب آفر کر آئے ہو۔" آپی نے اسے گھورا۔
"تو کیا ہوا" آپ بھائی کی خاطر اتنا تو کر ہی سکتی ہیں نا۔" وہ مان سے ہنسا۔
"سکندر تم کسی دن مجھ سے بہت برا پٹو گے۔" انہوں نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔
"آپی اب کیا میری انسلٹ کروائیں گی۔" اس نے منہ بسورا۔
"نہیں میرے مجنوں بھائی! دے دوں گی جاب تمہاری لیلیٰ کو۔" وہ ہنسنے لگیں تو سکندر بھی کھلکھلا اٹھا۔
سکندر اور رومیصہ دو ہی بہن بھائی تھے اور دونوں کے درمیان دس سال کا فرق تھا۔ بہت ساری دعاؤں کے نتیجے میں سکندر دنیا میں آیا تھا۔ ایک ہی بھائی ہونے کے ناطے رومیصہ سے خوب لاڈ اٹھوانا تھا۔ رومیصہ کی شادی کے تین سال بعد ایک ہیانک حادثے میں ان کے والدین وفات پاگئے۔ سکندر ابھی بچہ ہی تو تھا۔ تب رومیصہ اسے اپنے گھر لے آئیں۔ ان کے شوہر ان کے سگے چچازاد تھے' مگر جب شادی کے پانچ سال بعد بھی اللہ نے رومیصہ کو اولاد کی نعمت سے محروم رکھا تو ان کے شوہر نے مرحوم تایا کا بھی لحاظ نہ کیا اور ان کو طلاق دے دی۔ تب تک سکندر میٹرک کر چکا تھا۔
شاید کچھ رشتے مرنے والوں کے ساتھ ہی مر جاتے ہیں۔ جب تک رومیصہ کے ماں باپ زندہ تھے یہی سسرال والے ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ مگر جیسے ہی اللہ نے اپنی امانتیں واپس لیں تو رومیصہ کی زندگی

میں سب کچھ بدل گیا۔ طلاق کے بعد وہ واپس گھر لوٹ آئیں اور معاشرے میں علم کی روشنی پھیلانے لگیں۔ ان کی ان تھک محنت کی بدولت ان کے اسکول کا نام اب ہر جگہ پہچانا جاتا تھا۔ سکندر ان کی زندگی میں بچا واحد رشتہ تھا۔ پچھلے دو سال سے وہ اسے شادی کے لیے کہہ رہی تھیں مگر وہ ان کے ہاتھ ہی نہیں آتا تھا اور اب اگر آمادہ ہوا تھا تو اس کی بے چینی حد سے زیادہ تھی۔

☆ ☆ ☆

ہر طرف اندھیرا پھیل رہا تھا۔ گھڑی شام کے سات بجا رہی تھی جب عمارہ گھر میں داخل ہوئی۔ حسب توقع سامنے ہی عفت بیگم پریشانی سے ٹہل رہی تھیں۔ اس کو دیکھتے ہی ان کی تیوری پر بل پڑ گئے مگر پھر وہ دھیمی ہو گئیں۔

"عمارہ! کہاں چلی گئی تھیں؟ یہ بھی نہ سوچا کہ ماں کس قدر پریشان ہوگی۔" وہ پہلی دفعہ پیار سے اسے گلے لگا کر رو پڑیں۔

"مما بس پارک میں چلی گئی تھی، تھوڑا ریلیکس کرنے۔" وہ بھیگے لہجے میں بولی۔

"بس میرا بہادر بیٹا اب اور نہیں رونا۔" وہ اسے ساتھ لگائے کمرے میں لے آئیں۔

"مما! کیا میں واقعی بہت بری ہوں؟ جو بڑی مما مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہیں۔" وہ آزردگی سے بولی۔

"بالکل بھی نہیں، تم تو میری شہزادی ہو۔" وہ عمارہ کو دلاسا دینے لگیں۔

"پاپا ہمیں ظالم دنیا کے رحم و کرم پہ چھوڑ کر کیوں چلے گئے۔ مما، ان کو نہیں پتا تھا کہ جب باپ نہ رہے تو ہر رشتہ بدل جاتا ہے۔" وہ پھر سے رو پڑی۔

"عمارہ ایسے نہیں بولتے، ہر کام میں اللہ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔" وہ سمجھانے لگیں۔

"مما میں اب جاب کروں گی اور آپ کا سہارا بنوں گی۔" وہ بولی۔

"عمارہ ایسے جذباتی نہیں ہوتے، پہلے تعلیم مکمل کر لو اور تمہارے بڑے پاپا تو مخلص ہیں نا، کتنا پیار کرتے ہیں وہ تم سے، ان کو تمہاری وجہ سے کوئی دکھ نہیں پہنچنا چاہیے۔" عفت بیگم نے تنبیہہ کی۔

"مما ادھر قریب ہی ایک اسکول ہے میں وہاں جاب کروں گی۔ بڑی مما کی باتیں میں کبھی نہیں بھول سکتی۔" وہ سسک اٹھی۔

"تم جاب کر لو مگر میں آئندہ تمہاری آنکھوں میں ایک بھی آنسو نہ دیکھوں۔" عفت بیگم نے اسے پیار سے ڈپٹا تو عمارہ کی نم آنکھیں جگمگا اٹھیں۔

☆ ☆ ☆

"السلام علیکم!" گلابی فراک اور چوڑی دار پاجامے میں نکھری نکھری سی عمارہ ناشتے کی میز پہ آئی اور پھر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"وعلیکم السلام! میرا بیٹا کہیں جا رہا ہے؟" بڑے پاپا نے عمارہ کو خوش گوار حیرت سے دیکھا۔

"جی اور مجھے آپ سے اجازت بھی لینی تھی۔ ادھر قریب ہی ایک اسکول میں جاب کے لیے جانا چاہ رہی ہوں۔" وہ دانستہ لہجے کو عام بنا کر بولی اور ناشتا کرنے لگی۔

"آپ کو کیا ضرورت ہے جاب کرنے کی، جو چاہیے مجھے بتاؤ۔" وہ پریشان ہو گئے۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے، بس شوق ہو رہا ہے۔" وہ ہولے سے بولی۔

"جہاں تک مجھے یاد ہے تمہیں تو ٹیچنگ سخت ناپسند تھی۔" عبیرہ نے غلط موقع پر لقمہ دیا تھا۔ عمارہ نے اسے غصے سے گھورا۔

"پسند بدلتے دیر ہی کتنی لگتی ہے۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"لیکن بیٹا! ابھی تو آپ کی تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی۔" بڑے پاپا نے روکنا چاہا۔

"مجھے مزید نہیں پڑھنا۔" وہ اٹل لہجے میں بولی تو ناصرہ بیگم نے بھی ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"عمارہ، کم از کم ماسٹرز تو کرلو۔" بڑے پاپا تشویش سے بولے۔
"ابھی تو جانے دیں نا پلیز، رزلٹ آنے کے بعد دیکھوں گی۔" اس نے صاف ٹالا اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"عمارہ! اکیلی جاؤ گی۔" معاذ نے گھورا۔
"ہاں قریب ہی اسکول ہے، میں چلی جاؤں گی۔" وہ مزید کسی کو اعتراض کا موقع دیے بنا باہر نکل آئی۔
دس منٹ بعد وہ پرنسپل آفس میں تھی۔ آفس سادگی مگر نفاست سے سجا ہوا تھا۔ پرنسپل کے چہرے پہ کافی نرم تاثرات تھے، جس سے عمارہ کو کافی حوصلہ ملا۔
"مس عمارہ آپ کا اکیڈمک ریکارڈ تو ٹھیک ہے، مگر آپ کے پاس کوئی تجربہ نہیں ہے۔" پرنسپل صاحبہ شائستگی سے بولیں۔
"میم آپ چانس دیں گی تو تجربہ آئے گا نا۔" وہ مسکرائی۔
"ایسا ہے کہ عمارہ فی الحال ہم آپ کو ریپ کی ٹیچر کے ساتھ اٹیچ کر رہے ہیں، امید ہے کہ آپ کا رزلٹ آنے تک کوئی نہ کوئی سیٹ خالی ہو جائے گی۔" انہوں نے عمارہ کو خوشخبری سنائی۔
"بہت شکریہ میم! میں پوری کوشش کروں گی کہ آپ کے اعتماد پر پورا اتروں۔" عمارہ کا لہجہ خوشی سے کھنک رہا تھا۔
"چلیں میں آپ کو کلاس میں لے چلتی ہوں۔" وہ مسکراتی ہوئی اٹھیں۔
عمارہ بے پناہ خوش تھی، اس کو امید نہیں تھی کہ جاب اتنی آسانی سے مل جائے گی۔ کلاس میں عمارہ کا تعارف کروانے کے بعد پرنسپل صاحبہ تو چلی گئیں، جبکہ ان ننھے شرارتی بچوں کو دیکھ کر ایک دفعہ تو وہ حوصلہ ہی ہار گئی، مگر پھر دل کو مضبوط کیا کہ اب عزت نفس کا سوال تھا۔

☆ ☆ ☆

"عمارہ تمہیں پاپا بلا رہے ہیں۔" عبیرہ نے ناول میں گم عمارہ کو اطلاع دی تو وہ سخت بدمزہ ہوئی اور پھر بادل نخواستہ ناول رکھ کر کھڑی ہوگئی۔ آج سارا دن بچوں کے ساتھ گزار کر وہ سخت تھک چکی تھی۔ کسی کام کا موڈ نہیں تھا، مگر اب جانا تو تھا۔ دو منٹ بعد وہ بڑے پاپا کے کمرے میں تھی۔ ان کے پاس بڑی مما اور مما بھی بیٹھی تھیں۔ ماحول کافی سنجیدہ لگ رہا تھا۔
"جی بڑے پاپا! آپ نے بلایا تھا۔" وہ ان کو دیکھتے ہوئے بولی۔
"ہاں ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو۔" انہوں نے اپنے پاس جگہ بنائی۔ "عمارہ، آپ مجھے بے پناہ عزیز ہیں، میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی شادی معاذ سے کر دی جائے۔" انہوں نے بغور عمارہ کی آنکھوں میں دیکھا۔
"بڑے پاپا! یہ آپ کا حکم ہے؟" اس نے پوچھا۔
"نہیں، یہ میری خواہش ہے، مگر آپ کی رضامندی کے بنا کچھ نہیں ہوگا۔" انہوں نے تسلی دی۔
"بڑے پاپا میں آپ کی خواہش کا احترام کرنا چاہتی ہوں مگر میں نے معاذ کو ہمیشہ بھائی سمجھا ہے۔ میرا دل کسی اور رشتے پہ رضامند نہیں ہوتا۔" اس نے رک رک کر بات مکمل کی تو ناصرہ بیگم کی آنکھیں چمک اٹھیں جبکہ احمد علوی ڈھیلے پڑ گئے اور پھر ٹھنڈی سانس بھر کر بولے۔
"ٹھیک ہے بیٹا! آپ کو کوئی مجبور نہیں کرے گا، خوش رہیں۔"
"آئی ایم سوری، مگر میں آپ کو دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔" عمارہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
وہ جانتی تھی کہ وہ دکھی ہیں، اسی لیے چپکے سے اٹھ کر آ گئی۔ وہ ان کی خوشی کی خاطر مان جاتی، مگر ساری زندگی بڑی مما کی نفرت کیسے برداشت کرتی۔ وہ اتنی مضبوط نہیں تھی کہ ساری زندگی نفرتوں کی آگ میں گزار لیتی۔ تب شاید بڑے پاپا زیادہ دکھی ہوتے۔ اس لیے اس نے بڑے زخم کی بجائے چھوٹے زخم کا

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

انتخاب کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

عمارہ کو جاب کرتے چھ ماہ ہو گئے تھے۔ زندگی میں بہت ساری تبدیلیاں آگئی تھیں جن میں سے ایک بڑی تبدیلی معاذ کی شادی تھی۔ بڑی مما تو جیسے انتظار میں بیٹھی تھیں، انہوں نے جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ کیا۔ اپنی پسند کی بہو لاکر وہ بہت خوش تھیں مگر رابی بھابھی بھی ان ہی کی بھتیجی تھیں۔ بھابھی کا رویہ عمارہ اور عفت بیگم سے ہی نہیں عبیرہ اور ناصرہ بیگم سے بھی سرد ہوتا تھا۔

شادی کو دو ماہ گزر چکے تھے مگر بھابھی نے ہل کر پانی پینا بھی گوارا نہ کیا تھا۔ صبح دیر سے جاگنا، ہوٹلنگ اور ہر دوسرے دن میکے جانا ان کے پسندیدہ مشغلے تھے۔ ناصرہ بیگم، بھتیجی کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر خاموش تھیں۔ اپنی مرضی سے ضد کرکے بہو لائی تھیں۔ شکایت کس سے کرتیں۔

عمارہ کی اپنے اسکول میں سب کے ساتھ اچھی دوستی تھی۔ میم رومیصہ تو اکثر مما سے ملنے گھر بھی آجاتی تھیں۔ مگر آج وہ خاص طور پر بڑے پاپا سے ملنے آئی تھیں۔ عمارہ کی سمجھ میں تو آرہا تھا مگر اس نے خود کو قسمت کے دھارے پہ چھوڑ دیا تھا۔ چھ ماہ پہلے کے زخم آج بھی تازہ تھے۔ وہ دانستہ ان باتوں کو بھولنے کی کوشش کرتی تھی، لیکن پھر بھی کبھی کبھی آنکھیں نم ہوجاتی تھیں۔ رومیصہ آپی کی آمد کا مقصد تو سب ہی سمجھ چکے تھے۔

"احمد بھائی! میں آج بہت آس سے آپ کے پاس آئی ہوں، امید ہے آپ مجھے مایوس نہیں لوٹائیں گے۔" رومیصہ آپی نے بات کا آغاز کیا۔

"آپ جانتے ہی ہوں گے، ہم دو ہی بہن، بھائی ہیں۔ والدین بھی حیات نہیں ہیں ورنہ مجھے اکیلے نہ آنا پڑتا۔ آپ عمارہ کو میرے بھائی کی دلہن بنادیں۔" وہ بہت عاجزی سے بولیں۔

"رومیصہ! ہم آپ کو اچھی طرح سے جانتے ہیں، سکندر سے بھی مل چکے ہیں سلجھا اور نیک بچہ ہے مگر میں اکیلا کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا، عفت اور عمارہ کی رضامندی سب سے زیادہ ضروری ہے۔" وہ شائستگی سے بولے۔

"آپ عمارہ کو بلا کر پوچھ لیں نا، مجھے جواب ہاں میں ہی چاہیے۔" رومیصہ مان سے بولیں۔

"میں عمارہ کو بلا کر لاتی ہوں۔" عبیرہ جلدی سے عمارہ کو بلانے چلی گئی۔

"چلو بی بنو! پیا دیس سدھارنے کا وقت قریب ہی ہے۔" عبیرہ شرارت سے بولی تو وہ جھینپ گئی اور پھر اس کے ساتھ آگئی۔

"السلام علیکم!" عمارہ نے مشترکہ سلام کیا۔

"عمارہ! آپ ادھر میرے پاس آئیں۔" بڑے پاپا نے اسے بلایا تو وہ ان کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔

"رومیصہ چاہتی ہیں کہ آپ ان کی بھابھی بن جائیں، آپ کی کیا رائے ہے؟" انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔ سب کا دھیان عمارہ پر تھا۔

"بڑے پاپا میری زندگی کا ہر فیصلہ کرنے کا اختیار آپ کو اور مما کو ہے، آپ جو فیصلہ کریں گے، مجھے قبول ہوگا۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"خوش رہیں۔ مجھے آپ سے ایسی ہی سعادت مندی کی توقع تھی۔" انہوں نے عمارہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"رومیصہ! آج سے عمارہ آپ کی امانت ہے، مگر ہمارے دل کے ٹکڑے کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔" وہ نم آنکھوں کے ساتھ بولے۔

"آپ بے فکر رہیں عمارہ مجھے بیٹیوں کی طرح عزیز ہے لیکن مجھے آپ سے ایک فیور چاہیے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"جی ضرور۔" احمد علوی متبسم تھے۔

"مجھے شادی کی ڈیٹ ابھی چاہیے، ہمارا گھر بہت سونا سونا ہے، یہ چاند ہمارے آنگن میں اتار دیں۔" وہ بولیں۔ احمد علوی خاموش ہوگئے۔

"کیوں نہیں رومیصہ! عمارہ اب آپ کی امانت ہے' جب چاہیں لے جائیں۔" ناصرہ بیگم جلدی سے بولیں' مبادا عفت بیگم یا احمد علوی انکار ہی نہ کردیں۔

"مگر بھابھی ہم اتنی جلدی کیسے شادی کرسکتے ہیں۔" عفت بیگم تشویش سے بولیں۔

"پلیز باجی! مجھے مایوس نہ کیجئے گا' ہمیں کسی چیز کی طلب نہیں ہے' جو کچھ ہے سب عمارہ ہی کا ہے۔" رومیصہ' عفت بیگم سے بولیں۔

"لیکن پھر بھی ہمیں تیاری تو کرنی ہوگی' ہم اپنی بیٹی کو خالی ہاتھ نہیں بھیج سکتے۔" احمد علوی بولے۔

"ایک ماہ بعد کی تاریخ رکھ لیتے ہیں' ان شاء اللہ سب تیاری ہوجائے گی۔" وہ اصرار کرنے لگیں۔

"ٹھیک ہے' جیسی آپ کی مرضی۔" احمد علوی نے ہتھیار ڈالے تو وہ خوشی سے کھل اٹھیں اور عمارہ کو گلے لگالیا۔

عفت بیگم نم آنکھوں سے عمارہ کو دیکھ رہی تھیں۔ پتا بھی نہیں چلا تھا اور ان کی ننھی گڑیا اتنی بڑی ہوگئی تھی۔ اس موقع پر انہیں افتخار علوی کی بہت یاد آئی۔ وہ ہوتے تو کتنا خوش ہوتے' مگر وہ ہوتے تو بات ہی کیا تھی۔ وقت بھی کتنی جلدی گزر جاتا ہے۔

☼ ☼ ☼

دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ سرما کی سنہری دھوپ ہر سمت پھیلی تھی۔ عبیرہ اور عمارہ سرما کی سنہری دھوپ کا لطف اٹھا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ کینو پہ نمک اور کالی مرچ چھڑک کر کھا رہی تھیں۔ عمارہ کی شادی کے دن قریب تھے۔ عفت بیگم اور ناصرہ بیگم مارکیٹ گئی تھیں' جبکہ چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے معاذ بھائی گھر پر تھے۔

"عمارہ! کتنے دن بعد ایسی نکھری نکھری دھوپ ملی ہے' چلو معاذ بھائی سے کہتے ہیں ہمیں کہیں آؤٹنگ کے لیے لے جائیں۔" عبیرہ نے عمارہ کو کھینچا اور اندر لے آئی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ معاذ بھائی کا

ماہنامہ کرن

مئی 2017 کا شمارہ شائع ہوگیا

ایک ستارہ
"کرن کا دسترخوان"
اب ہر ماہ کرن کے ساتھ مفت حاصل کریں

- "بیاد محمود ریاض"،
- "مدرز ڈے" پر شاہین رشید کا سروے،
- اداکار "نعمان اعجاز" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکارہ "مایا علی" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"،
- اس ماہ "سدرہ بتول" کے "مقابل ہے آئینہ"
- "من مور کھ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا سلسلے وار ناول،
- "راہزول" تنزیلہ ریاض کا سلسلے وار ناول اختتام کی طرف،
- "مجبور نشیمن" مصباح علی سید کا مکمل ناول،
- "حاصل زیست" نادیہ احمد کا مکمل ناول،
- "چلو نئی شروعات کرتے ہیں" بشریٰ ماہا کا مکمل ناول،
- "بیلا" فشا محسن علی کا ناولٹ،
- "مس بیل" سماہت عاصم کا دلچسپ ناولٹ،
- "سنو! تم مان جاؤ" ام ایمان قاضی کا ناولٹ،
- بشریٰ احمد، اسل عزیز شہزاد، شازیہ ستار نایاب اور ماریا یاسر کے افسانے اور مستقل سلسلے

دروازہ بجاتیں اندر سے آتی آوازوں پہ ٹھٹک کر رک گئیں۔

"معاذ! پاپا، عمارہ کی شادی پہ آخر کتنا پیسہ خرچ کریں گے؟" رابی بھابھی غصے سے بول رہی تھیں۔

"کیا مطلب؟" معاذ کی آواز گونجی۔

"مطلب یہ کہ ابھی عمارہ بھتیجی ہے تو ایسے پیسہ لٹا رہے ہیں، باقی کا عبیرہ پہ لٹا دیں گے تو ہمارے لیے کیا بچے گا؟" وہ بولیں۔

"رابی! وہ پاپا کا ذاتی پیسہ ہے، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ انہیں خود ہمارا خیال نہیں ہے تو کہنے کا فائدہ۔" معاذ دوٹوک بولا۔

"اور یہ عفت آنٹی کیا ساری زندگی ہمارے ہی سر پہ سوار رہیں گی۔" رابی کی توپوں کا رخ اب عفت بیگم کی طرف ہو گیا۔

"ظاہر ہے، چھوٹی مما ادھر ہی رہیں گی، وہ کہاں جائیں گی۔" معاذ بولا۔

"معاذ! میری بات دھیان سے سن لیں۔ میں دو، دو ساسیں نہیں برداشت کر سکتی، ان کو کسی بھی طرح سے عمارہ کے ساتھ چلتا کریں۔" وہ بے دھڑک بولیں۔

"پاپا کی زندگی میں تو تم یہ بھول ہی جاؤ اور افتخار چاچو کا بھی اس گھر میں اتنا ہی حصہ ہے جتنا پاپا کا۔ دوسرا میں مر کر بھی انہیں نہیں نکالوں گا۔" وہ غصے سے بولتا باہر آگیا۔ لیکن سامنے کھڑی عبیرہ اور عمارہ کو دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ دونوں اس پہ ایک شکوہ کناں نظر ڈال کر واپس آگئیں۔

سرما کی دھوپ میں اب پہلے جیسی نرمی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

ہر طرف رات کی خاموشی چھائی تھی۔ چودھویں کا چاند اپنے جوبن پہ تھا۔ فضا میں خنکی تھی مگر ہیٹر کی حرارت کی وجہ سے کمرے میں لطیف سی گرماہٹ تھی۔ تازہ گلابوں کی مدد سے کمرے کو نہایت نفاست سے سجایا گیا تھا۔ رات کی تاریکی، خاموشی اور ڈھیر سارے گلابوں کی مہک نے مل کر کمرے کا ماحول خواب ناک بنایا ہوا تھا۔ یہ تاریکی اور خاموشی کس قدر خوب صورت ہوتی ہے، یہ صرف محبت کرنے والے ہی جانتے ہیں۔

سرخ رنگ کے شرارہ سوٹ میں ملبوس وہ وجود گلابوں کے درمیان سب سے حسین، کومل اور معطر گلاب کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔ دلہناپے کا روپ اس پہ ٹوٹ کر برسا تھا۔ بس ایک ہی پل کی بات تھی اور وہ عمارہ افتخار علوی سے عمارہ سکندر علی خان بن گئی تھی۔ سکندر لاکھ اچھا سہی، مگر اس نے نئے رشتے سے کوئی امیدیں نہیں باندھی تھیں۔ وہ بالکل خالی الذہن تھی۔ اپنی نئی زندگی کی شروعات کرتے وقت نے پرانی باتیں بھولنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ ماں کے گھر کی زندگی اور اس سے منسلک ساری تکلیف دہ یادیں وہ اسی گھر کی دہلیز پہ چھوڑ آئی تھی۔ اپنی ماں کے حوالے سے وہ بے بس تھی۔ ان کو کس مان سے اپنے ساتھ لے آتی، جبکہ ابھی اسے اپنے مستقبل کا بھی نہیں پتا تھا۔ وہ ان ہی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی جب کھٹکا ہوا اور وہ چونک گئی۔

سکندر آج بے پناہ خوش تھا۔ سکندر کو اس کی چاہت سے نواز کر خوش بخت بنا دیا گیا تھا۔ وہ شکر گزاری کے ان ہی احساسات میں گھرا کمرے میں داخل ہوا تو بیڈ پہ بڑے ڈھیر سارے گلابوں کے درمیان اسے دیکھ کر چونک اٹھا۔ اس نے روایتی دلہنوں کی طرح گھونگھٹ نہیں ڈالا تھا۔

سکندر اس کا یہ روپ دیکھ کر ساکت رہ گیا۔ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ دلہن بن کر وہ اتنی حسین بھی لگ سکتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس کے پاس پہنچ گیا۔

"تم حقیقت میں ادھر بیٹھی ہو نا؟" وہ آخر بولا بھی تو کیا بولا۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

عمارہ کا منہ حیرت سے کھل گیا اور پھر آنکھوں میں شرارت اتر آئی۔ "اگر آپ کو یقین نہیں آرہا تو انگلی کو دانتوں میں دبا کر دیکھ لیں۔" وہ شوخی سے کھلکھلائی تو فضا میں اس کی مدھر ہنسی گونجی۔ اور سکندر بھی کھل کر مسکرا دیا۔

"شکر ہے یار! تم حقیقت میں ہو' ورنہ مجھے تو سب خواب لگ رہا تھا۔" وہ بھی شوخ ہوا۔

"تمہیں پتا ہے عمارہ! میں نے پہلی بار تمہیں کب دیکھا تھا؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"شاید پارک میں۔" عمارہ نے مسکراہٹ دبائی۔

"نہیں' کالج سے نکلتے ہوئے' اس سمے جیسے دوپہر کی تپتی دھوپ میں چاندنی نے اپنا بسیرا کرلیا تھا اور میں پہلی نظر کی محبت کا شکار ہو گیا' لیکن دیکھ لو' لگن سچی ہو تو منزل مل ہی جاتی ہے۔" وہ ایمانداری سے اپنے جذبات بتا رہا تھا۔ اور وہ حیران ہو رہی تھی۔ پھر ایک دم سے جیسے ذہن میں کچھ جھماکا سا ہوا۔

"تو وہ آپ تھے جو گھر تک پیچھے بھی آئے تھے۔" وہ حیرت زدہ سی بولی۔

"آئی ایم سوری یار' وہ تو مجبوری تھی ورنہ پھر تم تک کیسے پہنچتا۔" وہ بے چارگی سے بولا تو عمارہ خاموش ہو گئی۔

"عمارہ! میں کوئی لمبے چوڑے دعوے نہیں کروں گا' مگر تم اتنا یقین ضرور رکھنا کہ تمہاری خوشیوں میں شریک ہوں یا نہ ہوں' لیکن ہر دکھ' ہر تکلیف میں تم مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی۔" اس کا لہجہ خلوص میں گندھا تھا اور آنکھیں سچائی کی غماز تھیں۔ عمارہ کا دل ان پر ایمان لے آیا۔ وہ زیادہ دیر ان میں نہیں دیکھ پائی اور فراخ دلی سے مسکرا دی۔

"آپ نہ بھی کہتے تو یہ بات میں جانتی تھی۔ آپ نے تب میری زندگی کو آسان بنایا تھا۔ جب وہ مشکل ہو چکی تھی۔ اس فیور کے لیے ہمیشہ میں آپ کی ممنون رہوں گی۔"

"کہتے ہیں رشتوں کا امتحان مشکل وقت میں ہوتا ہے' لیکن جو رشتے مشکل وقت میں بنتے ہیں' وہ کسی امتحان سے نہیں گزرتے۔"

"سکندر ہمارا رشتہ بھی ایسا ہی ہے' آپ نے مشکل وقت میں میرا ساتھ دیا۔" وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی' مگر سکندر نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"بس پلیز عمارہ! میں نے جو کیا وہ میرا فرض تھا اور میرے پاس اختیار تھا تو میں کچھ کر پایا' ورنہ میں کیا کر سکتا تھا۔" وہ انکساری سے بولا۔

عمارہ کا دل کب سے چاند دیکھنے کو مچل رہا تھا۔ چودھویں کے چاند کی وہ ہمیشہ سے دیوانی تھی اور دلہناپے کی وجہ سے کنٹرول کیے بیٹھی تھی۔ سکندر کا دوستانہ رویہ دیکھ کر وہ مزید خواہش کو نہ دبا سکی اور اٹھ کر کھڑکی کھول کے چاند دیکھنے لگی۔ رات کی خاموشی میں چاند کی پاکیزہ روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی اور ہر شے کو سکون بخش رہی تھی۔

سکندر اس کی اس اچانک حرکت پر ششدر تھا۔

"عمارہ! کھڑکی میں کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ حیرت زدہ سا عمارہ کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔

"چاند۔" مکمل چاند کو دیکھ کر وہ ہمیشہ کی طرح اس میں کھوئی ہوئی تھی۔

"لیکن تمہارا چاند تو پیچھے کھڑا ہے۔" وہ مسکراہٹ دبا کر بولا تو عمارہ نے بے اختیار پلٹ کر اسے دیکھا۔ سکندر کی آنکھوں میں جذبات کی بارات اتری ہوئی تھی۔ اس نے ایک نظر واپس چاند کو دیکھا اور پھر شرما کر منہ پہ ہاتھ رکھ لیے۔

"ویسے عمارہ کون سا چاند زیادہ پیارا ہے؟" سکندر نے چھیڑا تو وہ مزید شرما گئی۔

"میں بتا دوں؟" وہ مائل بہ شرارت تھا۔ عمارہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

"روح کو سکون بخشتی' آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کر کے دل میں اترتی میری چاندنی زیادہ حسین ہے۔" وہ خوابناک سے گمبھیر لہجے میں بولا تو عمارہ جھینپ گئی اور پھر مسکرا اٹھی۔

فرح بخاری

بٹوہ

"ابا چلے گئے تمہارے؟" رفعت جبین نے کھڑکی سے گردن نکال کر ڈیوڑھی کی جانب دیکھنے کی ناکام کوشش کی۔ ندا ناشتے کی ٹرے اٹھا کر چھوٹی میز کے نزدیک آ بیٹھی۔

"چلے گئے ہیں امی۔ اطمینان رکھیے اور بولنا شروع کردیں۔"

"ہٹ بدتمیز۔" رفعت نے خجل ہو کر اگلا پراٹھا بیلنا شروع کیا۔ "اتنی فرصت نہیں ہے میرے پاس کہ تمہارے باپ کا پیچھا لے کر بیٹھی رہوں، یہاں سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی، باتوں کے لیے کہاں سے ٹائم نکلے گا۔" وہ عادت سے مجبور، نہ بولنے کا شکوہ کرتے مسلسل بولے چلی جا رہی تھیں۔ عافیہ نے بھی کتابیں میز پہ رکھ کر دوسری کرسی سنبھالی اور آنکھوں آنکھوں سے اشارے میں بہن سے استفسار کیا۔ اس نے کندھے اچکا کر دوبارہ ماں کو دیکھا۔

"آپ پوچھ تو ایسے رہی تھیں جیسے کوئی بات کرنی ہو۔" ندا نے انہیں پہلے جملے کا پراسرار انداز یاد دلایا تو رفعت نے اپنی کم عقلی پر تاسف سے اپنا ماتھا پیٹا۔ ہاتھ پر لگا۔ خشک آٹا پیشانی پر تین انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا، ندا اور عافیہ نے بمشکل ہنسی ضبط کی۔ ماں تو ان کی ایسی ہی تھی۔ ہمہ وقت بوکھلائی، سٹپٹائی سی۔ ابا انہیں بلبلے کی مومو کا چلتا پھرتا نمونہ کہتے تھے۔ پوبیس گھنٹے آن۔ آف کا بٹن جس میں ڈالا ہی نہیں گیا تھا۔

"سنو۔" وہ سرگوشی بھرا لہجہ اپناتے ان دونوں کے قریب آئیں، یہ جانتے ہوئے بھی کہ سلیم میاں بائیک

URDUSOFTBOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM

گھماتے اب تک کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہوں گے' شاید دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں جیسے خطرے کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ ندا اور عافیہ کا کھانا کھاتے بیک وقت ہاتھ رکا۔

"تمہارے باپ نے تم لوگوں سے ذکر کیا کوئی درخت ورخت بکنے کا؟"

"ہائیں!" دونوں نے ایک دوسرے کو تعجب سے دیکھا۔ "کون سے درخت کا ہے کے درخت۔۔۔؟"

"دیکھا۔۔" انداز ے کی تائید پر رفعت نے میز پہ ہاتھ مارا۔ "مجھے پتا تھا' یہ آدمی شروع دن سے ایسا ہی گھنا اور میسنا ہے۔۔ اللہ قسم ایسے تو کوئی دشمن کے ساتھ بھی نہ کرے۔" تاسف سے سر ہلاتے' وہ پھر سے چولہے' توے کی طرف متوجہ ہوئیں۔ بات چیت کا سلسلہ البتہ موقوف نہیں ہوا تھا اور ایسی گفتگو میں بولنے کا کام ہمیشہ وہی انجام دیا کرتیں' فی الحال سامعین میں انہیں ندا اور عافیہ میسر تھیں۔ اکلوتے سپوت غالباً" کالج کی تیاری میں مصروف تھے۔ انہیں بھی ایک سامع کی عدم موجودگی سے خاص سروکار نہ تھا۔ مقصد تو دل کی بھڑاس نکالنا تھا۔

بچے بھی بیٹھے چپ چاپ سنتے رہتے' جانتے تھے کہ امی گھر کی بات ہمیشہ گھر والوں سے ہی کرنے کو ترجیح دیتی تھیں۔ سہیلی نام کی کوئی چیز کبھی ان کی زندگی میں نہ دیکھی۔ بلکہ اس موضوع پر ان کی ابا مخالف تقریر وہ پچھلے ہفتے ہی سن چکے تھے۔ امی کی زندگی میں سہیلی نہ ہونے کے پیچھے بھی ابا کا ہاتھ نکلا تھا۔ بقول امی۔۔۔ دوستوں کو پورا پورا پروٹوکول دینے والے اور آخری سانس تک دوستیاں نبھانے والے ان مردوں کو شادی کے بعد بیوی کا ایک بھی سوشل ریلیشن برداشت نہیں ہوتا۔ بیویوں کو ان کی سہیلیوں سے دور رکھنے کے ایسے ایسے حربوں سے واقف ہوتے ہیں یہ مرد کہ پتا بھی نہیں چلتا اور پتا صاف ہو جاتا ہے' ایک ایک کر کے ہر دوستی کا۔۔۔

"پتا تھا مجھے' یہی کرے گا یہ آدمی' ارے تمہاری تائی نہ بتاتیں مجھے تو یہ بندہ مجھے بو بھی سونگھنے نہ دیتا باون ہزار کی۔"

"باون ہزار۔۔۔" ندا کی آنکھیں پھیل گئیں۔ امی کی بے سروپا گفتگو کا پہلا دلچسپ نکتہ۔۔۔ "تمہارے دادا' ابا کا ایک پلاٹ تھا ادھر یونی ورسٹی سائیڈ پہ۔ اللہ بخشے اپنے ہاتھوں سے اس میں ہزاروں کی تعداد میں' کیکر' ٹاہلی' سفیدے اور پتا نہیں کس کس چیز کے درخت لگا گئے تھے' ابھی تو تمہارے ابا اور تایا نے کسی ایک حصے کی کٹائی کروائی اور بیٹھے بٹھائے ایک لاکھ چار ہزار ہاتھ آ گئے۔ ایک وہ تمہارے تایا ہیں' ایک ایک پائی کا حساب ان کی بیگم کی انگلیوں پہ دھرا ہے۔۔۔ اور ایک یہ میرے حصے کا "بنیا" ہائے میری قسمت۔۔۔"

"تو آپ ابا سے صاف بات کر لیں' آخر کو تائی نے آپ کو بتایا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ اور وہ تو مسکراتے ہوئے میرے ہاتھ پہ رکھ دے گا باون ہزار۔۔۔" رفعت کو پتنگے لگے۔ ندا نے سر نیہوڑا کر انڈے پراٹھے پہ توجہ کی۔ یہاں بس "سننے" میں ہی عافیت تھی۔

"باون ہزار تو چھوڑو۔۔۔ گلی کے نکڑ پہ سبزی والے کی آواز سن کر مصطفیٰ کو دوڑایا کہ اسے روکے۔۔۔ یہی ٹماٹر ہی تو خریدنے تھے دوپہر کے کھانے کے لیے۔ اندر گئی تو باپ تمہارا باتھ روم میں گھس چکا تھا۔ میں نے جیب سے پچاس کا نوٹ نکالا اور ٹماٹر منگوا لیے۔ اب بتاؤ اتنی سی بات پہ کوئی قہر ڈھاتا ہے۔"

وہ ذرا ادھر کو رکیں' تو ندا معذرت خواہانہ انداز میں ہاتھ ہلاتی اسکول کے لیے نکل گئی' باہر رکشے والے کا ہارن بجنے لگا تھا۔

ناعمہ کے کالج میں ابھی وقت باقی تھا۔ رفعت جبین نے بلا توقف اپنا قصہ جاری رکھا کہ یہ تو روز کا معمول تھا۔ سامعین کی شکلیں اور جگہیں یونہی ناشتے کی میز پر گاہے گاہے تبدیل ہوتی رہتی تھیں۔ اب کس کس کے لیے سلسلہ کلام کو توڑا اور نئے سرے سے جوڑا جائے۔ وہ بھی اسی رفتار سے ناعمہ کے ساتھ جاری رہیں۔

"مصطفیٰ نے بقایا پندرہ روپے اس کے ہاتھ پہ کیا

رکھے۔ اس نے تو طوفان اٹھا دیا۔ ارے کیا پچاس کا ایک نوٹ نکالنے کی روادار بھی نہیں ہوں جیب سے۔" لہجہ قدرے بھیگ سا گیا۔

"میں کہتی ہوں کیا یہی قدر اور یہ مقام ہوتا ہے بیوی کا گھر میں۔۔۔ وہ بھی تو بیویاں ہوتی ہیں جن کی مٹھی میں شوہر کی پوری تنخواہ دبی ہوتی ہے۔ مہینے بھر کا بجٹ بھی چلاتی ہیں ساتھ ساتھ شوہر کو بھی۔۔۔ ارے عورت کی زندگی میں ایک وقت میں ایک شوہر ہی تو ہوتا ہے، مجھے وہ بھی ڈھنگ کا نہ ملا۔"

اب معلوم نہیں، ان کا دل جلا تھا کہ ہاتھ۔۔۔ اوئی اماں کہہ کر انگلی منہ میں دبائی۔ دوسری بیویوں سے رشک و حسد محسوس کرتے شاید زیادہ ہی جذباتی ہو گئیں۔ چمٹے کی جگہ ہاتھ سے پراٹھا لٹنے لگی تھیں۔

ناعمہ نے جلدی سے چائے کے آخری دو گھونٹ انڈیلے اور بیگ کندھے پہ ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ آگے امی جانیں اور مصطفیٰ بھائی۔۔۔ اگلی اور آخری باری ان ہی کی تھی۔ ناعمہ کے جانے اور مصطفیٰ کے آنے کے بیچ اتنا وقفہ ضرور آیا تھا کہ اب وہ ناشتا پکانے کے عمل سے فارغ ہو کر خود بھی چھوٹی میز کے نزدیک آ بیٹھی تھیں۔

"ابو کو پانی کی ایک بوتل بھی ساتھ میں ضرور دے دیا کریں۔ اب ہچکیاں لے کر بائیک چلاتے کیا اچھے لگ رہے ہوں گے۔" مصطفیٰ نے بشاشت سے مسکراتے نشست سنبھالی تو لاڈلے کی بات پر رفعت بھی مصنوعی خفگی سے ہنس پڑیں۔

"ہاں بس اسی کی فیور میں بولتے رہنا سب۔۔۔ ایک ماں کی سائیڈ ہی نہ لینا کبھی۔۔۔"

"آپ کی سائیڈ لے کر آپ کے حق میں تو بخشے جائیں گے مان لیا۔ پر باپ کی نافرمانی میں تو گردن پکڑی جائے گی۔ آپ نا۔۔۔ اولاد کے پوائنٹ آف ویو سے دیکھنا بھول جاتی ہیں۔ اولاد کو صرف ماں کا فرماں بردار ہی تو نہیں ہونا چاہیے۔ باپ کا بھی برابر کا مقام ہے۔"

وہ یونہی اعتماد سے اپنا نقطہ نظر بیان کیا کرتا تھا، بنا لگی لپٹی کے۔ "کالج میں آج کل وعظ کی الگ سے کلاسز لگ رہی ہیں۔ آپ کی بیڈ لک کہ ان دنوں قاری صاحب کا موضوع "باپ کی اطاعت" ہے۔" وہ ہنستے ہوئے اپنے لیے رات کا سالن پلیٹ میں نکالنے لگا۔ رفعت نے منہ بناتے اس کے لیے چائے ڈالنا شروع کی۔

"ہاں بس سارے باغی، دشمن، غدار ایک میرے حصے میں آنے تھے۔ کیے جاؤ اس کی اطاعت، جی بھر کے۔۔۔" انہوں نے غصے سے چھلنی، ساسر پہ پٹخی۔ مصطفیٰ نے بمشکل قہقہہ ضبط کیا۔ ایسی ہمہ جہت، فل آف لائف والدہ کس کے حصے میں آئی ہو گی، فلمی نہ ہو تو۔

"بالی ووڈ میں کچھ اچھے ناموں والی فلمیں بھی بنی ہوں گی۔"

"ہیں۔۔۔؟" رفعت نے پہلے تو ناسمجھی سے آنکھیں پھیلائیں۔ مصطفیٰ کا فقرہ سر سے گزر گیا تھا، لیکن جب سمجھ میں آیا تو ہنس کر اس کے کندھے پہ دھپ رسید کی۔ "اچھے ناموں والی فلموں پہ پورا بھی اترو۔"

"لیں۔۔۔ میں کیا آپ کو "ہیرو" نظر نہیں آتا۔" اس نے کالر جھاڑا، "چلیں۔ "سولجر" کمانڈو یا سلطان ہی کہہ لیں۔"

"کچھ نہیں ہو سکتا تم لوگوں کا۔" رفعت نے مایوسی سے سر ہلایا۔ "ارے انیس سالوں میں جب تم سب کو اپنا نہیں کر سکی۔ شوہر کیا خاک تابع ہو گا۔"

"آپ کی ویڈنگ اینورسری کب ہے؟" مصطفیٰ نے کان کی لو کھجاتے اچانک ہی پوچھا تو کرسی سے اٹھتے وہ ٹھٹک کر رکیں۔

"ہیں۔۔۔ کیوں؟" ذہن میں تحفے، پارٹی، کچھ ہلا گلا ٹائپ تصورات ابھرنے لگے۔ سیکنڈز میں سوچا شاید سلیم الدین کوئی سرپرائز دینے لگے ہیں۔

"اگلے ماہ ہے نا، سولہ تاریخ کو۔۔۔" خوشی خوشی جواب دیا۔

"شکر ہے۔۔۔" مصطفیٰ نے ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکریہ ادا کیا۔

"انیس سال ہو گئے، انیس سال ہو گئے کی گونج تو

اب کانوں میں بیٹھ گئی تھی۔ سوچ رہا تھا اینور سری آئے گی تو ہمیں میں جمپ کریں گے۔ انیس کے ہندسے سے پرانی رنگ ٹون کی طرح اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔" وہ ان کے بیلن سے بچ کے ہنستا ہوا وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ امی کی آنکھوں سے قہر ٹوٹ رہا تھا۔ تاب لانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو گیا تھا۔ اس نے کچن سے نکلتے نکلتے موبائل سیٹ سامنے لہرایا۔

"سوری' آپ کی دردناک پٹنا ابھی تو سننے سے قاصر ہوں۔ نوید کی پانچ مسڈ کالز آچکی ہیں۔ پوائنٹ مس نہیں کرنا چاہتا۔" وہ جاتے جاتے ایک ہوائی بوسہ اور لو یو ماں کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ رفعت ہنستے ہوئے برتن سمیٹنے لگیں۔ "ساری رونق تو ان ہی کے دم سے تھی۔ بے فکری' مست اولاد' ان کا بھی کیا قصور..... عمر ہی بادلوں میں اڑنے کی تھی۔ اللہ دکھ تکلیف کی گرم ہوا سے ہمیشہ بچائے رکھے' آمین۔"

کچن کے پھیلاوے سے شروع ہوتے اب وہ کاموں پہ کمربستہ ہو گئی تھیں۔ عموماً" ڈیڑھ سے دو گھنٹے لگ جاتے تھے' سب کے جانے کے بعد گھر کی صفائی ستھرائی نپٹاتے اور پھر کاموں سے فارغ ہو کر اپنے لیے دوسرا چائے کا کپ بنا کر وہ آرام سے گھنٹہ بھر ٹی وی دیکھا کرتیں۔ لنچ کی تیاری کے لیے تب تک دوبارہ اٹھ کھڑا ہونے کی ہمت آچکی ہوتی تھی۔ لیکن آج چائے کا دوسرا کپ پیتے بجائے ٹی وی دیکھنے کے رفعت کا دماغ کسی اور معاملے میں الجھا ہوا تھا۔

سلیم الدین نے تو باون ہزار کی بھنک بھی پڑنے نہیں دی تھی اور یہاں چھوٹے موٹے کئی معاملات کی ایک طویل لسٹ تھی۔ یوں تو سلیم میاں پیسے کے ساتھ ساتھ یہ چھوٹے موٹے معاملات بھی اپنے ہاتھ میں ہی رکھتے تھے' لیکن زیادہ تر ان معاملات میں بجائے روپے پیسے سے نپٹنے کے وہ حیلے بہانے سے ہی پیچھا چھڑا لیا کرتے تھے جیسے پچھلے ہفتے وہ بھتیجے کی پیدائش پر مارے خوشی کے کافی اونچی اڑان بھرتے جانے کہاں کہاں کی ننھی منی شاپنگ تصورات میں کر آئی تھیں' جب سلیم الدین نے بیچ پرواز کے ہی قینچی سے پر کاٹ دیے۔ انہوں نے خوشی خوشی شوہر کو بھتیجے کی پیدائش کی خوش خبری سنائی کہ آخر کو تین بھتیجیوں کے بعد اللہ پاک نے یہ دن دکھایا تھا' ارمان پورے کرنا تو بنتا تھا۔ سلیم میاں نے بھی دل آویزی سے مسکراتے' بڑی شان سے بٹوہ نکالا تھا۔

"کیوں نہیں بھئی۔ خوشی کا موقع ہے۔ آج شام ہی جانا چاہیے۔ یہ لو ہزار روپیہ۔ ابھی سے رکھ لو اپنے پاس۔ چاہو تو ایک آدھ بے بی ڈریس بھی خرید لینا ہیں۔ انہیں اچھا لگے گا۔"

"بب۔۔۔ بس۔۔۔" وہ آنکھیں پھیلائے تکتی رہ گئیں۔

"اچھا۔۔۔" سلیم الدین کے تیور یونہی پل میں بدلا کرتے تھے۔ "اور تمہارے بھائی نے کیا دیا تھا ہمارے بچوں کی پیدائش پر۔۔۔"

"ہمارے بچے۔" وہ تو چکرا ہی گئی۔ "ارے اس وقت تو کامران بے چارا میٹرک کا اسٹوڈنٹ تھا اور۔۔۔ اور پھر ایسی باتوں کا خیال اپنوں میں کہاں رکھا جاتا ہے۔ یہ تو دل کی خوشی ہے۔" وہ بے چاری اپنی چیختی جھنجلاتی آواز کا توازن بھی برقرار نہیں رکھ پا رہی تھیں۔ ایک تو اللہ جانے جب ہم کسی معاملے میں پوری طرح کنوینس اور مستحکم ہوتے ہیں۔ اگلے کو قائل کرنے کے سارے الفاظ گم کہاں ہو جاتے ہیں۔ پوری دنیا اس کی نفی کرنے کو تیار ہوگی۔" آپ بس اپنے الفاظ واپس لے کر مزید رقم نکالیں کہ بھلا یہ بھی کوئی لاجک ہے۔ میرا بھائی مجھے پیارا ہے۔" خیر ایسی تو بے شمار مثالیں تھیں جب رفعت جبین اپنا سا منہ اور موقف لے کر رہ جایا کرتیں۔ لیکن آج کا معاملہ بہت الگ تھا۔ جب سے موٹا بھابھی سے پتا چلا کہ سلیم الدین باون ہزار کے مالک بن چکے ہیں' سوچیں عجیب گھن چکر سی ہونے لگی تھیں۔ قائل کرنے کے دلائل تو حسب عادت خوب سوچے' لیکن جانتی تھیں غبارے سے ہوا نکالنے کے لیے ایک سوئی ہی کافی ہوتی ہے' یہاں تو پورے سلیم الدین تھے۔ انیس سالوں میں رفعت کی کوئی ایک دلیل' کوئی ایک بیان بھی چلا ہوتا تو آج کسی

مان سے ہاتھ پھیلاتیں۔
خالہ زاد نوشین کی شادی سر پر تھی اور سلیم الدین اپنے بجٹ میں سے جتنی رقم نکال کر دے رہے تھے وہ کسی صورت کافی نہ تھی۔ تینوں بچوں نے نئے کپڑوں کی فرمائش کی تھی۔ وہ بھی یہ کہہ کر کہ اس بار کوالٹی پہ ہرگز کوئی کمپرومائز نہیں ہوگا۔ لیکن اب سلیم الدین کو کون یہ بات سمجھاتا کہ بچے اب بچے نہیں رہے۔
اب وہ وقت نہیں رہا تھا جب بچوں کو کچھ بھی پہنا کر جان چھڑالی جاتی تھی۔ وہ اب ان سے بھی زیادہ سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔

پھر۔ رفعت ست روی سے برآمدے میں ٹہلتے، انگلیاں چٹخاتے عجیب گومگو کی کیفیت میں تھیں۔ کسی طرح مزید آٹھ دس ہزار کی رقم کا بندوبست کرنا تھا۔ اب آئیڈیے تو کئی تھے رقم حاصل کرنے کے لیکن جانے کیوں آج رہ رہ کر رفعت کو شمو خالہ کی بات یاد آرہی تھی جو ابھی پچھلے ہفتے ہی انہوں نے سامنے والی روبینہ کے گھر بیٹھ کر کہی تھی۔ روبینہ ہنس ہنس کر بتا رہی تھی کہ کیسے اس مرتبہ وہ کمیٹی کی قسط والی رقم سے دو لان کے سوٹ خرید کر آگئی اور جب قسط دینے کا ٹائم آیا تو شوہر کی جیب سے رقم نکال کر ثمینہ کو تھما دی۔
"خلیل غصہ تو خوب کریں گے، پر تب کی تب دیکھی جائے گی۔" انہوں نے لاپروائی سے ہاتھ لہرایا۔
"تو غصہ کیوں کرے گا؟" شمو خالہ نے تعجب سے ناک پہ انگلی جمائی۔ "بھئی اس کے پیسے پر تم سے زیادہ حق بھلا کس کا ہے۔ میرا تو یہی بات ہے، یہ ماننا ہے کہ شوہر کے بٹوے سے بیوی چوری چھپے بھی رقم نکال لے تو اس سے پوچھ نہیں ہوگی۔ کھلم کھلا اٹھاؤ یا چوری یوں سمجھو اپنے پرس سے ہی لیا۔ میاں، بیوی بھلا الگ ایک دوسرے سے۔۔۔"
"اف نہیں۔" رفعت نے نم ہتھیلیوں کا پسینہ دوپٹے سے رگڑا۔ بار بار ایک ہی خیال کیوں اندر جڑ پکڑ رہا تھا کہ اس بار لمبی لمبی تقریروں سے قائل کرنے کی ناکام کوشش میں پڑنے کے بجائے اپنی مطلوبہ رقم نکال لی جائے، وہ بھی بنا سلیم الدین کے علم میں لائے، بعد میں پتا چلے گا تو میں بھی صاف مکر جاؤں گی۔ بھئی، ہمیں تو کسی نے بتایا بھی نہیں کہ آپ کے پاس کوئی رقم بھی ہے۔ اچھا ہے، بیوی سے باتیں چھپاتے ہیں، اس بار تو سزا ملنی ہی چاہیے۔ اب جس بیوی کی بٹوے تک رسائی نہیں، وہ اپنے حق کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرے گی۔
"لیکن اٹھاؤں کیسے؟" ٹہلنے میں تیزی آئی۔ بھابھی نے بتایا تھا سلیم کو رقم آج ملنی ہے۔ اب ہفتے کے دن بینک میں بھی نہیں ڈلوا سکتے۔ کل اتوار ہے۔

یعنی دو دن رقم گھر میں ہوگی۔ کل کا دن بالکل مناسب نہیں، کیونکہ بچے بھی گھر پہ ہوں گے اور یہ امکان بھی مضبوط ہو جائے گا کہ رقم گھر سے چوری ہوئی ہے۔ تو۔۔ یعنی جو کرنا ہے، آج سلیم الدین کے گھر آتے ہی کچھ دیر کے اندر اندر کرنا ہے۔ تاکہ وہ یہی سمجھیں کہ باہر ہی کہیں چوری کروا بیٹھے ہیں۔"
"تو ٹھیک ہے۔ آج ان کے گھر آتے ہی اٹھالوں گی۔ دس ہزار۔۔۔ اچھا آٹھ۔۔۔ یا پھر۔۔۔ بس بس۔۔۔"
خود کو رعایتیں دینے پر اپنے آپ کو کوسا اور چوری کا مصمم ارادہ کرتے کچن میں آگئیں۔

☆ ☆ ☆

"آں۔۔۔ سنو۔۔۔ فارغ ہو تم۔۔۔؟" سلیم میاں کسی قدر تشویش زدہ سے انداز میں پیشانی مسلتے اس کے پاس آئے تھے۔
"ہوں۔۔۔" رفعت نے چونکنے کی ایکٹنگ کرتے استری کا پلگ نکالا۔ "جی فارغ ہوں۔ کپڑے بھی استری ہو گئے۔" وہ قمیص اٹھائے ان کے پیچھے پیچھے ہی کمرے میں آگئی۔
"تمہیں بتانا تھا۔۔۔ وہ۔۔۔ ابا جی کے پلاٹ والے درخت تھے نا۔" آہستہ آہستہ انہوں نے کہنا شروع کیا اور الماری میں منہ دیے وہ چپکے سے مسکرا دی۔ "واہ صاحب۔۔۔ اب نقصان ہو گیا تو ساری خوشیاں غم اکٹھے شیئر کرنے کا خیال آگیا۔"
"پچھلے دنوں بھائی جان اور میں نے اس کے ایک

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

حصے کی کٹائی کروا کے لکڑی سیل کردی تھی۔ ہم دونوں کے حصے میں باون باون ہزار روپے آئے۔"

"سچ۔۔۔ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔" وہ چہک کر مصنوعی حیرت آنکھوں میں لیے پلٹیں۔ "رقم مل گئی؟" لہجے میں مزید خوشی کا عنصر شامل کرتے اداکاری کے عمدہ جوہر دکھائے۔ سلیم الدین کی گھر آمد کے کچھ دس منٹ کے اندر ہی انہوں نے ہاتھ کی صفائی دکھاتے پانچ پانچ ہزار کے دو کڑک نوٹ نکال کر الماری میں چھپا دیے تھے۔

"رقم تو آئی بھی اور۔۔۔" وہ ایک دم شدید دل گرفتہ دکھائی دینے لگے۔ "اور چوری بھی ہوگئی۔"

"ہائے اللہ؟" سینے پہ ہاتھ مارتے وہ عجلت میں قریب آئیں۔ "کب۔۔۔ کیسے؟"

"بس تقدیر خراب تھی۔" انہوں نے تاسف سے آہ بھر کر کرسی کی پشت سے پیٹھ ٹکائی۔ "باون ہزار کا پورا حساب تیار کر رکھا تھا۔ پر تمہاری قسمت بھی روپے کے معاملے میں بڑی ٹھنڈی ہے رفعت بیگم۔" وہ اداس سا مسکرائے۔ "دیکھو نا پہلی بار تمہیں سرپرائز دینے کا سوچا تھا۔"

"سرپرائز۔۔۔" اب ٹھٹکنے کی باری رفعت کی تھی۔

"ہاں۔۔۔ سوچا تھا، نوشین کی شادی قریب ہے۔ سو طرح کے خرچے ہو جائیں گے۔ آٹھ دس ہزار اوپر سے دے دوں گا، لیکن۔۔۔"

"ل۔۔۔ لیکن۔۔۔" رفعت کی آواز گلے میں پھنسنے لگی۔

"باون میں سے دس ہزار جانے کیسے چوری ہوگئے۔ اب یوں تو بیالیس ہزار ابھی بھی ہیں، لیکن تمہیں نہیں دے سکتا۔ بیس بیس ہزار کے تو بھائی جان اور میں بانڈز خریدنے والے ہیں۔ پندرہ ہزار نعیم کو اے سی کے بقایا دینے ہیں۔ وہ تو کچھ دیر میں آنے بھی والا ہے۔ باقی بچے سات ہزار۔۔۔ اس کا تو نیا موبائل آجائے گا۔ پرانے کے ساتھ تو اب ایک اور دن بھی گزارا مشکل ہے۔ لیکن سوچنے کی بات ہے، دس ہزار گئے کہاں؟"

وہ اب اپنے آپ میں بڑبڑاتے پریشانی سے ہاتھ مسلتے پھرے جیب ٹٹولنے لگے تھے۔ اُدھر رفعت کے مرے وجود میں تو مزید ایک لفظ بولنے کی بھی سکت نہیں رہی تھی۔ پیروں پر ایسا پانی پڑا کہ وجود ڈوبنے سا لگا۔ جب ہی بنا کچھ کہے مرے قدموں سے کچن میں آگئیں۔

"ہائے اللہ میاں جی۔۔۔ یہ کیا کر دیا۔" ہاتھ ہتھیلی پہ گراتے وہ رو دینے والی ہوگئیں۔ "اللہ پوچھے تجھے ثمو خالہ۔ ایسے رعایتیں دینے والے فتووں سے میری ناک رگڑ کر توبہ۔۔۔ کیسا گناہ سر لے بیٹھی، پہلی مرتبہ شوہر کیسے مان اور محبت سے پیسے دے رہا تھا، جہنم کی کھڑکی کھلی رہ گئی جو آگ خرید بیٹھی۔ اب کیا کروں؟ کیسے اس گناہ کی پوٹ کو واپس دھکیلوں۔ ہائے یوں تو مجھ سے دھیلا بھی خرچ نہ ہوگا۔ اب کیا کروں۔" انگلیاں چٹخاتے وہ جلدی جلدی کچھ سوچنے لگیں۔

"اے سنو۔۔۔" سلیم الدین باہر سے پکارے تو وہ جھٹ دروازے میں آئیں۔ وہ بنیان کے اوپر لب گھر والی قمیص پہن رہے تھے۔

"باہر نعیم آیا ہے۔ اس کو رقم دینے جا رہا ہوں۔ کھانا بنانے گئی ہو تو میرے لیے نہ بنانا۔ دل ہی نہیں چاہ رہا۔"

وہ پھر سے افسردہ دکھائی دینے لگے۔ رفعت کے دل کو گھونسا پڑا۔ دروازے سے بھوک بھوک چلانے والے آج کھانا کھانے کو تیار نہیں تھے۔ سلیم الدین ٹوپی سر پہ جماتے باہر نکلے اور رفعت جھٹ پٹ کمرے میں آئیں۔ الماری کھول کر کپڑوں کے نیچے سے پرانا پاؤچ نکالا۔ دو نوٹ چابک دستی سے واپس کھینچ کر الماری بند کی۔

"اب۔۔۔ اب۔۔۔؟" دانتوں سے ہونٹ کاٹتے وہ کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگیں اور پھر یونہی مٹھی میں دبا کر کھڑی رہیں، حتیٰ کہ سلیم الدین نعیم سے مل کر واپس اندر آگئے۔

"آپ کے روپے۔۔۔" رفعت نے مسکراتے ہوئے ہتھیلی کھولی۔

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''ارے... رے...'' سلیم الدین کی آنکھیں خوشی سے ابل پڑیں۔ ''یہ دو نوٹ تو...''

''جی ہاں وہی ہیں۔ شاید شرٹ اتارتے وقت بے دھیانی میں نکل گئے۔ آپ نے بھی کتنی لاپروائی سے شرٹ، بٹوہ نکالے اور نہانے چل پڑے۔ میں نے سوچا ایک کوشش میں بھی ڈھونڈنے کی کرلوں... دیکھا تو ادھر کرسی کے نیچے پڑے تھے۔''

''اف خدایا شکر ہے۔'' انہوں نے جھپٹ کر نوٹ اپنے قبضے میں لیے۔ ''میری تو قسم سے حالت غیر ہورہی تھی۔ کتنی مشکل سے تو بندہ کچھ رقم حاصل کرپاتا ہے۔''

''کھانا لاؤں؟'' رفعت مسکراہٹ دبائے شوہر کے چہرے پر پھیلی خوشی دیکھنے لگیں۔ اپنا آپ بھی کیسا ہلکا پھلکا لگنے لگا تھا۔

''ہاں بھئی فورا'' سے پہلے لاؤ، رقم واپس ملی تو بھوک بھی جاگ اٹھی ورنہ کچھ دیر پہلے تو پانی کا ایک گھونٹ بھی حلق سے اتارنا مشکل لگ رہا تھا۔'' وہ سامنے کارنس سے بٹوہ اٹھا کر کرسی پہ آبیٹھے اور رفعت خوشی سے سرہلاتی جلدی سے کچن کی طرف دوڑ گئیں۔

''اوہ...'' حلق سے ایک بھرپور سانس خارج کرتے سلیم الدین نے سر جھٹکا۔ سارے نوٹ اکٹھے کرکے تہہ بنا کر واپس بٹوے میں ڈالے۔

اور پھر بے ساختہ ایک چھوٹا سا قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

''تم ہوگی سیر رفعت بیگم... پر پالا تمہارا سوا سیر سے پڑا ہے۔ شوہر کے بٹوے میں ہاتھ ڈالتی ہو۔ پگلی نہ ہو تو... پورے نوٹ تو میں نے شرٹ اتارنے کے بعد ہی گنے تھے۔ گھر آکر جیب میں پڑی رقم گننا تو بیس سال پرانی عادت ہے۔ یعنی جب سے کام پہ لگا ہوں... تم پر تو بھروسا تھا۔ دنیا والوں پر نہیں تھا۔ تب ہی تو پہلے گن کر تسلی کرتا، پھر کوئی اگلا کام...'' وہ پیٹ سے اٹد آتی ہنسی کو بمشکل قابو کرتے تھوڑا فلیش بیک میں گئے۔

نہا کر وہ کمرے میں واپس آئے تو موبائل پہ نعیم کی کال آرہی تھی۔ فون اٹینڈ کیا تو وہ اپنے گھر سے نکلنے کی اطلاع دے رہا تھا۔ دکان سے نکلتے ہی سلیم الدین نے اسے اے سی والے پندرہ ہزار وصول کرنے کا کہہ دیا تھا۔ اس کی آمد کا سن کر سلیم نے بٹوے سے پیسے نکالے۔ نوٹوں کی گڈی کچھ ہلکی لگی۔ کاروباری بندے تھے۔ دس نوٹ آٹھ ہوئے تو فورا'' ہی ہاتھوں نے وزن پہچان لیا' گن کر دیکھا تو واقعی آٹھ نوٹ تھے۔ یعنی نہانے جانے اور آنے کے بیچ دو نوٹ کم ہوئے تھے۔ معاملہ تو فورا'' سمجھ میں آگیا۔ پھر مونا بھابھی نے بھی بتا دیا کہ رفعت کو رقم کے بارے میں وہ بتا چکی ہیں۔ اب تھے وہ بھی استادوں کے استاد۔ رقم ان ہی ہاتھوں میں واپس لینے کا پلان فی الفور ترتیب دیا۔ بھئی بیگم صاحبہ نئی نئی چوربازاری سیکھ رہی تھیں۔ قدم تو روکنے ہی تھے۔ پورا یقین تھا کہ پہلی بار جرم کرنے والے کا ضمیر دروازے کی اوٹ میں چھپا کھڑا ہوتا ہے' بس کسی بھی پل سامنے آنے کا منتظر... اور وہی ہوا۔ دس ہزار کی رقم جائز اور سیدھے راستے سے لینے کی خواہش رفعت کے دل میں بھی فورا'' جاگی تھی۔ نتیجہ سامنے تھا۔

''اب اصولا'' تو چور کو سزا ملتی ہے زوجہ محترمہ!'' سلیم الدین نے شرارت سے داڑھی کھجائی۔ ''لیکن زبان دے کر مجبور ہوں۔ البتہ پورے دس ہزار... نہیں... نہیں۔'' سلیم الدین کی ازلی کنجوسی آڑے آئی۔ اتنا خسارہ کچھ حلق سے اتر نہیں رہا تھا۔ تھوڑے جوڑتوڑ کے بعد بالآخر پانچ ہزار رفعت کے ہاتھ پہ رکھنے کو دل جیسے تیسے آمادہ ہو ہی گیا۔ پانچ ہزار الگ کرکے رکھتے' بٹوہ جیب میں رکھا۔

پتا نہیں یہ بیویاں سمجھتی کیوں نہیں کہ شوہر کو اپنے بٹوے میں شراکت برداشت نہیں ہوتی۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے یہ عورتیں اپنے شوہر میں شراکت برداشت نہیں کرتیں۔

بٹوے کے معاملے یہ بیویاں ہمارے لیے کسی سوتن سے کیا کم ہوتی ہیں۔ ہاہا...'' اس بار وہ اپنے بے ساختہ در آتے قہقہے پر قابو نہ رکھ سکے۔

☆

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

صبا نسرین

منی پلانٹ

مجھے تو اب یاد بھی نہیں کہ پھولوں سے باتیں کرنے کا شوق مجھے کب ہوا، شاید اماں کو دیکھ کر جو صبح فجر کے بعد کیاری میں لگے پودوں سے اس طرح باتیں کرتیں جیسے کوئی رازداں سہیلی سے ہم کلام ہو۔ وہ کہا کرتی تھیں۔

"پودے جان دار ہوتے ہیں۔ ان سے جتنی باتیں کرو، ان کا خیال رکھو، یہ پھلتے پھولتے وقت ہمیں دعائیں دیتے ہیں۔"

میں اکثر پوچھتی۔ "اماں! پھلنا پھولنا کیا ہوتا ہے؟"

"جس طرح تمہیں صبح، شام، دوپہر کو کھانا، شام کو چائے بسکٹ، چپس چاہیے ہوتے ہیں، اسی طرح ان کو بھی کھانا پینا چاہیے۔ تب ہی تو یہ بڑھتے ہیں۔"

شام کے وقت کامنی کے درخت پر لگے چھوٹے چھوٹے سفید پھولوں کی مہکار اور پھولوں کے گرنے سے اماں کی کیاری سفید ہو جاتی۔ اماں اسے صاف کرتے وقت مجھے اور انعم کو ساتھ لگا لیتیں۔ مجھے وہ خوشبو بے حد اچھا لگا کرتی، سوندھی سوندھی سی۔

میں پوچھتی۔ "اماں! یہ پھول خوشبو دیتے ہوئے گر کیوں جاتے ہیں۔"

"بس بیٹا! یہ اللہ کی شان ہے کہ وہ جوبن پر لا کر واپسی کا سفر شروع کر دیتا ہے۔"

ہمارے چھوٹے سے گھرانے میں جیسے بس سکھ چین ہی تھا۔ اماں کو بے زار ہونے کی عادت نہ تھی اور ابو تو ہمارے تھے ہی اچھے، ہر ہفتے ہمیں گھمانے لے جاتے اور دادی اماں کے گھر ہم جاتے تو بہت ہی مزا آتا۔ دادی اماں ہمارے ساتھ رہا کرتی تھیں، پھر نہ جانے کیا ہوا، تایا ابو انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ امی کہتیں تھی کہ تائی امی بیمار رہا کرتی ہیں تو انہیں دادی اماں کی ضرورت ہے۔

کیا ضرورت تھی؟ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ رشتے ضرورت میں کیسے بدلتے ہیں اور محبت سے کیسے نہیں نبھتے۔ اب تو سارا دکھ ہی سمجھ میں آنے کا ہے۔

ہماری اماں کو سب کے کام آنے کی عادت تھی۔ نانی اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تو وہ رکشا، ٹیکسی کا انتظار نہیں کرتیں، پیدل ہی چل پڑتیں۔ محلے میں کسی کا بچہ بیمار ہوتا تو وہ سب سے پہلے تیمارداری کرنے والوں میں شامل ہوتیں۔ مجھے اماں بے حد اچھی لگتیں، وہ تھکتی ہی نہیں تھیں۔ رات کو جب بھی آنکھ کھلتی تو میں دیکھتی کہ اماں تو جا نماز پہ سر سجدے میں رکھے اللہ سے راز و نیاز کرنے میں مصروف ہیں۔

ان ہی دنوں ہمارے پڑوس میں ایک خاندان آ کر آباد ہوا۔ ان میں ایک بڑی بی بھی تھیں، انہیں بھی اماں کی طرح پھولوں، پودوں سے خاصی رغبت تھی۔ انہوں نے ہی ہماری اماں کو منی پلانٹ لا کر دیا کہ یہ گھر میں لگاؤ۔ اس کے لگانے سے گھر میں سکون اور پیسہ آتا ہے اور لڑائی جھگڑے سے یہ مرجھا جاتا ہے۔ ایسا پھلتا ہے کہ رونق ہی رونق ہو جاتی ہے کیاری میں اور جی چاہے تو پانی میں لگا کر رکھو، بس روشنی مل جائے تو ہرا بھرا رہتا ہے۔ کونپلیں بھی پھوٹتی ہیں۔ انہیں منی پلانٹ کے متعلق بڑی معلومات تھیں۔ ان کے گھر میں تو یہ ہر جگہ لگا ہوا تھا۔ ہمارے گھر میں بھی منی پلانٹ کی بیل پھیلتی جا رہی تھی اور شام میں جب پائپ لے کر میں صحن دھوتی تو وہ جیسے کھل اٹھتی۔

اماں کو بیٹا نہ ہونے کا دکھ اندر ہی اندر گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا۔ وہ دعائیں کرتی نہ تھکتیں، مگر دھیرے دھیرے اس دکھ نے اماں کو ہائی بلڈ پریشر کا

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
Monthly Shuaa May 2017

مریض بنادیا۔ اب تو وہ پہلے کی طرح پودوں کی دیکھ بھال بھی نہ کرتیں، لیکن ابو ان کا ہر طرح سے خیال رکھتے۔

اماں اکثر جب طبیعت بہتر ہوتی تو پودوں سے باتیں کرتیں۔ منی پلانٹ کی بیلیں اب تو ہمارے آنگن میں، کمروں میں، ہر جگہ ہریالی پھیلاتی نظر آتیں۔

مجھے بھی اماں کی قربت کی وجہ سے پودے بہت اچھے لگتے۔ اب تو ابو نے سارے صحن میں دیوار کے ساتھ کیاری بنوادی تھی۔ جس میں رات کی رانی اور موتیا کے پودے گھر کی فضا کو رونق بخشتے۔ بارشوں کے موسم میں انعم کو میں کمپیوٹر کے سامنے سے زبردستی اٹھالاتی اور قدرت کے اس خوب صورت اور دل میں اتر جانے والے موسم کے مزے ہم سب پکوڑوں اور چائے کے ساتھ دوبالا کرتے۔

☼ ☼ ☼

بے حد پُرسکون ماحول تھا۔ پھر کالج شروع ہوا، دوستوں کے ساتھ زندگی اور خوب صورت ہوگئی۔ میں سب کو ان کی سالگرہ پر ہمیشہ پھولوں کے تحفے دیا کرتی۔ بقول میری دوست منزہ کہ پھولوں سے محبت کرنے والے لوگ بہت رومانٹک ہوتے ہیں۔

کالج سے واپسی پر اماں نے زیادہ تر ہم دونوں بہنوں کی پسند کا کھانا بنایا ہوتا۔ انعم تو دال چاول شوق سے کھاتی، مگر میرا تو یہ اصول تھا کہ جب اور جہاں مزے دار کھانا ہو نوش کرلو۔ سولہ سترہ سال کی عمر میں پہلے خالہ جان نے اپنے بیٹے کے لیے اماں سے بات کی، پھر پھپھو جان نے فراز بھائی کے لیے مجھے مانگا۔ اماں تو فکرمند ہوگئیں۔

"ابھی تو یہ صرف ہربات پر ہنسنا جانتی ہے۔ ذمہ داری بڑی مشکل بات ہے۔ کم از کم بیس کی تو ہوجائے۔"

یوں بی اے کے بعد ڈاکٹر سہیل کا رشتہ آیا تو ابو نے فوراً "ہی ہاں کردی۔ جبکہ اماں خوش نہیں تھیں۔

"اماں! آپ خوش نہیں اس رشتے سے۔" ایک دن میں نے پوچھ ہی لیا۔

"کیوں بھلا، خوش کیوں نہیں۔ بس سوچتی ہوں میری مالن چلی جائے گی تو میرے پودوں کا خیال کون رکھے گا۔" اماں مجھے گلے لگاکر رودیں۔

"اماں! میں روز آیا کروں گی۔" بھلا میں نے کب چاہا تھا کہ اماں اداس ہوں۔

انعم البتہ اماں کے ساتھ بازاروں کے چکر لگایا کرتی، وہ حقیقت میں اماں کے لیے بیٹے کی طرح بنتی جارہی تھی۔ حقیقت پسند اور زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فیصلہ کرنے کی صلاحیت اس میں موجود تھی۔ ابو تو اسے اب انعم خان کہا کرتے۔

بہار کے موسم میں رخصت ہوکر میں ڈاکٹر سہیل کے آنگن میں آگئی۔ ہماری نانی اماں کا انتقال ہوچکا تھا۔ اس روز اماں کو میں نے سسک سسک کر روتے دیکھا تھا۔ اب تو وہ پودوں سے بھی باتیں کرتے کرتے رودیتیں، اماں کی پودوں سے محبت میں ایک فیصد بھی کمی نہیں آئی تھیں۔

اب میں جس روز اماں سے ملنے جاتی، جی بھر کر باتیں کرتی۔ اماں کے ساتھ پودوں کی کانٹ چھانٹ کرتی، اماں میرے سر میں مالش کرتیں۔

"اماں! اتنا لاڈ مت کیا کریں۔" میں اکثر کھوئی کھوئی سی کہا کرتی۔

"کیوں۔ کیوں نہ کروں، میری کون سی دس اولادیں ہیں۔"

"بس پھر جب کم کم پیار ملے تو بھولنا مشکل ہوجاتا ہے۔"

"تو خوش تو ہے نا۔" اماں اکثر پوچھتیں۔ اور میں مسکرادیتی۔

☼ ☼ ☼

دن کبھی بے حد اچھے اور کبھی بس ایسے ہی گزرتے جارہے تھے۔

میں اب معصوم سے دانیال کی ماں بن چکی تھی۔ میں بھی اماں کی طرح مالی کے ساتھ پودوں کو لگانے میں

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مصروف رہتی' شام کو ضرور موتیا کے پھول سا س امی کے کمرے میں اور کچھ اپنے سرہانے رکھ لیتی۔ سہیل زندگی۔ اس محبت کو مسکرا کے قبول کرتے' لیکن اپنے طور پر وہ ان چیزوں کے لیے وقت نہ نکال پاتے۔

میری ساری خوشیاں ننھے دانیال کے وجود میں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ منی پلانٹ کی دیکھ بھال بالکل اماں کی طرح کرتی' اکثر مالی بابا بھی حیران ہوا کرتے۔

"بیٹا آپ کو یہ بیل بہت پسند ہے۔" ایک روز وہ کہہ بیٹھے۔

"ہاں بابا' اس سے میرا بچپن' سکون اور کہانیاں جڑی ہوئی ہیں۔"

اس روز میں منی پلانٹ کا پانی بدل رہی تھی' جب سہیل نے ہنس کر کہا۔ "بیگم! تم بھی مالی بابا کی طرح اسے منی پلانٹ کہتی ہو۔ بٹ دس از رونگ۔" وہ گاؤن کی بیلٹ سے کھیلتے ہوئے بولے۔

"کیا غلط کیا صحیح بس میری اماں اور نانی اماں کہا کرتی ہیں' یہ سکون میں بڑھتا ہے۔"

"لیکن یہ مے نی پلانٹس ہے' کیونکہ اس کے بہت سے روٹس (جڑیں) نکلتے ہیں۔ جن سے کئی اور پودے نکلتے ہیں۔" وہ مجھے بچوں کی طرح سمجھا رہے تھے۔

لیکن کچھ باتیں ہمیں چاہے وہ غلط ہوں اسی طرح اچھی لگتی ہے' مجھے بھی اسے منی پلانٹ ہی کہنا اچھا لگتا تھا۔ میں اس کے متعلق کوئی آگاہی نہیں چاہتی تھی۔ اس بے خبری میں پیار تھا۔ بس یہ پتا تھا کہ سکون کی فضا میں پھلتا پھولتا ہے۔ سینہ بہ سینہ چلتی وہ چھوٹی سی بات تھی' اماں کی ان کہی اور نانی اماں کی کہی ہوئی۔

میں بھی تو کمرے میں' گھر میں' سکون کے لیے اس پودے پر محنت کرتی تھی۔ اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کر کے علامہ نہیں بننا چاہتی تھی۔

کیوں؟ یہ مجھے بھی خبر نہ تھی۔ ان ہی دنوں اماں کو بلڈ پریشر بڑھنے سے رات گئے نہ جانے کس پہر دل کا دورہ پڑا اور اماں خاموشی سے چل دیں۔ یہ جانے بغیر کہ وہ ہم سب کے لیے کتنی اہم تھیں۔

اماں کے بعد ہم تینوں کے دل کا خالی پن ختم ہونے میں نہ آتا۔ سہیل اور ان کی اماں نے میرا ہر طرح سے خیال رکھا' مگر دل کی ویرانی نہ گئی۔ لوگوں کے لیے اماں یاد بن گئیں اور میں۔۔۔؟

☼ ☼ ☼

ابو بہت اکیلے ہو گئے تھے۔ انعم ہر طرح سے ان کا خیال رکھتی۔ گھر ویران لگنے لگا۔ میں بھی دانیال کے اسکول جانے کی وجہ سے اب کم ہی ابو سے ملنے جاتی اور اگر جاتی بھی تو تھوڑی دیر کے لیے۔

اس شام میں بے حد بے چین تھی۔ ابو کو امی کے پودوں کی دیکھ بھال کرتے دیکھ کر میں ان کے کندھے سے سر ٹکا کر رو دی۔

"زرین! تم بتاؤ' تمہاری امی ان پودوں پر کیا پڑھ کے پھونکتی تھیں۔" ابو نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تو نماز پڑھنے کے بعد گھنٹہ بھر ان کے ساتھ لگا دیتی تھیں۔ کیاری صاف کرتیں' پھر پانی دیتیں اور پتا ہے ململ کے کپڑے سے ان کے پتے بھی صاف کیا کرتیں۔"

گھر آکر میں بے حد روئی' میں نے ابو کو بے چین کر دیا تھا اور خود گھر آ گئی تھی۔ مجھے اپنا آپ بہت خود غرض لگا۔ پودے واقعی رونق کھو چکے تھے۔ زمین بھی امی کی کمی محسوس کر رہی تھی۔ انعم کو تو کبھی بھی ان سے ایسا لگاؤ نہ تھا' وہ بے حد حقیقت پسند قسم کی شے تھی۔

ایک دن انعم نے مجھے فون کر کے بتایا۔ "میں ابو کی شادی کروا رہی ہوں۔" مجھے یہ الفاظ تیر کی طرح لگے۔

"ابو کی شادی۔۔۔؟ میری آواز کانپ رہی تھی۔

"کب اور کہاں' ابو راضی ہیں۔۔۔؟" میرے جملے ٹوٹ رہے تھے۔

اس روز اماں خواب میں آ کر مجھے چپ کرواتی رہیں اور میں بچوں کی طرح سسکیاں لیتی رہی۔ سہیل نے زبردستی سے' پیار سے' مجھ سے خاموشی کی وجہ جاننا

چاہتی' میں کچھ بھی تو نہ بتا سکی۔ بس آنسوؤں پر بند باندھنا مشکل ہو رہا تھا۔ جب سہیل نے انعم کے آنے کی اطلاع مجھے دی تو اسے سامنے پاکر میرے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ اسے گلے لگا کر میں جی بھر کر روئی اور دیر تک ہم دونوں بہنیں گلے لگی' آنسوؤں کی زبان میں باتیں کرتی رہیں۔ انعم سے بہت کچھ پوچھنے کی چاہ میں میں کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

خاصی دیر کی خاموشی کے بعد انعم نے ہی ہمت کی بولنے کی۔ "مجھے پتا ہے تم مجھ سے ناراض ہو اور میرا یہ کام تمہیں برا لگ رہا ہے۔" اس کی آواز کی لرزش اور میرے دل کی دھڑکن شاید ہمارے قابو میں نہ تھی۔

"میرے سسرال والوں کا شادی کے لیے اصرار بڑھتا جا رہا ہے اور تم انجان ہو اس حقیقت سے کہ ابو ساری ساری رات جاگتے ہیں۔" میں واقعی لاعلم تھی۔

"ابو سوتے نہیں۔" انعم نے پھر بات شروع کی۔

"روزانہ نیند کی دوا کھانے کے باوجود' ایسے میں تم ہی ذرا بتاؤ میں اگر شادی کرلوں تو وہ کتنے اکیلے رہ جائیں گے اور پھر ابو آسانی سے کب تیار ہوئے ہیں۔ تمہاری طرف سے تو وہ تم سے بھی زیادہ فکرمند تھے' صرف اس شرط پر راضی ہوئے ہیں کہ پہلے مجھے رخصت کریں گے اور پھر یہ ہماری خود غرضی نہیں تو کیا ہے؟ ہم مرنے والوں کی یاد میں جینے والوں کو موت سے پہلے مار دیں۔ وہ ایک بے حد سمجھ دار خاتون ہیں' بیوہ ہیں' میں ان سے تمہیں ملواؤں گی' تمہیں قطعی بری نہیں لگیں گی۔" وہ مجھے ہمت دے رہی تھی۔

پھر وہ بہت سی ایسی ہی باتیں کرتی رہی' مجھے ابو کے متعلق ان کی صحت کے متعلق بتاتی رہی۔

"تمہارا گھر تو انعم برابر میں ہی ہے پھر تمہارے سسرال والے بھی عرصے سے جانتے ہیں۔" میں بمشکل بول پائی۔

"تم کتنا امی' ابو کا خیال رکھ پاتی تھیں' بمشکل ہفتہ میں ایک یا دو گھنٹے کے لیے آکر۔" وہ رسان سے بولی۔

"اس طرح تو میں بھی کر سکتی ہوں۔ لیکن تم خود شادی شدہ ہو' ذمے داریوں سے واقف ہو' پھر ایسی خیالی باتیں کیوں کر رہی ہو؟"

سہیل بھی کمرے میں آگئے۔ وہ مکمل طور پر انعم کے ہم خیال تھے۔ پھر وہ شام گزری اور پھر کئی دن گزر گئے۔ انعم کی شادی پر ہفتہ بھر کے لیے پہلی بار میں میکے گئی۔ انعم کو ہر لحہ ابو کی دوا اور ان کے کھانے کے بارے میں تشویش تھی۔

انعم کے رخصت ہو جانے کے بعد ابو مجھے بہت کمزور اور اداس دکھائی دے رہے تھے۔ میں اور ابو دیر تک امی کی باتیں کرتے رہے۔ میں ان سے نئے فیصلے کے متعلق کچھ بھی نہ پوچھ سکی' نہ ہی وہ بتا سکے۔ ہاں البتہ ان خاتون سے ملاقات کے بعد یہ احساس ضرور ہوا کہ یہ ابو کا خیال رکھیں گی۔ کیونکہ وہ بہت حلیم الطبع خاتون تھیں۔ زندگی کے دکھوں نے ان کے چہرے کو بے حد نرمی کے ساتھ شفقت دینا بھی سکھا دیا تھا۔

جس روز وہ ہمارے آنگن میں شام کی چائے سرو کر رہی تھیں۔ ابو' انعم اور سہیل کے ساتھ سیاست پر تبصرہ کر رہے تھے۔ میں اماں کی کیاری کی طرف آنکلی جہاں بہت عرصے بعد منی پلانٹ کی بیل ہری بھری ہو رہی تھی اور نئی کونپلیں بھی پھوٹ رہی تھیں۔

بے اختیار ایک سوال' اماں سے کرنے کو جی چاہنے لگا۔ صرف اماں سے۔ وہ میرے قریب ہی تو رہا کرتی تھیں۔

"اماں! آپ کا منی پلانٹ پھر سے سکون کی فضا میں توجہ اور محبت کے ماحول میں پروان چڑھ رہا ہے۔ کیا آپ بھی خوش ہیں؟ ہیں نا؟"

☆

سرورق کی شخصیت

ماڈل	شیزا
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی	موسیٰ رضا

نبیلہ عزیز

رقصِ بسمل

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سرگوشیاں اتنی بلند تھیں کہ آواز اسٹیج تک بہ آسانی پہنچ رہی تھی لیکن اسٹیج پہ موجود افراد کو جیسے پروا ہی نہیں تھی یوں جیسے وہ سن ہی نہ رہے ہوں۔

البتہ اسٹیج کے عین سامنے والی میز پہ موجود افراد کے دل و دماغ پر یہ آوازیں اور سرگوشیاں ہتھوڑے برسا رہی تھیں..... رضا حیدر، قیام مرزا، اور مونس مرزا کے چہروں کی رنگت انگاروں کی طرح تپ اٹھی تھی۔ کیونکہ ان کے عقب سے سرگوشیوں کے نشتر چبھوئے جا رہے تھے۔

"یہ چکر تو بہت عرصے سے چل رہا تھا۔" بہ آواز بلند سرگوشی ابھری۔

"اور اپنا مونس تو کسی کی عزت کو اپنی منگیتر سمجھتا پھر رہا تھا۔" کسی جاننے والے من چلے نے استہزائیہ وار کیا۔

"ارے مونس کو چھوڑو، قیام مرزا تو بہو بنا کے گھر بھی لے آئے تھے..... پر بہو ہاتھ نہیں آئی....." کسی اور نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"ارے یار! مجھے تو رضا حیدر پہ ترس آ رہا ہے..... عمر بھر کی جمع پونجی بیٹے اور بیٹی نے غریب گھرانوں میں لٹا دی۔" تاسف بھری آواز نہ جانے کس کی تھی۔ اور غضب سے بھرے رضا حیدر نے ایک دم وہاں سے اٹھنا چاہا تھا مگر مونس مرزا نے اپنا مضبوط ہاتھ ان کے ہاتھ پہ رکھتے ہوئے انہیں اٹھنے سے روک دیا تھا۔ رضا حیدر ٹھٹک گئے تھے۔ مونس مرزا کی نظریں سامنے اسٹیج پر تھیں۔ قہر آلود، غضب ناک اور بے رحم نظریں۔

انتالیسویں اور آخری قسط

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM

رضا حیدر فوراً ہی اس کے ہاتھ کی گرفت اور نظروں کے تعاقب کا مفہوم سمجھ گئے تھے۔ لیکن انتظار اور صبر مشکل ہو رہا تھا' ایک پل گزرنا بھی عذاب تھا!

○ ○ ○

تیمور نے اسٹیج پہ مائیک کا انتظام بھی کروا رکھا تھا کیونکہ جو کچھ وہ کرنا چاہتا تھا اس کو سب تک پہنچانے کے لیے یہ ضروری تھا۔

عزت اور ولید کو ایک ساتھ بٹھانے کے بعد اس نے ملورا کا ہاتھ تھام کے اسے صوفے پہ بیٹھنے میں مدد دی تھی۔

صوفے کے دائیں طرف بھی ایک صوفہ تھا اور بائیں طرف بھی۔ صوفے کی بائیں طرف ملورا بیٹھی تھی اور ملورا کے ساتھ والے صوفے پہ گل اور عافیہ بیگم براجمان تھیں اور صوفے کی دائیں طرف عزت اور ولید بیٹھے تھے تو ان کے ساتھ والے صوفے پہ رابعہ بیگم اور زبیدہ خاتون براجمان تھیں۔ وحید اور ککو سامنے والی ٹیبل پہ تھے۔

وہ بھی بڑے شوق اور اشتیاق سے اسٹیج کی سمت دیکھ رہے تھے۔ ملورا کے ساتھ چند سیکنڈز کے لیے بیٹھا تیمور لوگوں کی نظروں کے سوالات اور بے قراری دیکھ کر خود ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اور اس کے اٹھتے ہی مائیک اس تک پہنچ گیا تھا۔

"ہیلو۔ گڈ ایوننگ لیڈیز اینڈ جینٹل مین۔" اس نے بہت ہی خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ سب کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"دیکھیے۔ میرے ہاتھ میں مائیک مجھے بہت عجیب لگ رہا ہے۔ کیونکہ میں نہ تو کوئی سنگر ہوں نہ ایکٹر نہ کمپیئر اور نہ ہی کوئی جرنلسٹ۔"

اس نے جرنلسٹ کہتے ہوئے بڑی شرارتی مسکراہٹ سے گردن موڑ کر ولید کی سمت دیکھا تھا۔ ولید بھی مسکرا دیا۔

"میں تو محض ایک بزنس مین ہوں۔ بلکہ اب تو بزنس مین بھی نہیں رہا۔ اب تو صرف مین رہ گیا ہوں۔" اس نے بعد شرارت سے تمہید باندھنا شروع کی تھی۔

"ارے ارے۔ کچھ غلط سوچیے اور نہ کچھ غلط سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری بیوی کا ایک شوق تھا' ایک خواب تھا' ایک جنون تھا' بزنس کرنے کا' کاروبار چلانے کا۔ مالک و مختار ہونے کا۔ سو میں نے اپنی بیوی کا شوق پورا کرنے کے لیے سب کچھ اسے سونپ دیا۔ اس کے نام لکھ دیا' اپنے آپ سمیت۔"

تیمور نے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے ذرا سا سر خم کیا تھا۔ اور اس کے ایسے دیوانہ انداز پہ بے ساختہ تالیاں گونجی تھیں۔

"بات دراصل یہ ہے کہ جب بیوی اپنا سب کچھ ہمیں سونپ دیتی ہے' ہمارے نام لکھ دیتی ہے تو ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟ اس لیے میرا سب کچھ میرا ہو یا میری بیوی کا۔ بات تو ایک ہی ہے نا!" اس نے لاپروائی کا اظہار کرتے ہوئے کندھے اچکائے۔

"یہ خوب ہے لیڈیز اینڈ جینٹل مین! آپ میری اس بات سے اتفاق کرتے ہیں یا نہیں؟"

سب ہنستے ہوئے بولے۔ [illegible] آپ سب [illegible] کی [illegible] تھی اور پھر خوبی دلکشی سے [illegible]

[illegible] آپ لوگ اتفاق سے بیویوں کے ساتھ میں بیٹھے ہیں اور بیویوں کی [illegible]

چلو [illegible] نہیں ہے [illegible] آپ اگر اتفاق نہیں بھی کرتے تو آپ کی بیویاں میرا ساتھ ضرور دیں گی۔

ضرور اتفاق کریں گی۔ ایم تی رائٹ لیڈیز؟"

اس نے پھر پوچھا اور پورا ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا تھا' عورتوں کے چہروں پہ مسکراہٹ تھی۔

"خیر اب آپ جان گئے ہوں گے کہ ایسی خواہش ہر بیوی میں پائی جاتی ہے۔ جو میری بیوی میں پائی گئی ہے۔"

اس نے ایک بار پھر ہوراکی سمت دیکھا۔ وہ تیمور کی پشت کو یک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔

"ارے ہاں۔۔۔ ایک اور بات یاد آگئی۔۔۔ آپ سوچ رہے ہوں گے شادی ہوئی نہیں اور بیوی کہاں سے آگئی؟ تو جناب یہ بھی ایک ہی داستان ہے۔ بدولت فیصل آباد گئے تھے کام سے۔۔۔ اور پھر کام سے ہی گئے۔" وہ شرارت سے ہنسا۔

"میرا مطلب ہے کہ ایک حسینہ کو دیکھا اور فدا ہو گئے۔ اس کو اس کے گھر تک فالو کیا۔ لوفروں کی طرح۔"

تیمور کی شرارت پہ ساری محفل ست رنگی ہو گئی تھی۔ سب دلچسپی سے سن بھی رہے تھے اور انجوائے بھی کر رہے تھے۔

"کیا کریں ڈیئر! محبت چیز ہی ایسی ہے۔ تھرڈ کلاس کام بھی ایزی کروالیتی ہے۔ بندہ سوٹ بوٹ میں ملبوس اپنی پرسنالٹی بھی بھول جاتا ہے۔" تیمور نے اپنے کوٹ کو چھوتے ہوئے اشارہ کیا۔

"خیر محبت کے بعد شادی کے پیغام بھیجے' جواب انکار میں ملتا رہا۔۔۔ ہر بار انکار۔" وہ تاسف سے بتا رہا تھا۔

"ہمیں نے انکار کو اقرار میں بدلنے کے لیے اپنی ہی محبت کو اپنے پاس کام پہ رکھ لیا۔۔۔ ہے نا مزے کی بات؟" وہ بتاتے ہوئے بھی انجوائے کر رہا تھا۔ محبت میرے پاس کام کرنے لگی۔۔۔ اور میں اپنے سارے کام بھولنے لگا۔

محبت ہمیشہ مجھ سے بے نیاز رہی اور میں ہمیشہ محبت کا دیوانہ رہا اور اس دیوانگی کی کار کردگی دیکھ کر بالآخر محبت نے قبولیت کی سند بخش دی اور میری خوشی کا ٹھکانا ہی نہ رہا۔۔۔ میں نے ایک منٹ بھی ضائع کیے بغیر نکاح کی تیاری کی اور نکاح کر لیا۔۔۔ اپنے پیرنٹس کی واپسی کا بھی انتظار نہیں کیا۔۔۔ کیونکہ حسیناؤں کو مکرنے میں دیر نہیں لگتی۔"

اس نے شرارت اور شگفتگی سے کہتے ہوئے ایک بار پھر ہوراکی سمت دیکھا۔ ساری محفل تیمور کے مزاج سے مسکی ہوئی تھی۔ صرف ایک وہ تھی جو اس خوشی کے موقع پر بھی اندر سے خوش نہیں تھی۔

"اور میرے پیرنٹس ہیں کہ ابھی تک مجھ سے ناراض ہیں۔۔۔ خاص طور پہ میرے بابا جان۔" اب اس کا رخ رضا حیدر کی طرف تھا۔

انہوں نے یکدم منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا اور تیمور نے قدم سیڑھیوں کی طرف بڑھا دیے تھے وہ اسٹیج کے دو زینے اتر کر رضا حیدر کی میز کے پاس عین ان کے سامنے آگیا اور یونہی دوزانو ان کے سامنے بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھ جوڑ لیے تھے۔

"آئی ایم سوری بابا۔۔۔ آئی رئیلی سوری۔۔۔ ماں باپ اولاد کے لیے بہت کچھ کرتے ہیں۔ اچھے کام بھی اور برے بھی۔۔۔ یعنی جو بھی کرنا پڑے۔ کرتے ہیں اور اولاد اپنے مطلب اور مفاد کے لیے ماں باپ کی خواہشات اور اہمیت کو پس پشت ڈال دیتی ہے۔ جیسے میں نے ڈال دیا۔ آپ نے مخالفت کی اور میں باغی ہو گیا۔ شاید اس لیے بھی کہ میں ماورا مرتضیٰ کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ میں خود غرض ہو گیا۔

اور اپنی اسی خود غرضی پہ شرمندہ بھی ہوں۔۔۔ پلیز مجھے معاف کر دیں۔ میں آپ کا دل نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ مگر نہ چاہتے ہوئے بھی ایسا ہو گیا مجھ سے۔"

تیمور ان کے سامنے ہاتھ جوڑے ان سے معافی مانگ رہا تھا اور اسٹیج پہ بیٹھی رابعہ بیگم' عزت اور ماورا مرتضیٰ کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ پورے ہال میں خاموشی چھا گئی تھی۔

اور رضا حیدر اب بھی بیٹے کو سرد و سپاٹ نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے ان میں اب بھی کوئی لچک نہ ہو۔

"پلیز بابا جان! آئندہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ جو بھی ہوگا آپ سے پوچھ کر آپ کی اجازت اور آپ کی مرضی سے ہوگا۔ بس یہ گستاخی معاف کردیں۔" اس نے انہیں یقین دلانے کے ساتھ ساتھ التجا کی تھی۔

اور رضا حیدر نے ایک نظر اسٹیج کی سمت دیکھا تھا جہاں ماورا 'عزت' ولید 'عافیہ بیگم' گل اور رابعہ بیگم براجمان تھیں اور ان کو دیکھنے کے بعد ایک نظر اپنے برابر بیٹھے مونس اور قیام مرزا کو دیکھا۔ انہوں نے رخ موڑ لیا تھا۔

اور رضا حیدر نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے تیمور کے دونوں ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ رکھ دیے تھے۔

"تم میری اولاد ہو۔ اور ماں باپ اولاد سے کتنی دیر ناراض رہ سکتے ہیں آخر؟ جاؤ تمہیں معاف کیا۔ وہ بھی اس خوشی میں کہ میرا بیٹا باپ بننے والا ہے اور آج میری بہو کی گود بھرائی کی رسم ہے۔"

رضا حیدر نے بے حد خوش دلی سے تیمور کو معاف کردیا تھا اور تیمور بے یقینی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"سچ۔۔۔ آپ سچ کہہ رہے ہیں بابا؟" اس کی خوشی دیدنی تھی اور رضا حیدر نے بھی کھڑے ہو کر اسے گلے لگا لیا تھا۔

"سچ۔۔۔ بالکل سچ!"

"تو پھر آئیے ناں۔ اسٹیج پر آئیے۔" تیمور ان کا ہاتھ پکڑے انہیں اسٹیج پر لے آیا تھا اور ماورا انہیں قریب آتے دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔ رضا حیدر نے ماورا کے سر پہ ہاتھ رکھ کر دعا دی تھی۔

"آباد رہو۔۔۔ سدا سہاگن رہو۔"

"بابا جان!" عزت بھی دلہن بنی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی اور رضا حیدر نے اسے بھی گلے لگا لیا تھا' پھر ولید سے ملے اور سب سے ملنے کے بعد ولید اور ماورا کے برابر ہی بیٹھ گئے تھے۔

"لیڈیز اینڈ جینٹل مین آئی ایم سو ہیپی۔" تیمور بے پناہ خوش تھا اور ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔

"شادی کے بعد بچے کی آمد تو لازمی ہو جاتی ہے اور پہلے بچے کی تو خوشی ہی انوکھی ہوتی ہے اور میں نے اپنی اسی انوکھی خوشی میں شامل کرنے کے لیے آپ سب کو یہاں انوائیٹ کیا ہے۔۔۔ اور گود بھرائی کی رسم کے ساتھ 'سوچا لگے ہاتھوں اپنی لاڈلی اور پیاری سی بہن کے فرض سے بھی فارغ ہو جاؤں۔ تاکہ روز روز آپ لوگوں کو زحمت نہ دینا پڑے۔"

تیمور کے لہجے اور آواز میں ایک ترنگ آ گئی تھی۔ وہ جیسے اندر تک سرشار ہو چکا تھا۔

"بات دراصل یہ ہے میرا دوست ولید رحمان دل کا بہت امیر ہے۔۔۔ شہنشاہ ہے' عزت 'محبت 'اپنائیت اور غیرت سب کچھ ہے اس کے پاس اور کون سا بھائی یہ نہیں چاہتا کہ اس کی بہن کی شادی ایسے امیر اور شہنشاہ آدمی سے ہو؟ سو مجھے بھی اپنی بہن کے لیے اس سے زیادہ امیر آدمی نہیں ملا۔۔۔ کیونکہ وہ میری بہن کی عزت بھی کرتا ہے اور محبت بھی۔۔۔ اس لیے میں نے اس محبت کو رشتے کا رنگ دے دیا ہے۔۔۔ ان دونوں کا نکاح ہو چکا ہے اور آج رخصتی کی رسم ہے۔۔۔ وہ ایک سادہ سی چھوٹی سی بارات لے کر آیا ہے۔ لیکن میں اپنی بہن کو دھوم دھام سے رخصت کروں گا۔۔۔ کیونکہ وہ میری بہن نہیں 'میری بیٹی بھی ہے۔"

تیمور کے اس نئے انکشاف پہ مونس مرزا کے قدموں تلے سے زمین سرک گئی تھی اور اس نے یکدم رضا حیدر کی طرف دیکھا تھا۔ جو بہت پرسکون نظر آرہے تھے۔ مونس مرزا نے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

"اور یہ سب تحائف میری لاڈلی بیٹی کے لیے۔۔۔" تیمور نے ایک طرف رکھے تحائف کی طرف اشارہ کیا۔ جن میں زیورات۔ کیش اور عزت کے لیے ایک خوب صورت گھر اور گاڑی کے کاغذات تھے۔

"میں اس سے زیادہ بھی دے سکتا تھا مگر مجھے پتا ہے کہ میرے دوست کو یہ بات گوارا نہیں ہوگی اس لیے محض وہ سب دیا ہے جو ہر ماں باپ اور بہن بھائی اپنی بیٹیوں کو دیتے ہیں۔ محض ایک رسم کے طور پہ۔۔۔

URDUSOFTBOOKS DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"ہاں تو فرمایئے... اچھا کیا میں نے یا نہیں؟" اس نے پھر سوالیہ دیکھا اور پورے ہال کی طرف سے اسے ستائش ہی ملی تھی۔

"تھینک یو سو مچ۔" اس نے شکریہ ادا کیا۔

"تو جناب آیئے اب چلتے ہیں رسم کی طرف۔ آپ لوگوں نے بہت برداشت کیا مجھے جس کے لیے آپ لوگوں کا اسپیشل تھینکس اور آپ لوگوں کی موجودگی میں بس ایک دفعہ اپنی بیوی کے لیے۔" اس نے آخری جملے کہتے ہوئے پلٹ کر ماورا کی طرف دیکھا۔

"آئی لو یو ماورا... آئی رئیلی لو یو... تم کبھی سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔" تیمور نے سینکڑوں افراد کے سامنے دل کی گہرائیوں سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔

"اور شادی کے بعد کے عرصے میں اگر میری وجہ سے تمہارا دل دکھا ہو تو پلیز مجھے معاف کر دینا۔" اس نے سر خم کرتے ہوئے ماورا سے معافی طلب کی تھی اور ماورا کے رخساروں پہ بے اختیار آنسو بہہ نکلے تھے۔

نجانے کیوں آج وہ تیمور کی ہر بات اور ہر حرکت پہ روہانسی سی ہو رہی تھی اور بے وجہ ہی اس کے آنسو بہے جا رہے تھے۔

اور وہ اس کے آنسو دیکھ کر مسکرا دیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ماورا آج حد سے زیادہ اداس ہو رہی ہے۔ اسی لیے اس نے لاپروائی سے سر جھٹک دیا تھا۔ "ہونہہ پاگل لڑکی۔"

☆ ☆ ☆

گود بھرائی کی رسم شروع ہوئی تو تیمور سب سے آگے اور پیش پیش تھا۔ ماورا کی گود میں پھل رکھنے کی رسم اس نے خود کی تھی۔

"پگلا...!" بی گل ہنس پڑی۔

پھر رابعہ بیگم، عافیہ بیگم، عزت اور باقی تمام شادی شدہ عورتوں نے یہ رسم ادا کی تھی۔ سب کی نوک جھونک میں رسم ادا ہوئی تو کھانے کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اس کے بعد عزت کی رخصتی!

رخصتی کا مرحلہ اس تقریب کا آخری مرحلہ تھا۔

اور اس آخری مرحلے پہ عزت، تیمور سے لپٹ کر خوب روئی تھی۔

"میری جان! اتنے قیمتی آنسو بہانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم کون سا دور جا رہی ہو؟ یا کسی اجنبی کے گھر جا رہی ہو؟ ولید سے زیادہ اپنا اب اور کوئی بھی نہیں تمہارے لیے... اسے شکایت کا موقع نہیں دینا کبھی۔" تیمور نے اس کی پیشانی چومی۔

ماورا نے عزت کو سہارا دے کر تیمور سے الگ کیا تھا۔

اور پھر ولید سامنے آگیا... تیمور نے اس کے لیے بازو پھیلا دیے تھے۔ اور دونوں بڑی گرمجوشی سے گلے ملے تھے۔

"تھینک یو سو مچ تیمور! تم نے دوستی نبھا دی... مجھے آج اپنی دوستی پر فخر ہو رہا ہے۔" ولید کو اس کی محبت مل گئی تھی اسے اور کیا چاہیے تھا بھلا؟

"صرف آج نہیں، تمہیں ہمیشہ فخر ہو گا ان شاء اللہ!" تیمور نے شرارت سے کہا۔

"یار! مجھے لگتا ہے۔ میرے مزاج کی ساری شرارتیں تمہارے مزاج میں آگئی ہیں... آخر کیا چکر ہے؟" ولید فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔

"بس یار۔ ابا بننے کی خوشی ہی بہت ہے۔ سنبھالی نہیں جا رہی۔" وہ مسکرایا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"یہ تو صاف نظر آرہا ہے۔" ولید نے اسے سرتاپا دیکھا۔
"خیر چھوڑو ان باتوں کو۔۔۔ میری بیوی تھک چکی ہے آج۔۔۔ ہمیں جانے دو اور خود بھی راہ لو اپنی۔" تیمور نے ماورا پہ نظر پڑتے ہی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔
"اوکے جیسے آپ کا حکم۔" وہ تابع داری سے بولا۔
"اور ہاں۔۔۔!" تیمور نے روکا۔
"کیا۔۔۔؟" ولید پلٹا۔
"میری عزت کا بہت خیال رکھنا۔۔۔ میری لاڈلی ہے وہ۔" اس کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے۔"
تیمور نے بڑے مان سے سمجھایا تھا اور ولید نے مسکراتے ہوئے اس کا کندھا تھپک کر تسلی دی تھی۔
"ان شاءاللہ!" ولید کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گیا تھا اور یوں وہ تمام لوگ آگے پیچھے اپنی اپنی گاڑیوں میں سوار ہوئے اور میرج ہال سے نکل آئے تھے۔
رات بہت گہری ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

عزت اور ولید کی گاڑی سب سے پہلے نکلی تھی اس لیے وہ لوگ زیادہ آگے نکل گئے تھے جبکہ رضا حیدر اور تیمور وغیرہ کی گاڑیاں ابھی پیچھے تھیں۔
بی گل اور عافیہ بیگم اپنی گاڑی میں تھیں۔
تیمور اور ماورا ایک ہی گاڑی میں تھے اور گاڑی ڈرائیور چلا رہا تھا۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پہ تھے۔
ماورا نے تیمور کو اپنے پاس اپنے قریب محسوس کرنے کے لیے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں بھینچتے ہوئے اپنا سر اس کے کندھے سے ٹکا دیا تھا اور پلکیں موند لی تھیں۔
تیمور نے بے حد نرمی سے اس کے گرد اپنا بازو پھیلا کر اسے مزید اپنے سے قریب کر لیا تھا۔
اور جیسے ہی اس نے سر اونچا کیا یک دم نجانے کیا ہوا کہ پوری گاڑی ہی ڈگمگا گئی تھی۔ ٹائر بہت زور سے چرچرائے تھے اور پھر ایک جھٹکے سے گاڑی بیچ سڑک میں آڑی ترچھی سی رک گئی تھی اور اس کے پیچھے باقی گاڑیاں بھی جھٹکے سے رکتی چلی گئی تھیں۔
"تیمور۔۔۔!" ماورا کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا کیونکہ سامنے کا منظر ہی دل دہلا دینے والا تھا۔ دلہن بنی عزت کا بازو مونس مرزا کے شکنجے میں تھا اور ولید کو کچھ اور لوگوں نے دبوچ رکھا تھا۔
"عزت۔۔۔ ولید۔۔۔!" تیمور کا دماغ بھی گھوم گیا تھا وہ یک دم گاڑی سے نیچے اترنے لگا۔
"تیمور پلیز۔۔۔!" ماورا اس سے لپٹ گئی لیکن افسوس کہ صورت حال ایسی تھی کہ وہ اسے روک بھی نہیں سکتی تھی اور تیمور پریشانی اور عجلت میں محض اس کا ہاتھ تھپک کر گاڑی سے اتر گیا تھا۔
اس نے جاتے ہی مونس مرزا کے منہ پر ایک گھونسا رسید کیا تھا۔
"ہاتھ چھوڑو اس کا۔۔۔" وہ ایسے چبا کر بولا کہ مونس مرزا کے ہاتھ سے عزت کا بازو چھوٹ گیا تھا۔
"تمہیں جرأت کیسے ہوئی ان کا راستہ روکنے کی۔؟" تیمور کا لہجہ انتہائی سخت ہو رہا تھا۔
"خبردار۔۔۔ تیمور حیدر! میرے معاملے میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے جو کہنا تھا سب کے سامنے کہہ دیا۔ اب ہماری باری ہے۔۔۔ اب سنو گے بھی اور دیکھو گے بھی۔" اس کے ہاتھ سے گھونسا کھانے کے بعد مونس مرزا بمشکل اپنے قدموں پہ سنبھل پایا تھا۔
"تیمور۔۔۔!" ماورا کی چیخ پہ تیمور کے قدموں تلے سے زمین سرک گئی تھی۔ اس نے یک دم پیچھے پلٹ کر دیکھا تو

URDU SOFT BOOKS DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تو مونس نے ماورا کو گاڑی سے نیچے اتار لیا تھا۔

اور اس حالت میں اس طرح کی زور زبردستی دیکھ کر تیمور کا دل پہ ہاتھ پڑا تھا۔

"تیمور! چھوڑوائے۔ میں کہہ رہا ہوں چھوڑوائے۔" تیمور ماورا کی طرف بھاگا۔

"کس کس کو بچاؤ گے تیمور حیدر؟ کس کس کے لیے بھاگو گے؟"

مونس مرزا نے تیمور کے گھونسے کا بدلہ لینے کے لیے ولید کے منہ پر گھونسا رسید کیا تھا۔

"آخر تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟ کیا چاہتے ہو تم؟" تیمور بلند آواز سے دہاڑا تھا۔

"ہا ہا ہا... مجھے تمہاری لاڈلی کی عزت چاہیے اور تمہارے باپ کو تمہاری دولت۔ اس کے لیے اگر کسی کی جان بھی لینی پڑے تو مجھے پوری اجازت ہے۔ یقین نہیں آتا تو اپنے باپ سے پوچھ لو۔"

مونس مرزا نے گاڑی سے اترتے بے حد پرسکون سے رضا حیدر کی طرف اشارہ کیا تھا اور اس کے اشارے کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے تیمور حیدر کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئی تھیں۔

"میں نے اپنے بیٹے تیمور حیدر کو معاف کیا ہے۔ اور امر تضیٰ یا پھر ولید رحمان کو نہیں۔ جنہیں میں کبھی بھی قبول نہیں کر سکتا۔ کبھی بھی نہیں اور کسی بھی قیمت پر نہیں۔"

"بابا! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" تیمور کو جیسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے باپ نے اس کے ساتھ بھی دھوکے سے کام لیا ہے۔

"رضا حیدر! تم آج بھی ذلیل ہو۔ اور تم کل بھی ذلیل ہی تھے۔ تم سانپ ہو سانپ۔ تم کبھی کسی کے حق میں اچھے اور مخلص نہیں ہو سکتے۔" عافیہ بیگم چلاتے ہوئے گاڑی سے نکل آئی تھیں۔

"میں جو بھی ہوں عافیہ بیگم! جو غلطی مجھ سے برسوں پہلے ہوئی تھی' وہ اب نہیں ہوگی۔ تمہاری کوکھ میں پلنے والی مرتضیٰ کی اولاد کا پتا ہی نہ چلا ورنہ اسی وقت ختم کر دیتا اور آج یہ نوبت ہی نہ آتی۔ لیکن اب میں یہ غلطی دوبارہ نہیں کرنا چاہتا۔ اب تمہاری بیٹی کی کوکھ میں پلنے والی اولاد کو یہ موقع نہیں دوں گا۔ ابھی اور اسی وقت ختم کر دوں گا۔"

رضا حیدر کے لہجے کی سفاکی سے سب ہی تھرا اٹھے تھے۔ تیمور ششدر سا دیکھ رہا تھا اس کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا تھا۔

"مونس! تمہیں اجازت ہے۔ خدا حافظ!" رضا حیدر لاپروائی سے کہہ کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے تھے۔

مونس نے ماورا اور مرتضیٰ کی طرف پستول تان لیا تھا اور جیسے ہی فائر ہوا ولید نے اسے دھکا دے دیا تھا۔ اس دھکے کے بعد کافی ہاتھا پائی ہوئی تھی۔

تیمور نے ماورا کو گاڑی میں بٹھانے کی کوشش کی تھی لیکن رضا حیدر سامنے آ گئے۔ اتنے میں مونس دوبارہ پستول سنبھال چکا تھا۔

"تیمور! ماورا بھابی!" ولید پھر سے مونس مرزا کی طرف بھاگا لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔

مونس مرزا پستول کا ٹریگر دبا چکا تھا اور ماورا کو اس کے پستول کا نشانہ بنتے دیکھ کر تیمور لمحے کے ہزارویں حصے میں ماورا کے سامنے آ گیا تھا۔

"آہ...!" اس کی آہ بہت دردناک تھی۔ گولی تیمور حیدر کا مضبوط سینہ چھیدتی ہوئی اس کے دل میں جا گھسی تھی اور وہ اپنے مضبوط قدموں پر... لڑکھڑا گیا تھا۔

"تیمور...!" ماورا کی دل خراش چیخ سے پوری فضا دہل گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے زمین و آسمان گھوم چکے تھے اور اپنی بدحواسی میں مونس مرزا دوسری گولی بھی روک نہیں سکا تھا۔ جو تیمور حیدر کے سینے میں ایک اور

URDU SOFT BOOKS DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

شگاف ڈال گئی تھی۔

اور اب کی بار تیمور حیدر رکھڑے قد سے زمین بوس ہوا تھا۔

"ماں۔۔۔!" گرتے ہوئے اس کے منہ سے ماں کا لفظ ہی ادا ہوا تھا جس پر رضا حیدر نے بھی ایک جھٹکے سے مڑ کر دیکھا تھا اور خون میں لت پت تیمور کو دیکھ کر رضا حیدر کے سر پر پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

انہوں نے بے یقینی سے مونس مرزا کو دیکھا کہ یہ کیا کر دیا ہے۔

"مم۔۔۔ مجھے کیا پتا تھا۔۔۔ کہ وہ۔" مونس مرزا کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

"تیمور۔۔۔" رضا حیدر زیر لب دہرا کے رہ گئے۔۔۔ قدم زمین نے جکڑ لیے تھے۔۔۔ ماورا زمین پہ جھکی تیمور سے لپٹ کر رو رہی تھی۔۔۔

"بھائی۔۔۔!" عزت پاگلوں کی طرح بھاگتی ہوئی پاس آئی تھی۔

"تیمور۔۔۔!" ولید نے جھکتے ہوئے اس کا چہرا تھاما۔

"معاف کر۔۔۔ دو۔ تم۔۔۔ لوگوں۔۔۔ کی۔۔۔ حفاظت نہیں۔۔۔ کر۔۔۔ سکا۔۔۔" تیمور کی آواز سے درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔

"پلیز تیمور! ہمیں کچھ نہیں ہوا۔ تم پریشان نہ ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ڈرائیور! گاڑی قریب لاؤ۔" ولید نے اسے روہانسے لہجے میں تسلی دی اور ڈرائیور کو گاڑی لانے کا کہا۔

"اب بہت دیر ہو چکی ہے ولید۔۔۔!" وہ بمشکل ایک جملہ بول پایا تھا۔

"تیمور۔۔۔ آپ کو کچھ ہوا تو میں مر جاؤں گی۔۔۔" ماورا ہذیانی انداز میں چیخی۔۔۔

"تمہیں جینا ہے۔۔۔ میرے۔۔۔ بچے۔۔۔ کے لیے۔۔۔ آنے والے۔۔۔ تیمور۔۔۔ کے لیے۔۔۔ اور۔۔۔ اپنی۔۔۔ ماں کے لیے۔۔۔"

تیمور نے ماورا کا ہاتھ اپنے خون سے رنگین ہاتھ میں دبا لیا تھا۔ اس کا سر ماورا کی گود میں تھا اور اس کی پلکیں درد کی اذیت سے بند ہوتی جا رہی تھیں۔ "تیمور میرے بچے۔۔۔!" بی گل اور عافیہ بیگم رو رہی تھیں اور رابعہ بیگم سکتے کی حالت میں کھڑی بیٹے کی حالت دیکھ رہی تھیں۔

ڈرائیور کے فون کرنے پر اگلے پانچ منٹ میں ایمبولینس اور پولیس کی گاڑی پہنچ گئی تھی۔

"مجھے کہیں نہیں۔۔۔ جانا۔۔۔ اب۔۔۔" تیمور کو ایک دم سے ہچکی آئی اس نے بے اختیار ماورا کے چہرے کی سمت دیکھا۔ زندگی بھر کا درد اور دکھ اس اک نظر میں سمٹا ہوا تھا۔

یوں جیسے وہ بہت تھک گیا ہو اور اب ہر چیز سے سبکدوش ہو جانا چاہتا ہو۔

"تیمور۔۔۔!" رضا حیدر نے جیسے کسی پاتال سے اسے پکارا تھا مگر وہ کب سن رہا تھا۔ اس کی نظریں ماورا مرتضیٰ پر تھیں اور زبان پر کلمہ طیبہ۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

☆ ☆ ☆

کتنی دل کش ہو تم، کتنا دل جو ہوں میں
کیا ستم ہے کہ ہم لوگ مر جائیں گے

ماورا کی چیخوں سے جیسے پورا شہر گونج اٹھا تھا۔ چند لمحے پہلے اس شخص کی شرارتوں اور چاہتوں سے پوری محفل مہک رہی تھی اور اب وہی شخص بے جان پڑا تھا۔ ماورا کی آغوش میں اس کی زندگی ختم ہو گئی تھی اور وہ کچھ نہیں

URDUSOFTBOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کر سکی تھی۔ بلکہ وہاں موجود سب افراد کے ہاتھوں سے تیمور حیدر کی زندگی ریت کی مانند پھسل گئی تھی۔۔۔ اور وہ سب کے سب ششدر رہ گئے۔ کھڑے رہ گئے تھے۔۔۔! یہاں تک کہ وہاں پورا شہر اُمڈ آیا تھا۔
سڑک کے بیچ و بیچ سبز سوٹ میں ملبوس سجی سنوری ماورا مرتضیٰ اپنے سامنے پڑے ساکت و صامت جسم کو دیکھ کر اپنا سر پیٹ رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی سبز رنگ چوڑیاں ٹوٹ گئی تھیں۔
اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے سہاگن سے بیوہ ہو گئی تھی۔ کیونکہ تیمور حیدر کی لاش اس کے سامنے پڑی تھی۔ جسے پورا شہر دیکھ رہا تھا اور اظہار افسوس کر رہا تھا۔ لیکن وہ بھلا کس کا افسوس سن رہی تھی اس کا تو پورا جہان لُٹ چکا تھا دو عالم چھن گئے تھے وہ کُرلاتی نہ تو اور کیا کرتی۔

✲ ✲ ✲

رضا حیدر اسی وقت گرفتار ہو گئے تھے جبکہ قیام مرزا اور مونس مرزا نے پلان کے مطابق شہر سے بھاگنے کی کوشش کی تھی لیکن میڈیا کی وجہ سے انہیں ایئرپورٹ سے ہی گرفتار کر لیا گیا تھا اور اگلے ہی دن تیمور حیدر کے جنازے سے پہلے پہلے وہ تینوں جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھے۔ رضا حیدر پچھتاوے کی دلدل میں دھنس چکے تھے۔ اور اب اس دلدل سے نکلنا ممکن ہی نہیں تھا' ان کے مرنے کے بعد بھی نہیں۔۔۔ وہ دوسروں کو ڈستے ڈستے آخر اپنی ہی اولاد کو نگل گئے تھے۔
کسی اور کے لیے کھودا گیا گڑھا اپنے ہی سامنے آگیا تھا جس میں گرنے کے بعد ان کے لیے اب سزائے موت کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔

✲ ✲ ✲

جب میرا ذکر ہو

میرے مرنے کے بارہ برس بعد بھی
اگر کہیں پہ کبھی
جب میرا ذکر ہو
اور پلکیں تیری
تجھ کو نم سی لگیں
تو میں یہ سمجھوں گا
میں نے تجھ کو پالیا ہے
میں نے تجھ کو پالیا۔۔۔

بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی ماورا نجانے کب سے کسی نادیدہ نقطے کو دیکھے جا رہی تھی یوں جیسے بیٹھے بیٹھے پتھر کی ہو گئی ہو۔ اور اس کی ایسی حالت تو روز ہوتی تھی۔ یہ کوئی نئی بات تو نہیں تھی اور ہر روز اس کے بائیں پہلو سے ایک سوال اٹھتا تھا جس پہ وہ ہر روز ہی چونک کر متوجہ ہوتی تھی۔
"مما۔۔۔ کیا بابا بہت یاد آ رہے ہیں؟؟" اس کا نو سال کا بیٹا اسد تیمور روزانہ اس سے یہ سوال کرتا تھا۔
اس وقت بھی ماورا نے چونک کر دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔۔ بے حد اداس اور سوالیہ نظروں سے۔۔۔ اس کی آنکھوں میں تیرتی اداسی کو دیکھ کر ماورا کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ اسی لیے اس نے بے ساختہ جھکتے ہوئے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔
"میں سوچ رہی تھی کہ کل آپ کی عزت پھوپھو اور ان کی گڑیا کو (بیٹی) گھر بلاتے ہیں۔۔۔ کیونکہ کل سنڈے

ہے۔" وہ اس کا دھیان ہٹانے کے لیے بات بدل گئی تھی۔
"رئیلی مما۔۔۔؟ ٹھیک ہے۔۔۔ مجھے عزت پھوپھو کی چھوٹی سی گڑیا بہت پسند ہے۔۔۔ اتنی پیاری۔۔۔ ہے نا۔۔۔ دل چاہتا ہے اسے یہاں ہی رکھ لیں۔۔۔"
وہ جواباً بڑے شوق اور اشتیاق سے بولا تھا اور ماورا اس کی خواہش پر مسکرادی تھی کیونکہ اس بات کا ذکر عافیہ بیگم، رابعہ بیگم اور بی گل بھی کر چکی تھیں کہ ان کا لاڈلا عزت کی گڑیا کو کتنا پسند کرتا ہے؟
"رکھ لیں گے۔ ابھی تم پڑھ لکھ تو جاؤ۔ پھر گڑیا کو اپنے گھر لے آئیں گے اور وہ ہمیشہ ہمارے پاس رہے گی۔" ماورا نے پیار سے اسے تسلی دی تھی۔
"سچ مما؟" وہ خوشی سے چہکا۔
"سچ!" وہ نرمی سے مسکرائی۔
"میری اچھی مما۔۔۔!" اس نے بے ساختہ ماں کے گال کو چوم لیا تھا۔
"اوکے۔۔۔ اب سو جاؤ شاباش۔ ٹائم بہت ہو چکا ہے۔" ماورا نے اسے پیار کرتے ہوئے اس کے اوپر کمبل درست کیا اور وہ بڑی خوشی خوشی گڈ نائٹ کہہ کر سو گیا تھا۔
جبکہ تکیے پہ سر رکھتے ہی ماورا کی سماعتوں میں تیمور حیدر کی محبت بھری سرگوشیاں گنگنانے لگی تھیں اور زیرو بلب کی روشنی میں ماورا کے رخساروں پہ بہنے والے آنسو سفید موتیوں کی طرح چمکنے لگے تھے۔
نو سال گزر جانے کے بعد بھی ماورا کے دل پر تیمور حیدر سے جدائی کا درد تازہ تھا۔ اس سے بچھڑنے کی اذیت اب بھی بلبلا کے رکھ دیتی تھی۔
وہ ہر رات سسکتی تھی ہر رات تڑپتی تھی۔
ہر رات کا ہر لمحہ اس کے لیے قیامت کا اور عذاب کا لمحہ ہوتا تھا۔
بستر اس کے لیے کانٹوں اور انگاروں سے سج جاتا تھا۔
کاش میں اپنے ارادوں سے پیچھے ہٹ جاتی۔
کاش میں اس کی محبت کا سودا نہ کرتی۔
کاش وہ رضا حیدر کا بیٹا ہی نہ ہوتا۔
کاش اسے مجھ سے محبت ہی نہ ہوئی ہوتی۔ کاش۔۔۔ کاش۔۔۔ کاش۔۔۔!
ماورا مرتضیٰ کی زندگی میں ہزاروں کاش سر اٹھاتے تھے اور وہ ہر کاش کے بعد ماہی بے آب کی مانند تڑپتی تھی۔
"آئی لو یو ماورا۔۔۔ آئی لو یو سو مچ۔۔۔ آئی رئیلی لو یو۔۔۔" تیمور حیدر کی گمبھیر آواز اس کے بے حد قریب سرسرائی تھی اور ماورا ایک دم اٹھ بیٹھی تھی۔ اس نے ملگجے سے اندھیرے میں دیکھا۔ آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔
بس اس کے ہونے کا احساس باقی تھا۔
اور وہ اس احساس کے ہاتھوں تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔
تیمور حیدر کی سنگت میں گزرے تین دن ہی اس کی زندگی کی تین صدیاں تھیں اور ان تین صدیوں کو وہ تین صدیاں اور بھی روتی رہتی تو کم تھا۔ جیسے اس وقت رو رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔
پورے کمرے میں ملگجا سا اندھیرا تھا اور اس ملگجے۔۔۔ اندھیرے میں ماورا مرتضیٰ کی مدھم۔۔۔ سسکیوں کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔
اور ایسا تو روز ہوتا تھا تیمور حیدر اور ماورا مرتضیٰ کے کمرے میں رات گئے آنسو اور سسکیاں رقص کرتے تھے!!!

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کسی مکاں کے دریچے کو وا تو ہونا تھا
مجھے کسی پہ کسی دن صدا تو ہونا تھا

میں جانتا تھا جبینوں پہ بل پڑیں گے مگر
قلم کا قرض تھا آخر ادا تو ہونا تھا

یہ کیا ضرور، پتا پوچھتے پھریں اُس کا
ملا ہی یوں تھا وہ جیسے جُدا تو ہونا تھا

وہ پچھلی رات کی خوشبو، رچی رچی سی فضا
سحر قریب تھی، وقفِ دُعا تو ہونا تھا

ہم ایک جاں، ہی سہی، دل تو اپنے اپنے تھے
کہیں کہیں سے فسانہ جُدا تو ہونا تھا

میں آئینہ تھا چھپاتا کسی کو کیا راحت
وہ دیکھتا مجھے جب بھی خفا تو ہونا تھا

ابنِ راحت چغتائی

سفر میں اپنے حصے کی مسافت یاد رہتی ہے
کہیں آبلہ ہونے پر بھی ہجرت یاد رہتی ہے

کسی صحرا کو پیاسا چھوڑ جاتا ہے کبھی دریا
کبھی پیاسے کو دریا کی سخاوت یاد رہتی ہے

یہ سچ ہے پیار پہلا ہی بسا رہتا ہے سانسوں میں
یہ سچ ہے عمر بھر پہلی محبت یاد رہتی ہے

نظر میں زندہ ہو جائے تو منظر مر نہیں سکتا
دلوں میں جس طرح کی ہو حکومت، یاد رہتی ہے

کہاں تاثیر رکھتی ہے کسی کی مطلبی بخشش
کسی کی بے غرض لیکن عنایت یاد رہتی ہے

نثار ترابی

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM

سویرے اُٹھ کر
میں اپنی بے خواب شب کا غصہ اُتار دوں تم پر
پراٹھا تلتے ہوئے مرے ہاتھ پر گرے گرم گھی
کا چھینٹا
تو تلملا کر کہوں کہ یہ سب ہے
تمہارے چہرے پر رُکنے والی نگاہِ اوّل
کا شاخسانہ
جو سُوٹ پہنوں وہ فٹ نہ آئے
اور اُس کے میچنگ کپڑے بھی ہاتھوں کو
چھیلتے ہوں
تو بڑبڑا کر میں پاؤں پٹخوں
کہوں کہ اس گھر میں ہے نحوست
جہاں پہ پُھوٹی ہے میری قسمت
پہن کر سینڈل میں اُتروں زینے
تو اونچی ایڑی ذرا سی پھسلے
سنبھل کے میں تم پہ ایک ایسی نگاہ ڈالوں
جو کہہ رہی ہو
کہ "سب تمہارا کیا دھرا ہے"
جو گھر سے نکلوں
تو گیٹ یوں بند کر کے جاؤں
کہ بم دھماکے کا شائبہ ہو
پلٹ کے آؤں تو
تنتناتے ہوئے میں سر سے اُتار دوں چادر
اور اس کا گولا بنا کے صوفے پہ ایسے پھینکوں
کہ گویا گھر آ کے میں نے سب پر
عظیم احسان کر دیا ہے
یہ سب اگر ہو...!
مگر یہ کرِ خدا
اس کہانی میں یوں نہیں ہے
حمیدہ شاہین

چہرے

کچھ چہرے ایسے ہوتے ہیں
پل بھر کو آنکھ میں آتے ہیں
اور برسوں دل میں رہتے ہیں

چھاؤں چھاؤں جیسے چہرے
سچے خوابوں جیسے چہرے
ننھے بچوں جیسے چہرے

چہرے موم کی گڑیوں جیسے
اوس نہائی پریوں جیسے
شاخ پہ بیٹھی چڑیوں جیسے

عبیداللہ علیم

اوکاڑہ

اسماء کی مسکراہٹیں

معصومیت

استاد نے پرائمری کلاس کے طالب علم سے پوچھا۔

"ارشد! کل تم اسکول کیوں نہیں آئے؟"

"سر! کل میرے دانت میں شدید درد تھا۔" ارشد نے جواب دیا۔

"آج تو درد نہیں ہے؟" استاد نے ہمدردی سے پوچھا۔

"معلوم نہیں سر!" ارشد نے کہا۔

"کیا مطلب..... تمہیں اپنے دانت کے درد کا پتا نہیں۔ اس کا مطلب ہے تم جھوٹ بول رہے ہو؟" استاد نے برہم ہو کر کہا۔

"نہیں سر! دراصل میرا دانت کل ہی دندان ساز نے نکال دیا تھا۔" ارشد نے معصومیت سے جواب دیا۔

بیان

جج نے ملزمہ سے سوال کیا۔ "تمہارا کہنا ہے کہ تم نے شوہر کے سر پر کرسی دے ماری اور وہ ٹوٹ گئی۔"

"مگر میرا ایسا ارادہ نہ تھا۔" ملزمہ نے صفائی پیش کی۔

"یعنی تمہاری نیت حملہ کرنے کی نہیں تھی۔" جج نے پوچھا۔

"میری نیت کرسی توڑنے کی نہیں تھی۔" ملزمہ نے جواب دیا۔

فائدہ

بیوی نے ڈاکٹر سے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب! میرا شوہر جب بھی گھر آتا ہے تو آتے ہی لڑائی کر کے مجھے مارنا پیٹنا شروع کر دیتا ہے۔"

"وہ جب گھر آئے تو پندرہ منٹ تک ٹوتھ پیسٹ سے دانت صاف کیا کرو۔" ڈاکٹر نے مشورہ دیا۔ کچھ دنوں بعد بیوی نے کلینک جا کر ڈاکٹر سے کہا۔

"ٹوتھ پیسٹ کرنے کا اتنا فائدہ ہوا ہے کہ اب میرا شوہر مجھے کچھ نہیں کہتا۔"

"یہ فائدہ ٹوتھ پیسٹ سے نہیں' زبان بند رکھنے سے ہوا ہے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

تشریحات

بدقسمتی: بحری جہاز کی تباہی کے بعد وہ ایک ویران جزیرے پر جا پہنچا' لیکن بدقسمتی نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ تھی۔

شرمندگی: اس نے چابی کے سوراخ سے آنکھ لگا کر اپنے پڑوسی کے فلیٹ میں دیکھنے کی کوشش کی مگر وہاں پہلے ہی ایک آنکھ موجود تھی۔

ملے جلے جذبات! آپ کی ساس آپ کی نئی کار مانگ کر لے جائے اور ریلوے کراسنگ پر ٹرین کی زد میں آجائے۔

تشویش

ایک بچہ تاخیر سے اسکول پہنچا تو ٹیچر نے وجہ دریافت کی۔ بچے نے بتایا۔ "امی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ انہیں اسپتال لے جانے کی تیاری ہو رہی تھی۔ مجھے اپنا ناشتا خود بنانا پڑا' اس لیے دیر ہو گئی۔"

ٹیچر نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری امی کو کہیں چھوت (ایک دوسرے کو لگنے والی بیماری) کی بیماری نہ ہو۔ تمہاری وجہ سے وہ بیماری ہم سب کو بھی لگ سکتی ہے۔ کل اپنی امی سے بیماری کے بارے میں اچھی طرح پوچھ کر آنا۔"

URDU SOFT BOOKS DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دوسرے دن بچے نے کلاس میں آکر ٹیچر کو بتایا۔
"میری امی کہہ رہی تھیں کہ اگر آپ کی شادی نہیں ہوئی تو یہ بیماری آپ کو نہیں لگ سکتی تھی کیوں کہ کل میرا چھوٹا بھائی پیدا ہوا ہے۔"

باراتی گھوڑا

ایک تانگے میں بہت سی سواریاں بیٹھی تھیں۔ گھوڑا اچانک چلتے چلتے رک جاتا اور کوچوان نیچے اتر کر اس کے سامنے ناچنے گانے لگتا تو گھوڑا فوراً چل پڑتا۔ جب دو تین بار ایسا ہوا تو سواریوں نے تنگ آکر پوچھا۔ "بھئی تانگے والے یہ کیا معاملہ ہے۔ تمہارا گھوڑا گانا سن کر کیوں چلتا ہے؟" تانگے والے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ "دراصل یہ گھوڑا باراتی ہے اور گانا سن کر ہی چلتا ہے۔"

واک

شوہر: "تم میرے ساتھ واک پر چلو گی۔"
بیوی: "تمہارا مطلب ہے کہ میں موٹی ہو گئی ہوں؟"

شوہر: "اوکے! انہیں پسند تو مت چلو۔"
بیوی: "تمہارا مطلب ہے کہ میں سست ہوں؟"
شوہر: "غصہ کیوں کر رہی ہو؟"
بیوی: "تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں ہمیشہ جھگڑا کرتی ہوں؟"
شوہر: "میں نے ایسا تو نہیں کہا۔"
بیوی: "تمہارا مطلب میں جھوٹ بول رہی ہوں؟"

شوہر: "اوکے بابا! مت جاؤ، میں اکیلا ہی چلا جاتا ہوں۔"
بیوی: "مجھے یہ بتاؤ کہ تم اکیلے ہی کیوں جانا چاہتے ہو؟"
شوہر: "اف" (اس نے اپنے سر کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ لیے)

فیس

نکاح کے بعد دولہا نے مولوی صاحب سے پوچھا۔
"آپ کی فیس؟"
مولوی صاحب نے کہا۔ "بیوی کی خوب صورتی کے مطابق دے دو۔"
دولہا نے سو روپے مولوی صاحب کو دے دیے۔ انہیں بہت غصہ آیا لیکن چپ رہے۔ اچانک ہوا سے دلہن کا گھونگھٹ ہٹ گیا۔ مولوی صاحب نے مسکرا کر کہا۔
"بیٹا یہ لو بقایا اسی روپے۔"

چینل نمبر 420

ایک دن میں گھر میں اکیلی تھی کہ اچانک میری ہونے والی نند آگئی۔ دروازے پر اس کی آواز سن کر میں تو بس چکرا کر رہ گئی کہاں منگنی والی میک اپ شدہ تصویریں اور کہاں میرا اصل چہرہ اس بری حالت میں، لیکن شکر ہے کہ مجھے ایک ترکیب سوجھ گئی۔ میں نے جھاڑو ہاتھ میں پکڑی، دروازہ کھولا اور کہا۔ "جی! کس سے ملنا ہے آپ کو؟"
"ماسی! مجھے تبسم سے ملنا ہے، میں اس کی ہونے والی نند ہوں۔"
"جی! وہ تو اپنی امی کے ساتھ مارکیٹ گئی ہیں۔" میں نے کہا۔
"اچھا میں چلتی ہوں تم انہیں میرا بتا دینا۔"
"شکر ہے کہ عین وقت پر میری حاضر دماغی کام آگئی اور میرا بھرم بھی رہ گیا۔"

شگفتہ جاہ

حسین خیالوں کی گلیاں / دلوں کو چھونے والی باتیں

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
• جس نے ایسا کام کیا، جس کی بابت ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ (کام) مردود ہے۔"

(مسلم)

فوائد و مسائل۔

1۔ اس کی بابت ہمارا حکم نہیں ہے کا مطلب ہے اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے نہ اس پر شریعت ہی دلالت کرتی ہے۔

2۔ اس سے واضح ہے کہ بدعات اور خلاف شرع کام مردود ہیں۔ ایک مسلمان کا کام اتباع ہے نہ کہ ابتداع (بدعت سازی) اور حکم عدولی ہے۔

عالم اور عابد میں فرق،

شیخ سعدی فرماتے ہیں۔
خدا کا ایک نیک بندہ صوفیا کی محبت کے عہد کو توڑ کر خانقاہ چھوڑ کر مدرسے میں آگیا۔ یعنی طالب علمی اختیار کرلی۔ میں نے اس سے پوچھا۔
• عالم اور عابد میں تو نے کیا فرق دیکھا کہ عابدوں کو چھوڑ کر عالموں کی غلامی اختیار کی؟"
اس آدمی نے کہا۔" وہ صوفی موج سے صرف اپنی کملی باہر لے جاتا ہے یعنی صرف اپنی ذات کو بچاتا ہے اور یہ عالم ہر ڈوبتے کو نکالنے اور بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے عالم کا مرتبہ عابد سے زیادہ ہے۔"
علما جو نصیحت کریں انہیں عقیدت سے سننا اور عمل کرنا چاہیے ان کے عمل پر دھیان نہیں دینا چاہیے۔

(گلستان سعدی)

دوستوں کی پہچان،

جب آپ عروج پر ہوتے ہیں تو آپ کے دوستوں کو پتا چلتا ہے کہ آپ کون ہیں۔
اور جب آپ زوال پر ہوتے ہیں تو آپ کو پتا چلتا ہے کہ دوست کون ہیں!
ہزار دوستوں سے بہتر وہ ایک دشمن ہے جو کھل کر مخالفت تو کرتا ہے لیکن منافقت نہیں۔

مسرت الطاف احمد۔ کراچی

ایک کام،

مولانا رومیؒ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ میں یہاں ایک چیز بھول گیا ہوں۔"
مولانا رومیؒ نے فرمایا:" دنیا میں صرف ایک چیز ایسی ہے جسے فراموش نہیں کرنا چاہیے۔
بادشاہ نے ایک معین کام کے لیے تمہیں گاؤں بھیجا۔ تم نے وہاں سینکڑوں کام کیے اور وہی کام انجام نہ دیا جس کے لیے تمہیں بھیجا گیا تھا۔ تو تم نے کچھ نہ کیا۔
چنانچہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ایک کام کے لیے بھیجا ہے اور وہی اس زندگی کا مقصد ہے جب انسان نے وہی انجام نہ دیا تو فی الحقیقت اس نے کچھ بھی نہ کیا۔

(رومی کا پیام عشق۔ پروفیسر لطیف اللہ)

حضرت عمرؓ نے فرمایا،

٭ جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھ کو اس کی عقل کا اندازہ ہو جاتا ہے
٭ پیسہ سر اونچا کیے بغیر نہیں رہتا۔

٭ کفر بدترین شے ہے، اس کے بعد ایک تیز زبان اور بد خلق بیوی سے بدتر کوئی شے نہیں اس طرح ایمان بہترین شے ہے۔ اس کے بعد ایک خوش خلق محبت کرنے والی بیوی سے بہتر کوئی شے نہیں۔

٭ انسان کی عجیب حالت ہے، اس کے بیل گدھے میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو اس کی اصلاح کے لیے دوڑ دھوپ کرتا ہے مگر اس کی ذات میں جو خرابیاں پیدا ہو جائیں ان کی طرف توجہ نہیں دیتا۔

عمارہ رفیق فاضل پور

نقد انعام،

حضرت امام بن حنبل کے زمانے میں ایک شخص جس کا نام تھا بشر حافی۔ یہ شراب نوشی کا عادی تھا۔ شراب کی حالت میں ایک دن راستے میں ایک کاغذ ملا، جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی تھی۔

اگرچہ بشر حافی نشے کی حالت میں تھا۔ مگر اس نے بڑی عقیدت سے اس کاغذ کو اٹھا کر جلدی سے صاف کیا، عطر لگایا، بوسہ دیا اور جا کر گھر میں اونچے طاق پر رکھ دیا۔

اسے رات کو خواب میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ندا دی گئی۔

"اے بشر! تم حالت مدہوشی میں تھے، شراب پیے ہوئے تھے لیکن تم نے میرا نام ادب سے زمین سے اٹھایا، عطر لگایا اور اس کا بوسہ لیا۔ اس وقت بھی تم مجھ سے بے ہوش نہ تھے۔ تم نے ہم کو یاد رکھا۔ اس کے صدقے میں ہم آج سے تم کو اپنا ولی بناتے ہیں۔"

اس کے بعد بشر حافی نے شراب نوشی اور گناہوں کی زندگی سے توبہ کر لی اور حق تعالیٰ سے لو لگا کر درجہ ولایت پر فائز ہو گئے۔

ایسے حکمران،

جب اسکندریہ فتح ہوا تو سالار لشکر عمرو بن العاص نے معاویہ بن خدیج کو قاصد بنا کر مدینہ بھیجا اور کہا۔

"جس قدر جلدی جا سکتے ہو، جاؤ اور امیر المومنین کو مژدہ فتح سناؤ۔"

حضرت معاویہ ٹھیک دوپہر کے وقت مدینے میں داخل ہوئے اور اس خیال سے کہ آرام کا وقت ہے، امیر المومنین کے گھر نہیں گئے بلکہ مسجد نبوی کا رخ کیا۔ راستے میں امیر المومنین کی لونڈی ملی۔ اس نے جا کر حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ اسکندریہ سے قاصد آیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ "جاؤ فوراً قاصد کو یہاں بلا لاؤ۔"

لونڈی نے جا کر قاصد سے کہا کہ تم کو امیر المومنین بلاتے ہیں لیکن حضرت عمرؓ حالات جاننے کی جلدی میں قاصد کے آنے کا انتظار بھی نہ کر پائے بلکہ خود چادر سنبھال کر چلنے کے لیے تیار ہوئے۔

اسی وقت معاویہؓ آ گئے۔ حضرت عمرؓ نے فتح کا حال سنا تو زمین پر گر پڑے۔ سجدہ ریز ہو کر خدا کا شکر ادا کیا۔ منادی کر کے تمام لوگوں کو مسجد میں جمع کیا۔

حضرت معاویہؓ نے فتح کے حالات بیان کیے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ ان کو اپنے گھر لائے، کھانا کھلایا۔

کھانے سے فراغت کے بعد امیر المومنین نے پوچھا۔

"تم مدینے میں داخل ہو کر سیدھے میرے پاس کیوں نہ چلے آئے؟"

حضرت معاویہؓ نے جواب دیا۔ "چونکہ یہ آرام کا وقت ہے، اس لیے میں نے خیال کیا کہ شاید آپ سوئے ہوں اور میری وجہ سے آپ کے آرام میں خلل واقع ہو۔"

یہ سن کر آپؓ نے فرمایا۔ "افسوس تم میرے بارے میں یہ خیال رکھتے ہو۔ (اگر میں دن کو سویا کروں) تو خلافت کا بار کون سنبھالے گا۔"

سلطنت کی حقیقت،

جب بایزید یلدرم گرفتار ہو کر امیر تیمور کے حضور پیش ہوا اور امیر نے اسے غور سے دیکھا تو ہنس پڑا۔ بایزید نے اس حرکت سے ناراض ہو کر امیر کو کہا۔

"تم کو اپنی فتح مندی پر اس قدر اترانا نہ چاہیے عزت و دولت منجانب اللہ ہے اور ممکن ہے کہ جس طرح تم آج فتح یاب ہوئے ہو کل میری طرح پکڑے جاؤ۔"

امیر نے جواب دیا۔ "دنیا اور اس کے جاہ و دولت کی بے ثباتی سے خوب واقف ہوں اور خدا نہ کرے کہ میں اپنے کسی مغلوب دشمن کی ہتک کروں اور میری ہنسی کا سبب یہ نہ تھا کہ تمہاری ذلت دکھاؤں بلکہ مجھے ہنسی دیکھ کر اپنی اور تمہاری بدصورتی نے بے اختیار ہنسا دیا۔ کیونکہ تم کانے اور میں لنگڑا ہوں اور یہ بات میرے دل میں گزری کہ تاج سلطنت ایسی کیا چیز ہے؟ جس کو پا کر بادشاہ اپنی ہستی بھول جاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کو ہم جیسے بندوں کو عطا کرتا ہے جو کانے اور لنگڑے ہوں۔"

(برنیئر کا سفر نامہ ہند" ڈاکٹر فرانسس برنیئر)

عائشہ رباب۔ کراچی

شادی کی تقریب،

سیدنا علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم کی بیٹی حضرت فاطمہ کا اپنے لیے رشتہ مانگا۔ اس موقع پر اپنی زرہ اور دیگر کچھ سامان بیچا، جس سے چار سو اسی درہم حاصل ہوئے۔ نبی کریم نے حکم دیا کہ ان میں سے ایک تہائی رقم کی خوشبو خرید لو اور دو تہائی رقم کے کپڑے۔

بنو عبدالمطلب اور صحابہ کرام نکاح کی تقریب سعید کے بعد اکٹھے ہوئے۔ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب نے اپنے چند اونٹ ذبح کیے اور لوگوں کو کھانا کھلایا۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا شادی کے بعد اپنے خاوند کے گھر منتقل ہوئیں۔ سیدنا علی المرتضیٰ فرماتے ہیں۔

"جب میری شادی سیدہ فاطمۃ الزہراؓ سے ہوئی تو ہمارے پاس مینڈھے کی ایک کھال تھی جسے ہم رات کو بستر کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اور دن کو ہم اسے رکھ چھوڑتے تھے۔ ہمارے پاس کوئی خادم بھی نہ تھا۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لاڈلی بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہرا میرے نکاح میں دیں تو ان کے ہمراہ ایک چادر، ایک تکیہ جس میں روئی بھری ہوئی تھی۔ ایک چکی، ایک مشکیزہ اور دو گھڑے میرے گھر بھیجے۔ چکی چلانے سے سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے ہاتھوں پر نشان پڑ گئے تھے مشکیزے سے انہوں نے پانی ڈھویا جس سے ان کے گلے پر نشان پڑ گیا تھا۔

انہوں نے گھر استوار کیا، جس سے ان کے کپڑے غبار آلود ہو گئے۔ ہنڈیا تلے وہ آگ جلاتیں، جس سے ان کے کپڑے میلے ہو جاتے۔

اللہ سے دوستی،

روحانیت کی راہ پر چلنا ہے تو دل سے کینہ، حسد، بغض، نفرت، تکبر اور انا کو نکالنا پڑے گا۔ اللہ کی دوستی حاصل کرنی ہے تو اس کے بندوں پر مہربان ہونا پڑے گا۔ کیونکہ عبادت کرنے سے پارسائی ملتی ہے اور نیکی کرنے سے رب ملتا ہے۔

(اشفاق احمد)

حیا رانا۔ کبیر والا

موتی کی حقیقت،

ایک برا اور بدنام شخص علم و دانائی کی باتیں کر رہا تھا۔ لوگوں نے اس کا مذاق اڑایا اور کہا۔

"بھلا اس کی باتیں ہم کیوں سنیں؟ یہ تو ایک نہایت برا اور بدنام زمانہ شخص ہے۔"

وہیں سقراط بھی موجود تھا۔ اس نے کہا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ یہ شخص جو قیمتی باتیں کر رہا ہے انہیں غور سے سنو اور ذہن نشین کر لو۔ کیونکہ اس شخص کی حیثیت غوطہ خور جیسی ہے۔ غوطہ خور کے ذلیل ہونے سے موتی کی قیمت پر کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔"

ساجدہ افتخار۔ نامعلوم

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

خالدہ جیلانی

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

فوزیہ ثمر بٹ ـــــــ گجرات

یہ اور بات ہمیں دوستی نہ راس آئی
ہوا تھی سایہ تو خوشبو مقام رکھتے ہیں
نجانے کون سی رُت میں بچھڑ گئے وہ لوگ

ریحانہ چوہدری ـــــــ مدوکے

قبروں میں نہیں ہم کو کتابوں میں اتارو
ہم لوگ محبت کی کہانی میں مرے ہیں

بیلا علی بخش ـــــــ سرگودھا

رہِ وفا میں اذیت شناسیاں نہ گئیں
کسی بھی رُت میں ہماری اداسیاں نہ گئیں

نجبہ اکرم ـــــــ گاؤں گوریکی

اکیلے ہیں وہ اور جھنجلا رہے ہیں
مری یاد سے جنگ فرما رہے ہیں

نورینہ حنیف ـــــــ کندن کالونی

وقتِ رخصت کہیں تارے کہیں جگنو آئے
ہار پہنانے مجھے پھول سے بازو آئے
اس نے چھو کر مجھے پتھر سے انسان کیا
مدتوں بعد مری آنکھ سے آنسو آئے

نمرہ، اقرا ـــــــ کراچی

کہاں کے عشق و محبت، کدھر کے ہجر و وصال
ابھی تو لوگ ترستے ہیں زندگی کے لیے

حورین زینب ـــــــ کہروڑ پکا

رونقیں تھیں جہاں میں کیا کیا کچھ
لوگ تھے رفتگاں میں کیا کیا کچھ
کیا کہوں اب کے تمہیں خزاں والو
جل گیا آشیاں میں کیا کیا کچھ

گیلانی سسٹرز ـــــــ کہروڑ پکا

ہم نے دیکھے ہیں وہ سناٹے بھی
جب ہر ایک سانس صدا ہوتی ہے

صائمہ یحییٰ ـــــــ کراچی

آتش غم کے سیلِ رواں میں نیندیں جل کر راکھ ہوئیں
پتھر بن کے دیکھ رہا ہوں آتی جاتی رُتوں کو میں

آسیہ فرید ـــــــ ملتان

کسی کا عشق کسی کا خیال تھے ہم بھی
گئے دنوں میں بہت باکمال تھے ہم بھی
زمیں کی گود میں سر رکھ کے سو گئے آخر
تمہارے ہجر میں کتنے نڈھال تھے ہم بھی

شاہدہ عبدالقیوم ـــــــ بنگہ چیمہ

دل میں وہم و گماں نہ تھا تیری جدائی کا
اب حشر تک دید کو ترسیں گی میری آنکھیں
کوئی کہتا ہے مرہم ہے وقت ہر گھاؤ کا
قیامت تک رہ رہ کر برسیں گی میری آنکھیں

ثریا شاہ ـــــــ کہروڑ پکا

ہم سے زندگی کی حقیقت نہ پوچھو دوستو
بہت پُر خلوص لوگ تھے جو تنہا کر گئے

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ـــــــ کورنگی کراچی

رونے سے نہیں کچھ حاصل اے دلِ سودائی
آنکھوں کی بھی بربادی، دامن کی بھی رسوائی
ہم لوگ سمندر کے بچھڑے ہوئے ساحل ہیں
اس پار بھی تنہائی، اُس پار بھی تنہائی

گیلانی سسٹرز ـــــــ کہروڑ پکا

کچھ تجھ کو محبت پہ یقیں تھا نہ وفا پر
کچھ دُکھ میری تقدیر میں لکھا بھی بہت ہے
بینائی اندھیروں سے بھلا کیسے بچاتا
اک شخص تیرے ہجر میں جاگا بھی بہت ہے

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

خط آئے

رضیہ جمیل

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع۔ 37۔ اردو بازار، کراچی۔
Email: shuaa@khawateendigest.com

آپ کے خط اور ان کے جواب کے ساتھ حاضر ہیں۔
رب کریم آپ پر، ہم سب پر اپنا فضل، رحمت، برکت نازل فرمائے۔
ہم کو، ہمارے وطن کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

پہلا خط گشن گڑھ سے ثوبیہ نور کا ہے، لکھتی ہیں

"کوئی بھی موسم ہو، دل میں ہے تیری یاد کا موسم۔"
کس کی یاد کون؟ کب؟ کیسے؟ تو اس کا مطلب ہے کسی کی نہیں، یہ مصرع تو ویسے ہی موسم کی مناسبت سے ذہن میں آگیا، ویسے کتابوں میں تو ہم نے چار موسموں کے متعلق پڑھا ہے، مگر..... بہار سے کبھی تسلی بخش ملاقات اس لیے نہیں ہوئی کہ ہمارا خیال ہے کہ ہمارے ہاں مارچ سے بہار نہیں گرمی شروع ہوئی اور ہمارے ذہن میں جو دو نشانیاں بہار کے آنے کی محفوظ ہیں، ایک تو ہے پھولوں کا کھلنا، تو جناب ہمارے نیم پر پھول کھلتے تو ہیں، مگر ننھے منے سے سفید پھول، مگر انہیں جوڑے میں نہیں ٹانکا جا سکتا۔ اور دوسری نشانی، دیوانوں کا گریباں چاک کیے گلیوں میں نکل آنا، تو بہار کے دیوانے شاید اب سیانے ہو گئے ہیں یا شاید مہنگائی کے باعث وہ اب دامن کے چاک اور گریباں کے چاک سے احتراز برتنے لگے ہیں یا پھر انہیں ادراک ہو گیا ہے کہ میر تقی میر تو اب اس دنیا میں رہے نہیں تو اس کھڑاک کی کیا ضرورت ہے تو ہمارے یہاں جو موسم آتا ہے اور پھر جانے کا نام نہیں لیتا، وہ ہے گرمی کا موسم، مچھر کا موسم۔

بات جب موسم کی چلی تو دور تلک گئی۔ یکم اپریل کی شام کو جب شعاع ہاتھ میں آیا، تو ہم نے جلدی سونے کے وعدے سے نظریں چرا کر "رقصم" نکال لیا۔ پھر مچھروں نے بہتیری دھمکیاں دیں، اندھیری رات نے پوری طرح پر پھیلا دیے۔ بجلی کی آمد و رفت جاری رہی، مگر ہم پر چھائی بے خودی پر کوئی چیز اثر انداز نہ ہو سکی، منال کی محرومیوں پر آنسو بھی جاری رہے جنہیں روکنے کی ہم نے قطعاً کوشش نہیں کی، کیونکہ سنتے ہیں کہ شبنم کے قطرے پھولوں کو نکھارا کرتے ہیں۔ آنسوؤں کا دوسرا دور ماہ نور کے آنسوؤں کا ساتھ دینے کا شاخسانہ تھا۔ نادیہ جہانگیر کا نام پڑھتے ہی وہ وقت یاد آیا جب نادیہ اور ثوبیہ کا نام لازم و ملزوم تھا۔ خدا ان کی مغفرت کرے۔ تیسرا دور کھری ہوئی دوپہر میں بجلی کی غیر موجودگی میں اور گل کی موت پر شعاع پر سر رکھے ہچکیوں اور سسکیوں سے موت کا سوگ منایا اور دیر تلک مناتے رہے۔ (اب تو آپ کو پتا چل گیا ہو گا۔) کتنا روتے ہیں دنیا کو ہنسانے والے..... آہم..... شہرزاد میں پھر ہادی کی چائے کا حشر بڑھ کر اپنی چائے کا غم غلط کیا۔ "ننا" میں کوثر خالد کی پیاری سی فیملی دیکھ کر اچھا لگا۔ "تاریخ کے جھروکے" میں ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی خوب صورت چاند نظر آئے۔ پیارے پیارے واقعات.....

ج پیاری ثوبیہ! پھول بالوں میں سجانے کے قابل نہیں تو شکر کا مقام یہ ہے کہ آپ کانٹوں سے بھی محفوظ ہیں، کسی شاعر نے کہا ہے نا۔

ہاتھ کانٹوں سے کرلیے زخمی
پھول بالوں میں اک سجانے کو

چار موسموں کی بات تو بس ایسے ہی کہی جاتی ہے، ہم کراچی والوں کے لیے تو بس ایک ہی موسم ہے گرمی کا موسم۔ تب ہی ہم نے کبھی گرم کپڑے نہیں خریدے۔ اگر آپ کے رخسار پھول جیسے ہیں تو پھر واقعی آنسوؤں نے انہیں

نکھار دیا ہوگا۔ اس لیے ہمیں آپ رونے کے تین ادوار کے بارے میں جان کر زیادہ افسوس نہیں ہوا۔ ویسے مثال پر تو آپ افسوس نہ کریں۔ اس کے بابا اس سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اب یہ اور بات ہے کہ وہ اس محبت کی کتنی قدر کرتی ہے۔

پطرس، ابن انشا اور یوسفی بننے کے بجائے افسانہ نگاری پر توجہ دیں۔ آپ میں افسانہ نگاری کی صلاحیت ہے۔

جویریہ ندیم نے گوجرانوالہ سے لکھا ہے

ہم پنجابیوں کے لیے اس سلسلے میں شامل ہونا جان جوکھوں کا کام ہے۔ ظاہر ہے پورا شمارہ پڑھ کر ہی تبصرہ کرسکتے ہیں۔ ٹائٹل کچھ خاص پسند نہیں آیا۔ "پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں۔" "مصیبت میں صبر کرنے کے بارے میں پڑھ کر دل میں ایک سکون اتر گیا۔ "رقصم" ایمل رضا نام ہی کافی ہے۔ بہت اچھی تحریر ہے۔ ثریا کوثر کی محبت پر تو رونے کو دل چاہ رہا تھا۔ "ہوئے جب ہم روبرو" بہت ہی سمپل کہانی۔ اتنی سادہ اور ہلکی پھلکی کہ پڑھتے ہوئے صاف پتا چل رہا تھا کہ اگلا سین کیا ہوگا۔ معذرت کے ساتھ، کافی گھسی پٹی کہانی تھی۔ صائمہ جی کی تو میں ویسے ہی بہت بڑی فین ہوں، ان کی تحریر پر گرفت بہت اچھی ہوتی ہے۔ درِ شہوار اس ناول کی جان ہے۔ "خواب شیشے کا" بہت دلچسپی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ "رقص بسمل" بالآخر اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔ ناول پڑھتے ہوئے مزا آیا، لیکن اوور آل کہانی پرانی انڈین فلموں کی یاد دلاتی ہے۔ گہری دوستی، دوستی میں دھوکا، بچے بڑے ہوکر ہیرو، ہیروئن بن گئے۔ بس گانوں کی کمی ہے۔ افسانوں میں "آگہی کے پل" سب سے اچھا لگا۔ نرگسی کوفتے بنانے کی ترکیب بتائیں۔

ج۔ پیاری جویریہ! آپ کا بے ساختہ اور بے تکلفانہ تبصرہ پڑھ کر بڑا مزا آیا۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ شمارے کا حصول ہی مشکل مرحلہ ہے مگر آج پتا چلا کہ شمارہ پڑھنا بھی جان جوکھم کا کام ہے۔ بخدا ہم تو اسے تفریح کی نیت سے شائع کرتے ہیں۔ سمپل کہانی، سمپل مزاج بندوں کے لیے تھی۔ آئندہ مشکل پسندوں کے لیے مشکل کہانی کا انتخاب کریں گے اور ثریا بانو کی محبت پر آپ کو رونا کیوں آیا۔

سکندر احمد کوئی شے تو نہیں تھے جو ثریا کوثر انہیں حاصل کرنا چاہتی تھی۔ خود غرضی کی انتہا ہے کہ ایک شخص آپ کو پسند نہیں کرتا، آپ پھر بھی اس کے سر پر مسلط ہونا چاہتی ہیں۔ یک طرفہ عشق تو ویسے بھی دماغ کا خلل ہوتا ہے۔ اپنے قیمتی آنسو اس طرح کے لوگوں پر ضائع نہ کریں۔

مدثرہ مجید نے گ، ب گرالہ فیصل آباد سے لکھا ہے

فورتھ کلاس میں تھی جب کی شعاع چھپ چھپ کر پڑھتی تھی اور اب تو بی اے کرلیا، اب میرا بھی دل کرتا ہے کہ کاش میں بھی رائٹر بنوں، مگر سپورٹ کرنے والا کوئی نہیں مجھے، ڈر لگتا کہ مذاق ہی نہ بن جائے سب کے لیے اور آخر میں درخواست کہ پلیز "رقص بسمل" کو اتنا شارٹ نہ دیا کریں آپ۔ میری پوئٹری بھی شامل کرنا ضرور۔

ج۔ پیاری مدثرہ! خط تو آپ بنا ڈرے، جھجکے لکھ سکتی ہیں مگر کہانی لکھتے وقت جو آپ کو ڈر محسوس ہو رہا ہے۔ غالباً آپ کو بالکل ٹھیک محسوس ہو رہا ہے۔ شاعری کے لیے تو معذرت چاہتے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ آپ کا پچھلا خط شامل نہ ہوسکا۔"

اقرا الیاس، مرید کے ضلع شیخوپورہ سے لکھتی ہیں

سب سے پہلے "پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں" پڑھیں، اس کے بعد انٹرویوز کو چھوڑ کر "شہر زاد" کو کھولا، صائمہ کرم چوہدری بہت اچھی رائٹر ہیں۔ یہ ناول میں پوری دل جمعی اور مزے سے پڑھتی ہوں۔ "خواب شیشے کا" عفت سحر نے "بن مانگی دعا" کی طرح اس میں بھی سسپنس چھپا رکھا ہے۔ میر آفندی کو منظر عام پر کیوں نہیں لا رہی ہیں۔ ام ایمان قاضی کے ناول میں ملیحہ جیسی خود غرض اور مغرور لڑکیوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ نادیہ جہانگیر کا ناول کچھ فضول سا لگا اور افسانوں میں "بھرم" اچھا لگا۔

میری ایک دوست جو کہ اچھے خاصے ڈائجسٹ پڑھ چکی ہے، اب تین بیٹیوں کی والدہ ہے۔ ڈائجسٹ کے بارے میں اس کا کہنا ہے کہ ان کو پڑھ کر لڑکیاں خیالی دنیا میں کھو کر اپنے ذہن میں ایک آئیڈیل بنا لیتی ہیں۔ مگر میں کہتی ہوں کہ یہ صرف اپنی اپنی سوچ کی بات ہے۔ میرا نہیں خیال کہ مجھے کبھی ایسا فیل ہوا ہو۔ مجھے اس بات کا جواب ضرور

دیکھیے گا کہ کس کی سوچ کتنی اچھی ہے یا دونوں کی ہی سوچ کتنی حد تک اچھی ہے۔

ج: پیاری اقرا! کہانیوں میں وہی کچھ لکھا جاتا ہے جو حقیقت کی دنیا میں ہمارے اردگرد ہوتا ہے۔ صرف دلچسپی بڑھانے کے لیے اس میں تھوڑی سی رنگ آمیزی کردی جاتی ہے۔ کچھ خوب صورت الفاظ، کچھ شاعرانہ انداز، ہیرو اور ہیروئنز کی تعریفوں میں تھوڑا سا مبالغہ۔ ہماری کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ ہر کہانی میں کوئی نہ کوئی پیغام یا مقصد ضرور ہو۔ اب یہ اور بات ہے کہ کہانی کے مقصد اور پیغام پر توجہ دینے کے بجائے کچھ قارئین "ہیرو" کے خواب دیکھنا شروع کردیں۔ زندگی کا حسن توازن سے ہے، دل کے بہلانے کو کچھ خواب بھی دیکھ لیے جائیں تو کوئی حرج نہیں، لیکن خوابوں میں رہنا اور حقیقت کو قبول نہ کرنا غلط ہے۔

رمشا کوٹ وارخانانوالہ ضلع شیخوپورہ سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

اس ماہ کا ٹائٹل بالکل سادہ سا دل موہنے والا۔ حمد و نعت بہت پیاری تھیں۔ افسانے سب اچھے تھے۔ "میں ہوں ہیرو تیرا" افسانوں میں سب سے بڑھ کر اچھا لگا۔ باقی سلسلے بھی بہت اچھے جارہے ہیں۔ "ہوئے جب ہم روبرو" مریم عزیز کا ناول بہت اچھا لگا۔ نوفل اور سبطین کی نوک جھونک پڑھ کر بہت زیادہ ہنسی بھی آئی۔ (آپی ہنسانے کے لیے شکریہ۔) "پیا کا رنگ" "ماہ نور کا بھولا پن بہت پیارا لگا۔

(ویسے آپی نادیہ جہانگیر سے یہ پوچھنا تھا کہ تعویز صرف خودکش بمبار ہی گلوں میں پہن سکتے ہیں اور یہ بازل نے کس شوق میں پہن رکھا تھا۔) ام ایمان کی "دل کے مکین" بھی بہت پیاری تحریر تھی۔ ویسے خود غرض ملیحہ بہت بری لگی۔ "رقصم" آپی ایمل کی "ڈورس اور منال کی لڑائی نے اور احد نے تو ہمیں ہنسا ہنسا کر دہرا ہی کردیا۔ بہت ہی مزے کی تحریر ہے۔ لیکن ڈورس کو اس کے پاپا نے بہت بگاڑا ہوا ہے۔ کیسے بھائیوں کی حق تلفی بھی کرجاتی ہے۔ مجھے تو یہ عادت بہت ہی بری لگی۔ سو آگے چل کر دیکھیں گے کیا بنتا ہے۔ ویسے ایمل نے صرف عجم کا نام بتا کر ہماری سانسیں ہی روک دی تھیں۔ "رقص بسمل" کا اینڈ بھی اچھا ہی ہوگا۔ "شہرزاد" میں یہ ہم زاد کون ہے، جلدی بتا دیں۔ اگر برہان ہی ہم زاد ہوا تو انابیہ بے چاری کا کیا بنے گا۔ وہ تو جوگ ہی لے کر بیٹھ جائے گی۔ ہادی تو درشہوار کے ساتھ بدتمیزی نہیں کرتا، پھر درشہوار کو کیوں دورہ پڑتا ہے۔ ویسے پڑھ کر بہت مزا آتا ہے۔ "خواب شیشے کا" آپی عفت بہت ہی زبردست لکھ رہی ہیں۔ آپی صائمہ نور اور کنیز فاطمہ کی پیش گوئی کے مطابق اگر مہو کا نکاح موحد سے ہوا ہے تو پھر نمیر کہاں گیا۔ پلیز اس الجھن کو جلد از جلد سلجھا دیں۔ یہ نہ ہو کہ اس امتحان میں الجھ کر میں فرسٹ ایئر کے امتحان میں ہی فیل ہوجاؤں۔ اود ردی کی ٹوکری کون سا خود خط کو آگے بڑھ کر کھاتی ہے۔ آپ کھلاتے ہیں تو وہ کھاتی ہے، آخر یہ ایک گزارش ہے کہ میکال ذوالفقار اور سائرہ چوہدری کا انٹرویو ضرور لیں۔

ج: پیاری رمشا! آپ ہماری ردی کی ٹوکری کو نہیں جانتیں۔ بہت شریر ہے۔ ہمارے ہاتھوں سے چھین کر خط ہڑپ کرجاتی ہے۔ ہم ٹھہرے معصوم اور شریف۔ اس کی اس حرکت پر ہکا بکا اسے دیکھ کر رہ جاتے ہیں۔ نمیر جو بھی ہے، سامنے آجائے گا۔ آپ دل لگا کر امتحان دیں۔ اب اتنی سی پریشانی میں آپ فیل ہوجائیں تو یہ کوئی سمجھ داری والی بات تو نہیں ہوئی نا؟

آپ کی فرمائش شاہین رشید تک پہنچا رہے ہیں۔ شعاع تو آپ کو پورا ہی بہت پسند آیا ہے۔ دعا ہے کہ یہ پسندیدگی ہمیشہ قائم رہے۔

عکاشہ انصاری نے حیدر آباد سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

اس ماہ کی ساری کہانیاں شان دار تھیں۔ خصوصاً"

ایمل رضا کی "رقصم" تو دل موہ گئی۔ اتنے شان دار آئیڈیاز آ کہاں سے جاتے ہیں ایمل جی! (کچھ کچھ یار م یاد آیا) "خواب شیشے کا" مہپارہ کے دکھ پر آنکھیں نم ہوگئیں۔ "رقص بسمل" نبیلہ جی! مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے آپ تیمور کو مارنے لگی ہیں؟ پلیز ایسا نہ کریں۔ (نہیں تو میں کٹی۔) "شہرزاد" میں میری دلچسپی کہانیوں میں کم اور گھر، ماحول و منظر نگاری میں زیادہ ہے۔ صائمہ آپی! اگر وہاں جانے کا اتفاق ہوا تو اس بنگلے کو ضرور دیکھوں گی، جس کے لان میں درشہوار برستی ہوئی بارش میں ریہرسل کررہی تھی اور وہ درخت بھی جہاں سے اس نے خوبانیاں توڑ کر کھائی تھیں۔ "پس آئینہ" دہرے معیار ہمارے معاشرے کا

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM